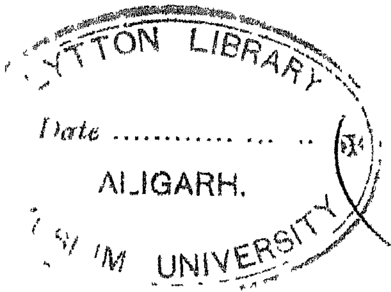
Presentation by
Ram Babu Saksena
Bara Banki
March 1955

ألا إن أولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون

سلسلۂ دار المصنفین

(نمبر ۴۷)



بزم صوفیہ

جس میں

تیموری عہد سے پہلے کے اکابر صوفیہ کے حالات و تعلیمات کی تفصیل اُن کے ملفوظات اور تصنیفات کی روشنی میں بیان کی گئی ہے،

مرتبہ

سید صباح الدین عبد الرحمٰن ایم۔اے

باہتمام:- مولوی مسعود علی صاحب ندوی

مطبع معارف اعظم گڈھ میں چھپی

سنہ ۱۳۶۹ھ
۱۹۴۹ء

فہرست مضامین

بزم صوفیہ

حضرت شرف الدین احمد منیریؒ

حضرت سید جلال الدین بخاری
مخدوم جہانیاں جہاں گشت
۳۹۴ - ۴۴۰

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی
۴۴۱ - ۴۸۲

تقریب

از مولانا عبد الماجد دریابادی

بزم صوفیہ کتاب تصوف کی نہیں، تاریخ کی ہے، گو وہ تاریخ صوفیہ ہی اسکی تالیف کا حق یقیناً مولف سید صباح الدین عبد الرحمن کو حاصل تھا، جو تاریخ کے پرانے متعلم اور اس اقلیم کے دیدہ ور فرد ہیں، تقریب نگاری کا حکم ایک ایسے عامی کو ملا ہے، جسے نہ تصوف سے مس، نہ تاریخ سے لگاؤ، تعمیل ارشاد میں آگے جو کچھ آرہا ہے، محض ایک عامیانہ خامہ فرسائی ہوگی،

کتاب میں ۱۹ ایسے اکابر شیوخ کے حالات، تعلیمات اور بعض کے خاصے مفصل، درج ہیں جو ہندوستان میں رہے بسے، جن سے امت کی شوکت و عظمت میں اضافہ ہوا، اور جنکی تعلیمات آجتک کسی نہ کسی حد تک تحریری شکل میں محفوظ چلی آتی ہیں، ان کی تاریخ قلمبند کرنا تاریخ امت کے ایک اہم و روشن باب کی تکمیل کرنی تھی،

ہندوستان کا لفظ ابھی استعمال ہوا ہے، یہ ذہن نشین رہے کہ اس سے مراد وہ ہندوستان ہے جس کے اندر پاکستان بھی شامل تھا، لاہور، ملتان وغیرہ، اب پاکستان کے علاقے ہیں، کتاب کی تسوید کے وقت ہندوستان میں شامل تھے،

دل کے سرگشتوں کی داستان کسی کی بھی ہو، دلچسپ ہوتی ہے، چہ جائیکہ ان بزرگوں کی سرگذشت جو فنائیت کے پتلے، تسلیم و رضا کے بندے اور محبت و محبوبیت کے مجسمے تھے، دلآویزی ان کے تذکروں میں بھی نہ ہوگی تو اور کہاں ملے گی، اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا

اور پھر جبکہ داستان گو خود داستان سرائی سے واقف اور اس فن مین منجھا ہوا ہو،

ذکر اُس پری وش کا اور پھر بیان اپنا

مولف سلسلہ کی حیثیت اس کتاب مین محض ایک ناقل اور محتاط ناقل کی ہے، ناقد یا تبصرہ نگار کی نہین، ملفوظات و مکتوبات کے انبار عظیم مین انھین جو کچھ اخذ و نقل کے قابل نظر آیا حسن ترتیب اور سلیقہ مندی کے ساتھ یکجا کر دیا، احتیاط اپنے نزدیک اسکی کرلی کہ جو امور خلاف شریعت یا بہت زیادہ مبالغہ آمیز نظر آئے، انھین نظر انداز کر دیا، لیکن اتنی احتیاط ناکافی رہی، کتاب مین خال خال نہین، کثرت سے مقامات ایسے آگئے ہین جن سے ایک سیدھے سادے متبع شریعت مسلمان کو وحشت ہو لازمی ہے، قصور مولف کا نہین، اصل ماخذون کا ہے ع

ہو غم ہی جانگداز تو غمخوار کیا کرین

اول تو یہ حضرات صوفیہ واللہ اعلم کن کن احوال و مقامات سے گذرتے رہتے ہین، ان کے سیر و سلوک کی بہت سی منزلین ہی ہم عوام و اہل ظاہر کے لیئے ناقابل فہم، اس پر طرہ ان کی خاص خاص اصطلاحات اور رمز و کنایے، لفظ بولا کچھ گیا، اور مراد اس سے کچھ لی گئی، اور سب سے بڑھکر خوش عقیدہ ملفوظ نویس حضرات کا عقیدہ تشدد اور غلو، کہین خاص کو عام کر دیا، کہین مواجید و کیفیات کو شرائع و احکام کا درجہ دے دیا، غرض بات کو کہین سے کہین پہنچا دیا،

ناظرین سے بادب استدعا ہے کہ کتاب کو سیر و تاریخ کی حیثیت سے پڑھین، عقائد و اعمال کا استناد و استنباط اس سے نہ کرنے لگین،

اسلامی تاریخ ہند کی اس محدود مدت مین ظاہر ہے کہ ان انیس ناموں کے علاوہ بھی بہت سے نام مل سکتے تھے، لیکن بہرحال وقت اور کاغذ کی گنجائش محدود ہی ہوتی ہے، اور دائرہ انتخاب کو کسی نہ کسی منزل پہ بند کرنا ہی تھا، مولف کا انتخاب ماشاء اللہ بہت خوب رہا، ایسا کہ اس ہمہ

بے اختیار صاد کرنے کا جی چاہتا ہے،

اللہ مولف سلمہٗ کی عمر اور وقت میں بہت بہت برکت دے، حصہ دوم کے لیے ابھی بڑا میدان پڑا ہوا ہے،

کتاب اردو کے متین و صالح ادب میں ایک شایستہ اضافہ ہے، اس کے پڑھنے والوں میں یقیناً بہت سے صالحین اور اہل دل ہوں گے، ان سے درخواست ہے کہ اپنی دعاؤں میں مولف کتاب کو، تقریب نگار کو اور ادارہ دار المصنفین کو فراموش نہ فرمائیں،

دریاباد، بارہ بنکی

۱۹ جنوری ۱۹۵۰ء مطابق ۲۹ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

صحابۂ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کی طرح صلحاء و اخیارِ امت کی زندگی بھی مسلمانوں کے لیے نمونہ ہے، اس لیے دارالمصنفین کے سلسلۂ سیر الصحابہ اور تابعین کے بعد سیرت صوفیہ کی بھی ضرورت تھی، اور یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، راقم سطور تاریخ ہند کا ایک ادنیٰ طالب علم ہے اس لیے اس کتاب کی ترتیب میں یہ بھی مطالعہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ خانقاہ کے بوریہ نشینوں نے اپنے عہد کے مسلمانوں کے مذہب، اخلاق، معاشرت اور سیاست کو کس طرح سنوارا، تاریخ ہند کے مطالعہ میں عموماً مسلمان حکمرانوں کے افعال و کردار سے اس زمانہ کے مسلمانوں کے اخلاق و سیرت کا اندازہ لگایا جاتا ہے، جو صحیح نہیں، ہندوستان میں صلحاء و مشائخ ہی نے اسلام کی معنوی شوکت و عظمت قائم کی، اس لیے ان کے حالات و تعلیمات کو ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ کا ضروری جزء سمجھنا چاہیے،

اب تک صوفیۂ کرام کے جتنے تذکرے لکھے گئے ہیں، ان میں زیادہ تر ان کی کرامات و خوارقِ عادات کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگانِ دین کی اصلی تصویر نظروں سے بالکل اوجھل رہی، ممکن ہے اس حقیر تالیف میں ناظرین کو ہندوستان کے مشائخ کی کچھ ایسی نئی تصویریں ملیں جو اب تک تذکروں میں شاید نہ مل سکیں،

اس کتاب میں صوفیۂ کرام کے کرامات و خوارقِ عادات کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا ہے کہ راقم ان کا قائل نہیں، بلکہ اس لیے کہ جس طرح بعض لوگوں کے نزدیک معجزہ نبوت کی دلیل

نہین، اسی طرح کرامت بھی ولایت کا ثبوت نہین، خود اولیا، اللہ اپنی کرامتون کو اپنا کوئی شرف اور کمال نہین سمجھتے، اسلیے ان کو اوصاف مین شمار کرنا ضروری نہین سمجھا گیا ہے،

ہندوستان کے جس دور کے صوفیۂ کرام کے حالات اس تالیف مین لکھے گئے ہین، اس مین اتنے اکابر صوفیہ گزرے ہین کہ اگر ان مین سے ہر ایک کے حالات قلمبند کیے جاتے تو کئی جلدون کی ضرورت ہوتی، جو میرے لیے ممکن نہ تھا، اس لیے اس کتاب مین ان ہی اکابر صوفیہ کے حالات پیش کیے گئے ہین، جنھون نے یا تو ملفوظات، مکتوبات، اور وصایا کا کوئی مجموعہ یا کوئی تصنیف چھوڑی ہے، ان ہی کی مدد سے ان کی اصلی تعلیمات ہدیۂ ناظرین کی گئی ہین، حضرت عبد القدوس گنگوہیؒ کا زمانہ زیادہ تر تیموری عہد سے پہلے ہی گذرا ہے، لیکن ان کا وصال سنہ ۹۴۵ھ مین یعنی ہمایون کی بادشاہت شروع ہونے کے بعد ہوا، اس لیے یہ مناسب سمجھا گیا کہ ان کا شمار تیموری عہد کے صوفیۂ کرام مین کیا جائے،

جن مشائخ کے حالات لکھے گئے ہین ان مین سے بعض کے سالِ وفات مین بڑا اختلاف ہے، اس اختلاف پر بحث کرنے سے قصداً گریز کیا گیا ہے کیونکہ بحث طویل ہوتی اور کوئی خاص مفید نتیجہ ظاہر نہین ہوتا، حالات لکھتے وقت ترتیب مین حتی الوسع سنہ وفات کا خیال رکھا گیا ہے،

اس کتاب مین صوفیۂ کرام کی بعض تعلیمات بار بار دہرائی گئی ہین، اور ایسا قصداً کیا گیا ہے تاکہ ناظرین کو اندازہ ہو کہ بزرگانِ دین کی تعلیمات ہر زمانہ مین یکسان رہی ہین،

عام طور پر یہ غلط فہمی ہے کہ خواجگانِ چشت کی تعلیمات مین زیادہ تر رنگینی و مستی اور نغمہ و سرود کی آواز سنائی دیتی ہے، لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے یہ خیال زائل ہو جائیگا، خواجگانِ چشت کے بہت سے ایسے ملفوظات ہین جن کو الحاقی کہا جا سکتا ہے،

چنانچہ سیر العارفین میں ہے :۔

"ایک شخص نے حضرت نصیر الدین محمود اودھی سے عرض کیا کہ میں نے خواجہ قطب الحق والدین قدس سرہٗ کے ملفوظات میں ایسا کچھ لکھا ہوا دیکھا ہے، آپ نے جواب میں فرمایا کہ بالکل غلط ہے، میں نے بچشم خود دیکھا ہے، حاشا للہ یہ کلام ان کا نہیں ہے، اکثر غلط غلط کلمات الحاقی ہیں جو مجاوروں نے بڑھا دیے ہیں کسی طرح قطب صاحب قدس سرہٗ کے حال اور اعمال کے موافق نہیں ہیں" (ج ۲ ص ۴۲)

اس لیے ان میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ کونسا ملفوظ الحاقی ہو سکتا ہے، جو ملفوظ شریعت کے خلاف یا حد درجہ مبالغہ آمیز معلوم ہوا اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہے،

خواجگان چشت کے ملفوظات مثلاً "انیس الارواح (مرتبہ حضرت خواجہ معین الدینؒ) دلیل العارفین (مرتبہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ) فوائد السالکین (مرتبہ حضرت خواجہ فرید الدینؒ گنج شکر) راحت القلوب (مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیا) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان بزرگوں نے انکو مرتب نہیں کیا، بلکہ بعد میں ان کے اسمائے گرامی ان کی طرف منسوب کر دیے گئے ہیں، لیکن ان ہی ملفوظات سے ان بزرگانِ دین کے حالات اور تعلیمات معلوم ہوتی ہیں، اس لیے ان پر بھروسہ کرنا پڑا، ان کے علاوہ کوئی اور معاصر تذکرہ نہیں ملا جس کو ماخذ بنایا جا سکتا تھا، عام طور پر تذکروں میں ان بزرگوں کے جو حالات و تعلیمات پائی جاتی ہیں، وہ مذکورۂ بالا ملفوظات ہی پر مبنی ہیں،

مشائخ کے حالات کے سلسلہ میں تعظیم و تکریم کے لیے "آپ" کا لفظ گویا بالکل ہی نہیں استعمال کیا گیا ہے، اس کی اگر کوئی خاص وجہ ہو سکتی ہے تو صرف یہ کہ کسی موقع پر حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ العالی نے میری ایک تحریر دیکھتے ہوئے فرمایا تھا کہ "میں تو لکھنے

وقت آپ کا لفظ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیلیے استعمال کرنا پسند کرتا ہون" یہ بات میرے دل مین اس قدر لگی کہ ان بزرگون کے لیے "آپ" کا لفظ استعمال کرنا مناسب نہین معلوم ہوا، اور زیادہ تر ان کے اسماے گرامی ہی لکھے گئے ہین، یا "وہ" اور انھون سے اشارہ کیا گیا ہے، یہ طریقہ جن ناظرین کے ذوق پر گران گزرے ان سے معذرت خواہ ہون،

کتاب کا نام "بزم صوفیہ" بھی شاید بعض ناظرین کو اسلیے پسند نہ آئے کہ صوفیہ کیلیے بزم کا لفظ بے جوڑ سا ہے لیکن یہ نام راقم کو اتنا پسند آیا کہ کسی اور نام کی طرف طبیعت مائل نہین ہوئی،

اس کتاب کے کچھ حصے معارف مین شائع کیے گئے تھے، افسوس کہ پنجاب کے ایک ناشر محمد رفیق ملک مالک ادبستان، بیرون موچی دروازہ لاہور نے دار المصنفین کی اجازت کے بغیر معارف مین شائع شدہ حصے کو تذکرہ اولیاے کرام کے نام سے شائع کر دیا، کسی دیانتدار ناشر سے اس قسم کے اخلاقی و قانونی جرم کی توقع نہین تھی، اس کے بعد راقم کو معارف کے شائع شدہ مضامین مین اتنی ترمیم اور اضافہ کرنا پڑا کہ اب اس کتاب مین انکی شکل بالکل ہی بدل گئی ہے،

ممکن ہے کہ بادۂ تصوف کے ذوق شناسون کو اس کتاب مین وہ کیف و لذت محسوس نہ ہو جس کی عموماً اس قسم کی تصنیف مین توقع کی جاتی ہے، اسلیے کہ عاجز راقم کا نقطۂ نظر اور تصانیف سے مختلف ہے، پھر بھی ناظرین سے استدعا ہے کہ اس حقیر تالیف کو پڑھ کر دعا فرمائین کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے مؤلف کو ان بزرگان دین کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائین، یہی اس کی قلمی کاوشون کا بہترین صلہ ہے،

اس کتاب کی تالیف مین حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کے فیض صحبت کا بڑا دخل ہے اسکا ذکر یہان پر بیجا ہے، کیونکہ نہ صرف یہ تالیف بلکہ رفقاے دار المصنفین کی تمام تصانیف، ان ہی کے فیضانِ علم کا نتیجہ ہین،

ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی پروفیسر اسلامک اسٹڈیز کلکتہ یونیورسٹی کا بھی ممنون ہوں کہ موصوف نے مجھکو "Sufistic Literature in Indian Persian" پر پی، اچ. ڈی کے لیے ایک مقالہ لکھنے پر آمادہ کیا تھا، اور یہ مقالہ بڑی حد تک تیار ہو چکا تھا کہ پھر خیال پیدا ہوا کہ صوفیۂ کرام کے حالات و تعلیمات کو دنیاوی اغراض کی تکمیل کیلیے لکھنا مناسب نہیں، اس لیے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا تھا وہ اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے،

بزرگ محترم مولٰنا عبدالماجد بی، اے دریابادی مدظلہ کی تقریب عاجز مؤلف کیلیے باعث فخر و امتیاز ہے،

استاذی المحترم جناب مولانا عبدالسلام صاحب ندوی اور برادر مکرم جناب مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کا بھی شکر گذار ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کے مسودے پر نظر ثانی کی اور بہت سے مفید مشورے دیئے، جناب سید عبدالحکیم صاحب ناظم کتب خانہ الاصلاح دسنہ ضلع پٹنہ، مولوی محمد انور صاحب ندوی مہتمم کتبخانہ ندوۃ العلما لکھنؤ، جناب حسین احمد خاں عرف منو بابو رئیس محلہ خانقاہ، بہار شریف ضلع پٹنہ، جناب امتیاز علی خانصاحب عرشی ناظم کتبخانہ ریاست رامپور، جناب ناصر محمود خانصاحب محلہ تکلی، گلبرگہ شریف، اور مولانا سید محمد قاسم صاحب مدرس شمس الہدی مدرسہ پٹنہ بھی لائق تشکر ہیں کہ انھوں نے بعض ضروری کتابیں بھیج کر مدد فرمائی،

ہیچمدان

سید صباح الدین عبدالرحمٰن (علیگ)

دارالمصنفین

۲۹ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۶۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ

نام ونسب ابوالحسن کنیت اور علی نام ہے، ہجویر اور جلاب غزنین کے دو گانون ہین شروع ہین ان کا قیام یہین رہا، اس لیے ہجویری اور جلابی کہلائے، آخر زندگی ہین لاہور آکر رہے اس لیے لاہوری بھی مشہور ہوئے، سال ولادت ۴۰۰ھ بتایا جاتا ہے، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، علی بن سید عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر ابن سید زید شہید بن امام حسن بن علی مرتضیٰ رضؓ۔

تعلیم تحصیل علم کی تفصیل کچھ زیادہ معلوم نہین، کشف المحجوب ہین اپنے اساتذہ ہین حضرت ابوالعباس بن محمد الاشقانی کا نام لیا ہے، جن کے بارہ ہین لکھتے ہین:-

اپنے عہد کے امام یکتا اور اپنے طریق ہین یگانہ تھے، علم اصول وفروع ہین امام، اور معانی ہین بلند تھے، بہت سے مشائخ کو دیکھا تھا، اور اکابر واجلۂ اہل تصوف ہین تھے، اپنی راہ کو فنا سے تعبیر کرتے تھے، مغلق عبارت ان کے ساتھ مخصوص تھی، جاہلون کے ایک گروہ نے ان کی عبارت کی تقلید کی، لیکن تقلید ہین جو عبارتین لکھی گیئن، وہ پراگندہ ہوتی تھین، مجھکو ان سے بڑا انس تھا، اور وہ میرے ساتھ سچی محبت کرتے تھے، بعض علوم ہین وہ میرے استاد بھی تھے، جب تک ہین ان کے پاس رہا کسی کو ان سے زیادہ شریعت

کا احترام کرتے نہ دیکھا، تمام موجودات سے وہ کنارہ کش ہو گئے تھے، امام محقق کے سوا
ان کو کسی سے فائدہ نہ پہنچتا تھا علم اصول میں ان کی عبارت بہت دقیق ہوتی تھی، انکی
طبیعت ہمیشہ دنیا وعقبیٰ سے متنفر رہتی تھی، اور برابر شور کرتے کہ اَشْتَهِی عَدَمًا لَا
وَجُوْدَ لَهٗ یعنی میں اس عدم کو چاہتا ہوں جس کا وجود نہیں"۔ اور فارسی میں کہتے:

ہر آدمی را بایست محال باشد مرا نیز بایستنی محال است کہ یقین دانم کہ آن نباشد

اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ مجھکو اس عدم کی طرف لے جائے کہ جہاں عدم کا وجود نہ ہو، مقامات اور کرامات محض حجاب وبلا ہیں، آدمی اپنے حجاب کا عاشق ہو، دیدار کی آرزو کی نیستی حجابات کے آرام سے بہتر ہے، صرف حق جل جلالہ کی ہستی ہے کہ اس کے لیے عدم نہیں ہے، اس کے ملک کا کیا نقصان اگر میں نیست ہو جاؤں، اور اس نیست کی کوئی ہستی نہ ہو، اور یہی صحت فنا کا اصلی قول ہے۔ واللہ اعلم بالصواب[1]۔

حضرت شیخ ابو العباس اشقانی کا ذکر ایک جگہ اور کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، کہ ایک روز شیخ کے پاس آیا، تو دیکھا کہ یہ کہتے ہیں ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے مملوک غلام کی مثال دی جو کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو"، اور روتے ہیں، اور پھر نعرہ لگاتے ہیں، پوچھا کہ اے شیخ یہ کیا حال ہے، تو فرمایا کہ گیارہ سال سے اس مقام پر ہوں لیکن آگے نہیں بڑھتا ہوں[2]،

اپنے ایک اور استاد شیخ ابو جعفر محمد بن المصباح الصیدلانی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

وہ رؤسائے متصوفین میں تھے، تحقیق میں ان کی زبان اچھی تھی حسین بن منصور

۱؎ کشف المحجوب باب دوازدہم قلمی نسخہ دار المصنفین ۔ ۲؎ ایضاً نیز دیکھو نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین،

سے بہت محبت کرتے تھے، میں نے ان کی بعض تصانیف ان ہی سے پڑھیں[۵۱]،

شیخ ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری سے بھی استفادہ کیا، اور گو ان کے نام کے ساتھ "استاد" برابر لکھتے ہیں، لیکن واضح طور پر کہیں یہ ظاہر نہیں کیا ہے کہ ان سے شاگردی کا بھی رشتہ تھا، مگر ان کے علم اور ان کی تصانیف کی تعریف کی ہے، اور ان کے ایسے اقوال بھی نقل کیے ہیں جو ان کی زبان سے خود سنے، شیخ ابو القاسم بن علی بن عبداللہ الگرگانی کو بھی اپنا معلم تسلیم کیا ہے، چنانچہ ان کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان سے عجز و نیاز کی تعلیم پائی، اور یہ لکھ کر کہتے ہیں:

"مرا وے اسرار بسیار بود، اگر باظہار آیات وی مشغول گردم از مقصود بمانم"[۵۲]

ائمہ متاخرین میں ابو العباس احمد بن محمد القصاب، ابو عبداللہ محمد بن علی المعروف بالداستانی، ابو سعید فضل اللہ بن محمد، اور ابو احمد المظفر بن احمد بن حمدان کا ذکر خاص طور پر لطف و لذت کے ساتھ کیا ہے، ان کی تصانیف و تعلیمات سے مستفید ہوئے ہیں، خواجہ ابو احمد المظفر کی تعلیمات فنا و بقا اور مجاہدہ و مشاہدہ سے متاثر تھے، اور ان کی صحبت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک روز ان کے پاس سخت گرمی کے موسم میں الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ پہنچا، انھوں نے دیکھ کر پوچھا "کیا چاہتے ہو؟" عرض کیا، سماع، انھوں نے فوراً قوال کو بلایا، اور جب مجلس سماع شروع ہوئی تو مجھ پر بڑی بیقراری طاری رہی، اور جب میرا جوش و خروش ختم ہوا تو پوچھا کہ سماع کا مزہ کیسا رہا، عرض کیا اے شیخ میرے لیے تو بہت اچھا تھا، فرمایا ایک وقت ایسا آئے گا کہ سماع اور کوے کی آواز تمہارے لیے یکساں ہو جائے گی، سماع میں قوت اس وقت تک ہے جب تک مشاہدہ نہیں ہوتا، اور جب مشاہدہ ہو جائے گا شوق سماع جاتا رہے گا، لیکن خیال رکھو کہ یہ عادت جزو طبیعت نہ بن جائے،[۵۳]

---

۵۱ کشف المحجوب قلمی نسخہ دارالمصنفین، ۵۲ ایضاً ۵۳ ایضاً ذکر ائمہ متاخرین،

تعلیم طریقت | باطنی وروحانی تعلیم ابو الفضل محمد بن الحسن ختلی سے پائی، جو جنیدیہ سلسلہ مین منسلک تھے، ان کے حال مین لکھتے ہین:۔

اوتاد کی زینت اور عابدون کے شیخ تھے، میری اقتدا طریقت ان ہی سے ہوئی، علم تفسیر وروایات کے عالم تھے، اور تصوف مین مذہب جنید کے پابند اور حصری کے مرید تھے، سیروانی کے دوست اور ابو عمر قزوینی اور ابو الحسن بن سالبہ کے معاصر تھے، ساٹھ سال تک گمنامی کی حالت مین گوشہ نشین ہوکر لوگون سے دور رہے، قیام زیادہ تر کوہ لگام مین رہتا تھا، اچھی عمر پائی، ان کی ولایت کی بہت سی دلیلین تھین، لباس اور آثار ظاہری متصوفین کے نہ تھے، ظاہری رسم کی پابندی کرنے والون کی مخالفت شدت سے کرتے تھے، ان سے زیادہ کسی کو پر رعب نہیں دیکھا۔"

مرشد کا وصال مرید کے زانو ہی پر ہوا، تحریر فرماتے ہین:

جس روز آپ کی وفات ہوئی، آپ بیت الجن مین تھے، یہ گاؤن ایک گھاٹی پر دمشق اور بانیاز ر (؟) کے درمیان ہے، اس وقت آپ کا سر میری گود میں تھا، میرے دل کو بڑی تکلیف ہو رہی تھی، مین نے اس کا اظہار ایک دوست سے کیا، جیسا کہ عام لوگو کی عادت ہوتی ہے، آپ نے مجھ سے کہا اے بیٹے! اعتقاد کا مسئلہ تم کو بتاتا ہون، اگر تم اپنے کو اس کے مطابق درست کرلو تو تمام تکلیفون سے تم کو رہائی ہو جائے، تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا ہر جگہ اور ہر وقت اچھوں اور بروں کو پیدا کرتا ہے، مگر اس کے فعل سے دشمنی کرنا نہین چاہیے، اور نہ دل مین کسی تکلیف کو جگہ دینا چاہیے، سوائے اس کے وصیت کا سلسلہ دراز نہین کیا، اور جان بحق ہوئے۔"[1]

---

[1] کشف المحجوب ذکر ائمہ متاخرین،

سیاحت

روحانی کسب کمال کے لیے تمام اسلامی ممالک شام، عراق، بغداد، پارس، قہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر، اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا، اور وہان کے اولیاے عظام اور صوفیاے کرام کی روح پرور صحبتون سے مستفیض ہوے، خراسان مین وہ تین سو مشائخ سے ملے جن مین شیخ محمد زکی بن العلاء، شیخ القاسم سدسی، شیخ الشیوخ ابو الحسن ابن سالبہ، شیخ ابو اسحق بن شہریار، شیخ ابو الحسن علی بن بکران، شیخ ابو عبد اللہ جنیدی، شیخ ابو طاہر مکشوف، شیخ احمد بن شیخ خرقانی، خواجہ علی بن الحسین السیرکانی، شیخ مجتہد ابو العباس دامغانی، خواجہ ابو جعفر محمد بن علی الجوینی، خواجہ رشید مظفر ابن شیخ ابوسعید، خواجہ شیخ احمد حمادی سرخسی، اور شیخ احمد نجار سمرقندی سے خاص طور پر متاثر ہوے

منازل سلوک کے طے کرنے مین جو مجاہدے کیے ان مین ایک عجیب و غریب واقعہ خود ہی یہ بیان کیا ہے، کہ مین ایک مرتبہ شیخ ابو یزیدؒ کے مزار پر تین مہینے تک حاضر رہا، ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا، مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا، جو ایک بار وہین حاصل ہو چکا تھا، آخر مین وہان سے اٹھ کر خراسان کی طرف چلا گیا، ایک گاؤن مین پہنچا تو ایک خانقاہ مین متصوفین کی ایک جماعت نظر آئی، مین اس جماعت کی نظر مین بہت ہی حقیر معلوم ہوا، ان مین سے کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ ہم مین سے نہین ہے، اور واقعی مین ان مین سے نہ تھا، انھون نے مجھکو ٹھہرنے کے لیے ایک کوٹھا دیا، اور وہ خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے، کھانے کے وقت مجھ کو تو سوکھی روٹی دی، اور خود اچھا کھانا کھایا، کھانے کے بعد تمسخر سے خربزہ کے چھلکے میرے سر پر پھینکتے تھے، اور طنز کی باتین کرتے تھے، مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے، اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا، یہان تک کہ ذلت اٹھاتے اٹھاتے وہ کشف حاصل ہو گیا، جو اس سے پہلے نہ ہوا تھا، اس وقت مجھکو معلوم ہوا کہ مشائخ جاہلون کو اپنے یہان کیون جگہ

دیتے ہیں[1]

ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شام میں حضرت بلال مؤذن کے روضہ کے سرہانے سو رہا تھا کہ خواب میں دیکھا کہ مکہ معظمہ میں ہوں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے اندر داخل ہو رہے ہیں اور ایک بوڑھے آدمی کو گود میں لیے ہوئے ہیں جیسے کوئی کسی بچہ کو لیے ہوئے ہو، میں نے آگے بڑھ کے قدم چومے، اور حیران تھا کہ گود میں یہ بوڑھا شخص کون ہے، آپ کو میرے دل کا حال معلوم ہوگیا، اور فرمایا کہ یہ تیرا اور تیرے دیار والوں کا امام ہے یعنی ابوحنیفہ ۔اس خواب سے مجھ پر یہ ظاہر ہوا کہ امام ابوحنیفہ گو جسمانی طور سے فانی ہو چکے ہیں، مگر احکام شرعی کے لیے باقی اور قائم ہیں، اور ان کے حامل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔[2]

عراق میں تھے تو خود ان کا قول ہے کہ دنیا حاصل کر کے لٹا رہے تھے جس کسی کو کوئی ضرورت ہوتی، ان کی طرف رجوع کرتا، ایسے لوگوں کی خواہش پوری کرنے میں مقروض ہو گئے، ایک بزرگ نے ان کو لکھ بھیجا کہ اے فرزند! کہیں اس قسم کی مشغولیت میں خدا کی مشغولیت سے دور نہ ہو جاؤ، اور یہ مشغولیت ہوائے نفس ہے، اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کا دل تم سے بہتر ہو، تو ایسے دل کی تم خاطر کر سکتے ہو، تمام لوگوں کے لیے دل پریشان نہ رکھو، کیونکہ اللہ خود ہی اپنے بندوں کے لیے کافی ہے، اس پند و موعظت سے ان کو قلبی سکون حاصل ہوا، اور خود اپنی کتاب کشف المحجوب میں بھی اس کی تعلیم دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ مخلوق سے قطع تعلق کرنا گویا اس سے چھوٹ جانا ہے، ایک انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی کی طرف نہ دیکھے تاکہ اس کی طرف بھی کوئی نہ دیکھے،[3]

مخلوق سے انقطاع تعلق کے باوجود ان کا بیان ہے کہ وہ چالیس سال تک مسلسل

---

[1] کشف المحجوب باب ہشتم ذکر کرامت [2] ایضاً ذکر امام اعظم ابوحنیفہ [3] ایضاً فصل ششم ...

سفر میں رہے لیکن کبھی جماعت کی نماز ناغہ نہیں کی، اور ہر جمعہ کو نماز کے لیے کسی قصبہ میں قیام فرمایا[1]

اپنے مرشد ہی کی طرح صوفیوں کے ظاہری رسوم سے نفرت کرتے تھے۔ ان ظاہری رسوم کو معصیت و ریا کہتے ہیں، اور ان کی صحبت کو تہمت کا مقام قرار دیتے تھے، چنانچہ اس حدیث (مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَقِفَنَّ مَوَاقِفَ التُّھَمِ) کو لکھکر خداوند تعالیٰ سے اپنے لیے اسی کی توفیق عطا کرنے کی دعا کی ہے، یعنی جب کوئی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو تو اس کو مقام تہمت میں کھڑا نہ ہونا چاہیے،[2]

ازدواجی زندگی | تعلقات زناشوئی سے پاک رہے، کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ ایک سال تک کسی سے غائبانہ عشق رہا، مگر جب اس میں غلو پیدا ہونے لگا اور قریب تھا کہ ان کا دین تباہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف سے اس عشق مجازی کے فتنہ سے ان کو بچا لیا،[3]

---

[1] کشف المحجوب میں ذکر صلوٰۃ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

"عبادت آنجا کہ می خواہی می کن، و مشائخ رحمہم اللہ علیہم حق ادب آن نگاہداشتہ اند، و مریدان را بدان فرمودہ اند، یکے می گوید از ایشان کہ چہل سال سفر کردم ہیچ نمازم از جماعت خالی نبود، و ہر آدینہ بقصبہ بودم"

خاکسار مؤلف کا خیال ہے کہ حضرت شیخ ہجویریؒ نے ان سطور میں خود اپنی طرف اشارہ کیا ہے،

[2] ذکر الفرق بین المقام والحال [3] کشف المحجوب کی اصل عبارت بھی ملاحظہ ہو،

من کہ علی بن عثمان الجلابی ام از پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہداشتہ بود، ہم تقدیر کرد تا بفتنہ اندر افتادم، ظاہر و باطنم اسیر صفتے باشد کہ با من کردند بے آنکہ رؤیت بودہ بود و یک سال مستغرق آن بودم، چنانچہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ بہ کمال لطف و تمام فضل خود عصمت را باستقبال دل بےچارۂ من فرستاد و ند، بہ رحمت خلاصی ارزانی داشت،

ورود لاہور — فوائد الفواد (ص ۳۵) میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں :-

"شیخ حسین زنجانی اور شیخ علی ہجویری دونوں ایک ہی پیر کے مرید تھے، اور ان کے پیر اپنے عہد کے قطب تھے، حسین زنجانی عرصہ سے لاہور (لاہور) میں سکونت پذیر تھے، کچھ دنوں کے بعد ان کے پیر نے خواجہ علی ہجویری سے کہا کہ لاہور میں جاکر قیام کرو، شیخ علی ہجویری نے عرض کیا کہ وہاں شیخ زنجانی موجود ہیں لیکن پھر فرمایا کہ تم جاؤ، جب علی ہجویری حکم کی تعمیل میں لاہور آئے تو رات تھی، صبح کو شیخ حسین کا جنازہ باہر لایا گیا"

معلوم ہوتا ہے کہ لاہور آکر پھر اپنے مرشد کے پاس واپس گئے، کیونکہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ مرشد کے وصال کے وقت ان کے پاس موجود تھے، ممکن ہے کہ وفات کے بعد پھر لاہور آئے ہوں، لیکن بہرحال لاہور کے قیام سے خوش نہیں تھے، ایک جگہ رقمطراز ہیں :

"کتب من بحضرت غزنین مانده بود، من اندر دیار ہند در بلدۂ لاہور کہ از مضافات ملتان است درمیان ناجنسان گرفتار شده بودم"

ہندوستان کے سفر میں جابجا علمی مذاکرہ بھی کیا، فرماتے ہیں :-

"ہندوستان کے سفر میں ایک شخص کو دیکھا جو علم تفسیر و تذکیر کا مدعی تھا، مقام فنا اور بقا میں اس نے مجھ سے مباحثہ کیا، اس کی تقریر سے مجھ کو فوراً معلوم ہو گیا کہ وہ فنا اور بقا سے بالکل ناآشنا ہے، بلکہ اس کو حادث اور قدیم کا بھی فرق نہیں معلوم تھا" (ذکر بقا و فنا)

وفات — آخر زندگی تک لاہور ہی میں قیام پذیر رہے، اور یہیں ابدی نیند سو رہے ہیں، سال وفات ۴۶۵ھ ہے، انتقال کے بعد مزار زیارت گاہ خلائق بن گیا، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ان کی قبر پر چلہ کیا، اور جب مدت ختم کر کے رخصت ہونے لگے تو یہ شعر پڑھا،

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا   ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ گنج بخش کے نام سے شہرت کا سبب یہی ہے، عوام داتا بخش کہتے ہیں حضرت فریدالدین گنج شکرؒ نے بھی ان کے مزار پر چلہ کشی کی تھی، جو ان کے اعلیٰ روحانی کمال کی دلیل ہے، ان کا مزار پرانوار ہر زمانہ میں مرجع خلائق رہا ہے،

داراشکوہ اپنے زمانہ کا حال لکھتا ہے:۔

"خلق انبوہ بر شب جمعہ بزیارت آن روضۂ منورہ مشرف می گردند و مشہور است کہ ہر کہ چہل شب جمعہ یا چہل روز بہم طواف روضۂ شریفہ ایشان بکند، ہر حاجتے کہ داشتہ باشد حصول می انجامد، فقیر نیز بزیارت روضۂ منورہ ایشان و والدین و خال ایشان مشرف گشتہ"[1]

تصانیف **کشف المحجوب** کے علاوہ ان کی تصنیفات میں سے حسب ذیل کتابوں کے نام ملتے ہیں:۔

(۱) **منہاج الدین**، اس میں اہل صفہ کے مناقب لکھے تھے، بقیہ اور کتابوں کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہیں (۲) **کتاب الفنا والبقا** (۳) **اسرار الخرق و المؤنات** (۴) **کتاب البیان لاہل العیان** (۵) **بحر القلوب** (۶) **الرعایۃ لحقوق اللہ**

شعر و شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے، کشف المحجوب میں اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے، ان کی تحریر سے ان کی دو اور کتابوں کا بھی پتہ چلتا ہے:۔

"پیش ازین اندر شرح کلام وے (منصور حلاج) کتابے ساختہ ام"

"من اندر بیان این (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ"

لیکن ان کتابوں میں سے اب کسی کا بھی پتہ نہیں ہے ہم تک ان کی صرف کشف المحجوب پہنچی ہے، جو ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے، فارسی زبان میں تصوف

---

[1] سفینۃ الاولیاء، ص ۱۶۳

کی یہ پہلی کتاب ہے حضرت نظام الدین اولیا رکا ارشاد ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو، اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائے گا،[1] حضرت شرف الدین یحیٰی منیریؒ اپنے مکتوبات میں اس کتاب کا جا بجا ذکر فرماتے ہیں، حضرت جہانگیر اشرف سمنانی کے ملفوظات لطائف اشرفی میں اس کا حوالہ بکثرت موجود ہے، ملا جامی رقمطراز ہیں :۔

کشف المحجوب از کتب معتبرہ مشہور درین فن است و لطائف و حقائق دران کتاب جمع کردہ است"[2]

دارا شکوہ لکھتا ہے :۔

حضرت علی ہجویریؒ را تصنیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور و معروف است، و ہیچ کس را برآن سخن نیست و مرشدی است کامل، در کتب تصوف بخوبی آن در زبان فارسی کتابے تصنیف نشدہ"[3]

کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب ابو سعید ہجویری کا ایک استفسار ہے، جو تصوف کے رموز و اشارات کو حضرت شیخ ہجویریؒ سے سمجھنا چاہتے ہیں، اسی کے جواب میں شیخ نے تصوف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جس سے کشف المحجوب تصوف کی قابل قدر کتاب بن گئی ہے، اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو ہندوستان میں پیش کیا گیا ہے اس لیے اس کے مباحث ناظرین کے سامنے زیادہ تفصیل سے پیش کیے جاتے ہیں،

علم | کتاب کا پہلا باب علم کی بحث سے شروع ہوتا ہے، اس باب میں پانچ فصلیں ہیں،

[1] درر نظامی از شیخ علی محمود جاندار نسخہ قلمی مملوکہ سید علیم الدین خادم نظام المشائخ دہلی، میں نے اس کو مخدومی المحترم جناب عبدالماجد صاحب دریابادی کی کتاب تصوف اسلام سے لیا ہے، جنھوں نے کشف المحجوب اور اس کے مصنف پر ایک سیر حاصل مقالہ لکھا ہے۔ [2] نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین [3] سفینۃ الاولیا ص ۱۶۴۔

شروع مین کلام مجید اور احادیث نبوی کی روشنی مین علم کی اہمیت دکھا کر یہ بتایا ہے کہ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک مراتب اور درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنے علم پر بھی عمل کرتا ہو، پھر علم کی دو قسمین بتائی ہین (۱) علم خداوند تعالیٰ (۲) علم خلق، اور ان کی تصریح اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے نزدیک اس کے بندون کا علم بالکل ہیچ ہے، وہ تمام موجودات اور معدومات کو جانتا ہے، بندون کا علم ایسا ہونا چاہیے کہ ظاہر و باطن مین نفع بخش ہو، اس کی دو قسمین ہین، (۱) اصولی یعنی ظاہر مین کلمۂ شہادت پڑھنا، اور باطن مین معرفت کی تحقیق کرنا (۲) فروعی یعنی ظاہر مین معاملہ کرنا اور باطن مین اس کے لیے صحیح نیت رکھنا،

حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے، اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ، علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے، علم حقیقت کے تین ارکان ہین (۱) خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم، یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، وہ نہ کسی مکان مین ہے نہ جہت مین، اس کا کوئی مثل نہین، (۲) خداوند تعالیٰ کے صفات کا علم یعنی وہ عالم ہے، اور ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے، اور سنتا ہے (۳) خداوند تعالیٰ کے افعال کا علم، وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا ہے،

علم شریعت کے بھی تین ارکان ہین (۱) کتاب (۲) سنّت (۳) اجماع امت،

پہلا علم گویا خدا کا علم ہے اور دوسرا خدا کی طرف سے بندہ کو عطا کیا ہوا علم، حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہین، اس کا دل جہالت کے سبب سے مردہ ہے، اور جس شخص کو اس کا عنایت کیا ہوا یعنی علم شریعت نہین، اس کا دل نادانی کے مرض مین گرفتار ہے، شیخ نے دونون علمون کو لازم ملزوم قرار دیا ہے، اور حضرت ابوبکر وراق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے کہ جس شخص نے صرف علم توحید پر اکتفا کی وہ زندیق ہے،

فقر

دوسرا باب فقر سے شروع ہوتا ہے، اس میں تین فصلیں ہیں،

پہلی فصل میں کلام مجید اور احادیث کی روشنی میں دکھایا ہے کہ فقر کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت ہی بڑا اور افضل ہے، اور فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو، اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے، نہ دنیاوی ساز و سامان ہونے سے مالدار ہو جائے اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو جائے، یعنی اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے نزدیک برابر ہو، بلکہ نہ ہونے سے اور بھی زیادہ خوش ہو، کیونکہ فقیر جتنا تنگ دست ہوگا اسی قدر اس پر حال زیادہ کشادہ ہوگا، اور اسرار منکشف ہوں گے، وہ جس قدر دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی اس کی زندگی الطاف خفی اور اسرار روشن سے وابستہ ہوتی جاتی ہے، اور رضائے الٰہی کی خاطر وہ دنیا کی تمام چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے، ایک فقیر کا کمالِ فقر یہ ہے کہ اگر دونوں جہان اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے میں رکھے جائیں تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوں، اور اس کی ایک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے،

دوسری فصل میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے فقر و غنا پر بحث کی ہے، بعض صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ غنا، فقر سے افضل ہے، ان کی دلیل ہے کہ غنا خداوند تعالیٰ کی صفت ہے، فقر کی نسبت اس کی جانب جائز نہیں، اور دوستی میں ایسی صفت جو خدا اور بندہ کے درمیان مشترک ہو، ضرور پائی جائے گی، اور یہ اس صفت یعنی فقر سے بہتر ہے جس کو خداوند تعالیٰ کی جانب منسوب کرنا روا نہیں،

حضرت شیخ ہجویری ؒ نے اس منطقیانہ دلیل کو منطقیانہ طور ہی سے رد کیا ہے، مثلاً خدا کی صفات میں مماثلت کی کوشش آپس میں برابر ہونے کی دلیل ہے، مگر خدا تعالیٰ کی صفت قدیم ہے اور خلق کی صفت حادث ہے، اس لیے دونوں میں مماثلت ممکن نہیں، غنی خدا کے منجملہ اور ناموں کے ایک نام ہے، یہ اسی کے لیے زیبا ہے، بندہ اس نام کا مستحق نہیں ہو سکتا،

بندہ کے غنا کا کوئی سبب ہوتا ہے، مگر خدا کا غنا سبب سے بے نیاز ہے خلق کے غنا میں حدوث و تغیرات ہوتے ہیں، خالق کا غنا اس سے ماورا ہے اس کی قدرت کا کوئی مانع نہیں، وجود بشری کو حاجت لازم ہے، کیونکہ حدوث کی علامت احتیاج ہے، اور جب احتیاج پیدا ہوتی ہے تو پھر غنا کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟ اس تشریح و تفصیل کے بعد حضرت شیخ ہجویریؒ نے غنا کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے، جو ایک بندہ کے لیے کسی طرح سزاوار نہیں،

مگر حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک بندہ کا غنی ہونا محال بھی نہیں، الغنی من اغناہ اللہ یعنی غنی وہ ہے جس کو خدا غنی کر دے، اس لیے غنی باللہ فاعل ہے، اور من اغناہ اللہ مفعول ہے، فاعل بذات خود قائم ہے، اور مفعول فاعل کی وجہ سے قائم ہوتا ہے، اگر بندہ غنا سے سرفراز کیا جاتا ہے، تو یہ اس کے لیے نعمت ضرور ہے، مگر اس نعمت میں غفلت اسی طرح آفت ہے جس طرح فقر میں حرص، اس لیے بندہ اگر غنی ہے تو اس کو غافل نہ ہونا چاہیے اور اگر فقر رکھتا ہو تو اس کو حریص نہ ہونا چاہیے، حضرت ہجویریؒ کے نزدیک غنا میں دل کے غیر سے مشغول رہنے کا احتمال باقی رہتا ہے، اور فقر میں دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے جدا رہتا ہے، اس لیے فقر غنا سے بہتر ہے، اور جب ایک طالب خدا کے سوا دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہو جاتا ہے تو فقر و غنا کے دونوں نام اس کے لیے بے معنی ہو جاتے ہیں،

تیسری فصل میں فقر و فقیر سے متعلق مشائخ عظام کے جو اقوال ہیں، ان کی تشریح اور تفصیل کی ہے، مثلاً حضرت رویم بن محمد فرماتے ہیں کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بھید کو محفوظ رکھے، اور اس کا نفس آفت سے محفوظ ہو، اور وہ فرائض کا پابند ہو، شیخ ہجویریؒ نے اس کی تشریح یہ کی ہے، کہ جو کچھ فقیر کے دل پر گذرے اس کو ظاہر نہ کرے، اور جس کا ظہور ہو جائے اس کو چھپائے نہیں، اور نہ اسرار کے غالب ہونے سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ

شریعت کے احکام ادا نہ کر سکے، یا مثلاً حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہین کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ نہ ہونے کی صورت مین سکوت کرے، اور ہونے کے وقت خرچ کرے، اور خرچ کے لیے بے چین ہو، حضرت شیخ ہجویریؒ نے دو طرح سے اس کی تفسیر کی ہے، ایک یہ کہ نہ ہونے کے وقت سکوت گویا خداوند تعالیٰ کی رضا کی دلیل ہے، اور اگر اس کے پاس کچھ ہوگیا تو گویا اس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے خلعت عطا ہوا، مگر خلعت فرقت کی نشانی ہے کیونکہ محب خلعت قبول نہین کرتا، اس لیے جو کچھ فقیر کو ملتا ہے، اس کو وہ دوسرون کو دیکر جلد اپنے سے جدا کر دیتا ہے، دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ فقیر کو سکون اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ کسی چیز کا منتظر نہین رہتا، اور جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے سے غیر پاتا ہے، اور غیر کے ساتھ اس کو آرام نہین ملتا اسلیے اس کو ترک کر دیتا ہے،

صوفی کی اصلیت تیسرے باب مین صوفی کی اصلیت سے محققانہ بحث کی ہے، اس مین بھی تین فصلین ہین،

لفظ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف فیہ رہی ہے، ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی صوف کا کپڑا پہنتا ہے، اس لیے اس نام سے منسوب ہوا، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صف اول مین رہتا ہے اس لیے اس نام سے پکارا جاتا ہے، تیسرے کا خیال یہ ہے کہ صوفی اس وجہ سے کہتے ہین کہ وہ اصحاب صفہ کے ساتھ دوستی رکھتا ہے، اور چوتھے کی رائے یہ ہے کہ یہ اسم صفا سے مشتق ہے، اسی طرح اور توجیہات ہین، مگر حضرت شیخ ہجویریؒ نے ان مین سے ہر ایک کو غلط قرار دیا ہے، فرماتے ہین کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہتے ہین کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے، اور طبیعت کی آفتون سے پاک و صاف ہو جاتا ہے، اور حقیقت مین صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک اور صاف ہو، کیونکہ تصوف باب تفعل سے ہے،

جس کا خاصہ تکلف ہے، یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے، اور یہی تصوف کے اصلی معنی ہین،

اہل تصوف کی تین قسمین ہین :-

(۱) صوفی، جو اپنی ذات کو فنا کرکے خدا کی ذات مین بقا حاصل کرتا ہے، اور اپنی طبیعت سے آزاد ہو کر حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے (۲) متصوف، جو صوفی کے درجہ کو مجاہدہ سے تلاش کرتا ہے، اور اس تلاش مین اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے (۳) مستصوف: جو محض مال و منال اور جاہ و حشمت کے لیے اپنے کو مثل صوفی کے بنا لیتا ہے،

پس صوفی صاحب وصول (یعنی وصل حاصل کرنے والا) متصوف صاحب اصول (یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا) اور مستصوف صاحب فضول ہوتا ہے،

دوسری فصل مین حضرت شیخ ہجویریؒ نے مشائخ کبار کے اقوال نقل کیے ہین، جن سے ان کے مذکورۂ بالا خیالات کی تائید ہوتی ہے، مثلاً حضرت حسن نوریؒ فرماتے ہین کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کرنے کا نام ہے، اور صوفی وہ لوگ ہین جن کا ذکر بشریت کی کدورت سے آزاد ہوگیا ہو، اور نفسانی آفتون سے صاف ہو کر اخلاص سے مل گیا ہو، یہانتک کہ غیر خدا سے بری ہو کر وہ صف اول اور درجۂ اولیٰ مین پہنچ جاتے ہین،

حضرت حصری کا قول ہے کہ تصوف دل اور بھید کی صفائی اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اسکی تصریح یون کی ہے، کہ فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے، کیونکہ دوستی مین صرف موافقت ہوتی ہے، اور موافقت مخالفت کی ضد ہے، اور جب مراد ایک ہوتی ہے، تو مخالفت نہین ہوتی ہے، اس لیے دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کچھ نہین چاہیے،

حضرت شبلیؒ کا قول ہے، کہ صوفی وہ ہے کہ دونون جہان مین خدائے عزوجل کے یہان کوئی

چیز نہ دیکھے حضرت ہجویریؒ نے اسکی تشریح کرکے بتایا ہے، کہ بندہ جب غیر کو نہ دیکھے گا، تو اپنی ذات کو نہ دیکھے گا، اس طرح اپنی ذات کی نفی اور اثبات سے فارغ ہو جائیگا،

تصوف | اس بحث میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے حضرت جنیدؒ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے جن سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے، یعنی تصوف میں سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی ہو، رضا حضرت اسمٰعیلؑ کی ہو، صبر حضرت ایوبؑ کا ہو، اشارات حضرت زکریاؑ کے ہوں، غربت حضرت یحییٰؑ کی ہو، سیاحت حضرت عیسیٰؑ کی ہو، لباس حضرت موسیٰؑ کا ہو، اور فقر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو،

تیسری فصل میں حضرت ہجویریؒ کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف محض علوم و رسوم کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک خاص اخلاق کا نام ہے، علوم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا رسوم ہوتا، تو مجاہدہ سے حاصل ہوتا، مگر یہ نہ تعلیم سے حاصل ہوتا ہے، اور نہ صرف مجاہدہ سے، اس اخلاق کی تین قسمیں ہیں، (۱) خدا کے احکام کو ریا سے پاک ہو کر پورا کرنا (۲) بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں کے ساتھ عزت سے پیش آنا اور کسی سے انصاف اور عوض نہ چاہنا، (۳) نفسانی خواہشوں کا اتباع نہ کرنا،

صوفی کا لباس | چوتھے باب میں صوفیوں کے لباس پر تین فصلوں میں بحث کی ہے، صوفی سنت رسول کی پیروی میں کمل یا گدڑی لباس کے طور پر استعمال کرتا ہے، جو اس کے فقر و ریاضت کی دلیل ہے، مگر گدڑی پہننے کیلئے شیخ ہجویریؒ نے بہت سی شرطیں مقرر کی ہیں، گدڑی پہننے والوں کو تارک الدنیا یا اللہ کا عاشق ہونا چاہیے، اس کے باوجود وہ خود گدڑی اسی وقت پہن سکتا ہے، جبکہ اس کو مشائخ پہنائیں، اس کے لیے ضروری ہے، کہ مؤخر الذکر اول الذکر سے ایک سال خلق کی خدمت اور ایک سال خدا کی خدمت لیں، اور ایک سال اس کے دل کی رعایت حاصل کریں خلق کی خدمت یہ ہے کہ وہ سب کو بلا تمیز اپنے سے بہتر جانتا ہو، اور ان کی خدمت اپنے لیے واجب سمجھتا ہو، مگر

اپنی خدمت کی فضیلت کا گمان مطلق نہ کرتا ہو، خدا کی خدمت یہ ہے کہ دنیا اور عقبیٰ کے مزے ترک کر دیتا ہو، اور جو کام کرتا ہو صرف خدا کی خاطر کرتا ہو، دل کی رعایت یہ ہے کہ اس مین ہمت ہو، اس سے تمام غم دور ہون، اور وہ صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو، جب یہ تینون شرطین پوری ہوجاتین تو شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہنا سکتا ہے، گدڑی پہننا گویا کفن کا پہننا ہے جس کے بعد زندگی کی تمام لذتون اور آسایشون سے کنارہ کش ہو کر صرف خدا کا ہو کر رہنا پڑتا ہے،

ملامت

چھٹا باب ملامت پر ہے، حضرت شیخ ہجویری نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستون کی غذا کہا ہے، اور اس کی تین قسمین بتائی ہین :-

(۱) ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات و عبادات مین درست ہو، پھر بھی خلق اس کو ملامت کرتی ہو، لیکن وہ اس کی پروا مطلق نہ کرتا ہو، مثلاً شیخ ابو طاہر حرمی ایک بار بازار مین جا رہے تھے ایک شخص نے ان سے کہا "اے پیر زندیق کہان جاتا ہے" ان کے ایک مرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا، مگر انھون نے روک دیا، اور جب گھر آئے تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے جن مین ان کو کسی مین شیخ زکی کسی مین شیخ زاہد کسی مین شیخ الاسلام اور کسی مین شیخ الحرمین کہکر مخاطب کیا گیا تھا، اور فرمایا کہ ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے مجھ کو کہتا ہے، مگر یہ سب اسم نہین ہین، القاب ہین، کوئی مجھ کو زندیق کہے تو اس کے لیے جھگڑا کیون کیا جائے،

(۲) دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ و حشمت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو، اور خلق کی ملامت کو روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہونے پائے، مثلاً ابو یزید [illegible] سفر حجاز سے اپنے شہر مین واپس آئے تو لوگون نے بہت ہی اعزاز و اکرام سے ان کا استقبال کیا، اس خیر مقدم مین وہ خدا کی یاد سے غافل ہو گئے، انھون نے اسی وقت اپنی آستین سے ٹکیہ نکال کر کھانا شروع کر دیا، لوگون نے ان کو ٹکیہ کھاتے دیکھا تو ان کو ملامت کرنے لگے، اور

ان سے برگشتہ ہو گئے، ابویزید نے قصداً ایسا کیا تاکہ وہ دنیا اور دنیا والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں

(۳) تیسری یہ کہ وہ ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو، اور اس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور ریاکاری سمجھتا ہو، یہانتک کہ شریعت کو بھی ترک کر دیتا ہو، جو شیخ ہجویریؒ کے نزدیک صحیح نہیں"

حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس قول کی تائید کی ہے کہ ملامت عاشقوں کے لیے ایک تر و تازہ باغ، دوستوں کے لیے مایہ تفریح، مشتاقوں کے لیے راحت اور مریدوں کے لیے سرور ہے،

حضرت ابراہیم ادہمؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کبھی اپنی مراد کو بھی پہنچے تو انھوں نے کہا کہ ہاں دو بار، ایک مرتبہ میں کشتی میں بیٹھا ہوا تھا مجھکو کسی نے نہیں پہچانا، اس وقت میں پرانے اور پھٹے کپڑے پہنے ہوئے تھا، سر کے بال بڑھے ہوئے تھے، میری حالت دیکھکر کشتی والے مجھ پر ہنستے تھے، جو شخص آتا میرے سر کے بال پکڑ کر کھینچتا، اور تمسخر کرتا، اس وقت میری مراد حاصل ہو رہی تھی، اور میں اس لباس میں خوش ہو رہا تھا، مگر ایک روز یہ خوشی ختم ہو گئی، کیونکہ اس روز ایک مسخرہ اٹھا اور اس نے میرے اوپر پیشاب کر دیا اور مجھکو وہ لباس اتارنا پڑا،

دوسری بار میری مراد اس طرح پوری ہوئی کہ ایک روز سخت بارش ہو رہی تھی، جاڑے کا زمانہ تھا، ایک گاؤں میں پہنچا، میرا جبہ بھیگ گیا تھا ایک مسجد میں گیا، وہاں کسی نے مجھکو ٹھہرنے نہیں دیا، سردی سے پریشان ہو کر میں ایک حمام کی بھٹی میں گھس گیا اور دامن سمیٹ کر آگ کی طرف بیٹھ گیا، اس کے دھوئیں سے میرے کپڑے اور میرا منہ کالا ہو گیا، اس وقت میں اپنی مراد کو پہنچا

آگے سات بابوں میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے صحابۂ عظام، اہل البیت، اہل الصفہ، تبع تابعین، ائمہ اور صوفیائے متاخرین کا ذکر ہے،

چودھواں باب نہایت اہم ہے، اس میں صوفیوں کے مختلف فرقوں کے عقائد پر

ناقدانہ اور محققانہ مباحث میں تفصیل غالباً نامناسب نہ ہوگی،

رضا پہلا فرقہ محاسبیہ ہے جو عبداللہ بن حارث بن اسد المحاسبی کی جانب منسوب ہے، حارث محاسبی کا عقیدہ تھا کہ رضا مقامات میں سے نہیں، بلکہ احوال میں ہے، حضرت ہجویری نے رضا و مقامات کی تشریح کرکے حارث کی مدافعت کی ہے، اور رضا کی دو قسمیں بتائی ہیں (۱) خداوند کی رضا بندہ سے (۲) بندہ کی رضا خداوند تعالیٰ سے،

بندہ سے خداوند تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ وہ ان کو ثواب، نعمت اور بزرگی عطا کرتا ہے، اور خداوند تعالیٰ سے بندوں کی رضا یہ ہے کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں، خداوند تعالیٰ اپنے احکام میں یا تو کسی چیز سے منع کرتا ہے، یا عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے، مگر اس کے احکام کے ماننے والے اس کے خوف و ہیبت میں ایسے ہی لذت محسوس کرتے ہیں، جیسے اس کے لطف و کرم سے حظ اٹھاتے ہیں، اس کا جلال اور جمال ان کی نظروں میں یکساں ہے، اور وہ محض اسلیے کہ وہ اپنے اختیارات کو سلب کر لیتے ہیں جس کے بعد ان کا دل غیر کے اندیشہ سے نجات پا کر تمام غم و الم سے آزاد ہو جاتا ہے،

اصحاب رضا چار قسم کے ہوتے ہیں، ایک خداوند تعالیٰ کی عطا (خواہ وہ کیسی ہی ہو) پر راضی رہتے ہیں، یہ معرفت ہے، دوسرے اس کی نعمتوں (دنیاوی) پر راضی ہوتے ہیں، یہ دنیا والے ہیں، تیسرے مصیبت پر راضی رہتے ہیں، یہ رنج ہے، چوتھے احوال و مقامات کی قید سے نکل کر صرف خداوند تعالیٰ کی خوشی پر رہتے ہیں، یہ محبت ہے،

دوسرا گروہ قصاریہ کا ہے، اس کے پیشوا ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار ہیں جو خلق کی ملامت کو تزکیۂ نفس کے لیے ضروری سمجھتے ہیں، ملامت پر بحث چھٹے باب میں گذر چکی ہے اسلیے حضرت ہجویری نے اس موقع پر اس مسلک پر تفصیل کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی ہے،

سکر و صحو اس کے بعد گروہ طیفوریہ اور گروہ جنیدیہ کا ذکر ہے، اول الذکر کے پیشوا ابو یزید طیفور بن سہروشان البسطامی، اور موخر الذکر کے امام ابو القاسم الجنید بن محمد ہیں، پہلے گروہ کا عقیدہ سکر اور دوسرے کا صحو پر مبنی ہے، اس سلسلہ میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے بتایا ہے کہ سکر اور صحو کیا ہیں سکر حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے، ایک سالک جب محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے تو اس کی عقل عشق سے مغلوب ہو جاتی ہے، اور غایت بے خودی میں اس کے ادراک اور ہوش باقی نہیں رہتے، اس پر محویت اور فنا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، صحو محویت کے بعد حصول مراد کا نام ہے، جس میں جمال محبوب کے مشاہدہ سے حیرت اور وحشت باقی نہیں رہتی، صحو میں غفلت سے حجاب پیدا ہوتا ہے، لیکن جب یہی غفلت محبت بن جاتی ہے، تو وہ کشف ہے، صحو غفلت کے قریب ہو تو سکر ہے، اور سکر محبت کے قریب ہو تو صحو ہے، جب دونوں کی اصل صحیح ہوں تو سکر صحو اور صحو سکر ہے، اس جزوی اختلاف کے باوجود، دونوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں، لیکن جب دونوں کی اصل صحیح نہ ہو تو دونوں بے فائدہ ہیں، حضرت شیخ ہجویریؒ خود جنیدی مسلک کے پابند تھے، اور صحو کو سکر پر فوقیت دیتے تھے، لکھتے ہیں کہ مقام صحو مردوں کی جائے فنا ہے،

عزلت نشینی پانچواں گروہ نوریہ کا ہے جس کے پیشوا ابن الحسن بن نوریؒ ہیں، وہ درویشوں کی عزلت گزینی کو ایک نامحمود فعل سمجھتے ہیں، اور صحبت کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور اصحاب صحبت کے لیے ایثار و کلفت برداشت کرنے کو بھی ضروری سمجھتے ہیں، ورنہ اس کے بغیر صحبت حرام ہے اور اگر صحبت کے ساتھ ایثار، رنج و کلفت کے ساتھ محبت بھی شامل ہو، تو یہ اور زیادہ اولیٰ ہے، حضرت ہجویریؒ نے فرقہ نوریہ کے اس مسلک کو پسندیدہ کہا ہے،

مجاہدہ و ریاضت (۶) سہلیہ :- اس کے امام حضرت سہل بن تستریؒ ہیں، ان کی تعلیم اجتہاد

(جدوجہد مشقت)، مجاہدۂ نفس اور ریاضت ہے، اجتہاد، مجاہدہ اور ریاضت کی غرض نفس کی مخالفت ہے، اسلیے حضرت ہجویریؒ نے نفس کی تشریح واضح طور سے کی ہے،

فرماتے ہین کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتون کا سرچشمہ ہے، نفس کو نہ پہچاننا اپنے کو نہ پہچاننا ہے، جو شخص اپنے کو نہین پہچانتا، وہ خدا کو نہین پہچان سکتا، نفس کا فنا ہو جانا حق کے بقا کی علامت ہے، اور نفس کی پیروی حق عزوجل کی مخالفت ہے، نفس پر جبر کرنا یعنی نفسانی خواہشون کو روکنا جہاد اکبر ہے، حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے اس مین بڑا غلو فرمایا ہے، وہ نفس کے مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار دیتے ہین سہل تستریؒ کے اس مسلک سے بعض گروہون کو اختلاف ہے، ان کا خیال ہے کہ مشاہدہ محض عنایت ایزدی پر منحصر ہے، مجاہدہ وصل حق کی علت نہین ہو سکتا، ممکن ہے ایک شخص حجرہ کے اندر عبادت مین مشغول ہو، پھر بھی حق سے دور ہو اور ایک شخص خرابات مین رہتا ہو گنہگار ہو اور اسے قرب خداوندی حاصل ہو، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس اختلاف کو محض الفاظ اور تعبیر کا اختلاف قرار دیا ہے، کہ ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے تو اس کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے، دوسرا مشاہدہ کرتا ہے کہ مجاہدہ حاصل ہو، مشاہدہ کے بغیر مجاہدہ نہین، اور مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ نہین، اس رائے کے باوجود حضرت شیخ ہجویریؒ مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار نہین دیتے، بلکہ اس کو وصل حق کا طریقہ اور ذریعہ سمجھتے ہین،

نفس کے بعد ہوا یعنی نفس کی خواہشون کا ذکر ہے، اس مین بتایا گیا ہے کہ بندہ دو چیزون کا تابع رہتا ہے، ایک عقل کا دوسرے نفس کی خواہشون کا، جو عقل کا تبع ہوتا ہے وہ ایمان کی طرف جاتا ہے، اور جو ہوا کی پیروی کرتا ہے، وہ کفر، گمراہی اور ضلالت کی طرف مائل ہے، حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ وصل حق کیا چیز ہے؟ فرمایا "ہوا کا ترک کرنا" حضرت ہجویریؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے، اور کہا ہے کہ سب سے بڑی عبادت ہوا کا ترک کرنا ہے، گو اس کا

ترک کرنا ناخن سے پہاڑ کھودنے سے بھی زیادہ مشکل ہے،

حضرت ہجویریؒ نے ہوا کی دو قسمیں بتائی ہیں (۱) لذت اور شہوت (۲) جاہ طلبی، اول الذکر کے فتنہ سے خلق محفوظ رہتی ہے لیکن موخر الذکر سے خلق کے درمیان فتنہ پیدا ہوتا ہے خصوصاً جب یہ جاہ طلبی خانقاہوں میں ہو،

ولایت و کرامت

(۷) فرقہ حکیمیہ :- یہ گروہ حضرت ابو عبداللہ بن علی الحکیم الترمذی کی جانب منسوب ہے، اس فرقہ کا مسلک ہے کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے جو نفس کی حرص و آز سے پاک ہو کر اسرار الٰہی سے واقف ہوتا ہے، اور اس سے کرامت ظاہر ہو سکتی ہے، اس سلسلہ میں حضرت ہجویریؒ نے ولی کی ولایت اور کرامت پر مفصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو اپنا دوست بناتا ہے، ان کی صفات یہ ہیں کہ دنیاوی مال و دولت سے بے نیاز ہو کر وہ صرف ذات خداوندی سے محبت کرتے ہیں جب دوسرے لوگ ڈرتے ہیں تو وہ نہیں ڈرتے، اور جب دوسرے غمزدہ ہوتے ہیں تو وہ نہیں ہوتے، اور جب ایسے لوگ دنیا میں باقی نہ رہیں گے تو قیامت آجائے گی، معتزلہ کا اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس کے دوست ہیں، کوئی بندہ خاص اور برگزیدہ نہیں ہوتا، اللہ کا خاص بندہ صرف نبی ہوتا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو خاص بناتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول کی رسالت کی دلیل روشن اور واضح ہوتی رہے، فرقہ حشوی خاص بندوں کا ہونا جائز سمجھتا ہے مگر اس کا خیال ہے کہ ایسے بندے تھے ضرور مگر اب نہیں ہیں، لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ کہتے ہیں کہ ایسے بندے ہر زمانہ میں ہوتے ہیں، اور ان کی قسمیں بتائی ہیں،

(۱) اخیار (۲) ابدال (۳) ابرار (۴) اوتاد (۵) نقبا (۶) قطب یا غوث :

ایک گروہ کا اعتراض ہے کہ ولی اپنی ولایت کے باعث عاقبت سے بے خوف اور دنیا پر مغرور ہو سکتا ہے لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے بہت سے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدۂ حق میں باقی ہو، اسے اپنے وجود کی خبر نہ ہو، اور نہ اس کو اللہ کے سوا غیر کے ساتھ قرار ہو، وہ مشہور ہوتا ہے لیکن شہرت سے پرہیز کرتا ہے، کیونکہ شہرت باعثِ فساد و رعونت ہے،

جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے تو اس سے کرامت ظاہر ہوتی ہے، کرامت ولی کا خاصہ ہے، کرامت نہ عقل کے نزدیک محال ہے اور نہ اصولِ شریعت کے خلاف ہے، کرامت محض "مقدورِ خداوندی" ہے یعنی اس کا ظہور کسب سے نہیں، بلکہ خدا کی بخششوں سے ہوتا ہے،

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ کرامت کا ظہور کب ہوتا ہے، ابو یزیدؒ، ذوالنون مصریؒ اور محمد بن خفیف وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا ظہور سکر کے حال میں ہوتا ہے، اور جو صحو کے حال میں ہو، وہ نبی کا معجزہ ہے۔ ولی جب تک بشریت کے حال میں رہتا ہے، وہ محجوب رہتا ہے، اور جب خدا کے الطاف و اکرام کی حقیقت میں مدہوش ہو جاتا ہے، تو اس حال میں جو سکر ہے، کرامت ظاہر ہوتی ہے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ولی کے نزدیک پتھر اور سونا دونوں برابر ہو جاتے ہیں،

حضرت جنیدؒ اور ابو العباس سیاریؒ وغیرہ کا مسلک ہے کہ کرامت سکر میں نہیں بلکہ صحو اور تمکین میں ظاہر ہوتی ہے، ولی خدا کے ملک کا مدبر، واقف کار اور والی ہوتا ہے اور اس سے ملک کی گتھیاں سلجھتی ہیں، اسی لیے اس کی رائے سب سے زیادہ صائب اور اس کا دل سب سے زیادہ شفیق ہوتا ہے، مگر یہ مرتبہ تلوین اور سکر میں حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ

تلوین اور سکر ابتدائی مدارج ہین، اور جب یہ آخری منازل تمکین اور صحو مین منتقل ہو جاتے ہین، تو ولی برحق ہوتا ہے، اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے،

اس بحث کے بعد اولیاء اللہ کی کرامتوں کا بیان ہے، پھر دو فصلوں مین بتایا گیا ہے کہ انبیاء، اولیا سے افضل تر ہین، اور انبیاء و اولیاء فرشتون پر فضیلت رکھتے ہین،

فنا و بقا (۸) فرقہ خرازی :- یہ فرقہ حضرت ابوسعید خرازؒ کی جانب منسوب ہے جنھون نے سب سے پہلے مقام فنا اور بقا سے بحث کی ہے، اس لیے اس فصل مین حضرت شیخ ہجویریؒ نے صرف فنا اور بقا پر روشنی ڈالی ہے،

کچھ لوگون کا خیال ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات اور وجود کا مٹا دینا، اور بقا سے مراد خدا سے متحد ہو کر اس مین حلول کر جانا ہے لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے ان دونون کی تردید کی ہے، ان کے نزدیک ذات اور وجود کا نیست ہو کر خدا مین حلول کرنا محال ہے، کیونکہ حادث قدیم سے مصنوع صانع سے، مخلوق خالق سے متحد اور ممتزج نہین ہو سکتا، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک فنا سے مراد شہوات و لذات کو ترک کر کے خصائص بشریت سے اس طرح علیحدہ ہو جانا ہے کہ پھر محبت و عداوت، قرب و بعد، وصل و فراق، اور صحو و سکر مین کوئی تمیز باقی نہ رہ جائے، اور جب یہ مقصود حاصل ہو جائے تو یہی بقا ہے، اس کو مختصر الفاظ مین یون کہا جا سکتا ہے کہ انسانیت کے تعلقات سے کنارہ کش ہونے کا نام فنا ہے، اور اخلاص و عبودیت کا نام بقا ہے، یا علائق دنیوی سے علیحدہ ہونا فنا ہے، اور خدا کا جلال دیکھنا بقا ہے، اس غلبۂ جلال سے یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سالک دین و دنیا کو فراموش کر دیتا ہے، حال و مقام سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اور اس کی زبان حق تعالیٰ سے ناطق ہو جاتی ہے،

غیبت و حضور (۹) فرقہ حکیمی :- یہ فرقہ حضرت ابو عبد اللہ بن خفیف کی جانب منسوب ہے،

اس کا مذہب تصوف "غیبت و حضور" ہے،

غیبت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا، اور حضور سے مراد اس کا خدا کے ساتھ رہنا ہے، اپنے سے غیبت حق سے حضور ہے، یعنی جو شخص اپنے سے غائب ہے، وہ خدا تعالےٰ کی بارگاہ مین حاضر ہے، ایک سالک کے اپنے سے غائب ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی ہستی کے وجود کی آفتون سے دور ہو، اس کی صفات بشری ختم ہو گئی ہون، اور اس کے تمام ارادے پاک ہون،

اس سلسلہ مین صوفیۂ کرام نے یہ بحث کی ہے کہ غیبت حضور پر مقدم ہے، یا حضور غیبت پر، ایک گروہ کہتا ہے کہ غیبت سے حضوری حاصل ہوتی ہے، دوسرا کہتا ہے کہ حضوری سے غیبت حاصل ہوتی ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کا خیال ہے کہ دونون برابر ہین، کیونکہ غیبت سے مراد حضور ہے، جو اپنے سے غائب نہین ہے، وہ حق سے حاضر نہین ہے، اور جو حاضر ہے، وہ غائب ہے، یہ نکتہ حضرت جنیدؒ کے حال سے واضح ہو جاتا ہے، انھون نے فرمایا کہ مجھ پر کچھ زمانہ ایسا گذرا ہے کہ آسمان اور زمین میرے حال پر روتے تھے، پھر خدا نے ایسا کر دیا کہ مین ان کی غیبت پر روتا تھا، اور اب یہ زمانہ ہے کہ مجھ کو نہ آسمان کی خبر ہے، نہ زمین کی اور نہ خود اپنی،

جمع و تفرقہ

(۱۰) فرقۂ سیاریہ:۔ یہ فرقہ ابو عباس سیاری کی جانب منسوب ہے، جو مرو کے امام تھے، ان کی بحث جمع و تفرقہ پر ہے، حضرت ہجویریؒ نے اس پر یہ روشنی ڈالی ہے کہ ارباب علم کے نزدیک جمع توحید کا علم اور تفرقہ احکام کا علم ہے، مگر اصحاب تصوف کے نزدیک تفرقہ سے مکاسب اور جمع سے مواہب مراد ہین، جب سالک خدا کے راستہ مین مجاہدہ کرتا ہے، تو وہ تفرقہ مین ہے، اور جب خدا کی عنایت اور مہربانی سے سرفراز ہوتا ہے، تو یہ جمع ہے، جمع مین بندہ کچھ سنتا ہے، تو خدا سے، کچھ دیکھتا ہے، تو خدا کو، کچھ لیتا ہے تو خدا سے اور

کچھ کرتا ہے تو خدا سے، پس بندہ کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے فعل کے وجود اور مجاہدہ کو خدا کی نوازشوں میں مستغرق پائے، اور مجاہدہ کو ہدایت کے پہلو میں منفی کردے، کیونکہ جب ہدایت غالب ہوتی ہے، تو کسب اور مجاہدہ بے کار ہیں، چنانچہ فرقہ سیاریہ کا مسلک ہے کہ تفرقہ اور جمع اجتماع ضدین ہیں، جمع کا اظہار تفرقہ کی نفی پر ہے لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے، اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ جس طرح آفتاب سے نور، جوہر سے عرض اور موصوف سے صفت جدا نہیں ہو سکتی ہے، اسی طرح شریعت حقیقت سے اور مجاہدہ ہدایت سے علیحدہ نہیں ہو سکتا، ممکن ہے کہ مجاہدہ کبھی مقدم ہو، اور کبھی موخر، مقدم کی حالت میں مشقت زیادہ ہوتی ہے، اس وجہ سے کہ وہ غیبت کی حالت میں ہوتا ہے، اور جب مجاہدہ موخر ہوتا ہے تو رنج و کلفت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ حالتِ حضوری میں ہوتا ہے۔ حضرت شیخ ہجویریؒ نے دونوں کو لازم ملزوم اس لیے قرار دیا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ خدا کا قرب ہدایت سے حاصل ہوتا ہے، نہ کہ کوشش سے،

اس کے بعد حضرت شیخ ہجویریؒ نے جمع کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ (۱) جمع سلامت (۲) جمع تکسیر، جمع سلامت میں بندہ مغلوب الحال رہتا ہے لیکن خداوند تعالیٰ اس کا محافظ ہوتا ہے اور اپنے حکم کی تعمیل کرانے میں نگاہ رکھتا ہے، مثلاً حضرت ابو یزید بسطامیؒ، ابو بکر شبلیؒ، اور ابو الحسن حصریؒ ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے لیکن نماز کے وقت اپنے حال میں لوٹ جاتے تھے، اور جب نماز پڑھ چکتے تھے تو پھر مغلوب الحال ہو جاتے تھے،

جمع تکسیر میں بندہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے بیہوش ہو جاتا ہے، اور اس کی حالت مجنونوں کی سی ہو جاتی ہے، اسی لیے یہ معذور اور دل الذکر مشکور کہلاتے ہیں، حضرت شیخ ہجویریؒ نے مشکور بندوں کو زیادہ فوقیت دی ہے،

حلولی روح	گیارہواں فرقہ حلولیہ ہے، جو ابو حلمان دمشقی کی طرف منسوب ہے، بارہویں

فرقہ کا نام نہین لیا ہے، مگر اس سلسلہ کے بانی کا نام فارس (یعنی فارس بن عیسیٰ بغدادی) بتایا ہے،

حضرت شیخ ہجویریؒ نے فرقہ حلولیہ کو زندیق اور کافر کہا ہے..... خدائے تعالیٰ مین بندہ کی روح کا حلول کرنا محال ہے، کیونکہ روح حادث ہے قدیم نہین، اس کو خدا کی صفت بھی کہہ سکتے ہین، خالق اور مخلوق کی صفت یکسان نہین ہو سکتی، پھر قدیم و حادث اور خالق و مخلوق کی صفت کیونکر ایک دوسرے مین حلول کر سکتی ہے، روح محض ایک جسم لطیف ہے، جو خدا کے حکم سے قائم ہے، اور اسی کے حکم سے آتی جاتی ہے، اس لیے حلولیہ کا مسلک توحید اور دین کے خلاف ہے جو کسی طرح تصوف نہین کہا جا سکتا ہے،

گذشتہ صفحات مین حضرت شیخ ہجویریؒ نے تصوف پر نظری اور تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے، جس سے اس کی اصل تاریخ اور اس کے مختلف فرقون اور گروہون کے عقائد کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن آئندہ ابواب مین تصوف کے عملی مسائل پر مباحث ہین، اور راہ سلوک مین بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہین، ان مین سے ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تشریح اور توضیح ہے،

معرفت | پہلا پردہ خدا کی معرفت کا ہے، معتزلہ کہتے ہین کہ معرفت علم اور عقل سے ہوتی ہے مگر حضرت شیخ ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے، وہ کہتے ہین کہ اگر معرفت علم اور عقل سے ہوتی تو ہر عالم اور عاقل عارف ہوتا، حالانکہ ایسا نہین ہے، حضرت ہجویریؒ کا خیال ہے کہ معرفت اسی بندہ کو حاصل ہوتی ہے جس پر خداوند تعالیٰ کی عنایت ہو، وہی دل کو کھولتا ہے اور بند کرتا ہے، کشادہ کرتا ہے اور مہر لگاتا ہے، عقل اور دلیل معرفت کا ذریعہ ہو سکتی ہے مگر علت نہین، علت صرف اس کی عنایت ہے، چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ خدا کو مین نے خدا ہی سے پہچانا، اور خدا کے سوا کو اسکے نور سے پہچانا، معرفت کیا ہے؟ اس پر حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیہ کرام کے اقوال کی روشنی مین بحث کی ہے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہین کہ معرفت یہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب نہ ہو، کیونکہ تعجب اس

فعل سے ہوتا ہے، جو مقدور سے زیادہ ہو لیکن خدائے تعالیٰ ہر کمال پر قادر ہے، پھر عارف کو اسکے افعال پر تعجب کیوں ہو، حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ بہیم لطائف کے انوار سے بندہ کو اپنے اسرار سے آگاہ یعنی اس کے دل کو روشن اور آنکھ کو بینا کرکے اس کو تمام آفتوں سے محفوظ رکھے، اس کے دل میں خدا کے سوا موجودات اور شبہات کا ذرہ برابر وزن قائم ہونے نہ دے جس کے بعد بندہ ظاہری اور باطنی اسرار کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، شیخ شبلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ معرفت حیرت دوام کا نام ہے، حیرت دو طرح پر ہوتی ہے، ایک ہستی ہیں، دوسرے چگونگی ہیں، ہستی ہیں حیرت کا ہونا شرک اور کفر ہے، اور چگونگی ہیں معرفت، کیونکہ خدا کی ہستی ہیں شک نہیں کیا جا سکتا، مگر اس کی ہستی کی چگونگی سے یقین کامل پیدا ہوتا ہے، اور پھر حیرت، حضرت بایزید بسطامیؒ کا قول ہے کہ معرفت یہ ہے کہ بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مخلوق کی تمام حرکات وسکنات خدا کی طرف سے ہیں، کسی کو خدا کے اذن کے بغیر اس کے ملک ہیں تصرف نہیں ہے، اور ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے، ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے، ہر شے کی صفت اس کی صفت سے ہے، متحرک اس سے متحرک ہے، اور ساکن اس سے ساکن ہے، بندہ کا فعل محض مجازاً ہے، ورنہ درحقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے،

توحید دوسرا پردہ توحید کا ہے، توحید تین طرح پر ہوتی ہے، (۱) یعنی خداوند تعالیٰ کو خود بھی اپنی وحدانیت کا علم ہے (۲) خداوند تعالیٰ بندوں کو اپنی وحدانیت تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے (۳) بندوں کو خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہوتا ہے، اور جب سالک کو یہ علم بدرجہ اتم حاصل ہو جاتا ہے، تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے جو فصل و وصل کو قبول نہیں کرتا، وہ قدیم ہے، اس لیے حادث نہیں، وہ محدود نہیں جس کے لیے طرفین ہوں، وہ مکین نہیں جس کے لیے مکان ہو، وہ عرض نہیں جس کے لیے جوہر ہو، وہ کوئی طبع نہیں کہ اس ہیں حرکت

اور سکون ہو، وہ کوئی روح نہیں کہ اس کے لئے بدن ہو، وہ کوئی جسم نہیں کہ اس کے لئے اجزا ہوں وہ قوت اور حال نہیں کہ اور چیزوں کی جنس ہو، وہ کسی چیز سے نہیں کہ کوئی چیز اس کا جزء ہو، اس کی ذات و صفات میں کوئی تغیر نہیں، وہ زندہ رہنے والا ہے، وہ جاننے والا ہے، سننے والا ہے، دیکھنے والا ہے، کلام کرنے والا ہے، اور باقی رہنے والا ہے، وہ جو کچھ چاہتا ہے، وہی کرتا ہے، اور وہی چاہتا ہے، جو چاہتا ہے، اس کا حکم اس کی مشیت سے ہے، اور بندوں کو اس کے بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہیں، وہی نفع اور نقصان کا باعث ہے، وہی نیکی اور بدی کا اندازہ کرنے والا ہے،

ایمان تیسرا پردہ ایمان کا ہے، اس میں یہ بحث ہے کہ ایمان کی علت کیا ہے، معرفت یا طاعت، ایک گروہ کا خیال ہے، کہ ایمان کی علت معرفت ہے، اگر معرفت ہو اور طاعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بندہ سے مواخذہ نہ کرے گا لیکن طاعت ہو اور معرفت نہ ہو تو بندہ نجات نہیں پائے گا، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک وہ معرفت پسندیدہ نہیں ہے جس میں طاعت نہ ہو، ان کے نزدیک معرفت شوق اور محبت کا نام ہے، اور شوق اور محبت کی علامت طاعت ہے، شوق اور محبت جس قدر زیادہ ہوتی جائے گی، اسی قدر فرمان الٰہی کی تعظیم ..... بڑھتی جائے گی، یہ کہنا غلط ہے کہ طاعت کی ضرورت اسی وقت تک ہے جب تک خداوند تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہو، اور حصول معرفت کے بعد دل شوق کا محل بن گیا، اور جسمانی طاعت کی تکلیف اٹھ گئی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب قلب خدا کی دوستی کا محل، آنکھیں اس کے دیدار کا محل، جان عبرت کا محل اور دل مشاہدہ کا مقام ہو گیا تو پھر تن کو اس کی طاعت ترک نہ کرنی چاہیے،

طہارت چوتھا پردہ طہارت کا ہے، حضرت ہجویریؒ کے نزدیک ایمان کے بعد طہارت فرض ہے،

اس کی دو قسمیں ہیں، (۱) طہارت ظاہر (۲) طہارت باطن، طہارت ظاہر سے مراد بدن کا پاک ہونا ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں، اور طہارت باطن سے مراد دل کا پاک ہونا ہے، جس کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، باطن کی طہارت خدا کی بارگاہ میں توبہ سے ہوتی ہے، جو سالک کا پہلا مقام ہے، توبہ کے معنی ہیں خداوند تعالیٰ کے خوف سے اس کے نواہی سے باز رہنا، توبہ کے لیے تین شرطیں ہیں (۱) خدا کے حکم کی مخالفت پر تاسف ہو (۲) یہ مخالفت فوراً ترک کر دی گئی ہو (۳) اس کی طرف لوٹنے کا خیال نہ ہو، یہ شرطیں اسی وقت ممکن ہیں جب ندامت ہو، اس ندامت کے لیے بھی تین شرطیں ہیں (۱) عقوبت کا خوف ہو (۲) یہ خیال ہو کہ برے کاموں کا حاصل کچھ بھی نہیں (۳) نافرمانیوں سے پشیمانی ہو کہ خدا سب کچھ دیکھتا ہے،

ندامت سے توبہ کرنے والوں کی بھی تین قسمیں ہیں،

(۱) عذاب کے ڈر سے، اس کو توبہ کہتے ہیں جو عام بندے کیا کرتے ہیں،

(۲) ثواب کی خواہش سے، یہ انابت ہے جو اولیاء اللہ کے لیے مخصوص ہے،

(۳) حصول عرفان کے لیے، یہ اوابت ہے، جو انبیاء و مرسلین کے لیے ہے،

آگے چل کر توبہ کی بھی تین قسمیں بتائی گئی ہیں:-

(۱) خطا سے ثواب کی جانب ہو، یعنی گناہ کرنے والا بخشش کا خواستگار ہو، یہ توبہ عام ہے،

(۲) صواب سے صواب کی طرف ہو، یہ اہل ہمت اور خاص لوگوں کی توبہ ہے،

(۳) خودی سے حق تعالیٰ کی طرف ہو، یہ محبت کی دلیل ہے،

نماز پانچواں حجاب نماز کا ہے، اس میں حضرت شیخ ہجویریؒ نے صوفیانہ رنگ میں بتانے کی کوشش کی ہے کہ نماز بندوں کو خدا کے راستہ پر پہنچاتی ہے، اور ان پر اس راہ کے تمام مقامات کھل جاتے ہیں، وضو یعنی جسم کی طہارت، توبہ یعنی باطن کی طہارت ہے، قبلہ رو ہونا، مرشد سے

تعلق پیدا کرنا ہے، قیام نفس کا مجاہدہ ہے، قرات ذکر ہے، رکوع تواضع ہے، سجدہ نفس کی معرفت ہے، تشہد انس یعنی محبت کا مقام ہے، اور سلام دنیا سے تنہا ہو کر مقامات سے باہر آنا ہے، نماز کے سلسلہ مین بہت سی بحثین ہین، مثلاً صوفیہ کا ایک گروہ نماز کو حضور کا ذریعہ (آلہ) اور دوسرا غیبت کا محل سمجھتا ہے لیکن حضرت شیخ ہجویریؒ نے دونون کی تردید کی ہے، ان کے دلائل یہ ہین، کہ اگر نماز حضور کی علت ہوتی تو نماز کے سوا حضوری نہ ہوتی، اور اگر غیبت کی علت ہوتی تو غائب نماز کو ترک کرنے سے حاضر ہوتا، چنانچہ حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز محض اپنی ذات کا ایک غلبہ ہے جس کا تعلق غیبت اور حضور سے نہین،

ایک بحث یہ بھی ہے کہ نماز سے تفرقہ ہوتا ہے، یا جمع، جن کو نماز مین تفرقہ ہوتا ہے، وہ فرض اور سنت کے سوا نمازین بہت کم پڑھتے ہین، اور جن کو جمع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے، وہ رات دن نمازین پڑھا کرتے ہین، شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز پڑھنے والون کے لیے نفس کا فنا کرنا ضروری ہے، مگر اس کے لیے ہمت کو جمع کرنے کی ضرورت ہے، اور جب ہمت جمع ہو جاتی ہے، تو نفس کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ نفس کی حکومت تفرقہ سے قائم رہتی ہے، تفرقہ عبادت کے ساتھ جمع نہین ہو سکتا،

حضرت شیخ ہجویریؒ کی رائے مین اصلی نماز یہ ہے کہ جسم عالم ناسوت مین ہو، اور روح عالم ملکوت مین، صوفیائے کرام نے ایسی نمازین پڑھی ہین، حضرت حاتم اصمؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب مین نماز پڑھتا ہون تو بہشت کو اپنی سیدھی جانب اور دوزخ کو پشت کی جانب دیکھتا ہون، حضرت ابو الخیر اقطع کے پاؤن مین آکلہ ہو گیا تھا، اطبا نے پاؤن کاٹنا چاہا، مگر وہ راضی نہ ہوئے، ایک روز وہ نماز سے فارغ ہوئے، تو پاؤن کو کٹا ہوا پایا، ایک بی بی کو نماز مین بچھو نے چالیس بار ڈنک مارے مگر ان کی حالت مین کسی قسم کا تغیر نہ ہوا، وہ نماز سے فارغ ہوئین تو ان سے پوچھا گیا، کہ بچھو کو کیون

نہین اپنے سے دور کیا، بولین، خدا کے کام کے درمیان اپنا کام کیسے کرتی، مردوں کے لیے
نماز باجماعت کی تاکید ہر حال مین کی ہے، چنانچہ انھون نے خود چالیس برس کی مسلسل حیات
مین ہر وقت کی نماز جماعت سے ادا کی، اور جمعہ کی نماز کسی قصبہ مین پڑھی جیساکہ پہلے ذکر آچکا ہے،

زکوٰۃ | چھٹا حجاب زکوٰۃ ہے، جو ایمان کا جزء ہے، اس سے روگردانی جائز نہین، سالک کو
زکوٰۃ مین نہ صرف سخی، بلکہ جواد ہونا چاہیے، سخی سخاوت کے وقت اچھے اور برے مال مین اور
اس کی زیادتی و کمی مین تمیز کرتا ہے، مگر جواد کے ہان اس قسم کا فرق و امتیاز نہین ہوتا،

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ صوفی کے فقر مین زکوٰۃ کی گنجایش کہان ہے؟
مگر حضرت ہجویریؒ کے نزدیک زکوٰۃ صرف مال ہی کی نہین ہر شے کی ہوتی ہے، زکوٰۃ کی
حقیقت نعمت کی شکر گذاری ہے، تندرستی ایک نعمت ہے جس کے لیے زکوٰۃ لازم ہے،
اس کی زکوٰۃ سب اعضا کو عبادت مین مشغول رکھنا ہے، باطن بھی ایک نعمت ہے، اس کی
زکوٰۃ عرفان حاصل کرنا ہے،

روزہ | ساتوان حجاب روزہ ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک روزہ سے مراد حواس
خمسہ کو اس طرح مقید کرنا ہے کہ نفس و ہوا کا گذر نہ ہو، بھوک سے بحث کرتے ہوئے بتایا ہے،
کہ اس سے نفس مین فتادگی اور دل مین عاجزی پیدا ہوتی ہے، اگرچہ بھوک سے جسم بلا مین
مبتلا ہوتا ہے، لیکن دل کو روشنی، جان کو صفائی اور سر کو بقا حاصل ہوتی ہے حضرت ابو العباس
قصابؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب مین کھاتا ہون تو اپنے مین گناہون کا مادہ پاتا ہون، اور جب
کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتا ہون تو سب طاعتون کی اصل پاتا ہون، حضرت عبد اللہ تستریؒ
پندرہ روز مین ایک دفعہ کھانا کھاتے تھے، اور جب ماہ رمضان المبارک شروع ہوتا تھا،
تو معمولی افطار کے سوا عید تک وہ کچھ نہین تناول فرماتے تھے، حضرت ابراہیم ادہمؒ بھی رمضان المبارک

مین کوئی چیز نہین کھاتے تھے، حالانکہ سخت گرمی کا موسم ہوتا تھا، روزانہ گیہون کاٹنے کے کام پر جایا کرتے تھے، اور جو کچھ مزدوری ملتی تھی اس کو فقرا اور مساکین کو دیدیا کرتے تھے،

حج | آٹھوان حجاب حج کا ہے حضرت ہجویریؒ کے نزدیک حج کے لیے ایک صوفی کا نکلنا گناہون سے توبہ کرنا ہے، کپڑے اتار کر احرام باندھنا انسانی عادتون سے علیحدہ ہونا ہے، عرفات مین قیام کرنا مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا ہے، مزدلفہ جانا نفسانی مرادون کو ترک کرنا ہے، خانہ کعبہ کا طواف کرنا خدائے تعالیٰ کے جمال باکمال کو دیکھنا ہے، صفا اور مروہ مین دوڑنا دل کی صفائی اور اس مین مروت حاصل کرنا ہے، منی مین آنا آرزوؤن کو ساقط کرنا ہے، قربانی کرنا گویا نفسانی خواہشون کو ذبح کرنا ہے اور کنکریان پھینکنا برے ساتھیون کو دور کرنا ہے، جس صوفی کو حج مین یہ کیفیات حاصل نہین ہوئیں، اس نے گویا حج نہین کیا،

مشاہدہ | حضرت شیخ ہجویریؒ نے حج کو مقام مشاہدہ قرار دیا ہے، اس لیے اس باب مین مشاہدہ پر بحث کی ہے، حضرت ابو العباس نے فرمایا کہ مشاہدہ یقین کی صحت اور محبت کا غلبہ ہے، یعنی جب خداوند تعالیٰ کی محبت کا غلبہ اس درجہ پر ہو کہ اس کی کلیت اس کی حدیث ہو جائے تو پھر اللہ کے سوا کوئی اور چیز دکھائی نہین دیتی، حضرت شیخ شبلیؒ فرماتے ہین کہ مین نے جس چیز کی طرف دیکھا، خداوند عالم کے لیے دیکھا، یعنی اس کی محبت کا غلبہ اور اس کی قدرت کا مشاہدہ کیا، ان دونون اقوال سے ظاہر ہوتا ہے، کہ مشاہدہ مین ایک گروہ فاعل کو اور دوسرا فاعل کے فعل کو دیکھتا ہے، حضرت شیخ ہجویریؒ کے نزدیک مشاہدہ دل کا دیدار ہے، دل پر تو انوار الٰہی ہے، اس لیے ظاہر اور باطن مین حق تعالیٰ کا دیدار کرتا ہے، اور یہ دیدار کیفیت ہے جو ذکر و فکر مین حاصل ہوتی ہے،

آداب سالک | اس کے بعد مختلف ابواب مین حضرت شیخ ہجویریؒ نے سالک کے طریق و آدا

پر بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) سالک کے حال میں حق کے احکام کا اتباع کرتا ہو (۲) بندوں کا
حق بھی ادا کرتا ہو (۳) اس کے لیے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے، کیونکہ تنہائی اس کے لیے
آفت ہے (۴) جب کوئی درویش اس کے پاس آئے، تو عزت کے ساتھ اس کا استقبال
کرے (۵) سفر کرے تو خدا کے واسطے کرے یعنی اس کا سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی
تربیت کی زیارت کے لیے ہو (۶) اس کا کھانا اور پینا بیماروں کے کھانے اور پینے کے مانند ہو
اور حلال ہو، وہ دنیادار کی دعوت قبول نہ کرے (۷) چلے تو خاکساری اور تواضع سے چلے، رعونت
اور تکبر اختیار نہ کرے (۸) اسی وقت سوئے جب نیند کا غلبہ ہو (۹) خاموش رہے، کیونکہ خاموشی
گفتار سے بہتر ہے، لیکن گفتار کے ساتھ حق ہو تو وہ خاموشی سے بہتر ہے (۱۰) کسی چیز
کی طلب کرے تو خدا سے کرے (۱۱) تجرد کی زندگی سنت کے خلاف ہے، اس کے علاوہ
تجرد میں نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے لیکن اگر سالک خلق سے دور رہنا چاہتا ہو تو
مجرد رہنا اس کے لیے زیبا ہے،

سماع | آخر میں سماع پر بحث ہے، حضرت شیخ ہجویری کے نزدیک سماع مباح ہے، مگر اس کیلئے حسب ذیل شرطیں
ہیں، سالک سماع بلا ضرورت نہ سنے، اور طویل وقفہ کے بعد سنے، تاکہ اسکی تعظیم دل میں قائم رہے، محفل سماع میں
مرشد موجود ہو، عوام شریک نہ ہوں، قوال فاسق نہ ہوں، سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو،
طبیعت لہو و لعب کی طرف مائل نہ ہو، اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس کو تکلف کے ساتھ نہ روکے
اور کیفیت جاری رہے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب کرنے کی کوشش نہ کرے، وجد کے وقت کسی سے
مساعدت کی امید نہ رکھے، اور کوئی مساعدت کرے تو اس کو نہ روکے، قوال کے گانے کی اچھائی اور برائی
کا اظہار نہ کرے، محفل سماع میں لڑکے نہ ہوں، حضرت شیخ ہجویری نے سماع کے وقت رقص کو کسی حال میں
بھی پسند نہیں کیا ہے، بلکہ اسکو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے،

حضرت خواجہ معین الدین چشتی ؒ

نام ونسب | ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الملۃ والدین حسن چشتی سجزی قدس سرہ العزیز بلدۂ سجستان میں پیدا ہوئے[1]، سلسلۂ نسب یہ ہے:-

خواجہ معین الحق والدین بن غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر ابن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم بن سید محمد محمدی بن امام حسن عسکری بن امام نقی بن امام تقی بن امام موسیٰ رضا بن امام جعفر بن محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سید الکونین امام حسین بن علی المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین،

ابتدائی تعلیم | بارہ سال[2] کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ترکہ میں ایک باغ ملا، اس کی نگہبانی کرتے تھے، ایک روز ابراہیم قلندر نامی ایک مجذوب باغ میں آئے تو خواجہ معین الدین نے ان کی خدمت میں انگور کے خوشے پیش کیے لیکن انھوں نے انگور نہیں کھایا،

---

[1] سیر العارفین میں آپکے مولد شریف کا نام دار سنجان (؟) اور سیر الاقطاب میں اصفہان لکھا ہے، تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۳۷۵ میں ہے "تولد او در بلدۂ سجستان بود" اکبر نامہ میں ہے "خواجہ از سیستان است واو را سجزی نویسند کہ معرب سنگری است (ج ۲ ص ۱۵۴) تزک جہانگیری میں ہے "مولد آن جناب سیستان ست ازین جہت ایشان را سجزی نویسند کہ معرب سنگری است" (ص ۴)۔ راقم الحروف کے خیال میں سجزی کتابت کی غلطی ہے جو عوام و خواص میں پھیل گئی ہے، دراصل صحیح لفظ سجزی ہے عرب جغرافیہ نویس سیستان یا سجستان کو سجز بھی کہتے ہیں جسکی نسبت سجزی ہے اسلیے معین الدین سجزی کے بجائے سجزی صحیح ہے، سیر الاقطاب کے مصنف کا یہ کہنا کہ آنحضرت اصل از سادات سجستان است، قرین قیاس ہے،

[2] سیر الاقطاب ص ۱۰۱۔ اور مونس الارواح (قلمی نسخۂ دار المصنفین) میں ۱۵ سال مذکور ہے،

(اور کھلی کے ایک ٹکڑے (کنجارہ) کو دانتوں سے چبا کر خواجہ صاحب کے منہ مین دیا، کھلی کا کھانا تھا کہ خواجہ صاحب کا دل انوار الٰہی سے روشن ہوگیا[1]، علائق دنیا کو چھوڑ کر طلب خدا مین اٹھ کھڑے ہوئے، اور سمرقند پہنچے، یہان کلام پاک حفظ کیا، اور علوم ظاہری کی تعلیم مین مشغول رہے[2]

بیعت | سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے، قصبۂ ہارون[3] مین حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہ کی خدمت اقدس مین حاضر ہوئے، اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا، بیعت کے وقت مرشد نے مرید سے وضو کرایا، دو رکعت نماز پڑھوائی، پھر قبلہ رو ہو کر سورۂ بقرہ پڑھنے کو کہا، اس کے بعد اکیس بار درود شریف پڑھوایا، درود شریف کے بعد مرشد نے آسمان کی طرف اپنا چہرۂ مبارک اٹھایا، اور مرید کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، "ترا بخدا رسانیدم و مقبول حضرت او گردانیدم" پھر مرید کے سر کے بال قینچی سے تراشے اور کلاہ چہار ترکی اور گلیم خاص مرحمت کیا، مرشد کی کچھ اور ہدایتون پر خواجہ صاحب نے شبانہ روز عمل کیا، تو چند دنون مین انوار الٰہی سے اپنے قلب کو روشن اور منور پایا[4]

شجرۂ طریقت | حضرت خواجہ صاحب کا شجرۂ طریقت یہ ہے:-

خواجہ عثمان ہارونی، حاجی شریف زندانی، خواجہ محمد مودود چشتی، خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتی، خواجہ محمد چشتی، خواجہ ابو احمد چشتی، خواجہ ابو اسحٰق شامی چشتی سالار چشتیان، خواجہ ممشاد علو دینوری، شیخ امین الدین، خواجہ ہبیرۃ البصری، خواجہ سدید الدین حذیفہ مرعشی، حضرت ابراہیم ادہم، شیخ ابو الفیض فضیل بن عیاض، شیخ ابو الفضل عبد الواحد بن زید، شیخ حسن البصری، حضرت امیر المومنین

---

[1] سیر العارفین (اردو ترجمہ شمس المطالع) ص ۵، خزینۃ الاصفیا (مطبع ثمر ہند لکھنؤ) ص ۲۵۹ و مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین

[2] سیر العارفین مین ہے کہ حفظ کلام پاک اور تحصیل علوم ظاہری سمرقند اور بخارا مین کی [3] یہ قصبہ نیشاپور کے حدود مین واقع ہے، خیر المجالس مین بھی خواجہ ہارونی کا ذکر [illegible] (اخبار الاخیار ص ۵)

[4] سیر الاقطاب ص ۱۰۲

علیؓ بن ابی طالب، حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامی قصبہ چشت کے رہنے والے تھے، اسی لیے چشتی کہلائے، اور ان کا سلسلہ بھی چشتی سے موسوم ہوا،

خدمت مرشد | سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ خواجہ صاحب شیخ عثمان ہارونی کی خدمت میں ڈھائی سال رہے، اور ریاضات و مجاہدات میں زندگی بسر کی، سیر الاولیاء، سیر الاقطاب، اخبار الاخیار، مونس الارواح، سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ بیس سال تک اپنے پیر کی خدمت میں رہے۔ اور غلاموں کی طرح ان کی خدمت کرتے رہے، اس مدت میں خواجہ صاحب نے اپنے پیر و مرشد کے ساتھ دس سال تک سیاحت کی، (مونس الارواح) سفر میں مرشد کا بستر اور دوسری ضروری چیزیں اپنے سر پر رکھ کر چلتے۔

سیاحت | مرشد کی معیت میں سیوستان پہنچے، یہاں کا ایک واقعہ دلیل العارفین (مجلس چہارم) میں خود بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم ایک صومعہ میں پہنچے جس میں شیخ صدالدین محمد احمد سیوستانی رہتے تھے، یاد حق میں ان کا استغراق حد سے زیادہ تھا، میں کئی روز انکی خدمت میں رہا، جو کوئی ان کے پاس آتا، محروم نہ جاتا، اس کو کوئی چیز لا کر ضرور دیتے اور فرماتے کہ میرے حق میں دعائے خیر کرو کہ اپنا ایمان قبر تک سلامت لے جاؤں، جب وہ قبر اور موت کے شدائد کا حال سنتے تو بید کی طرح کانپتے اور روتے روتے ان کی آنکھوں سے خون بہنے لگتا جیسے کسی چشمہ سے پانی رواں ہو، یہ گریہ سات سات دن تک بند نہ ہوتا، آسمان کو دیکھ دیکھ کر روتے، اور ان کے رونے سے رونا آتا تھا، جب رونے سے فارغ ہوئے تو میری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا، اے عزیز جس کو موت آنے والی ہو اور اس کا حریف ملک الموت ہو، اس کو سونے، ہنسنے اور خوش رہنے سے کیا کام؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا، اے عزیز! اگر تمھیں ان لوگوں کا ذرا بھی حال معلوم ہو جو زیر خاک ایسی

کوٹھری میں سوتے ہیں جس میں بچھو بھرے ہوئے ہیں، تو اس کو معلوم کرتے ہی تم اس طرح گھل جاؤگے
جیسے پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک وقت میں ایک بزرگ کامل کے
ساتھ بصرہ کے ایک قبرستان میں بیٹھا ہوا تھا، پاس ہی قبر میں ایک مردہ پر عذاب ہو رہا تھا، ان
بزرگ نے جب یہ حال معلوم کیا تو زور سے نعرہ مار کر زمین پر گر پڑے، میں نے ان کو اٹھانا چاہا،
تو ان کی روح قالب سے پرواز کر گئی، اور تھوڑی دیر میں ان کا جسم پانی ہو کر بہ گیا۔ اس دن سے مجھ پہ
قبر کی بڑی ہیبت طاری ہے۔ اس لیے اے عزیز! دنیا میں اتنا مشغول نہ ہو کہ حق سے
غافل ہو جاؤ۔[۱]

حضرت شیخ اوحد الدین کرمانیؒ کے ساتھ سفر میں تھے تو ایک اور بزرگ نے بھی حضرت
خواجہ صاحب کو قبرستان کے احترام کی تلقین فرمائی، حضرت خواجہ صاحب خود فرماتے ہیں کہ
ایک بار ملک کرمان میں شیخ اوحد الدین کرمانی کے ہمراہ سفر میں تھا، ایک بزرگ کو دیکھا جو
بڑے صاحب نعمت و ریاضت تھے، میں نے ان کی طرح کسی اور کو یاد حق میں مشغول
نہ دیکھا، جب ہم ان کے پاس گئے تو دیکھا کہ ان کے بدن میں صرف روح ہی باقی تھی، گوشت
و پوست بالکل نہ تھا، وہ باتیں بہت کم کرتے تھے، ہم نے ارادہ کیا کہ ان سے دریافت کریں کہ
آپ کا ایسا حال کیوں ہے، انھوں نے اپنی روشن ضمیری سے ہمارے ارادے کو معلوم
کر لیا، اور ہمارے سوال کرنے سے پہلے اپنا حال بیان کرنا شروع کیا، کہ اے درویش ایک
روز میں اپنے دوست کے ساتھ قبرستان میں گیا، اور ایک قبر کے پاس ہم دونوں ٹھہرے
اتفاقاً اس دوست سے لہو و لعب کی کوئی بات سرزد ہو گئی، جس پر مجھے ہنسی آ گئی، ہنسنے
پر میرے کان میں یہ آواز آئی کہ جس کا حریف ملک الموت ہو، اور زیر خاک سانپ اور بچھو

---

[۱] دلیل العارفین، مطبع مجتبائی، ص ۱۷

کے درمیان اس کا گھر ہو اس کو ہنسی سے کیا سروکار، جب مین نے یہ بات سنی، آہستہ سے اٹھا، اور اپنے دوست کو رخصت کیا، وہ اپنے گھر گیا، اور مین اس غار مین آیا، اور یہان سکونت اختیار کرلی، اور اس دن سے مجھ پر بڑی ہیبت طاری ہے، اور خوف سے میری جان زیر و زبر گھلتی جاتی ہے، آج چالیس سال ہوئے کہ نہ مین ہنسا ہون اور نہ مین نے شرمندگی سے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا ہے، کہ کل قیامت کے دن وہان کیا منہ دکھاؤن گا،[1]

مرشد کے ہمراہ حضرت خواجہ نے حضرت خواجہ بہاء الدین اوشی سے بھی شرف ملاقات حاصل کیا، اور انھون نے خواجہ صاحب کو نصیحت فرمائی، کہ تمھین روپیہ پیسہ جو کچھ بھی ملے اپنے پاس نہ رکھنا، خدا کی راہ مین لٹا دینا، تاکہ اللہ کے دوستون مین تمھارا نام ہو،[2]

مرشد ہی کے ساتھ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی بھی زیارت کی، اور پیر و مرشد نے ان کے حق مین خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ مین دعائین کین، تو عالم غیب سے ندا آئی،

"معین الدین دوست ماست او را قبول کردم و برگزیدم"

مدینہ منورہ ہی مین بارگاہ رسالت سے خواجہ صاحب کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی، (سیر الاقطاب و مونس الارواح)

حضرت شیخ عثمان ہارونی کو خواجہ صاحب سے بڑی شیفتگی اور محبت تھی،

"معین الدین محبوب خدا است و مرا فخر است بر مریدی او"

---

[1] دلیل العارفین مجلس چہارم ص ١٥۔ [2] فوائد السالکین مجلس سوم [3] حضرت خواجہ صاحب نے اپنے مرشد کے ساتھ جو سیاحت کی اسکے کچھ اور واقعات دلیل العارفین مین مل سکتے ہین، حضرت خواجہ صاحب نے اپنی مختلف مقامات کی سیاحت کی تھی کہ ترتیب کے ساتھ انکا ذکر کرنا مشکل ہے، عاجز راقم نے سیاحت کے سلسلہ مین مختلف مقامات کی جو ترتیب لکھی ہے ممکن ہے ان مین کچھ تسامح ہو گیا ہو۔ [4] سیر العارفین ص ٦، سفینۃ الاولیا ص ١٥٠، سیر الاقطاب ص ١٠٣ نولکشور پریس، مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین

چنانچہ خواجہ صاحب کو خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا، اس وقت ان کا سن شریف ۵۲ برس کا تھا، (مونس الارواح)، خرقۂ خلافت دیتے وقت مرشد نے حضرت خواجہ صاحب کے سر پر کلاہ چار ترکی بھی رکھی، اور نصیحت کی کہ

مراد از کلاہ چار ترکی چار ترک است، اول ترک دنیا، دوم ترک عقبیٰ و سوائے ذات حق مقصود دیگر نداری، سوم ترک خورد و خواب مگر قدرے برائے سد رمق کہ از ضروریات است، چہارم ترک خواہش نفس یعنی ہرچہ کہ نگوید خلاف آن کنی، و ہر کہ این چہار چیز ترک کند، پوشیدن کلاہ ترکی بوے سزاوار است (خزینۃ الاصفیاء ص ۲۵)

اور جب وہ پیر سے رخصت ہونے لگے، تو ان کو عزیز مرید کی فرقت گوارا نہ ہوئی، اور بغداد کے سفر میں ساتھ رہے[1]

ہارون سے خواجہ صاحب بغداد کی طرف روانہ ہوئے تو سنجان پہنچکر شیخ نجم الدین کبری کی خدمت میں ڈھائی سال تک مقیم رہے[2]، وہاں سے چل کر جیل پہنچے، اور حضرت شیخ محی الدین محمد عبد القادر جیلانیؒ سے شرف نیاز حاصل کیا، اور ان کی معیت میں بغداد آئے جہاں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی اور ان کے پیر شیخ ضیاء الدین کی صحبت سے مشرف ہوئے[3]، اور یہیں خواجہ اوحد الدین کرمانی قدس سرہٗ سے فیضیاب ہو کر ان سے بھی خرقۂ خلافت پایا[4]

بغداد کے قیام کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ جس وقت میں بغداد میں تھا، دجلہ کے کنارے ایک خانقاہ میں گیا، اس میں ایک بزرگ مقیم تھے میں نے سلام کیا، انھوں نے اشارہ سے جواب دیا، پھر بیٹھ جانے کو ارشاد فرمایا، میرے بیٹھ جانے پر تھوڑی دیر مجھ سے مخاطب ہوئے، اور فرمایا مجھے پچاس سال ہوئے کہ خلق اللہ سے علٰحدہ ہو کر یہاں بیٹھا ہوں،

[1] سیر العارفین ص ۵ و خزینۃ الاصفیاء ص ۲۵، [2] ایضاً [3] ایضاً

جیسے تم سفر کرتے پھرتے ہو اسی طرح میں بھی سفر کرتا تھا، اثنائے سفر میں میرا گذر ایک شہر میں ہوا، تو ایک مالدار شخص کو دیکھا، بازار میں کھڑا ہوا لوگوں سے بھاؤ تاؤ کرتا ہے اور نہایت سختی سے پیش آتا ہے، اور اپنے گاہکوں کو بہت تکلیف دیتا ہے، میں خاموشی سے ادھر سے گذر گیا اور اس مالدار شخص کو کچھ نہ کہا، میرے کان میں آواز آئی کہ اگر تو خدا کے لیے اس شخص کو مردار دنیا سے باز رکھتا اور جھڑک دیتا کہ ایسا کام نہ کر تو تیرا کیا نقصان ہوتا، وہ تیرا کہا مان جاتا، اور ظلم سے باز آ جاتا، جس روز سے میں نے یہ آواز سنی ہے بہت شرمندہ ہوں اور اس خانقاہ میں مقیم ہوں، کبھی اس سے باہر قدم نہیں نکالا، مجھکو اس بات کا بڑا خوف ہے کہ قیامت کے روز جب اس معاملہ کے متعلق پوچھا جائے گا تو کیا جواب دوں گا، میں نے اس تاریخ سے قسم کھائی ہے کہ کہیں نہ جاؤں گا تا کہ میری نظر کسی چیز پر پڑے اور میں شامت میں پکڑا جاؤں[1]۔

بغداد سے ہمدان آئے، اور خواجہ یوسف ہمدانی سے ملاقات کی، ہمدان سے تبریز پہنچے، اور شیخ جلال الدین تبریزی کے پیر طریقت حضرت ابو سعید تبریزی کی زیارت کی، اور ان کی صحبت سے متمتع ہوئے۔ وہاں سے اصفہان آئے، جہاں شیخ محمود اصفہانی سے کسب فیض کیا، یہاں کے قیام کے زمانہ میں ایک روز اصفہان کے حاکم محمد یادگار کے باغ میں ایک حوض کے پاس فروکش تھے کہ محمد یادگار سیر کے لیے پہنچا، اور ایک اجنبی کو دیکھ کر چیں بجبیں ہوا لیکن خواجہ صاحب نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ مغلوب الحال ہو گیا، اور اس پر بیہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی، خواجہ صاحب نے حوض کا پانی لیکر اس کے منہ پر چھینٹے دیے، اس کو ہوش آیا، تو خواجہ صاحب کا گرویدہ ہو گیا، وہ مذہباً شیعہ تھا، لیکن اپنے اعیان و ارکان سلطنت کے ساتھ خواجہ صاحب کا مرید ہو گیا، اور اپنی ساری دولت خواجہ صاحب

---

[1] دلیل العارفین مجلس چہارم

کی خدمت میں پیش کردی، مگر خواجہ صاحب نے اس کے قبول کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا
کہ جو مال ظلم و تعدی سے وصول کیا گیا ہے، وہ اس کے اصل مالکوں کے حوالہ کردیا جائے۔
محمد یادگار نے ایسا ہی کیا، غلاموں اور لونڈیوں کو بھی آزاد کردیا، اور جب ظاہری و باطنی تعلیم
کی تکمیل کرلی، تو خواجہ صاحب نے اس کو خرقہ خلافت بھی عطا کیا، خواجہ صاحب اصفہان سے
استرآباد آئے، استرآباد میں شیخ ناصر الدین استرآبادی کی صحبت سے مشرف ہوئے، شیخ
ناصر الدین بایزید بسطامی کی اولاد میں تھے، اس وقت ان کا سن شریف ۱۲۷ سال کا تھا،
استرآباد سے ہری ہوتے ہوئے خواجہ صاحب سبزوار پہنچے اور وہاں سے حصار شادمان رونق افروز
ہوئے، حصار سے بلخ آئے، اور عرصہ تک شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں مقیم رہے، یہاں حکیم
ضیاء الدین درویشوں سے جھگڑتے تھے، لیکن ایک روز خواجہ صاحب جنگل میں ایک کلنگ
کا شکار کرکے اس کا کباب بنا رہے تھے کہ حکیم ضیاء الدین بھی اتفاق سے وہاں پہنچ گئے
خواجہ صاحب نے ان کو کباب کا ایک ٹکڑا کھانے کو دیا، جس کے بعد ان پر ایک غیر معمولی
کیفیت طاری ہوگئی، اور خواجہ صاحب کے مرید ہوگئے، گھر آئے تو طب کی تمام کتابوں
کو دریا میں ڈال کر راہ طریقت پر گامزن ہوگئے، بلخ سے خواجہ صاحب غزنی کی طرف روانہ
ہوئے، یہاں شیخ نظام الدین ابوالموید کے پیر شیخ عبدالواحد غزنوی کی زیارت کی،
اور پھر وہاں سے ہندوستان کا قصد کیا،

یہ تفصیلات ہم نے سیر العارفین، سیر الاقطاب اور خزینۃ الاصفیا وغیرہ سے جمع کی
ہیں، مگر دلیل العارفین (یعنی حضرت خواجہ صاحب کے ملفوظات) میں صرف اتنا سا مختصر
ذکر ہے کہ حضرت خواجہ صاحب اپنی مجلس یازدہم میں عارف کی صفات بیان فرما رہے
تھے کہ یکایک اشکبار ہو کر ارشاد فرمایا کہ میں اس مقام کا سفر کرتا ہوں، جہاں میرا مدفن ہوگا یعنی اجمیر

پھر ہر شخص کو رخصت کیا لیکن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کو ساتھ چلنے کا حکم دیا، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار تحریر فرماتے ہیں کہ

اس کے بعد اجمیر پہنچے، اجمیر اس وقت ہندوؤں سے بھرا ہوا تھا، اور وہاں مسلمان نہ تھے، جب حضرت خواجہ کے قدم مبارک وہاں پہنچے تو اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے جن کی حد نہ تھی، (ص ۵۵-۵۴)

اور دوسرے تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ جس وقت حضرت خواجہ صاحب ہندوستان آئے اس وقت حضرت شیخ علی ہجویری کا انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے مزار پر چلہ کیا، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، لاہور سے خواجہ صاحب ملتان آئے، اور وہاں پانچ سال رہ کر ہندوؤں کی زبان (شاید سنسکرت اور پراکرت) سیکھی، یہاں سے وہ دہلی آئے، اور دہلی سے اجمیر گئے، جہاں دسویں محرم ۵۶۱ھ میں نزول اجلال فرمایا، اور یہیں آخر وقت تک قیام رہا، اس زمانہ میں اجمیر اور دہلی کا حکمران چوہان خاندان کا مشہور راجپوت راجہ پتھورا تھا، اس کے حکام نے راجہ صاحب کے قیام میں بڑی مزاحمت کی، اور جب وہ خود ان کے مقابلہ میں بے بس اور لاچار رہے تو ہندو جوگیوں کو اپنے سحر اور جادو سے خواجہ صاحب کو مغلوب کرنے کے لیے مامور کیا، ایک مشہور ہندو جوگی جے پال سے حضرت خواجہ کے بڑے بڑے معرکے ہوئے، لیکن خواجہ صاحب اپنی روحانی قوت اور کرامت سے اس پر غالب رہے، جوگی نے متاثر ہو کر حضرت خواجہ صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، حضرت خواجہ صاحب نے جے پال کا اسلامی نام عبداللہ رکھا، اور خلافت بھی مرحمت فرمائی،[1] حضرت خواجہ صاحب کے رشد و ہدایت کا سلسلہ برابر جاری رہا، ان کی تعلیم سے راجہ پتھورا کے ملازمین بھی مشرف بہ اسلام ہونے لگے، راجہ نے خواجہ صاحب

[1] خزینۃ الاصفیا ج ا ص ۲۶۵

کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی دی، مگر خواجہ صاحب نے دھمکی پر صرف یہ ارشاد فرمایا،

"پتھورا را زندہ بہ مسلمانان دادیم"[۱]

چنانچہ یہ پیشینگوئی صحیح ثابت ہوئی، سلطان شہاب الدین غوری نے پتھورا کے خلاف ۵۸۷ھ اور ۵۸۸ھ میں دو حملے کیے، اور آخری حملہ میں پتھورا گرفتار ہو کر مارا گیا، تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ شہاب الدین غوری خراسان میں تھا کہ اس نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ خدائے تعالیٰ تم کو ہندوستان کی بادشاہت عنایت کرنے والا ہے، تم اس ملک کی طرف توجہ کرو، اسی خواب کے بعد اس نے ہندوستان پر فوج کشی کی[۲]،

شہاب الدین غوری کی فتح کے بعد مسلمانوں کے سیاسی اقتدار اور خواجہ صاحب کے فیوض و برکات سے ہندوستان اسلام کے نور سے منور ہو گیا، اسی لیے خواجہ صاحب کا لقب "وارث النبی فی الہند" ہے، سیر الاولیاء میں ہے،

بوصول قدم مبارک آن آفتاب اہل یقین کہ بحقیقت معین الدین بود ظلمت

این دیار بنور اسلام روشن و منور گشت" (ص ۴۷)

مشہور ہے کہ جس وقت حضرت خواجہ صاحب دہلی سے اجمیر جاتے تھے تو راستہ میں سات سو[۳] ہندوؤں کو مسلمان کیا، [۴] خزینۃ الاصفیاء میں ہے:

"ہزار در ہزار از کفار و کبار بخدمت آن محبوب کردگار حاضر شدہ مشرف بشرف اسلام دارادت آنحضرت شدندی بلکہ چراغ اسلام در ہند بطفیل این خاندان عالی شان روشن گشتہ" ص ۲۶۶

---

[۱] فوائد السالکین ص ۵، سیر الاولیاء ص ۴۷، اخبار الاخیار ص ۲۲ میں یہ الفاظ ہیں "فرمود پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم" اور کسی تذکرہ میں یہ ہے "ما او را بیرون کردیم و دادیم" [۲] سیر الاقطاب ص ۱۲۰ [۳] دعوت اسلام مترجمہ عنایت اللہ بی اے ص ۳۰۱، علیگڈھ

ازدواجی زندگی | اجمیر کے قیام کے زمانہ مین دو شادیان کین جن مین ایک تو سید وجیہ الدین مشہدی (حاکم اجمیر) کی دختر نیک اختر عصمت اللہ بی بی تھین، اور دوسری کسی ہندو راجہ کی لڑکی بی بی امۃ اللہ تھین، جو مشرف باسلام ہو گئی تھین، حضرت خواجہ صاحب کی اولاد مین تین لڑکے حضرت سید فخر الدین حضرت سید ضیاء الدین ابو سعید، اور حضرت سید حسام الدین تھے، اور ایک دختر نیک اختر بی بی حافظ جمال تھین، حضرت خواجہ صاحب نے سید فخر الدینؒ اور بی بی حافظ جمال کو خلافت بھی دی، بی بی حافظ جمال عورتون کو شرعی اور روحانی تعلیم دیا کرتی تھین، (خزینۃ الاصفیا، ص ۲۶۵)

وصال | پہلے نکاح کے ستائیس برس[۱] کے بعد عالم بقا کو رحلت فرمائی، تاریخ وفات روز دوشنبہ ۶ رجب المرجب ۶۳۲ھ ہے، سیر العارفین کے مصنف کا بیان ہے[۲] کہ وفات کے وقت سن شریف ۹۷ سال کا تھا[۳]، لیکن سفینۃ الاولیاء مین رحلت کے وقت کا سن ۱۰۳ اور مونس الارواح مین ۹۰ لکھا ہے، سیر الاقطاب مین ہے کہ وفات کے دن عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے حجرہ کا دروازہ بند کرلیا، حجرہ کے باہر خانقاہ کے رہنے والون کے کانون مین ایسی آواز آتی رہی جیسے کوئی پاؤن کو وجد کی حالت مین ٹپکتا ہو، ان کو خیال ہوا کہ خواجہ صاحب پر وجد کا عالم طاری ہے، اخیر شب مین یہ آواز بند ہو گئی، فجر کی نماز کا وقت آیا، تو دروازے پر دستک دی گئی لیکن اندر سے کوئی آواز نہین آئی، جب دروازہ کسی طرح کھولا گیا، تو لوگون نے دیکھا کہ حبیب اللہ حب اللہ کی خاطر جان بحق ہو گئے[۴]

محبت رسول | تمام عمر عشق الٰہی مین وارفتہ و بے خود رہنے کے ساتھ محبت رسول کے نشے مین بھی سرشار رہے، اپنے ملفوظات مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بہت ہی والہانہ انداز مین

۱؎ بعض تذکرہ نویس ۲۰، اور بعض ۲۷ برس بھی لکھتے ہین، (مونس الارواح) ۲؎ سیر العارفین ص ۱۶
۳؎ سفینۃ الاولیاء ص ۱۵۹ ۴؎ راحت القلوب ص ۴۷، سیر الاقطاب ص ۱۴۱

مین فرماتے تھے، اور اکثر حدیث نبوی بیان فرماکر رونے لگتے تھے، ایک جگہ ملفوظات مین فرمایا کہ افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن آپ سے شرمندہ ہوگا، اس کی جگہ کہان ہوگی جو آپ سے شرمندہ ہوگا، وہ کہان جائے گا، یہ فرما چکے تو ہائے ہائے کرکے رو پڑے[۱]

مجاہدہ — رات کو کم سوتے اور بالعموم عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے، کلام پاک ایک بار دن مین اور ایک بار رات مین ختم کرتے، مجاہدہ کے ابتدائی دور مین جب کسی شہر مین وارد ہوتے تو قبرستان مین قیام فرماتے، مگر جب لوگون کو ان کی خبر ہوجاتی تو وہان توقف نہ کرتے اور چپ چاپ کسی اور شہر کی طرف روانہ ہوجاتے[۲]

حلم وعفو — طبیعت مین حلم وعفو کی درویشانہ صفات انتہا سے کمال تک پہنچی ہوئی تھین ایک بار ایک بد باطن شخص حضرت خواجہ صاحب کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا، حضرت خواجہ صاحب کو اس کا علم نور باطن سے ہوگیا، لیکن وہ شخص جب نزدیک آیا تو بہت ہی اخلاق سے پیش آئے، اور اپنے پاس بٹھاکر فرمایا کہ جس ارادہ سے آئے ہو اس کو پورا کرو، یہ سنتے ہی وہ شخص کانپنے لگا، اور سر بسجود ہو کر عاجزی سے کہا کہ مجھکو لالچ دیکر آپ کو ہلاک کرنے کو بھیجا گیا تھا، یہ کہکر بغل سے چھری نکالی اور سامنے ڈالدی، پھر قدم مبارک پر گر کر کہنے لگا کہ آپ مجھکو اس کی سزا دیجیے، بلکہ میرا کام ہی تمام کردیجئے، خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہم درویشون کا شیوہ ہے کہ ہم سے کوئی بدی بھی کرتا ہے تو ہم اس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہین تم نے تو میرے ساتھ کوئی برائی نہین کی، یہ کہکر اس کے لیے دعائین کین، وہ شخص بہت متاثر ہوا، اور اسی وقت سے خدمت مین رہنے لگا، اور حضرت خواجہ صاحب کی دعاؤن کی بدولت اس کو ۴۵ بار حج کعبہ کی سعادت حاصل ہوئی، اور اسی مقدس سرزمین مین پیوند خاک بھی ہوا[۳]

---

[۱] دلیل العارفین مجلس دوم۔ [۲] سیر الاقطاب ص ۱۰۱، ۱۲۳ و خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۲۵۶
[۳] سیر الاقطاب ص ۱۳۳، ۱۴۴

مریدوں سے محبت | حضرت خواجہ صاحب کو اپنے خلفا اور مریدین سے غیر معمولی محبت تھی، خانہ کعبہ میں دعا کی تھی کہ قیامت تک خانوادہ چشتیہ کا سلسلہ قائم رہے،[1] چنانچہ یہ سلسلہ اب تک قائم ہے اور ان شاء اللہ رہے گا،

فیاضی | فقر و درویشی کے باوجود ان کی خانقاہ میں شاہانہ فیاضیوں کا دریا بہتا تھا، مطبخ میں روزانہ اتنا کھانا پکتا تھا کہ تمام غربا و مساکین سیر ہو جاتے تھے،[2]

حقوق ہمسایہ | پڑوسیوں میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو جنازہ کے ہمراہ ضرور تشریف لے جاتے، نماز جنازہ اور تدفین کے بعد جب تمام لوگ واپس ہو جاتے تو تنہا اس کی قبر پر بیٹھے رہتے اور دعائیں جو اس وقت کے لیے موزوں ہیں پڑھتے، ایک بار ایک ہمسایہ کا انتقال ہوا، آپ حسب معمول جنازہ کے ساتھ گئے، حضرت قطب الدین بھی معیت میں تھے، جب تمام لوگ لوٹ گئے تو حضرت خواجہ ہمسایہ کی قبر پر ٹھہر گئے، حضرت خواجہ قطب الدین فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا، پھر اسی وقت اصلی رنگ پر آ گیا، اور آپ الحمد للہ فرماتے ہوئے کھڑے ہو گئے، حضرت قطب الدین نے چہرے کے رنگ کے تغیر کی وجہ پوچھی تو فرمایا قبر میں عذاب کے فرشتے آئے تھے، لیکن پھر رحمت الٰہی نازل ہوئی،[3] خود بھی عذاب قبر سے بے حد خائف رہتے تھے، اور جب کبھی قبر کا ذکر آتا تو گریہ طاری ہو جاتا، اور کبھی کبھی بیہوش ہو کر گر پڑتے تھے،[4]

لباس و غذا | خواجہ صاحب کے فقیرانہ لباس میں دوہرا تہبند ہوتا تھا، اگر وہ پھٹ جاتا تو جس رنگ کا بھی کپڑا مل جاتا اسی کا پیوند لگا لیا کرتے تھے، کھانا بہت کم تناول فرماتے، ریاضت کے ابتدائی زمانے میں لگاتار سات سات دن تک روزے رکھتے اور صرف پانچ مثقال کی

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۰۴، [2] ایضاً [3] راحت القلوب (ملفوظات حضرت بابا گنج شکر) مجلس ہشتم

[4] تفصیل کے لیے دیکھو دلیل العارفین مجلس چہارم،

کلیہ سے روزہ افطار کرتے، سیر الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے کہ خواجہ صائم الدہر رہتے، سفر میں تیر و کمان، نمکدان اور چقماق ساتھ رکھتے، اور شکار کے کباب سے روزہ افطار فرماتے تھے،

ذوق سماع | سماع سے بھی ذوق تھا، اور محفل سماع میں ان پر غیر معمولی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، ایک بار حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی کی خانقاہ میں مقیم تھے، وہاں کی مجلسِ سماع میں قوالوں نے ان دو شعروں کو گایا،

عاشق بہ ہوائے دوست بیہوش بود | وز یادِ محبت خویش مدہوش بود
فرداکہ بحشر خلق حیران ماند | نام تو درونِ سینہ و گوش بود

تو خواجہ کئی روز تک بیہوش رہے،[۱]

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے روایت ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی محفل سماع میں شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ محمد کرمانی، شیخ محمد صفاہانی، مخدوم زادہ شیخ برہان الدین چشتی، مولانا بہاء الدین بخاری، مولانا محمد بغدادی، خواجہ اجل سنجری، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ احمد بن محمد اصفہانی، شیخ جلال الدین تبریزیؒ، شیخ اوحد الدینؒ، شیخ احمد واحد، شیخ برہان الدین غزنویؒ، خواجہ سلیمان، خواجہ عبد الرحمنؒ اور بغداد کے دوسرے مشائخ کبار بھی شریک رہتے،[۲]

مفتاح العاشقین (ص ۲۲) میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی فرماتے ہیں کہ

شیخ الاسلام خواجہ معین الحق الشرع والدین قدس اللہ سرہ العزیز نے سماع کے بارے میں فرمایا کہ سماع اسرار حق معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے، یستمعون القول فیتبعوا احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ اولئک ھم اولوا الالباب جبکہ حیوانی خصلتیں جو کہ تمام عالم کی ذات

---

[۱] دلیل العارفین مجلس چہارم [۲] سیر الاقطاب ص ۱۰۳

مین ہوتی ہین کسی کی ذات مین مبدل ہوجاتی ہین اور اس کے دل پر انسانی خصلتون کا استیلا
ہوجاتا ہے تو عشق غالب ہوتا ہے اور ہیبت طاری ہوجاتی ہے، اس وقت اسرار باطن کا
کشف ہوتا ہے اور جب اسرار باطن کا مکاشفہ ہوتا ہے تو اس ذوق مین رقص کی کیفیت
پیدا ہوجاتی ہے، جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا

گر عروس سبز پوش مرا رخ نماید　　　لاجرم طاؤس دل در رقص آید

علو مرتبت ہندوستان کے صوفیائے کرام مین خواجہ صاحب کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو "قطب المشائخین" کے لقب کی بشارت ملی،[1]
خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے ان کو "ملک المشائخ" "سلطان السالکین منہاج
المتقین، قطب الاولیا، شمس الفقرا، ختم المہتدین" کے لقب سے یاد کیا ہے،[2]
سیر العارفین کے مولف نے ان کو سلطان العاشقین اور برہان العارفین لکھا ہے،[3]
سیر الاقطاب کے مصنف نے قطب الاقطاب، حجۃ الاولیا، مہبط انوار، مخزن المعرفت
والحقیقت، پردہ انداز اسرار غیبی، چہرہ کشائے صور لاریبی[4] اور صاحب سفینۃ الاولیا نے
زبدۂ مشائخ اجل و قدوۂ اولیائے اکمل" کہا ہے،[5]
مولانا عبد الحق محدث دہلوی نے ان کو "سر حلقۂ مشائخ کبار" لکھا ہے،
خواجہ صاحب کے فیوض و برکات اور کرامات و خوارق عادات عام طور سے بہت مشہور
ہین، اور آج بھی ان کی ابدی خوابگاہ کی زیارت کے لیے ہندوستان کے ہر گوشہ کے لوگون کا
ہجوم ہوتا ہے،

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۰۳ و مونس الارواح [2] دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۲ [3] سیر العارفین ص ۴
[4] سیر الاقطاب ص ۱۰۳ [5] سفینۃ الاولیا ص ۹۵

بادشاہون کا خراج عقیدت ہر دور مین ہندوستان کے مسلمان فرمانرواؤن کو حضرت خواجہ کی ذات اقدس سے غیر معمولی عقیدت رہی، سلطان شمس الدین التمش کو بزرگان چشت سے جو روحانی لگاؤ رہا، اس کی تفصیل آگے آئے گی، مالوہ کے سلطان محمود خلجی نے راجپوتون کے خلاف فوج کشی کی تو حضرت خواجہ کے مزار پر انوار پر پہلے حاضری دی، اسکے بعد میدان جنگ کی طرف رخ کیا، اور جب اس کو فتح حاصل ہوئی تو مزار کے قریب ایک مسجد بنوائی، جو اب صندل خانہ کے نام سے مشہور ہے، بلند دروازہ اور دوسری عمارتین بھی اسی نے تعمیر کرائین، شہنشاہ اکبر کو حضرت شیخ سلیم چشتی سے اس لیے عقیدت پیدا ہوئی کہ وہ حضرت خواجہ کے سلسلہ سے منسلک تھے، اور جب شیخ کی دعاؤن سے شہزادہ سلیم پیدا ہوا تو اکبر خوشی مین آگرہ سے اجمیر شریف تک پاپیادہ گیا، راستہ مین روپیے اور اشرفیان لٹاتا ہوا اجمیر شریف پہنچا، اور وہان شاہانہ طریقہ پر خیرات تقسیم کرائی، ایک مسجد اور خانقاہ کے لیے کئی عمارتین بنوائین، اور درگاہ کے انتظام مین ہر قسم کی سہولتین بہم پہنچائین، مراد کی پیدائش پر بھی اکبر نے اجمیر شریف کی زیارت کی، اور شہر کے گرد چونے اور پتھر کا حصار بنوایا، اس کو جب کبھی ملکی اور فوجی کامون سے فرصت مل جاتی تو حضرت خواجہ کے آستانہ پر ضرور حاضر ہوتا تھا، [1]

جہانگیر اپنے آٹھوین سال جلوس مین اجمیر شریف گیا تو اس کا حال خود لکھتا ہے:-

> دوشنبہ کے روز ۵ شوال مطابق ۲۶ شعبان کو اجمیر مین داخل ہونے کی ساعت قرار پائی، اس روز صبح کو مین شہر کی طرف بڑھا، جب قلعہ اور حضرت خواجہ بزرگوار کا روضہ نظر آنے لگا تو ایک کوس پہلے ہی مین پاپیادہ ہوگیا، اور راستے کے دونون

[1] تفصیل کے لیے دیکھو اکبر نامہ ج ۲ ص ۳۵۰، ج ۳ ص ۱۶۲، ۲۳۴، ۲۵۲، ۲۵۹، ۲، ۳۴۲ وغیرہ نیز تاریخ فرشتہ واقعات ۱۹۶۵ و ۱۹۶۸ء

جانب متمندوں کو مقرر کیا، کہ فقرا اور ضرورت مندوں کو روپے دیتے ہوئے آگے بڑھیں، اور جب دن کی چار گھڑیاں گذر چکیں تو شہر میں داخل ہوا اور پانچویں گھڑی میں روضۂ مبارک کی زیارت کا شرف حاصل کیا، اور پھر اپنی قیام گاہ پر واپس آیا، دوسرے دن میں نے حکم دیا کہ شہر کے ہر چھوٹے بڑے شخص اور ہر راہگیر کو اچھی طرح انعام دیکر خوش کیا جائے۔" (تزک جہانگیری ص ۱۲۵)

۱۰۲۵ھ میں جہانگیر نے ایک لاکھ دس ہزار روپے صرف کر کے مزار مبارک کے گرد ایک طلائی کٹہرا تیار کروایا تھا، جو اب نہیں ہے، وہ اس متبرک اور خوشگوار مقام میں پانچ روز کم تین سال تک مقیم رہا۔[1]

شاہ جہان نے بھی حضرت خواجہ کے آستانہ پر کئی بار حاضری دی، روضہ کے پاس سنگ مرمر کی مسجد اسی کی بنوائی ہوئی ہے، اس کی لڑکی جہان آرا بیگم کو بھی حضرت خواجہ صاحب سے والہانہ عقیدت تھی، اسی عقیدت کی بنا پر خواجگان چشت پر ایک کتاب مونس الارواح کے نام سے تحریر کی، شاہجہان کے ساتھ اجمیر گئی تو اس سفر کے تاثرات کو اس طرح قلمبند کیا ہے:

"بخت کی یاوری اور طالع کی فیروزی سے یہ فقیرہ حقیرہ والد بزرگوار کے ساتھ خطۂ پاک حضرت اجمیر بے نظیر کی طرف ۱۰ر شعبان ۱۰۵۳ھ کو روانہ ہوئی اور ۷ر رمضان المبارک کو تال اناساگر کی عمارتوں میں داخل ہوئی، اس سفر میں ہر روز ہر منزل پر دو رکعت نماز نفل ادا کرتی، ایک بار سورہ یٰسین اور سورہ فاتحہ اخلاص و عقیدت سے پڑھ کر حضرت پیر دستگیر خواجہ معین الحق والدین رضی اللہ عنہ کی روح پر فتوح کو ایصال ثواب کیا، چند روز عمارت مذکور میں ٹھہری، لیکن غایت ادب میں رات کو پلنگ پر نہ سوئی، اور نہ روضۂ مبارک

[1] جہانگیر نے اجمیر کے مفصل حالات بھی لکھے ہیں، اس کے لیے دیکھو تزک جہانگیری ص ۱۴۵

کی طرف پاؤن پھیلائے، اور نہ اس کی طرف پشت کی، دن کو درختوں کے نیچے رہتی، حضرت کی برکت اور اس سرزمین جنت آئین کے فیض سے اطمینان اور پھر ایک خاص ذوق پیدا ہوا، ایک رات مولود اور چراغان کیا، روضہ کی خدمت اور زینت مین جو کچھ مجھ سے ہوسکا مین نے اس کے کرنے مین کوتاہی نہین کی اور نہ کرونگی، الحمد للہ والمنۃ لاکھ لاکھ شکر ہے کہ روز پنجشنبہ ۱۴ رمضان المبارک کو حضرت پیر دستگیر رضی اللہ عنہ کے مرقد منور کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی، دن کا ایک پہر باقی تھا کہ مین روضۂ اقدس مین گئی، اور اپنے زرد چہرے پر اس آستانہ کی خاک ملی، دروازہ سے گنبد مبارک تک برہنہ پا زمین چومتی گئی، گنبد شریف مین داخل ہوکر اپنے پیر کی قبر پرنور کے سات پھیرے کیے، اپنی پلکون سے جھاڑو دی، اور مزار کی خوشبودار خاک کو توتیائے چشم بنایا، اس وقت ایسی حالت اور کیفیت پیدا ہوئی کہ تحریر مین نہیں لائی جاسکتی، غایت شوق اور سراسیمگی مین سمجھ مین نہین آتا تھا کہ کیا کہون اور کیا کرون، عطر اور مقطرات کو معطر قبر پر اپنے ہاتھ سے ملا، اور پھولون کی چادر جو اپنے سر پر رکھ کر لائی تھی، قبر مبارک پر چڑھائی، اس کے بعد سنگ مرمر کی مسجد مین جو والد بزرگوار نے تعمیر کرائی ہے نماز ادا کی، اور پھر گنبد مبارک مین بیٹھ کر سورہ یٰسین اور سورہ فاتحہ روح پرفتوح کے لیے پڑھی، مغرب کی نماز تک وہین مقیم رہی، شمع روشن کی، چھوارہ کے پانی سے افطار کیا، عجیب شام تھی جو صبح سے بہتر تھی، اگرچہ اس فانیہ کے اخلاص و محبت عقیدت کا تقاضا یہ ہو رہا تھا کہ اس مقام متبرک سے نہ ہٹے لیکن کوئی چارہ نہ تھا،

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست ‏ ‏ ‏ ‏ می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اگر اختیار ہوتا تو ہمیشہ حضرت کے روضہ کے پاس رہتی کیونکہ یہ عجیب گوشۂ عافیت ہے،

اور میں گوشۂ عافیت کی عاشق ہوں، مجبوراً چشم گریاں دل بریاں اور لاکھوں افسوس کے ساتھ درگاہ سے رخصت ہو کر گھر آئی، تمام رات بے قراری میں گذری، صبح کو جمعہ کے روز والد بزرگوار نے اکبرآباد کی طرف کوچ فرمایا (مونس الارواح قلمی نسخہ دارالمصنفین)

تاج و تخت کے مالکوں کی اس قسم کی عقیدت میں بعض اعمال ایسے ضرور ہیں جو شرعی نقطۂ نظر سے محمود و پسندیدہ نہیں لیکن اس حقیقت کا کون انکار کرسکتا ہے کہ ان بوریا نشین درویشوں نے جو اپنے روحانی اثرات چھوڑے وہ خواص و عوام کے دل و دماغ پر یکساں مستولی رہے عالمگیر بھی کئی بار روضہ کی زیارت کے لیے گیا، وہ اپنے مستقر سے روضہ تک پیادہ پا جاتا تھا، ایک بار پانچ ہزار روپے بھی بطور نذر پیش کیے[1]

ملفوظات	خواجہ صاحب نے کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی ہے،

شیخ نظام الدین می فرمود کہ من ہیچ کتابے نہ نوشتہ ام زیرا کہ شیخ الاسلام فریدالدین و شیخ الاسلام قطب الدین و از خواجگان چشت ہیچ شخصے تصنیف نکردہ است[2]

مگر خواجہ صاحب کے نام سے کئی تصانیف منسوب ہیں، مثلاً رسالہ وکسب نفس، رسالہ وجودیہ، حدیث المعارف، گنج الاسرار، دیوان معین وغیرہ ہم دو کتابوں انیس الارواح اور دلیل العارفین سے ان کی تعلیمات کو ہدیۂ ناظرین کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں،

انیس الارواح میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی ۲۸ صحبتوں کے ملفوظات ہیں، مشہور ہے کہ یہ ملفوظات حضرت خواجہ نے جمع کیے تھے، ان ملفوظات میں تصوف کے مہمات مسائل و نکات پر بحث نہیں کی گئی ہے، بلکہ قول کے ذریعہ سے بعض شرعی، اخلاقی اور دنیاوی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً نماز اور شریعت کے فرائض کا منکر کافر ہے، صدقہ دینا ہزار رکعت

[1] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ ص ۱۲۶ و ص ۱۳۰ [2] خیرالمجالس نیز دیکھو خیرالمجالس کا اردو ترجمہ سیرالمجالس ص ۳۵، و اخبارالاخیار ص ۶۷

نماز پڑھنے سے افضل ہے، مومن کو گالی دینا اپنی ماں بہن سے زنا کرنا ہے، ایسے شخص کی دعا سو دن تک
مستجاب نہیں ہوتی ہے، پیشہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے لیکن جو شخص یہ عقیدہ رکھے
کہ پیشہ ہی کے ذریعہ سے روزی ملتی ہے، وہ کافر ہے کیونکہ رزاق مطلق خدا ہے، مصیبت میں
چلانا، نوحہ کرنا اور کپڑے پھاڑنا ستر مسلمانوں کے خون کرنے کے برابر ہے، مومن وہ شخص ہے
جو تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے، درویشی، بیماری اور موت، حاجتمندوں کی مدد کرنے والا اللہ
کا دوست ہے، اگر کوئی شخص اوراد و وظائف میں مشغول ہو، اور کوئی حاجتمند آ جائے تو لازم ہے
کہ وہ اوراد و وظائف کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو، اور اپنے مقدور کے مطابق اس کی حاجت
پوری کرے، افضل ترین عبادت موت کو یاد کرنا ہے، تین شخص بہشت کی بو تک نہ پائیں گے،
ایک جھوٹ بولنے والا درویش، دوسرا کنجوس، تیسرا خیانت کرنے والا سوداگر،

دلیل العارفین۔ اس کتاب میں خواجہ صاحب کی گیارہ صحبتوں کے ملفوظات ہیں
جن کو حضرت بختیار کاکی نے جمع کیا ہے، یہ ۵۶ صفحہ کا مختصر رسالہ ہے، جو مطبع مجتبائی دہلی سے چھپ کر
شائع ہو گیا ہے، اس میں مختلف دینی مسائل و صوفیانہ رموز مثلاً نماز، وضو، طہارت، جنابت،
غسل، صدقہ، شریعت، حقیقت، طریقت، محبت الٰہی، عشق الٰہی، معرفت الٰہی، عذاب قبر، توقیر
گورستان، گناہ کبیرہ، عبادت اہل سلوک، دوزخ، فضیلت سورہ فاتحہ و سورہ یٰسین، کشف
و کرامات، صحبت نیک و بد، توکل، توبہ اور تجرید پر جستہ جستہ مختصر مگر جامع اور بصیرت افروز اشارے
اور کنایے ہیں جن کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ہے،

تکمیل اخلاق ان ملفوظات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ صاحب کے نزدیک
اہل سلوک کے لیے ہر قسم کے صوری و معنوی اخلاق و محاسن کا حامل ہونا ضروری ہے، کیونکہ
ان کے نزدیک تصوف نہ علم ہے، اور نہ رسم بلکہ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایک خاص اخلاق

ہے (ص ۱۴) جو ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہیے،

صوری حیثیت سے اس اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو، جب اس سے کوئی بات خلاف شریعت سرزد نہ ہوگی، تو وہ دوسرے مقام پر پہنچیگا جس کا نام طریقت ہے اور جب اس میں ثابت قدم رہیگا تو معرفت کا درجہ حاصل کریگا اور جب اسمیں بھی پورا اتریگا تو حقیقت کا مرتبہ پائیگا جس کے بعد وہ جو کچھ مانگے گا، اسکو ملے گا، اسی لیے خواجہ صاحب نے شریعت کے تمام ارکان اور جزئیات خصوصاً نماز کی پابندی پر بڑا زور دیا ہے،

نماز فرماتے ہیں کہ نماز رکن دین ہے، اور رکن ستون مراد ہیں اگر ستون قائم رہے گا گھر کھڑا رہے گا، اور جب ستون ہی گر جائے گا گھر گر پڑے گا جس نے نماز میں خلل ڈالا اس نے اپنے دین اور اسلام کو خراب کیا، نماز کی اہمیت کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا گذر شام کے قریب ایک شہر میں ہوا، اس شہر کے باہر ایک غار تھا، ایک بزرگ اس میں سکونت پذیر تھے، ذوق اور ہیبت الٰہی سے ان کے بدن پر گوشت و پوست نہ تھا، صرف ہڈیاں ہی رہ گئی تھیں، ایک سجادہ پر متمکن تھے، میں ادب سے قریب جا کر بیٹھ گیا، دریافت فرمایا کہ کہاں سے آتے ہو، میں نے جواب دیا بغداد سے آتا ہوں، فرمایا خوب آئے لیکن مناسب ہے کہ درویشوں کی خدمت کرتے رہو تاکہ تم کو ذوق درویشی حاصل ہو، مجھے کئی برس اس غار میں رہتے ہوئے گذر گئے، تمام دنیا سے علیحدگی اختیار کر کے اس غار میں چھپا بیٹھا ہوں، ایک بات سے ایسا ڈرتا ہوں کہ رات دن روتے گذرتے ہیں، میں نے پوچھا حضرت وہ کونسی بات ہے، فرمایا نماز ہے، جس وقت ادا کرتا ہوں، خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کوئی شرط فروگذاشت نہ ہو گئی ہو، اور میری ساری محنت اکارت ہو کر یہی نماز موجب عتاب جنم (نہ بنی ہو) (دلیل العارفین مجلس دوم)

نماز کو مومن کی معراج کہا ہے، چنانچہ فرمایا کہ جب وہ نماز پڑھے تو اس طرح کہ گویا انوار تجلی کا مشاہدہ کر رہا ہے[1]

روزہ و حج | حضرت خواجہ کے نزدیک روزہ اور حج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ وہ خود صائم الدہر رہے، اور اتنی بار خانہ کعبہ کی زیارت فرمائی کہ اس کا شمار نہیں کیا جا سکتا ہے، فوائد السالکین (مجلس پنجم) میں ہے کہ اجمیر سے ہر سال حج کے لیے تشریف لیجاتے تھے،

احترام کلام پاک | کلام پاک کی تلاوت کی بھی بڑی فضیلت بتائی ہے، اور اس کو ایک بڑی عبادت قرار دیا ہے، اور اس کتاب کی تعظیم پر بھی بڑا زور دیا ہے، اس سلسلہ میں بیان فرمایا کہ سلطان محمود غزنوی انار اللہ برہانہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا، پوچھا خدا تعالیٰ نے تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا، جواب دیا ایک رات میں کسی قصبہ میں مہمان تھا، جس مکان میں ٹھہرا تھا وہاں طاق میں قرآن شریف کا ایک ورق رکھا ہوا تھا، میں نے خیال کیا یہاں ورق مصحف رکھا ہوا ہے، سونا نہ چاہیے، پھر دل میں خیال آیا کہ ورق مصحف کو کہیں اور رکھوا دوں، اور خود یہاں آرام کروں، پھر سوچا کہ یہ بڑی بے ادبی ہوگی کہ اپنے آرام کی خاطر ورق مقدس کی جگہ تبدیل کروں، اس ورق کو دوسری جگہ نہ بھیجا، اور تمام رات جاگتا رہا، میں نے کلام پاک کے ساتھ جو ادب کیا اسی کے بدلے حق تعالےٰ نے مجھکو بخش دیا[2]

اہل سلوک کی عبادتیں | خواجہ صاحب نے اہل سلوک کی منجملہ عبادتوں میں پانچ اور عبادتیں

---

[1] دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۵ [2] دلیل العارفین مجلس پنجم ص ۲۲ یہ ایک خواب کی بات ہے جس کو موجودہ دور کے مورخ اپنی تحقیق و تدقیق میں اہمیت دینا پسند نہیں کرینگے لیکن اولیاء اللہ محمود غزنوی کو کن نظروں سے دیکھتے تھے، وہ اس واقعہ سے ظاہر ہوگا،

بتائی ہین (۱) والدین کی خدمت (۲) کلام اللہ کی تلاوت (۳) علماء و مشائخ کی تعظیم اور دوستی (۴) خانہ کعبہ کی زیارت (۵) پیر کی خدمت[1]

راہ سلوک کے گناہ خواجہ صاحب کا ارشاد ہے کہ راہ سلوک مین چار گناہ کبیرہ ہین[2] (۱) گورستان مین قہقہہ لگانا (۲) گورستان مین کھانا پینا، کیونکہ یہ عبرت کا مقام ہے (۳) مردم آزاری کرنا (۴) خدا کا نام لیکر لرزہ براندام نہ ہونا، سالک کو ان گناہون سے بچنا لازمی ہے،

عارف ایک عارف کی معنوی خوبیون کا اندازہ خواجہ صاحب کے مندرجۂ ذیل ارشادات عالیہ سے ہوگا،

عارف علم کے تمام رموز سے واقف رہتا ہے، اسرار الٰہی کے حقائق اور انوار الٰہی کے دقائق کو آشکارا کرتا ہے[3]

عارف عشق الٰہی مین کھو جاتا ہے، اور اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اسی کی قدرت کاملہ مین محو اور متحیر رہتا ہے[4]

عارف پر جب حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو وہ اس مین ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اگر ہزارون فرشتے بھی اس سے مخاطب ہون تو وہ ان کی طرف متوجہ نہین ہوتا، عارف ہمیشہ مسکراتا رہتا ہے، عالم ملکوت مین خداوند تعالیٰ کی بارگاہ مین مقربین پر اس کی نظر پڑتی ہے، اور وہ ان کے حرکات وسکنات کو دیکھ کر مسکراتا ہے[5]

عرفان مین ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے کہ عارف ایک قدم بڑھا کر عرش سے حجاب عظمت، اور حجاب عظمت سے حجاب کبریا تک پہنچ جاتا ہے، اور دوسرے قدم مین واپس آجاتا ہے، یہ تو عارف کا کمترین درجہ ہے، ایک عارف کامل کہان تک پہنچ جاتا ہے،[6]

---

[1] دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۲۲ و ۲۳ [2] ایضاً ص ۱۵-۱۸ [3] ایضاً ص [4] ایضاً [5] ایضاً [6] ایضاً ص ۲۶

خدا ہی جانتا ہے[۱]

عارف دونوں جہان سے قطع تعلق کرکے یکتا (فرد) ہو جاتا ہے، اور جب یکتائی (فردانیت) حاصل کرلیتا ہے، تو وہ ہر چیز سے بیگانہ نظر آتا ہے[۲]

عارف وہی ہے کہ وہ جہان بھی ہو، اس کی خواہش کے مطابق کام انجام پائے، وہ نہیں ہے جو کسی چیز کے پیچھے پریشان ہو[۳]

عارف کے مراتب ہوتے ہیں، جب ان کو وہ طے کرلیتا ہے تو وہ دنیا کو اپنی انگلیوں کے حلقہ میں دیکھتا ہے[۴]

عارف کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس میں صفات الٰہی کا ظہور ہو، اور خدائے تعالیٰ سے عارف کی محبت کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر دل کے نور کو ظاہر کردے، اور کوئی شخص اس کے سامنے دعویٰ کے ساتھ آئے، تو اس کو اپنی کرامت سے ملزم ٹھہرائے[۵]

"اگر کسے بروے بدعوی آید آن را بقوت کرامت ملزم کند۔"

اگر کوئی شخص کرامت دیکھنا چاہے تو اس کو خدا کی اجازت سے کرامت دکھلائے[۶]

عارف خاموش رہتا ہے تو وہ گویا خدائے تعالیٰ سے باتیں کرتا ہے، اور جب آنکھیں بند کرلیتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس وقت تک سر نہ اٹھائے، جب تک صور اسرافیل کی آواز اس کے کانوں تک نہ پہنچ جائے[۷]

عارف وہ ہے جو اپنے دل سے ساری باتیں نکال کر یگانہ ہو جائے، عارف کا کمال یہ ہے کہ دوست کی راہ میں اپنے کو جلا کر خاک سیاہ کردے[۸]

عارف اسی قدر معرفت کی باتیں کر سکتا ہے، جس قدر اس کو عبور ہے، کوئے یار میں

۱؎ دلیل العارفین مطبع مجتبائی ۲؎ ایضاً ص۱۰، ۳؎ ایضاً ص۱۲، ۴؎ ایضاً ص۸ ۵؎ ایضاً، ۶؎ ایضاً ص۲۴ ۷؎ ایضاً ص۶

دوڑتا ہے، اور معرفت کو اس وقت تک نہیں پہنچتا ہے جبتک معارف کو یاد نہ کرے[1]

عارف وہ ہے کہ دم حاصل کرے، اور جب یہ دم حاصل ہو جائے تو پھر زمین اور آسمان کے بیچ مین اس کو نہ پائے، عارف کا دم ذکر خدا ہے اور اسی دم پر اپنے کو وہ فدا کر دے[2]

عارف کی فضیلت اس مین ہے کہ وہ خاموش رہے، اور غم واندوہ مین ہو،

عارف دنیا کا دشمن اور خدا کا دوست ہوتا ہے، اس کو دنیا کے شور اور ہنگامے کی کوئی خبر نہیں رہتی ہے[3]

عارف گریہ کرتا ہے لیکن جب اس کو قربت نصیب ہوتی ہے، تو وہ گریہ بند کر دیتا ہے[4]

دنیا مین تین چیزین عزیز ترین ہین (۱) عالم کا وہ سخن جو اپنے علم سے بیان کرے (۲) وہ شخص جس کو طمع نہ ہو اور (۳) وہ عارف جو ہمیشہ دوست کی ثنا وصفت بیان کرتا ہے (ص۴۸)

عارف جب وحدانیت اور ربوبیت کے جلال کو دیکھتا ہے تو نابینا ہو جاتا ہے، تاکہ غیر پر اس کی نظر نہ پڑے،[5]

عارف کا ایثار بے نیازی ہے،[6]

عارف کی خصلت اخلاص ہے،[7]

عارف محبت مین کامل ہوتا ہے اور جب وہ اپنے دوست سے گفتگو کرتا ہے تو وہ ہوتا ہے یا اس کا دوست،[8]

عارف صادق وہ ہے کہ اسکی ملک مین کچھ نہ ہو، اور نہ وہ کسی کی ملک ہو،[8]

عارف کا توکل یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی سے التفات نہ رکھے، حقیقی توکل تو یہ ہے کہ عارف کو خلق سے تکلیف اور رنج پہنچے تو وہ نہ ان کی شکایت کرے اور نہ حکایت[9]

---

[1] دلیل العارفین ص ۴۳ [2] ایضاً ص ۴۴ [3] ایضاً ص ۴۴ [4] ایضاً ص ۴۸ [5] ص ۵۰ [6] ایضاً ص [7] ایضاً، [8] ایضاً ص ۵۱ [9] ایضاً ص ۵۱

عارف وہ ہے جو صبح اٹھے تو رات کو یاد نہ کرے[1]

عارف کی محبت یہ ہے کہ ذکر حق کے سوا کسی چیز سے لگاؤ نہ رکھے،[2]

عارف کی صفت آفتاب جیسی ہے، تمام دنیا اس سے منور ہے، دنیا کی کوئی چیز اسکی روشنی سے محروم نہیں ہے،

عارف کے لیے تین ارکان ضروری ہیں، ہیبت، تعظیم، حیا، اپنے گناہوں سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے، طاعت گذاری تعظیم ہے، اور خدا کے سوا کسی پر نظر نہ ڈالنا حیا ہے، (سیر الاقطاب ص ۱۳۹)

خواجہ صاحب کی طرف ایک دیوان بھی منسوب ہے، مگر اہل نظر کی رائے ہے کہ یہ جعلی ہے، اس لیے ہم اس پر کسی قسم کی بحث کرنی نہیں چاہتے،

مقامات سلوک دلیل العارفین کے علاوہ خواجہ صاحب کے ملفوظات بعض تذکروں میں بھی محفوظ ہیں، ان ملفوظات میں ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ راہ سلوک میں چودہ مقامات ہیں (۱) توبہ (۲) عبادت (۳) زہد (۴) رضا (۵) قناعت (۶) مجاہدہ (یا جہد) (۷) صدق (۸) تفکر (۹) استرشاد (۱۰) اصلاح (۱۱) اخلاص (۱۲) معرفت (۱۳) شکر (۱۴) محبت،

ان میں سے ہر ایک مقام ایک ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے، یعنی توبہ حضرت آدمؑ، عبادت حضرت ادریسؑ، زہد حضرت عیسیٰؑ، رضا حضرت ایوبؑ، قناعت حضرت یعقوبؑ، مجاہدہ حضرت یونسؑ، صدق حضرت یوسفؑ، تفکر حضرت شعیبؑ، استرشاد حضرت شیثؑ، اصلاح حضرت داؤدؑ، اخلاص حضرت نوحؑ، معرفت حضرت خضرؑ، شکر حضرت ابراہیمؑ، اور محبت افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے،

---

[1] دلیل العارفین ص ۳۰ [2] ایضاً ص ۴۵

سلوک کے مراتب مین اہل طریقت کے لیے مندرجۂ ذیل دس شرطین ضروری قرار دی ہین:

(۱) طلب حق (۲) طلب مرشد کامل (۳) ادب (۴) رضا (۵) محبت و ترک فضول (۶) تقوی (۷) استقامت شریعت (۸) کم کھانا اور کم سونا (۹) لوگون سے کنارہ کش ہونا، (۱۰) صوم و صلوٰۃ کا پابند ہونا،

اسی طرح اہل حقیقت کے لیے بھی دس چیزین لازمی ہین:۔

(۱) معرفت مین کامل ہونا، (۲) کسی کو رنج نہ پہنچانا، اور نہ کسی کی برائی کرنا (۳) لوگون سے ایسی گفتگو کرنا جس سے ان کی دنیا اور آخرت بنے، (۴) متواضع ہونا (۵) گوشہ نشین ہونا (۶) ہر شخص کو عزیز اور محبوب رکھنا، اور اپنے کو سب سے حقیر اور کمتر سمجھنا (۷) رضا و تسلیم کو راہ دینا، (۸) ہر درد اور تکلیف مین صبر اور تحمل کرنا، (۹) عجز و نیاز اور سوز و گداز پیدا کرنا (۱۰) قناعت اور توکل پسند ہونا،[1]

خلفاء | خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہین:۔

(۱) قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی (دہلی) (۲) خواجہ فخرالدین فرزند ارجمند حضرت خواجہ (قصبۂ سروار) (۳) شیخ حمید الدین ناگوری (دہلی) (۴) شیخ وجیہ الدین (۵) شیخ حمید الدین صوفی (ناگور) (۶) خواجہ برہان الدین عرف شید دد (۷) شیخ احمد (۸) شیخ محسن (۹) خواجہ سلیمان غازی (۱۰) شیخ شمس الدین (۱۱) خواجہ حسن خیاط (۱۲) خواجہ بال جہنگی المعروف بہ عبداللہ (اجمیر) (۱۳) شیخ صدرالدین کرمانی (۱۴) بی بی حافظہ جمال صاحبہ سعیدہ حضرت خواجہ (اجمیر) (۱۵) شیخ محمد ترک نارنولی (دہلی) (۱۶) شیخ علی سجزی (۱۷) خواجہ یادگار سبزواری (۱۸) خواجہ عبداللہ بیابانی (۱۹) شیخ متا (۲۰) شیخ وحید برادر

[1] سیر الاقطاب ص ۱۳۷-۱۳۸

شیخ احمد (۲۱) شیخ مسعود غازی (اجمیر) (یہ سلطان سالار مسعود غازی شہید سے مختلف ہیں[1])

یہ بزرگان دین مختلف مقامات پر اس لیے مامور کئے گئے تھے کہ وہ شمع اسلام روشن کر کے ہندوستان کے ظلمت کدہ کو منور کر دیں، اور جب سلاطین دہلی تخت و تاج کیلیے ایک جگہ سے دوسری جگہ فوج کشی میں مشغول تھے تو خانقاہ کے یہ بوریہ نشین انسانوں کے قلوب کی تسخیر کر رہے تھے، رفتہ رفتہ دو متوازی حکومتیں قائم ہوگئیں، ایک تو ان کی تھیں جن کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور ایک انکی جن کے گھروں میں فقر و فاقہ تھا لیکن انہی فقر و فاقہ والوں کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کی سچی عظمت اور شوکت قائم ہوئی،

[1] خزینۃ الاصفیا ص ۲۶۵



حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

نام و نسب خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی قدس سرہٗ قصبہ اوش (ماوراء النہر) میں پیدا ہوئے، بختیار نام، اور قطب الدین لقب تھا، عرف عام میں خواجہ کاکی کہلاتے تھے، حسینی سادات میں سے تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے:

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی بن سید کمال الدین بن سید موسیٰ بن سید احمد اوشی بن سید کمال الدین بن سید محمد بن سید احمد بن سید رضی الدین بن سید حسام الدین بن سید رشید الدین بن سید جعفر بن حضرت نقی الوجود بن علی موسیٰ رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین ابن امام حسین بن امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہم[1]

ابتدائی تعلیم و تربیت ڈیڑھ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے پوری ذمہ داری سے تعلیم و تربیت کا فرض انجام دیا، اور پانچ برس کے سن سے ایک نیک اور صالح بزرگ مولانا ابو حفص سے تعلیم حاصل کرنی شروع کی، اور ان سے ظاہری علوم کے علاوہ باطنی علوم اور سلوک کے آداب و طریق کی بھی تعلیم پائی، اور اوائل عمر سے ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہنے لگے، جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا ورود اوش میں ہوا تو ان سے شرف بیعت حاصل کیا، اور سترہ سال کی عمر میں ان سے خرقۂ خلافت پایا،[2]

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۴۳ و تذکرۃ الاصفیا ص ۲۷۰ [2] سیر الاولیا ص ۶۸ و سیر العارفین ص ۲۶ ۔ سیر الاقطاب ص ۱۴۵ میں ہے کہ اوش سے نکل کر حضرت بختیار کاکی بغداد پہنچے اور یہاں امام ابو اللیث سمرقندی کی مسجد میں خواجہ معین الدین چشتی (باقی حاشیہ ص ۶۴ پر)

عبادت | تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ بیعت کے بعد وہ رات دن میں پانچ سو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ اور ہر رات کو تین ہزار بار درود شریف پڑھکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، شادی کی ابتدائی تین راتوں میں یہ معمول ناغہ ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس احمد نامی ایک زاہد کو خواب کے ذریعہ پیام دیا کہ وہ بختیار سے دریافت کریں کہ آخر یہ بے نیازی کیوں؟ یہ سن کر حضرت بختیار نے اسی وقت بیوی کو طلاق دے کر آزاد کر دیا، حالانکہ شادی کو کل تین دن گذرے تھے۔[1] اس کے بعد دنیاوی علائق سے بالکل کنارہ کش ہو گئے۔

سیاحت | غالباً ازدواجی زندگی کے بعد ہی مختلف مقامات کی سیاحت کی، عاجز راقم کے لیے ترتیب کے ساتھ اس سیاحت کا حال لکھنا ممکن نہیں، خود حضرت قطب صاحب نے اپنے ملفوظات میں جتنی تفصیل بتائی ہے، اس کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں،

غزنین تشریف لے گئے تو وہاں ایک بزرگ سے ملے جو بڑے صاحب تجرید و تفرید تھے، ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو کچھ ان کو فتوحات حاصل ہوتیں کبھی اپنے پاس نہ رکھتے، دن میں جو چیزیں آتیں وہ شام تک تقسیم کر دیتے، اور جو رات کو حاصل ہوتیں، صبح تک نہ رکھتے، چھوٹے بڑے درویش و تونگر ان کی خانقاہ سے محروم نہ جاتے، بھوکوں کو کھلاتے، ننگوں کو کپڑے پہناتے، غرضیکہ بڑے صاحب نعمت تھے، میں نے ان کو فرماتے سنا کہ چالیس برس میں نے مجاہدہ کیا، کچھ حاصل نہ ہوا اور کوئی روشنی نظر نہ آئی،

(بقیہ حاشیہ ص ۶۳) سے شرف بیعت حاصل کیا، اس مجلس میں شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ اوحد الدین کرمانی، شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمد اصفہانی بھی تھے۔ (حاشیہ ص ہذا) [1] سیر العارفین ص ۴۶، سیر الاقطاب ص ۱۵۶، خزینۃ الاصفیا ص ۲۶۷، اخبار الاخیار میں بیوی کو طلاق دینے کا ذکر نہیں ہے۔

لیکن جب سے کم سوتا، کم بولتا، کم کھاتا اور لوگوں سے کم ملنا اختیار کیا تو یہ روشنی نظر آئی، اور اب عرش اور حجابِ عظمت تک کی چیزیں پوشیدہ معلوم نہیں ہوتیں، (فوائد السالکین مجلس اول)

فرماتے ہیں، ایک بار میں دریائی سفر میں تھا کہ ایک درویش کی، جو بڑے بزرگ اور صاحب نعمت تھے زیارت کی، مجاہدے سے ان کا یہ حال ہوگیا تھا کہ جسم مبارک میں صرف ہڈیاں رہ گئی تھیں، ان کا یہ دستور تھا کہ چاشت سے فارغ ہوکر لنگر خانہ میں تشریف لے جاتے جس میں ہزاروں من کھانا ہوتا، ظہر کی نماز تک اس کی تقسیم میں مصروف رہتے، ہر آنے والے کو کھانا کھلاتے، اور ننگے کو حجرے میں لے جاکر کپڑے پہناتے، یہاں تک کہ لنگر خانے میں کوئی چیز باقی نہ رہتی، پھر مصلے پر جا بیٹھتے، ان کا حکم تھا کہ جو کوئی بھی آئے ان کے پاس بھیج دیا جائے، وہ مصلے کے نیچے سے جو کچھ کہ اس کی قسمت میں ہوتا عطا کرتے، چند روز میں ان بزرگ کی خدمت میں رہا، وہ صائم الدہر تھے، افطار کے وقت ان کے پاس چار کھجوریں آتیں، دو مجھ کو دیتے اور دو خود کھاتے، مجھ سے فرمایا کہ درویش جب تک لوگوں کی صحبت ترک کرکے گوشہ گیر نہ ہوجائے اور کم نہ کھائے، کم نہ سوئے، کم نہ بولے عالی مقام نہیں ہوسکتا (فوائد السالکین مجلس اول)

دریائی سفر کا ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں اپنے یار غار قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ ایک دریا کے کنارے فروکش تھا کہ ایک بہت بڑا بچھو تیزی سے کہیں جا رہا ہے، میں نے قاضی سے کہا کہ اس میں کوئی سر الٰہی پوشیدہ ہوگا ہم دونوں بچھو کے پیچھے ہو لیے، بچھو ایک درخت کے پاس پہنچا، تو اس نے ایک بہت ہی خوفناک اژدھے کو ڈنک مارا، جس سے وہ مرگیا، پاس ہی ایک شخص سویا تھا، ہم وہاں ٹھہر گئے کہ یہ نیند سے اٹھے تو ہم اس سے ملاقات کریں، ہم نے اس کے نزدیک جاکر دیکھا تو وہ نشے میں مست پڑا تھا، تعجب ہوا کہ ایسے نافرمان بندے پر اللہ تعالیٰ نے اس قدر کیوں رحمت فرمائی، غیب سے آواز آئی کہ اگر ہم پارساؤں ہی پر

دہی تو جہ رکھیں تو غریبوں کا کون حامی ہوگا، اس کے بعد وہ متوالا اٹھا تو مردہ اژدھے کو یاس دیکھکر پریشان ہوا، ہم نے بچھو اور اژدھے کی کیفیت اس سے بیان کی تو وہ نادم ہوا، اور کچھ عرصہ کے بعد ہم نے سنا کہ وہ بہت بڑا بزرگ ہوگیا، اور اس نے ستر بار پیادہ حج کیا،[1]

مجلس اول ہی میں فرماتے ہیں: میں نے ایک شہر میں دیکھا کہ دس دس بیس بیس آدمی جابجا متحیر کھڑے ہیں، نماز کے وقت عالم صحو میں آجاتے ہیں، اور نماز ادا کرکے پھر عالم سکر میں چلے جاتے ہیں، میں بہت دنوں تک ان کی خدمت میں رہا، ایک روز ان میں سے کچھ لوگ عالم صحو میں آئے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ لوگوں کا یہ حال کب سے ہے، جواب دیا کہ ساٹھ یا ستر سال ہوئے ہوں گے کہ ہم نے راندۂ درگاہ ابلیس لعین کا قصہ سنا تھا، اسی وقت سے ہمارا یہ حال ہے،

مجلس دوم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک بار سمرقند میں ایک بزرگ سے ملاقات کی جو عالم تحیر میں تھے، میں نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ انکو اس حال میں رہتے ہوئے کتنے سال ہوئے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم ان کو بیس سال سے اسی حالت میں دیکھتے ہیں، میں چند روز انکی صحبت میں رہا، ایک بار عالم صحو میں پایا، تو دریافت کیا کہ کتنے روز سے آپ کو کسی کے آنے جانے کی اطلاع نہیں ہوئی، جواب دیا اے نادان! درویش جب دریائے محبت میں غرق ہوجاتا ہے تو گو اس کو ٹکڑے ٹکڑے بھی کرڈالیں لیکن اس کو کچھ خبر نہ ہوگی، جانبازی کی اس راہ میں جس نے بھی قدم رکھا اس کی جان محفوظ نہیں رہتی،

آگے چل کر فرماتے ہیں کہ میں قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ خانہ کعبہ کے طواف میں تھا، ہم دونوں کے آگے ایک بزرگ تھے، جن کا نام شیخ عثمان تھا، اور وہ شیخ ابوبکر شبلی کی اولاد میں سے تھے، ہم دونوں ان کے نقش پا پر اپنا قدم رکھتے تھے، شیخ عثمان نے

[1] مجالس اول۔ اس واقعہ کی اور بھی تفصیلات ہیں لیکن ہم نے اختصار سے کام لیا ہے۔

اپنی روشن ضمیری سے ہمارا حال معلوم کر لیا اور فرمایا متابعت ظاہری کیا کرتے ہو، میری متابعت باطنی بھی اختیار کرو، ہم دونوں نے عرض کیا کہ آپ کی متابعت باطنی کیا ہے، فرمایا ہر روز ہزار بار قرآن شریف ختم کرتا ہوں، ہم دونوں کو اس پر تعجب ہوا، کہ یہ تو طاقت بشری سے باہر ہے، شاید ہر سورت کی ابتدائی آیتیں پڑھ لیتے ہوں گے، ہم اسی خیال میں تھے کہ انھوں نے مڑ کر ہماری طرف دیکھا اور فرمایا کہ تمھارا یہ خیال غلط ہے، میں ہزار بار روزانہ قرآن شریف حرف بہ حرف پڑھتا ہوں، جب حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے یہ واقعہ مجلس میں سنایا تو حاضرین میں سے مولانا علاء الدین کرمانی نے کہا کہ جو بات عقل میں نہ آئے وہ کرامت ہے، کیونکہ کرامت میں عقل کو کچھ دخل نہیں، حضرت خواجہ یہ سنکر آبدیدہ ہو گئے۔

مجلس دوم ہی کے ملفوظات میں ہے کہ میں قاضی حمید الدین ناگوری کے ساتھ ایک شہر میں پہنچا تو وہاں بارہ آدمیوں کی ایک جماعت دیکھی جن میں ہر ایک عالم تحیر میں تھا، صرف نماز کے وقت ان کو ہوش آجاتا تھا، واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین نے حضرت فرید الدین کو مخاطب کر کے فرمایا اے فرید! انبیا علیہم السلام معصوم اور اولیائے کرام محفوظ اس لیے ہیں کہ ان سے عالم سکر میں بھی کوئی فعل خلاف شریعت سرزد نہیں ہوتا، سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ میں اپنے مرشد خواجہ بزرگ کے ساتھ حج کو گیا، واپسی میں ہم ایک ایسے شہر میں ٹھہرے جس کا نام اب یاد نہیں، وہاں ایک بزرگ کی زیارت کی، جو ایک غار میں تھے، ہیبت الٰہی سے ان کے جسم پر گوشت باقی نہ رہا تھا، گویا ایک چوب خشک تھے، خواجہ بزرگ علیہ الرحمہ نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر تمھاری مرضی ہو تو چند روز ہم یہاں قیام کریں، میں نے ادب سے

عرض کیا کہ جیسی مرضی ہو، غرض ہم ان کی صحبت میں ایک ماہ تک رہے، اس عرصہ میں صرف ایک روز وہ تھوڑی دیر کے لیے عالم صحو میں آئے، ہم نے سلام عرض کیا، جواب دیکر فرمایا، عزیزم، تمھیں یہاں تکلیف ہوئی لیکن اس کا نیک بدلہ پاؤ گے کیونکہ جو شخص درویشوں کی خدمت کرتا ہے، منزل مقصود کو ضرور پہنچ جاتا ہے، پھر فرمایا بیٹھ جاؤ، ہم بیٹھ گئے تو اپنا ذکر فرمانے لگے کہ میں شیخ محمد اسلم طوسی کی اولاد سے ہوں، اس عالم تحیر میں تیس سال سے ہوں، مجھکو روز و شب کی کوئی خبر نہیں ہوتی، حق تعالیٰ آج صرف تمھارے لیے عالم صحو میں لایا ہے، اے عزیزو، اب تمھیں اجازت ہے، تم رخصت ہو جاؤ، خداوند تعالیٰ تمھیں اس زحمت کا نیک بدلہ عطا فرمائے، لیکن میری ایک بات تم یاد رکھنا کہ دنیا کی طرف متوجہ نہ ہونا، اور مخلوق سے دور رہنا، اور جو کچھ تمھارے پاس پہنچے اس کو کبھی اپنے پاس نہ رکھنا، ورنہ درویشی حاصل نہ ہوگی اور حق کی مشغولیت کے سوا کسی اور چیز کی طرف التفات نہ کرنا، یہ کہکر وہ پھر عالم تحیر میں چلے گئے،

مجلس چہارم میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھکو بغداد میں بارہا حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی صحبت میں جانے کا اتفاق ہوا، وہ واقعی بہت بڑے بزرگ اور بڑے عابد و زاہد تھے، میں نے اپنی سیر و سیاحت میں ان سا عبادت گذار نہیں دیکھا، اسی مجلس میں حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی سے شرف ملاقات کا بھی ذکر فرمایا ہے،

بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ حضرت بختیار کو بغداد میں خبر ملی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی خراسان سے ہندوستان جا رہے ہیں تو مرشد کے شوق ملاقات میں

وہ بھی ہندوستان روانہ ہوگئے، لیکن خود دلیل العارفین کی ایک عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہندوستان اپنے مرشد کی معیت میں آئے، جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، (نیز دیکھو دلیل العارفین ص ۴۲) پھر مرشد نے اجمیر سے دہلی جانے کا حکم دیا،

ورود دہلی دہلی کے سفر میں ملتان پہنچے، تو یہاں کے مشہور بزرگ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ کمال محبت و شفقت سے ملے، اس لیے حضرت قطب صاحب نے وہاں کچھ دنوں قیام فرمایا، اسی اثنا میں مغلوں نے ہندوستان پر یورش کی، تو ملتان کا حاکم قباچہ حضرت قطب صاحب سے فیوض و برکات کا طلب گار ہوا، اور کہا جاتا ہے کہ انھی کی کرامت سے مغل شکست کھا کر فرار ہوئے[1]، ملتان سے وہ دہلی آئے، اور دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان شمس الدین التمش نے خدم و حشم کے ساتھ ان کا استقبال کیا، اور ان کے قیام کا انتظام شہر کے اندر کرنا چاہا، لیکن انھوں نے کیلوکھری میں سکونت پسند کی، سلطان التمش ہفتہ میں دو بار ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتا تھا، آخر میں سلطان التمش نے عرض کی کہ شہر سے اتنی دور آنے میں سلطنت کے کاروبار میں خلل پڑتا ہے، تو مجبوراً وہ شہر دہلی کے اندر فروکش ہونے پر راضی ہو گئے، اور ملک عین الدین کی مسجد میں قیام فرمایا[2]، شیخ الاسلام جمال الدین بسطامی کی وفات کے بعد التمش نے حضرت قطب صاحب کو ان کی جگہ پر مامور کرنا چاہا، لیکن جب انھوں نے انکار کیا، تو شیخ نجم الدین صغری کو اس عہدہ پر مامور کیا گیا، شیخ نجم الدین صغری حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید تھے، اور برگزیدہ بزرگوں میں شمار کیے جاتے تھے، لیکن حضرت خواجہ قطب الدین کی مقبولیت

[1] سیر الاقطاب ص ۱۴۹، سیر العارفین ص ۱۴۰، [2] سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۴۰، ۴۱

سے ان کے دل میں رشک وحسد کی آگ بھڑک اٹھی،

دہلی سے حضرت قطب صاحب نے حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں شوق ملاقات اور اشتیاق قدم بوسی کا عریضہ ارسال کیا، خواجہ صاحب اپنے محبوب مرید کی آتش شوق بجھانے کے لیے خود دہلی تشریف لائے، اور یہاں کے تمام خواص و عوام اور مشائخ کبار ان کے دیدار سے مشرف ہونے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر دہلی کے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغری نہیں آئے تو خواجہ صاحب خود ان سے ملنے کے لیے گئے، انھوں نے شکایت کی کہ قطب صاحب کے ساتھ لوگوں کی گرویدگی اور فریفتگی کی وجہ سے ان کا وقار اور دبدبہ معرض خطرہ میں آگیا ہے، شیخ الاسلام کی خاطر حضرت خواجہ صاحب نے قطب صاحب کو دہلی چھوڑ کر اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا، التتمش نے بڑی منت وزاری کی لیکن حضرت خواجہ صاحب نے اس کی بات نہ مانی اور قطب صاحب کو لے کر روانہ ہو گئے، دہلی کے باشندوں نے قطب صاحب کو جاتے دیکھا تو عاشق زار کی طرح آہ و بکا کرنے لگے جس جگہ قطب صاحب قدم رکھتے تھے، وہاں کی خاک اٹھا کر تبرکاً آنکھوں سے لگاتے تھے، خواجہ صاحب نے دہلی والوں کو قطب صاحب پر ایسا شیفتہ اور فریفتہ پایا، تو ارشاد فرمایا کہ "بابا قطب الدین تم یہیں رہو، تمھارے چلے جانے سے دہلی کے لوگوں کا دل خراب و کباب رہے گا مجھکو یہ منظور نہیں، چنانچہ آخر وقت تک وہ دہلی ہی میں مقیم رہے[1]

دلیل العارفین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مرشد کی وفات سے پہلے دہلی سے اجمیر جا کر آخری دیدار سے مشرف ہوئے، دلیل العارفین کی مجلس دوازدہم میں ہے کہ

[1] سیر الاولیاء ص ۵۴ و ۵۵

فرمایا ساری دنیا انوار سے روشن ہے، یہ فرما کر رو پڑے، اور فرمایا اے درویش مجھے
اس جگہ اس واسطے لائے ہیں کہ یہاں میرا دفن ہے، اب چند روز میں اس عالم سے
کوچ کروں گا، شیخ علی سجزی آپکے کاتب موجود تھے، ان سے فرمایا کہ فرمان شیخ قطب الدین
بختیار کے نام تحریر کرو، کہ وہ دہلی جائیں، میں نے خلافت اور سجادۂ خواجگان ان کو عطا کیا،
اس کے بعد مجھ سے (یعنی حضرت شیخ قطب الدین سے) ارشاد فرمایا کہ تمہارا مقام دہلی ہے
جب فرمان لکھا جا چکا تو مجھے عنایت فرمایا، اور حکم ہوا آگے آؤ، میں نزدیک گیا تو دست مبارک
سے اپنی دستار یا کلاہ میرے سر پر رکھی، اور حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کا عصا
اپنا مصحف تلاوت اور مصلی بخشا اور یہ فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت
خواجگان چشت کے پاس تھی، جو مجھکو ملی تھی، میں نے تمھیں سونپی، تم اس کا حق دیا
ہی ادا کرو جیسا کہ، اور خواجگان چشت ادا کرتے ہیں تا کہ حشر کے روز میں اپنے مشائخ
کے روبرو شرمندہ نہ ہوں، میں نے (یعنی حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے) اس کو
قبول کیا، اور دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف
روے مبارک کو اٹھا کر ارشاد فرمایا جاؤ، خدا کو سونپا اور تمھیں اپنی منزل پر
پہنچا دیا، پھر فرمایا چار چیزیں جوہر نفس ہیں، اول درویش امیر دتو انگر دکھلائی دے،
دوم وہ بھوکوں کو سیر ہو کر کھلائے، سوم غمگین رہے لیکن ایسا کہ خوش و خرم نظر آئے،
چہارم دشمن سے دوستی اور مہربانی سے پیش آئے، پھر فرمایا اہل محبت کا مرتبہ ایسا
ہے کہ جب کوئی اس سے پوچھے رات کی نماز ادا کی تو جواب دے کہ مجھے فراغت نہیں،
ملک الموت کے پیچھے پیچھے پھرتا ہوں، جہاں کہیں وہ درماندہ ہوتا ہے، دستگیری
کرتا ہوں، میں نے (یعنی حضرت شیخ قطب الدین نے) ارادہ کیا کہ قدمبوسی

حاصل کر کے رخصت ہون، آپ نے یہ امر روشن ضمیری سے دریافت کیا، فرمایا،
آگے آؤ، مین گیا اور قدمون پر گر پڑا، آپ نے مجھے اٹھایا، اور بغلگیر ہوئے، فاتحہ پڑھی،
اور ارشاد کیا، راہ طریقت سے منہ نہ موڑنا، اس راہ مین مردونہ رہنا، مین پھر قدمون پر گرا،
آپ نے از راہ نوازش مجھے اٹھایا اور دوبارہ بغل گیر ہوئے، مین رخصت ہو کر دہلی آیا،
اور وہان کی سکونت اختیار کی، کئی دوست بھی ہمراہ آئے، اور فقیر کے ساتھ رہے، مجھے
دہلی آئے چالیس روز ہوئے تھے کہ اجمیر شریف سے قاصد خبر لایا کہ تمھارے روانہ
ہونے کے بعد آپ بیس روز تک زندہ رہے، پھر رحمت حق مین پیوست ہو گئے،
مجھے بڑا رنج ہوا،

قطب صاحب اور التتمش | قطب صاحب کے قیام سے شاہی دربار پر غیر معمولی اثر پڑا، شمس الدین
التتمش ان کی خدمت مین حاضر ہوتا، تو وہ اس کو رعایا، فقیرون، غریبون اور درویشون
کے ساتھ دوستی کی تلقین فرماتے، اور التتمش اس پر عمل کرتا، چنانچہ قطب صاحب خود فوائد السالکین
مین فرماتے ہین :-

"اس کا (یعنی التتمش کا) عقیدہ صحیح تھا، وہ راتون کو جاگتا، کسی نے اس کو سوتے
نہین دیکھا، وہ بیدار رہ کر عالم تحیر مین گذار رہتا، اور اگر سو جاتا تو فوراً بیدار ہو جاتا،
اٹھکر وضو کرتا اور مصلی پر جا بیٹھتا، اپنے نوکرون مین سے کسی کو نہ اٹھاتا، اور کہتا کہ آرام
سے سونے والون کو تکلیف کیون دی جائے، رات کو وہ گدڑی پہن لیتا تا کہ اس کی
کسی کو خبر نہ ہو، اور کسی شخص کو ساتھ لے کر باہر نکل جاتا، اس کے ہاتھ مین سونے کے ٹنکے
کا ایک توشہ دان ہوتا، اور وہ ہر مسلمان کے دروازہ پر جاتا، اس کے حالات پوچھتا، اور
اس کی مدد کرتا، وہان سے واپس ہوتا تو مسجدون، ویرانون، خانقاہون اور بازارون

مین گشت کرتا، اور ان مقامات کے رہنے والون اور درویشون کو مالی مدد پہنچاتا، طرح طرح کی معذرت کر کے کہتا کہ وہ لوگ اس کی مدد کا ذکر کسی سے نہ کریں، دن کو اس کے دربار مین عام اجازت تھی، کہ جو مسلمان رات کو فاقہ کرتے ہون، اس کے پاس لائے جائین، اور جب وہ آتے تو ان مین سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتا، اور ان کو قسمین دے کر تلقین کرتا کہ جب ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے، یا کوئی ان پر ظلم کرے تو وہ یہان آ کر عدل و انصاف کی زنجیر کو جو باہر لٹکی ہوئی ہے، ہلائین تاکہ وہ ان کے ساتھ انصاف کر سکے، ورنہ قیامت کے روز ان کی فریاد کا بار اس کی طاقت برداشت نہ کر سکے گی"[1]

التمش کی اس نیک نفسی کی وجہ سے تذکرہ نویسون نے اس کا ذکر اولیاء اللہ کی فہرست مین کیا ہے، چنانچہ خزینۃ الاصفیاء کے مولف کا بیان ہے کہ

بادشاہ محمدل و عادل و سلطان کامل و مکمل از خلفاے نامدار و مریدان باوقار خواجہ قطب الدین بختیار است، و از محبوبان و نظر منظوران خواجہ معین الدین سجزی بود، و کمال اعتقاد بخدمت اہل چشت نیک سرشت پیدا کرد، اگرچہ بظاہر تعلق بادشاہی داشت، لیکن از دل فقیر و حقیر دوست بود، کم خوری و کم خفتی و شبہاے دراز بیدار بودے ....[2]

ان اوصاف کے ساتھ التمش پر عاقبت کا خوف غالب رہتا، حضرت خواجہ قطب الدین اپنے ملفوظات مین فرماتے ہین:-

"ایک رات وہ (یعنی التمش) میرے پاس آیا، اور میرا پاؤن پکڑ لیا، مین نے کہا کہ مجھ کو کب تک تکلیف پہنچاتے رہو گے، جو ضرورت ہو بیان کرو، اس نے کہا

---

[1] فوائد السالکین ص ۲۸ و ۲۹ [2] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۲۷۶

رب العزت نے مجھ کو مملکت تو دی ہے، لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی باز پرس ہو گی، اور اس کا حساب دینا ہوگا تو اس وقت بھی آپ مجھے نہ چھوڑیں، وہ اس وقت تک واپس نہ گیا جب تک کہ میں نے اس کی بات قبول نہ کرلی،"[1]

نقر | مگر بادشاہ وقت کی اس ارادت و نیازمندی کے باوجود قطب صاحب کے گھر میں برابر فاقہ رہتا، جب کئی فاقوں کی نوبت آجاتی تو ان کی حرم محترم پڑوس کے بقال کی بیوی سے ایک ٹنکہ یا ایک بہلول قرض لیکر خورد و نوش کا انتظام کرتیں، جب کہیں سے کچھ میسر ہوتا تھا تو قرض ادا کر دیا جاتا تھا، ایک روز بقال کی بیوی نے بی بی صاحبہ سے طنزاً کہا کہ "میں تم کو قرض نہ دوں تو تمہارے بچے بھوکوں مرجائیں"، قطب صاحب کو معلوم ہوا تو قرض لینے سے منع کر دیا، اور فرمایا کہ حجرہ کے طاق میں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہکر جس قدر کاک کی ضرورت ہو نکال لیا کرو، اور بچوں کو کھلا دیا کرو، چنانچہ ضرورت کے وقت وہ ایسا ہی کیا کرتی تھیں، اسی لیے قطب الدین بختیار کاکی کے نام سے مشہور ہوئے،[2]

مرشد نے ان کو پانچ سو درم تک قرض لینے کی ہدایت کی تھی، مگر آخر میں اس سے بھی پرہیز کرنے لگے تھے،[3] اپنے پاس اتنی رقم نہ رکھتے جس سے زکوٰۃ واجب ہوتی،[4]

---

[1] فوائد السالکین ص ۲۹، [2] سیر الاولیا ص ۴۸ و سیر العارفین ص ۴۵، سفینۃ الاولیا ص ۱۶۱، سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ قطب صاحب نے حزم و احتیاط کی خاطر قرض لینا بند کر دیا تھا، اور مصلے کے نیچے روز ایک قرص مل جاتی جس کو کھا کر گھر کے تمام لوگ گذر اوقات کرتے، سیر الاولیا میں ہے کہ بقال سے جب قرض لینا بند کر دیا گیا تو وہ سمجھا کہ قطب صاحب ناخوش ہیں، اس لیے اپنی بیوی کو قطب صاحب کی اہلیہ کے پاس بھیجا، انھوں نے قطب صاحب کے کشف کا ذکر کر دیا، اسکے بعد مصنف مذکور کا بیان ہے کہ کاک مصلے کے نیچے پھر نہ ملی، اسی طرح کی کچھ اور روایتیں بھی ہیں، [3] سیر الاولیا ص ۴۹ [4] سیر العارفین ص ۵۴

جود و سخا | لیکن اس ناداری پر بھی جود و سخا کا یہ حال تھا کہ لنگر خانہ مین جو چیز ہوتی فوراً تقسیم کردیتے جس روز کوئی چیز نہ ہوتی، تو خانقاہ کے ملازم سے فرماتے کہ اگر پانی ہو تو اسی کا دور چلاؤ کہ کوئی روز بخشش اور عطار سے خالی نہ جائے۔[۱]

استغناء | استغنا کا یہ عالم تھا کہ ایک بار شاہی حاجب اختیار الدین ایبک قدمبوسی کے لیے حاضر ہوا، اور کئی گانون بطور نذر پیش کیے، قطب صاحب نے اس کو بلایا اور اپنی جانماز کا گوشہ الٹ کر نیچے دیکھنے کے لیے کہا، اختیار الدین نے چشم بینا سے خزائن الٰہی کا دریائے زخار بہتے ہوئے دیکھا، پھر اختیار الدین سے مخاطب ہو کر فرمایا، کہ جس کے یہان خزائن الٰہی کا دریا بہتا ہو، وہ چند گانون لے کر کیا کرے گا، جاؤ آیندہ درویشون کے ساتھ ایسی گستاخی نہ کرنا۔[۲]

ایک بار سلطان التمش کا وزیر بھی کچھ گانون کا فرمان لے کر خدمت مین حاضر ہوا اور قبول کرنے کی درخواست کی، لیکن خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہمارے خواجگان نے کسی سے گانون قبول کیا ہوتا تو ہم بھی قبول کر لیتے، اگر ہم یہ گانون لے لین تو قیامت کے روز اپنے خواجگان کو کیا منہ دکھائین گے۔[۳]

صبر و تحمل | صبر و تحمل کا یہ عالم تھا کہ ان کے چھوٹے لڑکے کا انتقال ہوا، اور لوگ اسے دفن کر کے واپس آئے تو قطب صاحب کی زوجۂ محترمہ و فورِ غم سے گریہ و زاری کرنے لگین، قطب صاحب نے لوگوں سے گریۂ و زاری کا سبب پوچھا، معلوم ہوا کہ چھوٹے لڑکے کا انتقال ہو گیا، ارشاد فرمایا کہ مین جانتا تو اس کی زندگی کے لیے اللہ تبارک و تعالےٰ سے دعا کرتا۔[۴]

۱؎ راحت القلوب ص ۵ مطبع قاسمی میرٹھ، ۲؎ سیر الاولیاء، ص ۵۳، فوائد السالکین ص ۱۵
۳؎ راحت القلوب ص ۲۲، ۴؎ سیر الاولیاء، ص ۵۴

ریاضت و مجاہدہ

حضرت خواجہ قطب الدین نے عبادت و ریاضت اور مجاہدہ میں بڑی مشقتیں اٹھائیں، سیر الاولیاء (ص ۴۹) میں ہے کہ ابتدائی دور میں تو کچھ سو بھی لیتے تھے لیکن اخیر عمر میں مطلق نہ سوتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اگر کسی وقت سو جاتا ہوں تو تکلیف ہوتی ہے، بیس برس تک وہ رات کو اطمینان سے نہ سوئے اور نہ زمین سے پیٹھ لگائی، یاد حق میں استغراق کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی ملنے کو آتا تو دیر کے بعد ہوشیار ہوتے، برابر مراقبے میں رہتے، نماز کے وقت آنکھ کھولتے، اور غسل فرما کر تجدید وضو کرتے، اور نماز ادا فرماتے، آخر عمر میں کلام پاک حفظ کیا تھا[۱]، ہر روز دو بار کلام پاک ختم کرتے تھے[۲]، اسرار الاولیاء (ص ۱۳) میں ہے کہ جب وہ کلام پاک پڑھتے تو ہر . . . آیت پر اپنے سینہ پر ہاتھ مارتے اور بیہوش ہو جاتے، ایک روز ہزار بار بیہوش ہوئے، لیکن جب مشاہدہ کی آیت پڑھی تو مسکرا دیے، اور پھر عالم تحیر میں کھو گئے، اور اس عالم میں ایک دن اور ایک رات رہے[۳]۔ جوامع الکلم میں ہے کہ دل شکستہ، لب بستہ، حجرہ کا دروازہ بند کیے . . . . گریہ وزاری میں مشغول رہے، زیارت کے لیے معتقدین کا ہجوم ہوتا تو آہ سرد بھرتے ہوئے حجرہ سے باہر تشریف لاتے، اور خادم سے فرماتے کہ ایک ایک پیالہ پانی سب کو دو جبتک وہ پانی پیتے وعظ کہتے، پھر سب کو رخصت کر کے حجرہ میں چلے جاتے اور یاد الٰہی میں مشغول ہو جاتے، راحت القلوب میں ہے کہ ایک بار حضرت قاضی حمید الدین اور مولانا بدر الدین غزنوی کے ساتھ جامع مسجد دہلی میں معتکف ہوئے، تو دن اور رات میں دو بار کلام پاک ختم کرتے، ایک رات تہیہ فرمایا کہ پوری رات میں صرف دو رکعت نماز

[۱] فوائد السالکین مجلس پنجم [۲] سیر الاولیاء ص ۴۹ و سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۳۰ [۳] اسرار الاولیاء ملفوظات حضرت بابا گنج شکر ص ۱۳

ادا کرین، چنانچہ نماز عشا کے بعد حضرت قاضی حمید الدین امام ہوئے، اور خود حضرت خواجہ قطب الدین اور مولانا بدر الدین غزنوی مقتدی بنکر پیچھے کھڑے ہوئے، حضرت خواجہ حمید الدین نے پہلی رکعت مین ایک قرآن اور چار پارے پڑھے، دوسری رکعت مین دوسرا قرآن ختم کیا، آخر مین یہ دعا کی کہ الہی ہم سے تیری عبادت نہیں ہوسکتی، لیکن تو اپنی رحمت سے ہم کو بخشدے۔

حُبِ رسولؐ | اپنے مرشد کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مین بھی سرشار رہتے، پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ہر رات تین ہزار بار درود شریف پڑھکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہربار مین ہدیہ بھیجا کرتے تھے، اپنی مجلسون مین حدیث نبوی بار بار بیان فرماتے، اپنی ایک مجلس مین فرمایا کہ شروع مین مجھسے قرآن شریف حفظ نہ ہوتا تھا، ایک رات خواب مین حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، قدمون پر گر پڑا، رونے لگا، پھر عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ کلام پاک کو حفظ کرون، رسول اللہ علیہ وسلم کو میرے رونے پر رحم آیا اور شفقت سے فرمایا کہ سر اٹھاؤ، مین نے حسب الحکم سر اٹھایا، ارشاد ہوا کہ سورہ یوسف برابر پڑھا کرو قرآن مجید یاد ہو جائے گا، مین بیدار ہوا، تو حسب الحکم سورہ یوسف کی مواظبت کی، یہان تک کہ مین نے پورا کلام پاک حفظ کر لیا[۱]

ذوق سماع | سماع کو بہت عزیز رکھتے، اس کی مجلس کبھی اپنی قیامگاہ مین منعقد کراتے، کبھی حضرت خواجہ قاضی حمید الدین ناگوری کے یہان اور کبھی کسی اور درویش کے یہان جاکر شرکت فرماتے۔ ایک بار مجلس سماع مین قوالوں نے گانا شروع کیا جب یہ شعر پڑھا

سرو چیست کہ چندین فسون عشق در وست ۔۔۔ سرود محرم شفقت و عشق محرم اوست

---

[۱] فوائد السالکین مجلس پنجم

تو مسلسل سات شبانہ روز بیہوش رہے، نماز کے وقت ہوشیار ہو جاتے لیکن نماز ادا فرما کر پھر بیہوش ہو جاتے،

وصال | سماع ہی کی بدولت وصال ہوا، ایک بار شیخ علی سجستانی کی خانقاہ میں محفل سماع تھی قوالوں نے شیخ احمد جام کا قصیدہ گانا شروع کیا، جب یہ شعر پڑھا[1]

کشتگان خنجر تسلیم را | ہر زمان از غیب جان دیگر است

تو حضرت قطب صاحب پر وجد طاری ہو گیا، اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، اسی حال میں حضرت شیخ حمید الدین ناگوری اور مولانا بدرالدین غزنوی ان کو گھر تک لائے، متصل تین دن اور تین رات تک یہی حالت رہی، جب نماز کا وقت آتا تو وضو کر کے فرض اور سنتیں ادا کر لیتے اور پھر اسی سکر کی حالت میں چلے جاتے، یہاں تک کہ واصل بحق ہو گئے، اسی لیے ان کو شہید المحبت کہا گیا ہے، میر حسن نے اس شعر پر ایک غزل کہی ہے جس میں حضرت قطب صاحب کی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے،

جان برین یک بیت داد استاد آن بزرگ | آرے این گوہر زکان دیگر است

کشتگان خنجر تسلیم را | ہر زمان از غیب جان دیگر است

وفات کے وقت سر مبارک حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کے زانو پر تھا، اور دونوں پانوں شیخ بدرالدین غزنوی کی آغوش میں، سال وفات ۶۳۳ھ ہے، وصال سے پہلے وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جس نے کبھی حرام کاری نہ کی ہو، عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں، اور ہمیشہ نماز با جماعت میں تکبیر اولی سے شریک رہا ہو، یہ شرطیں صرف سلطان التتمش کی ذات میں پوری ہوتی تھیں، اس لیے

[1] فوائد السالکین کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شعر پر ایک بار اور بھی غیر معمولی کیفیت طاری ہوئی تھی۔ دیکھو مجلس ۳

اسی نے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل کی[1]

وصال سے کچھ دن پہلے عید کی نماز پڑھ کر عید گاہ سے قیامگاہ کی طرف تشریف لا رہے تھے کہ ایک مقام پر آکر توقف کیا، اور ہمراہی درویشوں سے فرمایا کہ اس مقام سے عشق کی بو آتی ہے، چنانچہ زمین کے مالک کو بلایا اور معاوضہ دے کر اس زمین کو خریدا، اسی سرزمین پر روضۂ مبارک واقع ہے[2]

مقام و درجہ | صوفیائے کرام ہیں قطب الاقطاب، قطب الاسلام، ملک المشائخ، سلطان الطریقت، برہان الحقیقت، رئیس السالکین، امام العالمین، سراج الاولیا، تاج الاصفیا، کے القاب سے یاد فرمائے جاتے ہیں،

تصانیف | حضرت قطب صاحب کے نام سے دو کتابیں منسوب ہیں، ایک دیوان اور ایک فوائد السالکین، دیوان تو نولکشور پریس سے چھپ کر شائع ہوگیا ہے لیکن یہ کسی اور کا ہے جو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے،

تعلیمات | فوائد السالکین میں حضرت قطب صاحب کی سات مجلسوں کے ملفوظات ہیں، جن کو حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر نے جمع کیا ہے، یہ ۳۶ صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے جو مطبع مجتبائی دہلی میں چھپا ہے، اس میں وہ تمام باتیں آگئی ہیں جو ایک سالک کے لیے مفید ہو سکتی ہیں، یہ باتیں جستہ جستہ مختلف صحبتوں میں لکھی گئی ہیں جن کے تجزیہ سے سالک کے لیے مندرجہ ذیل ضوابط مرتب کیے جا سکتے ہیں،

سالک کی زندگی | سالک کم کھائے، اگر وہ پیٹ بھرنے کے لیے کھاتا ہے تو وہ

---

[1] فوائد الفوادؔ ص ۱۴۴، سیر الاولیا ص ۵۵، سیر الاقطاب ص ۱۹۰، خزینۃ الاصفیا ص ۲۷۵ [2] سیر الاولیا ص ۵۵ سیر العارفین اردو ترجمہ ج ۱ ص ۶۲

نفس پرست ہے[1] کھانا صرف عبادت کی قوت کو قائم رکھنے کے لیے کھائے، اس کے لباس میں نمائش نہ ہو، اگر وہ دکھانے کے لیے لباس پہنتا ہے تو راہ سلوک کا راہزن ہے[2] کم سوئے کم بولے، آلائش دنیا سے پاک رہے، حضرت بایزید بسطامیؒ نے ستر سال تک عبادت کی مگر جب مقام قرب آیا تو ان کو قربت محض اس وجہ سے حاصل ہو سکی کہ ان کے پاس مٹی کا جو کوزہ اور چمڑی کا جو خرقہ تھا، ان کو پھینک دیا تو یہ درجہ حاصل ہوا،[3]

سالک اور محبت الٰہی | سالک ہر وقت محبت الٰہی میں غرق رہے، اور سکر میں اس کا یہ حال ہو کہ اس کے سینہ میں زمین و آسمان بھی داخل ہو جائیں، تو اس کو خبر نہ ہو، اگر سالک راہ سلوک کی تکلیف میں فریاد کرتا ہے تو محبت کا دعویدار نہیں ہو سکتا، بلکہ کاذب اور دروغ گو ہے سچی دوستی یہ ہے کہ جو کچھ دوست کی جانب سے پہنچے اس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھے کہ اس بہانہ سے دوست نے اس کو یاد تو کیا،[4] چنانچہ رابعہ بصری پر جس روز بلا نازل ہوتی تھی، وہ نہایت خوش ہوتی تھیں، اور جس روز بلا نازل نہ ہوتی، وہ بہت ہی ملول خاطر رہتیں، کہ دوست نے ان کو یاد نہیں کیا،[5] حضرت خواجہ معین الدین بھی فرماتے تھے کہ محبت کا دعوی اسی کو کرنا چاہیے جو دوست کی بلا پر صبر کر سکے، کیونکہ دوست کی بلا دوست کے واسطے ہے، جس روز یہ بلا نازل نہ ہو سمجھنا چاہیے کہ یہ نعمت اس سے لے لی گئی، کیونکہ راہ سلوک میں نعمت دوست کی بلا ہی کو کہتے ہیں،[6]

راہ سلوک کے درجے | ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ مشائخ طریقت نے بالاتفاق سلوک کے ایک سو اسّی (۱۸۰) درجے رکھے ہیں، لیکن اولیائے طریقت جنیدؒ نے سو درجے، صوفیائے طریقۂ ذوالنون نے ستر درجے قائم کیے ہیں، طبقۂ ابراہیم بشر حافی میں کل پچاس درجے شمار کیے

---

[1] فوائد السالکین ص ۴ [2] ایضاً [3] ایضاً، ص ۵ [4] ایضاً ص ۱۱ [5] ایضاً [6] ایضاً

جاتے ہین، خواجہ بایزید بسطامیؒ و عبداللہ مبارک اور خواجہ سفیان ثوری فرماتے ہین کہ سلوک کے کل بنتالیس درجے ہین، اولیاے طریقۂ شاہ شجاع کرمانی سمنون محبت اور خواجہ مرتعش کے نزدیک سلوک مین بیس ہی درجے ہین، مگر مشائخ چشتیہ سلوک مین صرف پندرہ درجے شمار کرتے ہین، ان درجات مین ایک درجہ کشف و کرامت کا ہے، جن کے نزدیک سلوک مین ایک سو نشی درجے ہین، ان مین ۷۰ وان درجہ کشف و کرامت کا ہے، طبقہ جنیدیہ مین ۶۰ وان، طبقۂ بصریہ مین ۳۰ وان، طریقۂ ذوالنون مین ۲۵ وان، شاہ شجاع کرمانی کے نزدیک ۱۰ وان اور خواجگان چشت کے یہان ۵ وان درجہ ہے، اس درجہ کے حاصل ہونے کے باوجود سالک کو کشف و کرامت مین اپنی ذات کو ظاہر کرنا نہین چاہیے کیونکہ اس کے اظہار سے بقیہ درجات سے وہ محروم ہوجاتا ہے[1]

حضرت قطب صاحب نے اسرار الٰہی کے پوشیدہ رکھنے پر بڑا زور دیا ہے، فرماتے ہین کہ راہ سلوک مین حوصلہ وسیع ہونا چاہیے، کہ اسرار جاگزین ہوسکین، اور فاش نہ ہونے پائین، کیونکہ جو شخص کامل ہوتا ہے، وہ کبھی دوست کے اسرار کو فاش نہین کرتا، چنانچہ قطب صاحب کا بیان ہے کہ وہ ایک مدت تک اپنے مرشد کی صحبت مین رہے لیکن کسی حال مین بھی انھون نے اسرار الٰہی ظاہر ہونے نہ دیے، حضرت قطب صاحب کے نزدیک منصور عارف کامل نہ تھا، کیونکہ اس نے سر دوست کو ظاہر کردیا[2] حضرت جنید بغدادی پر عالم سکر مین کٹھن گھڑیان گذرتین، لیکن وہ صرف یہ کہتے کہ "ہزار افسوس اس عاشق پر کہ وہ دوستی کا دم بھرے، اور جب عالم غیب کے اسرار اس کو معلوم ہون تو فوراً ان کو دوسرے کے سامنے کہدے"[3]

---

[1] فوائد السالکین ص ۲۰-۱۹ [2] ایضاً ص ۱۱ [3] ایضاً ص ۷

شریعت کی پابندی | حضرت قطب صاحب نے شریعت کی پابندی سالک کے لیے لازمی قرار دی ہے، سالک سکر یا کسی حال میں ہو، اس کا کوئی فعل شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہیے چنانچہ وہ خود جب کبھی عالم سکر میں بیہوش ہوتے تو نماز کے وقت ہوش میں آجاتے، اور نماز ادا کر کے پھر بیہوش ہو جاتے، ایک موقع پر فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم اور اولیائے کرام محفوظ اس لیے ہوتے ہیں کہ ان سے عالم سکر میں بھی کوئی فعل خلاف شریعت سرزد نہیں ہوتا، (دیکھو فوائد السالکین مجلس دوم)۔

خلفاء | حضرت قطب صاحب کے خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

شیخ فرید الدین گنج شکر (پاک پٹن)، شیخ بدر الدین غزنوی (دہلی)، شیخ برہان الدین بلخی، شیخ ضیاء الدین رومی (دہلی) سلطان شمس الدین التمش (بادشاہ دہلی)، شیخ بابا سنجری بحر دریا (دہلی) مولانا فخر الدین حلوائی، شیخ احمد تمامی، شیخ حسین، شیخ فیروز، شیخ بدر الدین موتاب برادر شیخ شاہی موتاب (دہلی) شاہ خضر قلندر، شیخ نجم الدین قلندر، خواجہ پیر شیخ سعد الدین، شیخ محمود بہاری، مولانا محمد تاجری، سلطان نصیر الدین غازی، قاضی حمید الدین ناگوری (دہلی)، مولانا شیخ محمد، مولانا برہان الدین حلوائی .... مولانا خضر مبین، مولانا سید، شیخ صوفی بدھنی، شیخ جلال الدین ابو القاسم تبریزی، شیخ نظام الدین ابو المویدی (دہلی)، و شیخ تاج الدین منورہ اوشی[1]

ان خلفاء نے مختلف مقامات میں رشد و ہدایت کی مسند پر جلوہ افروز ہو کر عوام و خواص کی مذہبی اور اخلاقی حالت سنوارنے کی کوشش کی، ان میں سے حضرت جلال الدین تبریزی بنگال کی طرف گئے، جہاں انھوں نے غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد کو حلقہ بگوش

---

[1] خزینۃ الاصفیاج ا ص ۲۷۴

اسلام کیا، ایک مسجد تعمیر کرائی، اور ایک خانقاہ میں فروکش ہو کر خلق اللہ کی روحانی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے، اور اسی سرزمین میں ان کی ابدی خوابگاہ ہے،[1]

لیکن ہم اپنی اس ناچیز تصنیف میں ان اکابر صوفیہ کے حالات اور تعلیمات کے قلمبند کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جنھوں نے یا تو ملفوظات یا کوئی تصنیف چھوڑی ہے اس لیے ان کے علاوہ ہم اور دوسرے بزرگان دین کے حالات کو پھیلا کر لکھنے کی سعادت سے محروم ہو رہے ہیں،

---

[1] خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۸۲

حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رح

اسم گرامی محمد تھا، مگر حمید الدین کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے والد ماجد حضرت عطاء اللہ محمود البخاری، سلطان معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری کے زمانہ مین بخارا سے دہلی تشریف لائے، اور یہین ان کا انتقال ہوا[۵]

بیعت

والد بزرگوار کے انتقال کے بعد حضرت حمید الدین رح کو ناگور کی قضاءت تفویض ہوئی اور اس عہدہ پر تین سال تک مامور رہے، اس کے بعد دنیا سے دل برداشتہ اور کنارہ کش ہو کر سیاحت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، بغداد تشریف آئے، اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رح سے شرف بیعت حاصل کیا، اور ایک سال تک ان کی خدمت مین رہ کر ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے، اسی زمانہ مین یہان حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی تشریف فرما تھے، ان سے گہرے روابط و مراسم قائم ہو گئے، جو آخر وقت تک استوار رہے، حضرت خواجہ قطب الدین نے درویشون سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے جو سیاحت کی اس مین حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کا ذکر رفیق سفر کی حیثیت سے بار بار کرتے ہین جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

مرشد سے اجازت لیکر قاضی حمید الدین رح مدینہ منورہ آئے، اور ایک برس دو مہینے سات روز تک روضۂ نبوی کے مجاور رہے، وہان سے مکہ معظمہ پہنچے، جہان تین سال تک

[۵] سیر العارفین ج ۲ ص ۱۲ و خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۳۰۹

قیام کرکے ہر قسم کے فیوض و برکات حاصل کیے۔ مکہ معظمہ سے سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں دہلی تشریف لائے، اور حضرت خواجہ قطب الاسلام بختیار کاکی کے ساتھ قیام کیا اور وفات کے بعد ان ہی کے پہلو میں دفن ہوئے، لطائف اشرفی میں سال وفات ۶۷۳ھ ہے، رمضان کے مہینہ میں تراویح کے بعد وتر کی نماز میں سجدے میں گئے تو روح عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی۔[1]

ان کو بیعت اگرچہ سلسلہ سہروردیہ میں تھی، مگر حضرت بختیار کاکی سے گہرے تعلقات کی بنا پر وہ چشتی ہی سمجھے جاتے ہیں، لطائف اشرفی میں ہے کہ خواجہ بختیار کاکی نے ان کو خرقۂ خلافت بھی عطا کیا تھا، سیر الاقطاب میں ہے کہ حضرت حمید الدین ناگوری حضرت خواجہ بختیار کاکی کے استاد تھے، خواجہ صاحب نے علوم ظاہری کی تعلیم انہی سے پائی سیر الاقطاب کے مولف کا بیان ہے کہ

"باوجودیکہ حضرت قاضی حضرت خواجہ کے استاد تھے لیکن ادب اور خدمت میں اسقدر لگے رہتے تھے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی، اور وہ کہتے تھے کہ خواجہ قطب الدین قطب المشائخ ہیں اور قاضی حمید الدین سے ہزار درجہ بزرگ اور برتر ہیں، وہ (یعنی حضرت قاضی) ان کے ایک بال کی بھی برابری نہیں کر سکتے، بالآخر قاضی کو حضرت خواجہ سے خلافت بھی ملی، حالانکہ ان کے پیر سے مل چکی تھی (ص۱۵۱)

حضرت قطب الدین اپنے ملفوظات فوائد السالکین میں حضرت حمید الدین ناگوری کو استاد کی حیثیت سے یاد نہیں فرماتے، بلکہ ان کو اپنا "یار غار" بتاتے ہیں، (دیکھو فوائد السالکین مجلس اول)

---

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۲۱

ذوق سماع | حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ سماع سے والہانہ ذوق رکھتے تھے، اور اس ذوق کی وجہ سے علماء ظاہر نے ان کے خلاف فتوے بھی دیے، مگر انھوں نے کسی کی پروانہ کی، اور اس ذوق کو بدستور قائم رکھا، حضرت خواجہ بختیار کاکی بھی ان کے ساتھ سماع کی محفلوں میں شریک ہوتے تھے، ایک بار سلطان التتمش کے محل کے پاس ایک درویش کے مکان پر محفل سماع تھی، حضرت خواجہ بختیار کاکی اور حضرت حمید الدین ناگوری بھی اس میں شریک ہوئے، اس زمانہ کے جید علماء میں مولانا رکن الدین سمرقندی بھی تھے، جو مجلس سماع کو پسند نہیں کرتے تھے، ان کو خبر ملی کہ حضرت خواجہ بختیار کاکی اور حضرت حمید الدین ناگوری ایک محفل سماع میں ہیں تو کچھ لوگوں کے ساتھ اس درویش کے مکان پر پہنچے کہ اس محفل کو روک دیں، حضرت حمید الدین ناگوری کو ان کی آمد کی خبر ہوئی تو صاحب خانہ سے کہا کہ تم کہیں چھپ جاؤ، تاکہ مولانا رکن الدین سمرقندی تمھارے گھر میں آنے کی اجازت تم سے طلب نہ کر سکیں، اور اگر بلا اجازت گھر میں داخل ہوئے تو یہ شرعی حکم کے خلاف ہوگا، اور ان سے مواخذہ کیا جائے گا، صاحب خانہ نے ایسا ہی کیا، مولانا رکن الدین نے دروازے پر پہنچکر اندر داخل ہونے کی اجازت مانگی، مگر صاحب خانہ سے کوئی اجازت نہ ملی تو دروازے سے واپس گئے[1] کئی اور موقعوں پر حضرت حمید الدین ناگوری پر سماع کے لیے پابندی عائد کرنے کی کوشش کی گئی، مگر وہ کسی قدغن کو خاطر میں نہیں لائے،[2]

پایۂ بزرگی | حضرت شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت حمید الدین ناگوری کی بڑی وقعت کرتے تھے، اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں میرے بہت سے خلفاء

[1] فوائد الفواد ص ۲۳۹ و خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۱۰ [2] تفصیل کے لیے دیکھو فوائد الفواد ص ۲۳۹–۲۴۱

ہیں لیکن ان میں بزرگ ترین شیخ حمید الدین ناگوری ہیں (خزینۃ الاصفیاج ۱ ص ۳۱۰)

حضرت فرید الدین گنج شکر کو قاضی حمید الدین سے بڑی عقیدت تھی، ایک بار قاضی حمید الدین نے ان کو ایک خط تحریر کیا جس میں یہ رباعی لکھی:۔

آن عقل کجا کہ در کمال تو رسد — وان روح کجا کہ در جمال تو رسد

گیرم کہ تو پردہ بر گرفتی ز جمال — آن دیدہ کجا کہ بر جمال تو رسد

حضرت گنج شکر اس رباعی کو پڑھتے اور وجد کرتے تھے[۱]، وہ اپنے ملفوظات میں قاضی حمید الدین کی تصانیف کا حوالہ بار بار دیتے تھے، (دیکھو راحت القلوب ص ۲۹و ۳۰)

مولانا قطب الدین کاشانی دہلی آئے تو فرمایا کہ میں حمید الدین کے عشق کی وجہ سے دہلی آیا ہوں، ایک روز انھوں نے قاضی حمید الدین کی تمام تصانیف منگوا کر پڑھیں اور اپنے ہمراہی علماء سے کہا کہ اے یارو! جو کچھ ہم نے اور تم نے پڑھا ہے، وہ سب ان رسالوں میں موجود ہے، اور جو کچھ نہیں پڑھا ہے وہ علم بھی ان کتابوں میں موجود ہے[۲]

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے تھے کہ جو حال اور کمال شیخ حمید الدین کو دربار الٰہی سے عطا ہوا تھا، وہ ہر شخص کو میسر نہ آیا،[۳]

سیر العارفین کے مصنف نے حضرت قاضی حمید الدینؒ کو علم و وقار کا کوہ قاف، بحر اسرار کا لجہ، رہروان منازل نامتناہی کا پیشوا اور ابو سفیان ثوری ثانی کہا ہے،[۴]

اخبار الاخیار میں مولانا عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

او جامع بود میان علوم شریعت و طریقت و حقیقت[۵]

سفینۃ الاولیاء میں ہے:

۱؎ راحۃ القلوب ص ۴۲ و سیر العارفین ج ۲ ص ۲۰، ۲؎ فوائد الفواد ص ۱۴۱ و سیر العارفین ص ۱۵، ۳؎ سیر العارفین ص ۱۵ ۴؎ ایضاً ص ۱۶ ۵؎ اخبار الاخیار ص ۳۱

در تجرید و تفرید یگانۂ عصر و از محققان مشائخ ہند و جامع میان علوم ظاہری و باطنی و صاحب کرامات و مقامات علیہ بودند (ص ۱۶۰)

تصانیف | صاحب سیر العارفین نے لکھا ہے کہ سلوک و اسرار میں ان کی تصانیف بکثرت ہیں، مولانا عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں :

"قاضی حمید الدین را تصانیف بسیار است" (اخبار الاخیار ص ۳۶)

ان کی سب سے مشہور کتاب طوالع الشموس ہے۔ اس میں باری تعالیٰ کے ننانوے اسماء کی شرح ہے، اور دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ لطائف اشرفی میں اس کتاب کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے،

طالع شموس کہ مطلع شموس حقائق و منبع کیوس دقائق است از وی سر زدہ کہ آن مقدار معارف و عوارف کہ از طوالع و طالع می گردد، در دیگر کتاب یافتہ نمی شود۔ امروز در جمیع ملل و نحل دستور و سند شدہ است (ص ۳۶۲)

اس کے بارے میں مولانا عبدالحق فرماتے ہیں :

"ہر جا موج موج از اسرار حقیقت و فوج فوج از معانی طریقت است، متضمن است جمیع مواضع او در متانت و حرارت و حالت متشاکل و متشابہ واقع شدہ" (اخبار الاخیار ص۳۶)

حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر نے قاضی حمید الدین ناگوری کی دو کتابوں تواریخ (؟) اور راحۃ الارواح کا حوالہ اپنے ملفوظات میں بار بار دیا ہے۔ [1] سیر العارفین میں ان کی ایک اور کتاب لوائح کا ذکر ہے [2] حضرت خواجہ گنج شکر کے ملفوظات میں شاید کتابت کی غلطی سے لوائح ہی تواریخ ہو گئی ہو۔

---

[1] راحت القلوب ص ۲۹، ۳۰، ۳۵ [2] سیر العارفین ج ا ص ۸۹

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سہروردیؒ

خاندان حضرت شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہ العزیز کے جد بزرگوار حضرت کمال الدین علی شاہ قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے، فرشتہ تذکرہ اولیائے ہند مصنفہ شیخ عین الدین بیجاپوری کے حوالہ سے رقمطراز ہے کہ.

"شیخ بہاء الدین زکریا از اولاد ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیز بن قصیٰ است و ہبار اسلام آوردہ بود برادران او زمعہ و عمر و عقیل با حالت کفر در جنگ بدر بقتل رسیدند و سودہ کہ در زمان پیغمبر بود دختر زمعہ است۔"

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے جد امجد حضرت کمال الدین شاہ قریشی مکہ معظمہ سے خوارزم آئے، اور وہاں سے آکر ملتان میں سکونت اختیار فرمائی، یہاں ان کے فرزند مولانا وجیہ الدین محمد تولد ہوئے جن کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی لڑکی سے ہوئی مولانا حسام الدین

۱؎ سہرورد چشت کی طرح ایک مقام کا نام ہے، جو عراق عجم کے اندر ہمدان و زنجان کے درمیان واقع تھا، حضرت شہاب الدین ابو حفص عمر اور ان کے پیر شیخ ضیاء الدین ابو نجیب اور محمد اللہ کے پیر شیخ وجیہ الدین یہیں کے رہنے والے تھے، اس لیے ان کے سلسلہ کو سہروردیہ کہتے ہیں، حضرت شہاب الدین عمر کی ولادت ۵۳۹ھ اور وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی، مزار اقدس بغداد میں ہے، تصانیف میں عوارف المعارف، کشف النصائح الایمانیہ و کشف الفضائح الیونانیہ و بہجت الابرار بہت مشہور ہیں، جن سے اب تک فیوض و برکات حاصل کیے جاتے ہیں،

تاتاریون کے حملہ کی وجہ سے ملتان کے نواح قلعہ کوٹ کروڑ مین متوطن تھے، مولانا وجیہ الدین بھی خسر کے ساتھ قلعہ کوٹ کروڑ مین رہنے لگے، اور یہیں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت باسعادت ہوئی،[۱]

تعلیم | بارہ سال ہوئے تو والد بزرگوار عالم جاودانی کو سدھارے، والد ماجد کی وفات کے بعد کلام پاک حفظ کرنا شروع کیا، ساتون قراتون کے ساتھ حفظ کر چکے تو مزید تعلیم کے لیے خراسان کی طرف چل کھڑے ہوئے، یہان پہنچکر سات سال تک بزرگان دین سے علوم ظاہری و باطنی کی تحصیل کرتے رہے، وہان سے بخارا جاکر علم مین کمال حاصل کیا، ان کے اوصاف پسندیدہ اور خصائل حمیدہ کی وجہ سے بخارا کے لوگ انکو بہاء الدین فرشتہ کہا کرتے تھے، یہان آٹھ سال تک تحصیل علم کرتے رہے، پھر بخارا سے حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ گئے، وہان سے روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور پانچ سال تک جوار رسول مین زندگی بسر کی، اس مدت مین مولانا کمال الدین محمد سے جو اپنے عہد کے جلیل القدر محدث تھے، حدیث پڑھی، مولانا کمال الدین محمد نے ترپن سال تک مجاور کی حیثیت سے حرم نبوی کی خدمت کی، حضرت بہاء الدین زکریا نے حدیث کی تعلیم سے فراغت کے بعد روضۂ اقدس کے پاس تزکیۂ قلب اور تصفیۂ باطن کے لیے مجاہدہ شروع کیا، پھر وہان سے چل کر بیت المقدس پہنچے، اور وہان سے بغداد شریف گئے،[۲]

بیعت | بغداد مین حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز کی صحبت سے فیضیاب ہوکر خرقۂ خلافت پایا، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہین کہ شیخ بہاء الدین زکریا قدس سرہٗ نے اپنے مرشد کے پاس صرف سترہ روز قیام فرمایا تھا کہ

۱؎ سیر العارفین ص ۱، و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین ۲؎ سیر العارفین ص ۱۰۷، و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین

ان کو پیر دستگیر کی طرف سے ساری روحانی نعمتیں مل گئیں، اور خرقہ خلافت سے بھی سرفراز کیے گئے،
اس سے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے دوسرے مریدوں کے دل میں شک
پیدا ہوا، اور شیخ سے عرض کی کہ ہم نے اتنے دنوں تک خدمت کی لیکن ہم کو ایسی نعمت نہیں
ملی، مگر ایک ہندوستانی آیا، اور تھوڑی سی مدت میں شیخ ہوگیا، اور بڑی نعمت پائی،
مگر شیخ نے ان کو یہ کہکر خاموش کردیا کہ تم تر لکڑیوں کے مانند ہو، جن میں آگ مشکل اور بہ
دیر سے لگ سکتی ہے، بہاء الدین زکریا خشک لکڑی کے مانند تھے جسمیں آگ جلد اثر کرتی ہے[1]

شجرۂ طریقت | سلسلۂ طریقت یہ ہے، شیخ بہاء الدین زکریا، شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ
ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی، شیخ وجیہ الدین سہروردی، شیخ ابو عبد اللہ، شیخ اسود احمد
دینوری، شیخ ممتاز علی دینوری، خواجہ جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروف کرخی، خواجہ
داؤد طائی، خواجہ حبیب عجمی، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ
جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم،

عظمت مرشد | خرقہ خلافت پانے کے بعد حضرت بہاء الدین زکریا کو مرشد کی طرف سے حکم ملا کہ ملتان
واپس جاکر قیام کرو، اور وہاں کے باشندوں کو فیض پہنچاؤ، حضرت جلال الدین تبریزی بھی شیخ
الشیوخ کے ساتھ مقیم تھے، جب حضرت بہاء الدین زکریا بغداد سے رخصت ہونے لگے، تو غایت
محبت میں وہ بھی اپنے پیر سے اجازت لے کر ان کے ساتھ ہو گئے[2]، بیان کیا جاتا ہے کہ
جب دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے تو شیخ جلال الدین تبریزی، حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ
کی خدمت میں تشریف لے گئے، ملاقات کے بعد واپس ہوئے تو حضرت شیخ بہاء الدین
زکریاؒ نے ان سے دریافت کیا کہ آج کی سیر میں درویشوں میں کس کو سب سے بہتر پایا، بولے

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۴، فوائد الفواد ص ۴۳ [2] سیر العارفین ص ۲۱

شیخ فریدالدین عطارؒ کو، حضرت بہاءالدین زکریاؒ نے پوچھا، کہ ان سے کیا کیا صحبت رہی، جواب دیا کہ مجھ کو دیکھتے ہی انھوں نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں کا کہاں سے آنا ہوا، میں نے عرض کی خطہ بغداد سے آتا ہوں، پھر استفسار کیا کہ وہاں کون درویش مشغول بحق ہے، میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، حضرت شیخ بہاءالدین زکریا نے حضرت جلال الدین تبریزی سے پوچھا کہ اپنے مرشد شیخ بہاءالدین سہروردی کا ذکر کیوں نہ کیا، جواب دیا کہ شیخ فریدالدینؒ کی عظمت میرے دل پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کو بھول گیا، یہ سنکر شیخ بہاءالدین زکریا کو بہت ملال ہوا، اور وہ حضرت جلال الدین تبریزی سے علیحدہ ہو کر ملتان چلے آئے، اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ خراسان جا کر مقیم ہوئے[۱]

قیام ملتان | ملتان کی مدت قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کے انوار سے منور ہو گیا تھا، اور ان کا عہد خیرالاعصار[۲] کہا جاتا ہے،

شیخ محمد نور بخش مولف، سلسلۃ الذہب میں رقمطراز ہیں :-

حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ ہندوستان میں رئیس الاولیاء تھے، علوم ظاہری کے عالم اور مکاشفات و مشاہدات کے مقامات و احوال میں کامل تھے، ان سے اکثر اولیاء اللہ کے سلسلے منتسب ہوئے، لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی، اور ان کو کفر سے ایمان کی طرف، معصیت سے اطاعت کی طرف اور نفسانیت سے روحانیت کی طرف لائے، اور ان کی شان بڑی تھی،[۳]

---

[۱] سیرالعارفین ج ۱ ص ۱۲۱ و ج ۲ ص ۳۵ و فوائدالفواد ص ۲۵۲، [۲] فرشتہ ج ۱ ص ۴۰۳، [۳] بحوالہ اخبارالاخیار ص ۳۰

سفینۃ الاولیاء میں ہے :-

حضرت شیخ الشیوخ سے رخصت ہو کر ملتان آئے، اور یہیں توطن اختیار کیا، رشد و ہدایت میں مشغول ہوئے تو بہت سے لوگوں نے ان کی ہدایت کی برکت پائی، اور اس دیار کے تمام لوگ ان کے مرید اور معتقد ہو گئے، اس دیار میں تمام مریدان ہی کے ہیں، (ص ۱۱۷)

رشد و ہدایت عوام و خواص دونوں کے لیے تھی اور دونوں طبقوں کو اپنی ذات بابرکت سے فیض پہنچانے کی کوشش فرماتے، اس وقت ملتان کا حکمران ناصر الدین قباچہ تھا، جو سلطان شمس الدین التتمش کا حریف بھی تھا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا قلبی رجحان سلطان التتمش کی طرف تھا، کیونکہ جیسا کہ ذکر آچکا ہے، وہ اپنے زہد و تقویٰ، دینداری، اور شریعت کی پاسداری کے لحاظ سے اولیاء اللہ میں شمار کیا جاتا ہے، ناصر الدین قباچہ نے سلطان التتمش کی بڑھتی ہوئی سطوت و قوت کو دیکھ کر اس کے خلاف معاندانہ سازش شروع کی، اسکو ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی اور خود شیخ بہاء الدین زکریا نے پسند نہ کیا، قاضی شرف الدین اصفہانی بہت ہی متدین عالم تھے، انھوں نے دین کی فلاح اسی میں دیکھی کہ سلطان التتمش کو قباچہ کی سازش سے مطلع کر دیں، شیخ بہاء الدین زکریا نے بھی ان کی حمایت کی، اور دونوں نے علیحدہ علیحدہ سلطان التتمش کو خطوط لکھے، مگر دونوں مکتوب قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے، قباچہ ان کو پڑھ کر بہت مشتعل ہوا، اور ایک محضر کے ذریعہ دونوں کو طلب کیا، جب وہ دونوں بزرگ مجلس میں تشریف لے گئے تو قباچہ نے شیخ بہاء الدین زکریا کو اپنی داہنی جانب بٹھایا، اور قاضی شرف الدین اصفہانی کو اپنے روبرو بیٹھنے کا حکم دیا، اور ان کا خط ان کے ہاتھ میں دیدیا، قاضی شرف الدین اصفہانی نے خط پڑھ کر

خاموشی اختیار کی، قباچہ نے غصہ میں جلاد کو حکم دیا کہ اسی وقت یہ تہ تیغ کر دیے جائیں، جلاد نے آگے بڑھ کر سر قلم کر دیا، جب شیخ بہاء الدین زکریا کے ہاتھ میں ان کا مکتوب دیا گیا، تو انھوں نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا، کہ بیشک یہ میرا خط ہے، مگر میں نے حق تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہے، اور صحیح لکھا ہے، یہ سن کر قباچہ پر لرزہ طاری ہو گیا، اور اس نے معذرت کر کے شیخ بہاء الدین زکریا کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا[۱]

فیاضی مگر خلق کی خاطر شاہی حکام کے ساتھ اشتراک عمل کرنے میں بھی دریغ نہ فرماتے، ملتان میں ایک بار سخت قحط پڑا، والی ملتان کو غلہ کی ضرورت ہوئی، شیخ بہاء الدین زکریا نے غلہ کی ایک بڑی مقدار اپنے ہاں سے اس کے پاس بھیجی، جب غلہ اس کے پاس پہنچا، تو اس کے انبار سے نقرئی ٹنکے کے سات کوزے بھی نکلے، والی ملتان نے شیخ کو اس کی اطلاع دی، تو انھوں نے فرمایا ہم کو پہلے سے معلوم تھا، لیکن غلہ کے ساتھ اسے بھی ہم نے بخشا،

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے مطبخ میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے، لیکن انکو ان نعمتوں کے کھانے میں اسی وقت لذت ملتی جب وہ مہمانوں، مسافروں اور درویشوں کے ساتھ مل کر کھاتے، جس شخص کو دیکھتے کہ وہ کھانا رغبت سے کھاتا ہے تو اس کو بہت دوست رکھتے تھے، ایک مرتبہ فقراء کی ایک بڑی جماعت دستر خوان پر شریک تھی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے ہر فقیر کے ساتھ ایک لقمہ کھایا، ایک فقیر کو دیکھا کہ روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہے ہیں، فرمایا سبحان اللہ ان سب فقیروں میں یہ فقیر خوب کھانا جانتا ہے، کیونکہ

[۱] فوائد الفواد ص ۱۳۰، سیر العارفین ص ۱۲۹ تا ۲۸، تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۶، فوائد الفواد میں یہ بھی ہے کہ قباچہ نے ابھی وقت کھانا منگوایا کہ اگر شیخ بہاء الدین زکریا کھانے میں اسکے ساتھ شریک نہ ہونگے، تو اسی بہانہ انکو ایذا پہنچائے گا، مگر شیخ بہاء الدین زکریا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانے میں شریک ہو گئے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نانِ ترکو اور کھانوں پر وہی فضیلت ہے جو مجھکو تمام انبیاؑ پر ہے، اور عائشہؓ کو تمام دنیا کی عورتوں پر ہے[۱]

استغنا | حضرت شیخ زکریاؒ کو کبھی دولت کی کمی محسوس نہ ہوئی، مگر وہ خود اس سے ہمیشہ مستغنی وبے نیاز رہے، ایک روز خادم سے فرمایا کہ جاؤ جس صندوقچہ میں پانچ ہزار دینار سرخ رکھے ہیں، اس کو اٹھا لاؤ، خادم نے ہر چند تلاش کیا مگر صندوقچہ کہیں نہ ملا، وہ مایوس ہو کر واپس آیا، اور شیخ کو اطلاع دی تو کچھ تامل کے بعد فرمایا، الحمد للہ، تھوڑی دیر کے بعد خادم پھر آیا، اور صندوقچہ کے مل جانے کی اطلاع دی، پھر الحمد للہ کہکر خاموش ہو گئے، حاضرین نے عرض کی کہ حضرت نے صندوقچہ گم ہونے پر بھی الحمد للہ فرمایا، اور مل جانے پر بھی، اس میں کیا حکمت تھی، ارشاد فرمایا کہ فقیروں کے لیے دنیا کا وجود اور عدم دونوں برابر ہے، ان کو کسی چیز کے آنے پر نہ خوشی ہوتی ہے، اور نہ اس کے جانے کا غم ہوتا ہے، اور پانچوں ہزار دینار حاجت مندوں میں تقسیم کرا دیے[۲]

بردباری | مزاج میں حلم وبردباری بہت تھی، ایک روز خانقاہ میں تشریف فرما تھے، کہ دلق پوش قلندروں کی ایک جماعت پہنچی، اور ان سے مالی مدد کی خواستگار ہوئی، انھوں نے اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا، ان قلندروں نے گستاخی شروع کر دی، اور اینٹ پتھر سے ان کو مارنے لگے، حضرت شیخ نے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کر دو، جب دروازہ بند ہو گیا تو قلندروں نے دروازہ پر پتھر مارنے شروع کیے، حضرت شیخ نے کچھ تامل کے بعد خادم سے فرمایا، دروازہ کھول دو، میں اس جگہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہ کا بٹھایا ہوا ہوں، خود سے نہیں بیٹھا ہوں، خادم نے دروازہ کھول دیا،

---

[۱] فوائد الفواد و سیر العارفین ص ۳۷، ۳۸ [۲] سیر العارفین ص ۲۹ و مراۃ الاسرار قلمی

اس وقت قلندر نادم ہوئے اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔[۱]

تواضع | غایت تواضع میں اپنی تعظیم و تکریم پسند نہیں فرماتے تھے، ایک بار خانقاہ میں کچھ مرید حوض کے کنارے وضو کر رہے تھے، حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ان کے پاس پہنچ گئے، مریدوں نے وضو ختم بھی نہیں کیا تھا کہ تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے، اور سلام عرض کیا، مگر ایک مرید نے وضو تمام کر کے مراسم تعظیم ادا کیے، حضرت شیخ بہاءالدین زکریا نے فرمایا تم سب درویشوں میں افضل اور زاہد ہو۔

مگر وہ خود دوسروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ جب وارد ہندوستان ہوئے، اور ملتان آکر ٹھہرے تو حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ان سے تعظیم اور محبت اور شفقت سے ملے، اور اصرار کر کے کچھ دنوں ان کو اپنے یہاں روکا، حضرت خواجہ بختیار کاکی بھی حضرت شیخ بہاءالدین زکریا کی بڑی قدر کرتے تھے، چنانچہ جب معتقدین نے ان کو ملتان میں قیام کرنے کی دعوت دی، تو فرمایا کہ ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاءالدین کا قبضہ اور سایہ کافی ہے، یہاں ان ہی کا تعلق ہے، ان ہی کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی۔[۲]

محبت و مودت | حضرت شیخ بہاءالدین زکریا بابا گنج شکر کی بھی بہت عزت کرتے تھے، بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ دونوں خالہ زاد بھائی بھی تھے، اور باہم بڑی محبت اور مودت تھی، حضرت شیخ بہاءالدین زکریا نے ایک موقع پر کسی بات کی معذرت کرتے ہوئے بابا صاحب کو لکھا،

"میان ما و شما عشقبازی است"

---

۱ فوائد الفواد   ۲ سیر العارفین ص ۱۰۴

بابا گنج شکر نے اس کا جواب دیا،

"میان ما و شما عشق است بازی نیست"[۱]

محضر | ایک موقع پر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے عزت و احترام کا جو نمونہ پیش کیا تھا، اس کا ذکر بادۂ تصوف کے سرشاروں کے لیے بہت ہی خمار آگین ہے، اوپر بیان کیا جا چکا ہے، کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نیشاپور میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سے علیحدہ ہو کر خراسان چلے گئے تھے، کچھ عرصہ کے بعد دہلی تشریف لائے سلطان التمش ان کی عظمت اور بزرگی کی شہرت پہلے سے سن چکا تھا، چنانچہ جب وہ دہلی کے قریب پہنچے، تو سلطان نے علما و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے باہر جا کر ان کا استقبال کیا، اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اتر آیا، اور ان کو آگے کر کے خود پیچھے پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا، یہ تعظیم و تکریم شیخ الاسلام نجم الدین صغری کو پسند نہ آئی، ان کے دل میں حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی طرف سے رشک و حسد کی آگ بھڑک اٹھی، مگر اس کا اظہار نہیں کیا، اور سلطان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت جلال الدین تبریزی انکی (یعنی نجم الدین صغری) قیام گاہ کے قریب ہی فروکش ہوں، اور قیام کے لیے ایک مکان تجویز کیا، جو بیت الجن کے نام سے مشہور تھا، سلطان نے اپنے عزیز اور محبوب مہمان کو جنوں کے مکان میں ٹھہرانا پسند نہ کیا، مگر نجم الدین صغری نے کہا اگر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کامل درویش ہوں گے، تو مکان خود جنات سے پاک ہو جائے گا، اور اگر ناقص ہوں گے تو اپنی فریب دہی کی سزا پا جائیں گے، یہ گفتگو بالکل علیحدہ ہوئی تھی، مگر حضرت جلال الدین نے خود اس مکان میں رہنے کا اعلان کر دیا، جب وہ اس مکان میں داخل ہوئے تو

[۱] اخبار الاخیار ص ۲۶ و ۲۷ و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین،

ان کے قدم کی برکت سے مکان تمام بلیات سے پاک ہوگیا، اور ان کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچا،
دوسرے روز حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے شہر کی تنگ گلیوں مین
سے ہوکر چلے، حضرت بختیار کاکی کو کشف ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ ان سے ملنے آرہے
ہین تو وہ خود گلیون مین ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو بڑھے، راستہ مین قران السعدین ہوا
جس وقت حضرت جلال الدین خواجہ بختیار کے ہمراہ انکی خانقاہ پہنچے اس وقت
یہان مجلس سماع ہو رہی تھی، فقراء جمع تھے، اس بیت پر خواجہ صاحب کو وجد آگیا،

در میکدۂ وحدۃ اغیار نمی گنجد   در عالم یکرنگی اغیار نمی گنجد

سلطان التمش حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھ کر ان کا اور
بھی معتقد ہوگیا، اس سے نجم الدین صغری کا حسد اور زیادہ بڑھا، ایک روز موسم بہار مین
سلطان التمش نے فجر کی نماز سے پہلے نجم الدین صغری کو اپنے محل میں بلایا، اور ان کو امام
بنایا، نماز شاہی محل کی چھت پر ہوئی، چھت کے سامنے حضرت جلال الدین تبریزی کی قیامگاہ تھی
وہ صبح کی نماز سے فراغت کے بعد صحن خانہ مین چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے، اور ایک
ملازم جس کو اللہ تعالیٰ نے حسن صورت بھی عطا کیا تھا، ان کے پاؤں دبا رہا تھا، نجم الدین صغری
کو خیال ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نماز سے غافل ہوکر محو استراحت ہین اسی وقت سلطان
کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ ایسے ہی دنیا پرست درویشون کے معتقد ہین، یہ سونے کا کونسا وقت
ہے، اور ایک صاحب جمال غلام بھی پاس بیٹھا ہے، حضرت جلال الدین تبریزی کو نور باطن
سے نجم الدین صغری کی بدگمانی معلوم ہوگئی اسی وقت اٹھے، اور صحن خانہ ہی مین سلطان
کو حقیقت سے آگاہ کیا، سلطان نادم ہوا اور نجم الدین صغری سے کہنے لگا کہ تم شیخ الاسلام
ہوکر ایسی باتین کرتے ہو، تم کو نیک و بد کی بھی پہچان نہین، مگر نجم الدین صغری شرمندہ ہونے

کے بجائے اندرونی طور پر اور زیادہ برہم ہو گئے، اور حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ رنجش بہت زیادہ بڑھ گئی، اور شہر کی ایک حسین و جمیل مطربہ کو پانچ سو اشرفیاں دینے کا وعدہ کر کے آمادہ کیا کہ وہ حضرت جلال الدین تبریزی پر فسق و زنا کا الزام لگائے، مطربہ نے سلطان کے پاس جا کر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کو متہم کیا، سلطان سن کر ششدر ہو گیا، وہ سمجھتا تھا کہ یہ جھوٹا الزام ہے، اور مطربہ کو اس کی دروغگوئی کی پوری سزا دے سکتا تھا لیکن قانون کی وجہ سے معذور تھا، مدعیہ خود اپنے بیان سے واجب التعزیر فاحشہ ثابت ہو رہی تھی مگر حضرت جلال الدین تبریزی پر بغیر شہادت کے تہمت زنا ثابت نہیں ہو سکتی تھی، مدعیہ کا تنہا بیان کافی نہ تھا، لیکن اس کا مقدمہ سامنے آجانے کے بعد اس کی شرعی تحقیقات بھی ضروری تھی، اس لیے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا، محضر میں شرکت کے لیے ہندوستان کے مشاہیر علما و مشائخ کو دعوت دی گئی، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے بھی اس دعوت کو قبول کیا، اور وہ دہلی تشریف لائے، اس محضر میں دو سو صرف اولیائے کرام شریک ہوئے، محضر جامع مسجد میں منعقد ہوا۔

شیخ الاسلام نجم الدین صغری کو حضرت بہاء الدین زکریاؒ اور جلال الدین تبریزیؒ کی کشیدگی کا علم تھا، چنانچہ وہ ان دونوں کی اس کشیدگی اور ناراضی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، شیخ الاسلام کی حیثیت سے انھوں نے شیخ بہاء الدین زکریا ہی کو حکم مقرر کیا، جمعہ کی نماز کے بعد مقدمہ کی کارروائی شروع ہوئی، مطربہ پیش کی گئی، حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کو بھی طلب کیا گیا، جس وقت وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے، سارے علما و اولیا ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے، اور جب حضرت جلال الدین تبریزی نے اپنی جوتیاں اتاریں تو شیخ بہاء الدین زکریا نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں

سلطان التتمش بہت متاثر ہوا کہ ایک جلیل القدر عالم اپنے سامنے پیش ہونے والے ملزم کی ایسی توقیر و عظمت کر رہا ہے، جو حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے معصوم ہونے کی دلیل ہے اور تحقیقات کی کارروائی روک دینی چاہی، مگر شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے فرمایا،

میرے لیے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں، کیونکہ وہ میرے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے ہیں لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دل میں یہ خیال ہو کہ بہاء الدین نے شیخ جلال الدین تبریزی کی تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ ڈال دیا ہے، تو یہ اہل اللہ پر بخوبی روشن ہے کہ حضرت جلال الدین سے ایسے فعل شنیع کا واقع ہونا محال ہے، لیکن پھر بھی دلائل بینہ کا اظہار ضروری ہے، اس لیے مدعیہ مطربہ کو سامنے لاؤ۔"

چنانچہ مطربہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے سامنے لائی گئی، مگر اس پر ایسا رعب طاری ہو گیا کہ اس نے تہمت ثابت کرنے کے بجائے شروع سے آخر تک پورا واقعہ بیان کر دیا کہ نجم الدین صغری نے اس کو طمع دلا کر حضرت جلال الدین تبریزی پر الزام رکھنے کے لیے آمادہ کیا تھا، اس سازش کے افشا پر نجم الدین صغری ایسے ذلیل اور پشیمان ہوئے کہ مجلس ہی میں ان کو غش آ گیا، اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی معصومیت ثابت ہو گئی، سلطان التتمش نے اس کذب و بہتان کی سزا میں نجم الدین صغری کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے برطرف کر کے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا سے اس کے قبول کرنے کی استدعا کی، انھوں نے قبول فرمایا، اور ایک مدت تک شیخ الاسلام کا عہدہ ان کے خاندان میں قائم رہا۔[۱]

---

[۱] فوائد السالکین مجلس ششم و سیر العارفین ص ۱۰ تا ص ۱۰۔

جود و سخا — حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے صحیفۂ کمال میں جود و سخا کی بھی اعلیٰ مثالیں ملتی ہیں، ایک بار ان کے معتقدوں اور مریدوں کا جہاز غرق ہو رہا تھا، غایت اضطراب میں انھوں نے حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا سے روحانی استمداد کی، اللہ جل شانہٗ کی قدرت سے وہ جہاز محفوظ رہ گیا، جہاز پر موتی اور جواہرات کے بڑے بڑے تاجر تھے، جب جہاز ساحل پر پہنچا، تو ان تاجروں نے اپنے مال کا ایک ثلث حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں نذر کرنے کا عہد کیا، اور ان کی جانب سے خواجہ فخر الدین گیلانی نقد و جواہرات لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جواہرات کی قیمت اور نقد رقم ملا کر ستر لاکھ چاندی کے ٹنکے ہوتے تھے، شیخ نے اس کو قبول تو کر لیا، لیکن تین دن کے اندر یہ کل رقم حقداروں محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کرا دی، خواجہ فخر الدین گیلانی اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ انھوں نے اسی وقت اپنا تمام مال و اسباب فقرا میں بانٹ دیا، اور فقیری اختیار کر لی، پانچ برس شیخ کی خدمت میں گذار کر بیت اللہ کے حج کو روانہ ہوئے، مگر جدہ پہنچکر جنت کی راہ لی،[۱]

ذوق سماع — سماع سے بھی کبھی کبھی شغل فرماتے تھے، ایک مرتبہ عبد اللہ رومی قوال ملتان وارد ہوا، اور خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ اس کا گانا شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی نے شوق کے ساتھ سنا ہے، اور وہ ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتا رہا ہے، شیخ نے فرمایا کہ جب شیخ الشیوخ نے سنا ہے تو ذکریا بھی سنے گا، چنانچہ قوال کو ایک خاص حجرہ میں بلایا گیا، عشا کی نماز کے بعد ایک پہر رات گذری ہوگی، کہ حجرہ میں تشریف لائے، دو پارے کلام پاک تلاوت کر کے قوال کو سنانے کا حکم دیا،

---

۱ سیر العارفین ص ۳۲

اور حجرہ کے دروازہ مین زنجیر لگادی، قوال نے گانا شروع کیا،

مستان کہ شراب ناب خورند　　　از پہلوے خود کباب خورند

جب اس بیت کی تکرار کی تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ وجد مین کھڑے ہو گئے، اور حجرہ کا چراغ گل کر دیا، قوال کا بیان ہے کہ اس کو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا کہ شیخ کی کیا کیفیت ہو رہی ہے، صرف دامن معلوم ہوتا تھا، اور کچھ نظر نہ آتا تھا، تھوڑے وقفہ کے بعد شیخ حجرہ سے باہر تشریف لے گئے، اور وہ (یعنی قوال) اپنے رفیقون کے ساتھ حجرہ ہی مین رہا، جب صبح ہوئی تو شیخ نے خادم کے ہاتھ خلعت اور بیس نقرئی ٹنکے بھجوا دیے،[۱]

عبادت وریاضت عبادت وریاضت مین کلام پاک کی تلاوت سے بڑا شغف رکھتے تھے، ایک بار اپنے خلفاء کے ساتھ مجلس مین بیٹھے تھے کہ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا تم مین سے کوئی شخص ایسا ہے، جو دو رکعت نماز کی نیت باندھے، اور ایک رکعت مین پورا کلام پاک ختم کرے، حاضرین میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی، پھر خود ہی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، اور دو رکعت نماز کی نیت کر کے پہلی ہی رکعت میں پورا کلام مجید ختم کر دیا، اور چار پارے اور پڑھے، دوسری رکعت مین سورۂ اخلاص پڑھی، بارہا فرماتے تھے کہ اہل دل سے مجھ کو جو کچھ فیض پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسکو عمل مین لانے کی بھی توفیق عطا فرمائی ہے، اور جس کام کے لیے حوصلہ کیا، وہ پورا ہوا، لیکن ایک کام اب تک نہین ہو سکا، ایک بزرگ آغاز صبح سے طلوع آفتاب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہین، مین نے بھی ہر چند اس کی کوشش کی، مگر یہ حوصلہ پورا نہین ہو سکا، تین چار پارے باقی رہ جاتے ہین، مگر سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ مین نے اپنے پیر و دستگیر شیخ سماء الحق والدین سے سنا تھا کہ حضرت شیخ

---

[۱] فوائد الفواد ص ۱۳۷، وسیر العارفین ص ۱۳۰،

شیخ بہاء الدین زکریا کا معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے بعد کلام پاک شروع کرتے، اور فجر کی نماز کی سنتوں تک پورا ختم کر لیتے تھے[1]

وفات | وفات کے روز اپنے حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے، کہ حجرہ کے باہر ایک نورانی چہرہ کے مقدس بزرگ نمودار ہوئے، اور حضرت شیخ صدر الدین کے ہاتھ میں ایک سربمہر خط دیا، حضرت شیخ صدر الدین خط کا عنوان دیکھ کر متحیر ہوئے، والد بزرگوار کی خدمت میں پیش کر کے باہر آئے تو قاصد کو نہ پایا، خط پڑھنے کے ساتھ ہی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، اور آواز بلند ہوئی،

"دوست بدوست رسید"

یہ آواز سن کر حضرت شیخ صدر الدین دوڑے ہوئے حجرے میں گئے، دیکھا آواز حقیقت بن چکی تھی[2]

راحت القلوب (ملفوظات حضرت بابا گنج شکر) میں ہے کہ جس وقت حضرت بہاء الدین زکریا کا وصال ہوا، اسی وقت اجودھن میں حضرت بابا گنج شکر بیہوش ہو گئے، بڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو فرمایا کہ

"برادرم بہاء الدین زکریا را ازین بیابان فنا بشہرستان بقا بردند"

اور پھر اٹھ کر مریدوں کے ساتھ غائبانہ جنازہ کی نماز پڑھی،[3] مزار شریف ملتان میں ہے،

سنہ وفات میں اختلاف ہے، راحت القلوب میں سال وفات ۶۵۶ھ

---

[1] فوائد الفواد ص ۷ و سیر العارفین ص ۳۲ و ۳۳ [2] راحت القلوب مجلس ہفتم، فوائد الفواد ص ۲۲۱ و سیر العارفین ج ۱ ص ۴۴ و فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۹ [3] اخبار الاخیار ص ۲۸، ۲۷ سفینۃ الاولیاء ص ۱۱۵ - ۱۱۶، مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین، فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۹،

اخبار الاخیار میں ۶۶۶ھ، سفینۃ الاولیا اور فرشتہ میں ۶۶۶ھ اور مراۃ الاسرار میں ۶۶۵ھ، سفینۃ الاولیا میں پیدائش کا سال ۵۶۵ھ لکھا ہے،

تعلیمات | حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی نہ کسی تصنیف کا پتہ ہے، اور نہ ملفوظات کا ذکر تذکروں میں ہے، مگر انھوں نے اپنے مریدوں کے لیے جو وصایا اور خطوط لکھے تھے، ان کو اخبار الاخیار کے مؤلف نے نقل کیا ہے، ان سے ان کی صوفیانہ تعلیمات پر روشنی پڑتی ہے اس لیے ان کے اقتباسات ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہیں،

فرماتے ہیں کہ بندہ پر واجب ہے کہ سچائی اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے عبادات و اذکار میں غیر اللہ کی نفی ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے احوال کو درست اور اقوال و افعال میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے، ضرورت کے سوا نہ کوئی بات کہے، اور نہ کوئی کام انجام دے، ہر قول و فعل سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ سے التجا کرے اور اس سے نیک عمل کی توفیق کی مدد چاہے،

دوسرے موقع پر اپنے مرید کو نصیحت فرماتے ہیں، کہ تم اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کرلو، ذکر ہی سے طالب محبت تک پہنچتا ہے، محبت ایسی آگ ہے جو تمام میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے، جب محبت راسخ ہو جاتی ہے تو مذکور کے مشاہدہ کے ساتھ ذکر حقیقی ذکر ہوتا ہے، یہی وہ ذکر کثیر ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے اس قول وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ میں فلاح کا وعدہ کیا گیا ہے،

پھر فرماتے ہیں کہ مرید کو چاہیے کہ اپنے روزگار کی حفاظت کرتا رہے، ماسوا اللہ کو دل سے دور کر دے، دنیا کے لوگوں کی صحبت کو اپنے اوپر حرام کر لے، اور حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہے، اگر اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے موانست نہ ہوگی، تو خدا تعالیٰ

کی محبت کی بو بھی وہ نہ سونگھ سکے گا،

ایک نصیحت مین ارشاد فرمایا کہ بدن کی سلامتی قلت طعام مین اور روح کی سلامتی ترک گناہ مین اور دین کی سلامتی حضرت خیرالانام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے مین ہے[1]،

خلفاء | حضرت شیخ بہاءالدین زکریا اپنے مریدون مین شیخ حسن افغان کو بہت ہی محبوب رکھتے تھے، وہ ان پڑھ تھے، مگر ان کا ظاہر و باطن روحانی تعلیم سے آراستہ تھا، انکی پزرگی کا یہ حال تھا کہ ایک بار ایک کاغذ پر تین سطرین لکھ دی گئین جن مین سے ایک مین کلام پاک کی آیت تھی، ایک مین حدیث شریف اور ایک مین کسی شیخ کا قول منقول تھا، یہ کاغذ دکھا کر شیخ حسن افغان سے پوچھا گیا کہ کونسی سطر مین کیا چیز ہے، شیخ حسن افغان نے قرآن مجید کی آیت والی سطر پر ہاتھ رکھکر کہا کہ یہ کلام ربانی ہے، اس کا نور مجھکو زمین سے عرش معلی تک نظر آرہا ہے، حدیث شریف کی سطر پر انگلی رکھکر کہا کہ یہ حدیث مقدس کی سطر ہے، اس کا نور ساتوین آسمان تک دکھائی دیتا ہے، پھر شیخ کے قول پر ہاتھ رکھکر کہا کہ اس کا نور زمین سے آسمان تک دیکھتا ہون، حضرت شیخ بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اکثر فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دن بارگاہ الٰہی مین مجھ سے پوچھا جائیگا کہ ہماری بارگاہ مین کیا کمائی لایا ہے، تو مین عرض کرونگا کہ میری کمائی حسن افغان ہے[2]

حضرت شیخ بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے مریدون مین شیخ فخرالدین عراقی اور شیخ امیر حسینی بھی خاص طور پر ذکر کے لائق ہین، ان کے حالات آگے چل کر علیحدہ ابواب مین بیان کیے جائین گے، دو اور کے اسماء گرامی یہ ہین شیخ جمال خندان اور شیخ نجیب الدین علی برغش،

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۷ [2] سیر العارفین ص ۲۶ و فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۴ ۔

حضرت شیخ صدر الدین عارفؒ

روحانی مرتبہ حضرت شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نور اللہ مضجعہ کے فرزند ارجمند تھے، والد بزرگوار ہی کی صحبت میں عشقی و روحانی تعلیم پائی، اسی تعلیم کی بدولت اپنے زمانہ میں سر حلقۂ اولیا سمجھے جاتے تھے۔ ان کے والد کے ایک مرید امیر حسینی نے جن کا ذکر آگے آئے گا، ان کے روحانی مرتبہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

آن بلند آوازۂ عالم پناہ — سرورِ دین افتخارِ صدر گاہ
صدرِ دین و دولت آن مقبولِ حق — ز فلک از خوانِ جودش یک طبق
آبِ حیوان قطرۂ بحرِ دلش — چون خضر علمِ لدنی حاصلش
معتبر چون قول او افعال او — ہم بیانِ او گواہ حالِ او
مقتدائے دین قبولِ خاص و عام — دولتش گفتہ توئی خیر الانام
سالکِ معنی جملہ در فرمانِ او — ہم بکسب و ہم بمیراث آن او[1]

تاریخ فرشتہ میں ان کے روحانی اوصاف و کمالات کی تعریف و توصیف حسب ذیل اشعار میں کی گئی ہے:

آن گہر معدن حق الیقین — تازہ ز آب کرمش باغ دین
دادہ ز پاکی بملائک صلہ — خرقۂ وحدت بخلا و ملا

---

[1] اخبار الاخیار ص ۵۹

لجۂ مواج دل پاک او — عقل فرد ماندہ در ادراک او
صدر نشین گشت بعرش برین — گشتہ خطابش از خدا صدر دین[1]

وہ عام طور سے شیخ صدر الدین عارف کے نام سے مشہور تھے، کہا جاتا ہے کہ جب کلام پاک پڑھتے یا ختم کرتے تو معرفت کے نئے نئے اسرار و رموز ان پر عیاں ہوتے، اسی لیے وہ عارف کے لقب سے مشہور ہوئے، تاریخ فرشتہ میں ہے،

"ویرا عارف ازاں گویند کہ ہر بار ختم کلام اللہ کردی ہمۂ فکرت بیشتر راندی، وقتیکہ تلاوت مشغول بودے او را فوج فوج معانی رو نمودی"[2]

فیاضی والد بزرگوار کے وصال کے بعد جب رشد و ہدایت کی مسند پر متمکن ہوئے، تو ترکہ میں سات لاکھ نقد ملے، مگر یہ ساری رقم ایک ہی روز میں فقراء و مساکین میں تقسیم کرا دی اور اپنے لیے ایک درم بھی نہ رکھا، کسی نے عرض کی کہ آپ کے والد بزرگوار اپنے خزانے میں نقد و جنس جمع رکھتے تھے، اور اس کو تھوڑا تھوڑا صرف کرنا پسند کرتے تھے، آپ کا عمل بھی ان ہی کی روش کے مطابق ہونا چاہیے تھا، شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت بابا دنیا پر غالب تھے، اس لیے دولت ان کے پاس جمع ہو جاتی تو ان کو علائق دنیا کا کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا، اور وہ دولت کو تھوڑا تھوڑا خرچ کرتے تھے، مگر مجھ میں یہ وصف نہیں، اس لیے اندیشہ رہتا ہے کہ دنیا کے مال کے سبب دنیا کے فریب میں مبتلا نہ ہو جاؤں اسلیے میں نے ساری دولت علحدہ کر دی،[3]

مگر اس فیاضی اور جود و سخا کے باوجود ان کے یہاں دولت کی فراوانی رہتی تھی، ایک بار شیخ رکن الدین فردوسی[4] دہلی سے ملتان تشریف لے گئے، تو حضرت شیخ صدر الدین

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۸ [2] ایضاً، [3] ایضاً [4] یہ حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری کے پیر کے پیر تھے،

سے بھی ملنے آئے، اس وقت ان کے یہاں علما، و فقرا، کی بڑی تعداد موجود تھی، شیخ رکن الدین فردوسی کا بیان ہے کہ کھانے کا وقت آیا، تو ایسا پر تکلف دسترخوان بچھایا گیا جیسا بادشاہ کے یہاں ہوا کرتا ہے، خود شیخ صدر الدینؒ کے سامنے طرح طرح کے کھانے اور حلوے تھے شیخ رکن الدین فردوسی ایام بیض کے روزے سے تھے، مگر تبرکاً و یمناً کھانے میں شریک ہو گئے اور شیخ صدر الدین کے قریب ہی دسترخوان پر بیٹھے، شیخ رکن الدین نے اپنے میزبان کی خاطر روزہ تو افطار کر لیا، مگر سوچنے لگے کہ صرف افطار ہی پر اکتفا کی جائے یا کچھ اور کھایا جائے، شیخ صدر الدین نے اپنے نور باطن سے ان کی اس کشمکش کو محسوس کر کے فرمایا کہ جو شخص حرارت باطن سے طعام کو نور بنا کر حق تک پہنچا سکے اس کے لیے تقلیل طعام کی پابندی لازم نہیں،

چونکہ لقمہ می شود بر تو کہن   تن مزن ہر چند بتوانی بخور[1]

مہانوں کی خاطر سے شیخ دسترخوان پر ہاتھ نہ روکتے تھے کہ ان کے ہاتھ روک لینے سے مہمان کہیں تکلف میں بھوکے نہ رہ جائیں،

حضرت شیخ صدر الدین اور شہزادہ محمد سلطان

حضرت شیخ صدر الدین عارف کے خوارق و کرامات کی بہت سی حکایتیں مشہور ہیں، ان میں سے ایک کچھ غور طلب ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بڑے لڑکے شہزادہ محمد سلطان کو مغلوں کی یورش روکنے کے لیے ملتان بھیجا، شہزادہ کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی، جو سلطان رکن الدین ابراہیم بن شمس الدین التیتمش کی لڑکی تھی، یہ شہزادی اپنی نیکی، حیا اور حسن کے لیے مشہور تھی، مگر شہزادے کی شرابخوری اور بدمستی سے عاجز تھی،

---

[1] فرشتہ ج ۲ ص ۱۱۸ و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین

ملتان پہنچکر ایک روز شہزادہ نے شراب کے نشہ مین بیوی کو طلاق دیدی اور اس سے علیحدگی اختیار کر لی، مگر نشہ کے بعد بیوی کی مفارقت گوارا نہ ہوئی، اور علما، کو جمع کر کے مسئلہ پوچھا، انھون نے بتایا کہ شہزادی اس کی زوجیت مین اس وقت تک نہین آسکتی جب تک کہ حلالہ نہ کرلے، شہزادہ کی تنک مزاجی اور حمیت نے اس کو گوارا نہ کیا اور غصے مین اٹھ کر خلوت مین چلا گیا، اور قاضی امیر الدین خوارزمی کو بلا کر کہا کہ باپ کے غیظ و غضب اور دوزخ کے عذاب سے ڈرتا ہون، لیکن اس کی یعنی شہزادی کی مفارقت اور دوری بھی گوارا نہین، قاضی امیر الدین خوارزمی نے رائے دی کہ شیخ صدر الدین عارف نیک اور اچھے بزرگ ہین، پوشیدہ طور پر ان سے شہزادی کا نکاح کر کے طلاق دلوا دیجائے، شہزادہ اس پر راضی ہوگیا، اور حضرت شیخ صدر الدین عارف سے شہزادی کا نکاح کر دیا گیا، جب نکاح ہو چکا تو شہزادی نے حضرت شیخ صدر الدین عارف کے پائون پر گر کر کہا کہ اگر آپ مجھکو پھر اس ظالم اور فاسق کے حوالہ کر دین گے تو قیامت کے روز آپ کی دامنگیر ہون گی، شیخ صدر الدین عارف کو اس کے عجز و زاری پر رحم آگیا، اور انھون نے شہزادی کو طلاق دینے سے انکار کر دیا، شہزادہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی، اور اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ دوسرے دن شیخ کے گھر کو خون سے رنگین کر دیا جائے، شیخ کو اس حکم کی خبر دی گئی تو ان مین کوئی تغیر نہ ہوا، اور اپنے ارادہ پر قائم رہے، اسی دوران مین اچانک مغل حملہ آور ہو گئے، شہزادہ کی فوج پسپا ہوئی، اور وہ خود ان کے ہاتھون قتل ہوا، فرشتہ نے اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے، اور آخر مین یہ شعر نقل کیا ہے کہ

گنج قارون کہ فرو می رود از قہر ہنوز	خوانده باشی کہ ہم از غیرت درویشانست[۱]

[۱] فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۱

مگر تعجب ہے کہ فرشتہ نے اس روایت کو صحیح سمجھکر اپنی تاریخ مین کس طرح قلمبند کیا، اس نے سلطان غیاث الدین بلبن کے ذکر مین شہزادہ محمد سلطان کے اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کی جو تصویر کھینچی ہے اس سے اس روایت کی تکذیب ہوتی ہے۔

فرشتہ لکھتا ہے:-

بلبن کے فرزندون مین سب سے بہتر اور افضل شہزادہ محمد سلطان خان شہید[۵۱] ہے، یہ شہزادہ سلطان غیاث الدین بلبن کا بڑا پیارا اور محبوب ترین فرزند تھا، تمام عمدہ صفتین اور پسندیدہ عادتین جو ایک شہزادہ میں ہونی چاہیں سب حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس کو مرحمت کی تھیں یہ شہزادہ اپنی فضیلت، دانش اور ہنر مین بے مثل تھا، اس کی مجلس ہمیشہ بڑے بڑے فاضلون اور شاعرون سے آراستہ رہتی تھی، اور وہ ان کو ہر طرح کی عنایتون اور مہربانیون سے سرفراز کرتا رہتا تھا، زمانہ اس کے جود و کرم کی وجہ سے بہار اور چمن بنا ہوا تھا، اور اس کا (یعنی زمانہ کا) جیب و دامن نسرین اور نسترن سے پر تھا، امیر خسرو اور خواجہ حسن جیسے لوگ ملتان میں اس کے ندیم خاص رہے، وہ دوسرے درباریون سے زیادہ ان دونون کی عزت کرتا تھا، اور ان کی نظم و نثر سے محظوظ ہوتا تھا، وہ اس قدر مہذب اور شایستہ تھا کہ اگر کسی مجلس میں تمام دن اور رات بیٹھنا پڑتا تو بھی اپنا زانو اونچا نہ کرتا تھا، قسم کے وقت صرف حقا کا لفظ اس کی زبان پر ہوتا، شراب کی مجلس اور بدمستی میں بھی اس کی زبان سے کوئی ناملائم لفظ نہ نکلتا،

---

۵۱ محمد سلطان جب مغلون کے ہاتھوں سے ہلاک ہوا تو محمد سلطان خان شہید کے نام سے مشہور ہوا،

ادب بزرگ کند مرد را تو شاید طبع ــــ بحلیۂ ادب آراسی تا بزرگ شوی

اس کی خوشگوار علمی مجلس مین شاہنامہ، دیوان خاقانی، انوری، خمسۂ نظامی اور امیر خسرو کے اشعار پڑھے جاتے تھے، ارباب فہم و دانش اس کی شعر فہمی کے معترف تھے، امیر خسرو فرماتے تھے کہ مین نے سخن فہمی، باریک بینی، ذوق صحیح اور متقدمین اور متاخرین کے اشعار کی یاد داشت مین سلطان محمد کے جیسا کسی کو نہ پایا، اس کے پاس ایک بیاض تھی جس مین مشہور شعرا کے منتخب اشعار خوش خط منقول تھے، امیر خسرو اور خواجہ حسن اشعار کے انتخاب کی خوبی اور اس کی دینی سلطان محمد کی سخن فہمی، اور نکتہ رسی کے مداح تھے، اس کی شہادت کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے یہ بیاض امیر علی جامدار کو دی جس کے بعد امیر خسرو کو ملی اس زمانہ کے تمام شعرا نے اس بیاض کو دیکھا، اور ان منتخب اشعار کو اپنی اپنی بیاض مین نقل کیا، اور اپنے نوجوان شہزادہ کی وفات پر رنجیدہ ہوے جس زمانہ مین سلطان محمد ملتان مین مقیم تھا، شیخ عثمان ترمذی جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ تھے وہان تشریف لائے، اس نے ان کی بڑی تعظیم اور خاطر داری کی، ان کی خدمت مین نذر اور ہدیہ پیش کیا، اور بہت اصرار کیا کہ وہ ملتان مین قیام فرمائین اور ان کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرائی جائے، اور اس کے مصارف کے لیے گانون وقف کیے جائین، مگر شیخ عثمان ترمذی نے اس کو قبول نہ کیا اور وہان سے چل کھڑے ہوے ایک روز شیخ عثمان اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے شیخ صدر الدین شہزادہ کی مجلس مین تشریف رکھتے تھے مجلس مین عربی اشعار پڑھے جاتے تھے کسی شعر کو سنکر ان بزرگون اور مجلس کے تمام درویشون پر وجد طاری ہوگیا، اور

وہ رقص کرنے لگے، محمد خان سلطان شہید ان کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا، اور برابر زار و قطار روتا رہا، اگر کوئی شخص اس کی مجلس میں کوئی نصیحت آمیز شعر پڑھتا تو وہ دنیا کو دل سے بھلا کر اس کو بڑے شوق سے سنتا اور اس پر رقت طاری ہو جاتی۔[1]

فرشتہ کے مندرجۂ بالا بیان کی لفظ بلفظ تصدیق مولانا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے بھی ہوتی ہے، جو بلبن کے عہد کی سب سے زیادہ معتبر اور مستند تاریخ ہے، مولانا ضیاء الدین برنی نے شہزادہ محمد سلطان کی بیوی کے طلاق اور پھر شیخ صدر الدین سے اس کے نکاح کا ذکر مطلق نہیں کیا ہے بلکہ وہ شہزادہ کے ان تمام محاسن و اوصاف کو لکھکر جن کا فرشتہ نے ذکر کیا ہے، ان الفاظ میں شہزادہ کی وفات کا ماتم کرتے ہیں،

"میں نے بارہا امیر خسرو اور امیر حسن کو حسرت اور افسوس کے ساتھ کہتے سنا کہ اگر ہم لوگوں اور دوسرے ارباب ہنر کی قسمت یاور ہوتی تو خان شہید زندہ رہتا، اور بلبنی تخت کا متمکن ہوتا، اور ہم اور تمام ارباب ہنر روپیوں میں غرق ہو جاتے، لیکن ارباب فضل و کمال کی قسمت کھوٹی تھی، زمانہ نے ان کی طرف کبھی انصاف کی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور نہ کبھی ان کو صاحب دولت و استطاعت دیکھ سکتا ہے، غدار اور سفلہ نواز فلک میں اتنی طاقت کہاں سے آسکتی تھی کہ ایک مہربان ہنر شناس اور ہنر پرور بادشاہ کو شاہی تخت پر بیٹھنے دیتا، اور ارباب ہنر کو فروغ ہوتا، فلک کے کام میں یہی ستم گری ہے، کہ زمانہ کی بے نظیر و عدیم المثال شخصیتوں کو حاجتمند اور ضرورت مند بنا کے رکھتا ہے، اور گمنام اور ناکام لوگوں کو جن کے حلق میں گندہ پانی اور ناپاک چیزیں ہونی چاہئیں، ہزار ناز و نعمت کے ساتھ پرورش کرتا ہے،

---

[1] فرشتہ ج اول ص ۱۰، و تاریخ فیروز شاہی ص ۶۸ و ۶۹

پنجرہ اور سور کو تو مرصع اور مکلل اور عندلیب و بلبل کو قفس میں ذلت کے ساتھ مجبور و محبوس اور پابند رکھتا ہے۔[1]

خود امیر خسرو شہزادہ محمد سلطان کے ساتھ مغلوں کی مہم میں تھے، اور شہزادہ کی شہادت کے بعد مغلوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر محبوس بھی رہے، شہزادہ کی شہادت پر ایک خونچکاں مرثیہ بھی لکھا تھا مگر کہیں اس کی بیوی کے طلاق و نکاح کا ذکر نہیں کیا ہے، میر حسن نے بھی نثر میں شہزادہ کی وفات حسرت آیات پر آنسو بہائے ہیں، لیکن اس میں بھی شہزادہ کی بیوی کے حلالہ کا کہیں ذکر نہیں، امیر خسرو اور امیر حسن کے مراثی و ماتم نامے اسقدر مقبول ہوئے کہ لوگ شہزادہ کی یاد تازہ رکھنے کے لیے ان کو برابر اپنے مطالعہ میں رکھتے تھے، چنانچہ تیموری دور کے مورخ ملا عبدالقادر بدایونی نے میر حسن اور امیر خسرو کے مراثی کو اپنی منتخب التواریخ میں چھبیس صفحوں میں نقل کیا ہے،[2] مگر شہزادہ محمد سلطان اور شیخ صدر الدین کی کشیدگی اور ناگواری کا کہیں اشارہ تک نہیں ہے، البتہ طبقات اکبری میں اس واقعہ کا کچھ ذکر ہے، مگر مؤلف کو خود اس کی صحت میں شک ہے اس لیے اس روایت کی ابتدا گویند سے کی ہے، یعنی یہ عوام کی روایت ہے،[3] راقم السطور کی بھی یہی رائے ہے کہ یہ واقعہ محض عقیدتمند عوام کی روایت ہے، جس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

صحبت کیمیا اثر | حضرت شیخ صدر الدین کی کیمیا اثر صحبت اور تربیت سے بہت سے اہل کمال پیدا ہوئے جو مختلف مقامات میں مخلوق خدا کے ظاہری و باطنی اخلاق کو آراستہ کرنے میں مشغول تھے، شیخ جمال خنداں ان سے تربیت پانے کے بعد اوچ میں قیام پذیر ہوئے اور وہاں کی مخلوق کو فیضیاب کرنے کے بعد اسی سرزمین میں آسودۂ خواب ہیں، ایک دوسرے خلیفہ

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۷۰، ۹۰، [2] منتخب التواریخ ج ۱ ص ۱۵۵-۱۳۱، [3] طبقات اکبری ج ۱ ص ۸۸

شیخ حسام الدین ملتانی کو بدایون مین رہنے کا حکم ملا تھا، چنانچہ وہ آخر وقت تک یہین رہے، اور یہین ان کا مزار ہے، ایک اور خلیفہ مولانا علاء الدین خجندی حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت مین چودہ سال تک رہے، ان کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ وہ روزانہ دو مرتبہ کلام پاک ختم کرتے تھے، ان کے مرشد ان کو محبوب اللہ کہا کرتے تھے، ان خلفاء مین شیخ احمد بن محمد قندھاری المعروف بہ شیخ احمد معشوق پر سب سے زیادہ جذبۂ سکر کی کیفیت طاری رہتی، اس کوچہ مین آنے سے پہلے وہ گھوڑون اور دوسری چیزون کے تاجر تھے، دولت کی فراوانی کی وجہ سے عیش و عشرت مین مشغول رہتے تھے محفل نشاط مین شراب سے بھی شغل کرتے تھے، ایک مرتبہ تجارت کے سلسلہ مین قندھار سے ملتان آئے تو حضرت شیخ صدر الدین کی زیارت کے لیے بھی حاضر ہوئے۔ شیخ نے اپنا جھوٹا ایک لقمہ ان کو کھانے کو دیا، اس کو کھاتے ہی ان پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی، اسی وقت تجارت کا سارا سامان فقراء و مساکین مین تقسیم کر دیا، اور مرشد کی خانقاہ مین عزلت نشین ہو گئے، اور سات سال تک تربیت پاتے رہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے مین فوائد الفواد مین فرماتے ہین کہ

"ایک بار جلے کے جاڑے مین آدھی رات کو وہ باہر آئے، اور پاس ہی بہتے ہوئے پانی مین جا کر کھڑے ہو گئے، اور کہنے لگے کہ الٰہی مین اس وقت تک اس جگہ سے باہر نہ نکلون گا جب تک مجھ کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ مین کیا ہون، ان کے کان مین آواز آئی کہ تم وہ ہو کہ تمھاری وجہ سے قیامت کے روز بہت سے لوگ دوزخ سے محفوظ رہین گے، شیخ احمد نے کہا کہ صرف اس بات پر اکتفا نہین کر سکتا ہون، پھر آواز سنی کہ تم وہ ہو کہ قیامت کے روز تمھاری عنایت کی وجہ سے بہت سے لوگ

بہشت مین جائین گے۔ شیخ احمد نے کہا کہ اس سے بھی تسلی نہین ہوئی، مین معلوم کرنا چاہتا ہون کہ مین کیا ہون، آواز آئی کہ ہم نے حکم کر دیا ہے کہ سارے درویش اور عارف ہمارے عاشق ہون، مگر تم ہمارے معشوق ہو، یہ سنکر خواجہ احمد پانی سے نکل کر شہر کی طرف گئے، راستہ مین جو شخص ان سے ملتا "السلام علیکم یا شیخ احمد معشوق" کہتا،

فوائد الفواد مین ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ مذکورۂ بالا واقعہ بیان کرکے زار و قطار رونے لگے، کسی نے اس مجلس مین کہا کہ شیخ احمد نماز نہین پڑھتے تھے، خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہان جب ان سے کہا جاتا تھا، کہ وہ نماز کیون نہین پڑھتے، تو کہتے تھے کہ نماز پڑھون گا، مگر سورۂ فاتحہ نہین پڑھون گا، اس پر اعتراض ہوتا کہ یہ نماز درست نہ ہوگی، اور جب ان سے اور اصرار کیا جاتا تو کہتے کہ سورہ فاتحہ پڑھونگا "مگر ایاک نعبد و ایاک نستعین" چھوڑ دون گا، پھر ان سے کہا جاتا کہ اس آیت کو بھی پڑھنا ہوگا، اس رد و قدح کے بعد وہ نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے مگر سورہ فاتحہ پڑھتے وقت جب مذکورۂ بالا آیت زبان پر آتی تو ان کے ہر بن مو سے خون جاری ہوجاتا، اور نماز توڑ دیتے اور حاضرین کو مخاطب کرکے کہتے کہ ایسی حالت مین نماز کیسے جائز ہوسکتی ہے۔[۱] واللہ اعلم بالصواب،

علمی یادگار حضرت شیخ صدر الدین نے ان روحانی یادگارون کے علاوہ ایک علمی یادگار کنوز الفوائد بھی چھوڑی ہے، یہ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جس کو ان کے ایک مرید خواجہ ضیاء الدین نے مرتب کیا تھا، راقم السطور کی نظر سے یہ کتاب نہین گذری، مگر

[۱] فوائد الفواد ص ۵۸-۲۵۷

اخبار الاخیار میں اس کے طویل اقتباسات ہیں، ان[1] ہی کی مدد سے ہم شیخ صدر الدین کی صوفیانہ تعلیمات کا خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں،

تعلیمات | فرماتے تھے کہ حدیث قدسی میں ہے کہ لا الہ الا اللہ حصنی فمن دخله امن عن ابی یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہے کہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ (حصن) ہے جو کوئی اس کے اندر داخل ہوا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا، اس قلعہ کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قلعہ کی تین قسمیں ہیں، ظاہر، باطن اور حقیقت، حصن ظاہر یہ ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ خوف زدہ ہو، اور نہ کسی سے کوئی امید رکھے، اگر تمام دنیا کے لوگ اس کے دشمن ہو جائیں تو اس سے متردد نہ ہو، اگر دنیا والے اس کے دوست ہو جائیں تو اس سے خوش نہ ہو، کیونکہ خداوند تعالیٰ کے حکم کے بغیر نفع و ضرر اور خیر و شر کا ظہور نہیں ہوتا، حصن باطل یہ ہے کہ یقین ہو کہ موت سے پہلے جو کچھ بھی پیش آتا ہے وہ بالکل عارضی اور آنی و فانی ہے اور دنیا کی کسی چیز کو ثبات نہیں، اس لیے اس کی ہستی و نیستی قابل التفات نہیں حصن حقیقت یہ ہے کہ دل میں نہ بہشت کی آرزو ہو، اور نہ دوزخ کا خوف ہو، صرف اللہ ہی اللہ ہو، دل میں جب یہ سچائی راسخ ہو جاتی ہے، تو بہشت خود بخود پیچھے پیچھے چلی آتی ہے،

ایک اور موقع پر مریدوں سے فرمایا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی پہلی شرط یہ ہے کہ جس پر آپ ایمان لائے، اس پر ایمان لا کر بندہ ثابت قدم رہے، اور شک و شبہہ کے بجائے رغبت، محبت اور معرفت کے ساتھ دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ تبارک تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا اور اپنی صفات میں یگانہ ہے، وہ تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے اسماء، صفات اور افعال کے لحاظ سے قدیم ہے، اوہام و افہام کی ادراک سے بالاتر ہے،

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۵۹،۱۶۰

حدوث، عوارض اور اجسام کی علامتوں سے پاک ہے، تمام عالم اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اس کی ذات وصفات میں چون وچرا کرنا جائز نہیں، وہ خود کسی چیز سے مشابہ ہے اور نہ کوئی چیز اس سے مشابہ ہے، تمام پیغمبر اسی کے بھیجے ہوئے ہیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں میں افضل ہیں، اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے، صحیح اور درست ہے، اور اس میں کوئی تفاوت نہیں، خواہ یہ باتیں عقل میں آئیں یا نہ آئیں، اگر نہ آئیں تو بھی ان کو تسلیم کر لینا چاہیے تاکہ اعتقاد درست رہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم کو جانا، اس کی کیفیت اور کنہ معلوم کرنے کی کوشش نہ کی، اگر خداوند تعالیٰ کے حکم کی تاویل آیات اور احادیث کے مطابق ہو تو تاویل کرنا جائز ہے، ایمان کی صحت کی علامت یہ ہے کہ اگر بندہ نیک کام کرے تو اس کو خوشی محسوس ہو، اور اگر اس سے برائی سرزد ہو تو اس کو برائی برائی معلوم ہو، بندہ کے ایمان کی استقامت کی علامت یہ ہے کہ وہ علم کے بجائے ذوق وحال کی بنا پر اللہ اور رسول کو محبوب رکھے،

ایک دوسرے موقع پر مریدوں کو نصیحت کی، کہ کوئی سانس ذکر کے بغیر باہر نہ نکلنا چاہیے کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ جو کوئی ذکر کے بغیر سانس لیتا ہے، وہ اپنا حال ضائع کرتا ہے، ذکر کے وقت وسوسہ اور حدیث نفس سے گریز کرنا چاہیے، اور جب یہ صفت پیدا ہو جائے گی تو وسوسے اور حدیث نفس ذکر کے نور سے جل جائیں گے، اور دل میں نور ذکر اترتا جائے گا، اور اس میں ذکر کی حقیقت متمکن ہو جائے گی، پھر ذکر مذکور کے مشاہدہ کے ساتھ ہوگا، اور دل نور کے یقین سے منور ہو جائے گا، اور یہی طالبوں اور سالکوں کا مقصود ہے،

این کار دولت است کنون تا کرا رسد

ایک اور موقع پر مریدوں کو تلقین کی کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کو بندۂ سعید لکھ دیتا ہے، اور اس کو زبان کے ذکر کے ساتھ قلب کی موافقت کی توفیق عطا کرتا ہے، اور زبان کے ذکر سے قلب کے ذکر کی جانب ترقی دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر زبان ذکر سے خاموش رہتی ہے تو قلب خاموش نہیں ہوتا، یہی ذکر کثیر ہے، اور اس ذکر تک بندہ اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک کہ وہ نفاق سے بری نہ ہو، جس کا اشارہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ہے کہ میری امت کے اکثر منافق اس کے قاری ہیں، اس نفاق سے مراد غیر خدا کے ساتھ وقوف اور تعلقِ باطن ہے، اس سے پرہیز ضروری ہے، باطن کا لگاؤ صرف خدا کے ساتھ ہونا چاہیے، پس جب بندہ کو تجرید ظاہری یعنی ناپسندیدہ چیزوں سے علٰحدگی کی توفیق ہوتی ہے اور وہ برے وساوس اور اخلاقِ ذمیمہ سے پاک و صاف ہو کر تفرید باطن سے معزز ہوتا ہے، تو قریب ہوتا ہے کہ اس کے باطن میں نور کا ذکر متجلی ہو جائے، اور شیطانی وساوس اور نفسانی خواہشات اس سے دور ہو جائیں، اور اس کے باطن میں نور کے ذکر کا جوہر نمایاں ہو جائے، یہاں تک کہ اس کا ذکر مشاہدۂ مذکور کو متجلی کر دے، اور یہ وہ مرتبۂ بلند اور عطیۂ عظمیٰ ہے کہ اس کے حصول کے لیے امت کے اصحابِ ہمت اور اربابِ بصیرت کی گردنیں بڑھتی ہیں،

وفات | حضرت شیخ صدر الدین قدس سرہٗ کا وصال ملتان میں ۳ ماہ ذی الحجہ کو ظہر و عصر کے درمیان ہوا تاریخ فرشتہ میں سال وفات ۶۸۴ھ ہے[1]، جو غلط معلوم ہوتا ہے

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۱،

سفینۃ الاولیاء اور مراۃ الاسرار میں ۶۸۴ھ درج ہے، سفینۃ الاولیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ

"و در ملتان بخانقاہ والد بزرگوار خود ہژدہ سال بعد از ایشان بارشاد و تکمیل طالبان و مریدان اشتغال داشتند" [1]

حضرت بہاء الدین زکریا کے سال وفات کی صحیح تعیین نہیں ہو سکی ہے، اگر ۶۶۱ھ تسلیم کر لیا جائے تو حضرت شیخ صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کا سال وصال ۶۷۹ھ ہو سکتا ہے، مراۃ الاسرار کے مؤلف کا بیان ہے کہ وفات کے وقت عمر شریف ۶۹ سال کی تھی، مگر بعض تذکروں میں ۳۰ سال بھی بتائی جاتی ہے، اس لیے تاریخ ولادت کی تعیین مشکل ہے، گو بعض روایتوں کے مطابق شب جمعہ ۶۱۱ھ بتائی گئی ہے، مرقد مبارک ملتان ہی میں حضرت بہاء الدین زکریا کے پہلو میں ہے،

---

[1] سفینۃ الاولیاء ص ۱۹۹،



حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ

وجہ تسمیہ گنج شکر | اسم گرامی مسعود، لقب فریدالدین تھا، مگر عام طور سے گنج شکر کے لقب سے مشہور تھے، گنج شکر کی وجہ تسمیہ مختلف بتائی جاتی ہے، سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں اپنے مرشد حضرت خواجہ بختیار کاکی کی خدمت میں تربیت حاصل کر رہے تھے تو ایک بار انھوں نے سات دن تک متواتر روزے رکھے، ایک دن افطار کے وقت اپنے حجرے سے غزنین دروازہ سے خواجہ بختیار کاکی کے پاس جا رہے تھے کہ ایک جگہ کیچڑ میں پاؤں پھسل گیا اور آپ زمین پر گر پڑے کچھ کیچڑ منہ میں چلی گئی، مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت سے کیچڑ شکر بن گئی، مرشد کی خدمت میں پہنچ کر یہ واقعہ بیان کیا، انھوں نے فرمایا اگر مٹی تمھارے منہ میں شکر بن گئی، تو خداوند تعالیٰ تمھارے سارے وجود کو شکر بنا دے گا، اور تم ہمیشہ شیریں رہو گے، اس کے بعد گنج شکر مشہور ہو گئے[1]، سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک بار خواجہ فریدالدین نے متواتر روزے رکھے، ایک دن افطار میں کوئی چیز کھانے کو نہ ملی، حالت گرسنگی میں رات کو سنگریزے منہ میں رکھ لیے وہ سنگریزے شکر ہو گئے، جب یہ خبر خواجہ بختیار کاکی کو پہنچی تو فرمایا، فرید گنج شکر ہے[2]

خزینۃ الاصفیا کے مولف نے تذکرۃ العاشقین کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک سوداگر اونٹوں پر شکر لاد کر ملتان سے دہلی جا رہا تھا، جب وہ اجودھن پہنچا، تو شیخ فریدالدین

[1] سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۲۹ [2] سیر الاقطاب ص ۱۲۵

نے اس سے پوچھا اونٹوں پر کیا ہے، سوداگر نے تمسخر سے جواب دیا نمک ہے، یہ شکر شیخ فریدالدینؒ نے فرمایا "بہتر ہے، نمک ہی ہوگا" سوداگر جب اپنی منزل مقصود پر پہنچا تو اونٹوں پر شکر کے بجائے نمک پا کر سخت گھبرایا، اسی وقت واپس ہوا، اور شیخ فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر تقصیر کی معافی چاہی، شیخ نے فرمایا کہ اگر شکر تھی تو شکر ہو جائے گی، چنانچہ پھر نمک شکر میں تبدیل ہو گیا، بیرم خان خانخانان نے اس واقعہ کو منظوم کیا ہے، اس کا ایک شعر ہے:

کان نمک، جہان شکر، شیخ بحر و بر آن کہ شکر نمک کند و از نمک شکر[1]

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت شیخ فریدالدینؒ جب جنگلوں اور پہاڑوں میں ریاضت کر رہے تھے، تو ایک دن ان کو بہت پیاس معلوم ہوئی، ایک کنویں کے پاس پہنچے، لیکن وہاں ڈول اور ڈوری نہ تھی، ناامید ہو کر کنویں کے پاس کھڑے ہو گئے، تھوڑی دیر میں دو جنگلی ہرن کنویں کے پاس آئے، کنویں کا پانی ابل کر کنارہ تک آ گیا، دونوں ہرنوں نے اپنی پیاس بجھائی، شیخ فریدالدین بھی پانی پینا چاہتے تھے کہ پانی گہرائی میں اتر گیا، شیخ فریدالدین متحیر ہوئے، آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا "الٰہی! ہرنوں کو تو تو نے پانی پلا دیا، اور اپنے بندے کو کیوں محروم کر دیا" آواز آئی تو نے ڈول اور ڈوری پر اعتماد کیا اور ان جانوروں نے مجھ پر بھروسہ کیا، اس لیے تم محروم رہے، اور وہ دونوں ہرن سیراب ہوئے، یہ سن کر شیخ فریدالدین بہت متاسف ہوئے، اور نفس کشی کے لیے چالیس روز تک چلہ معکوس کیا، اس مدت میں پانی کا ایک قطرہ بھی منہ میں نہ ڈالا، چلہ ختم ہونے کے بعد ایک مٹھی خاک منہ میں ڈالی جو فوراً

[1] خزینۃ الاصفیاء ص ۲۹۲ ج اول۔

شکر ہو گئی، غیب سے آواز آئی، اے فرید! تیرے چلہ کو ہم نے قبول کیا، اور تجھکو اپنے لیے چن لیا، اور شیرین سخنون کے گروہ مین تجھکو گنج شکر بنایا[1]

اسی طرح کی کچھ اور روایتیں بھی ہین،

مولد ونسب نامہ | حضرت شیخ فریدالدین کی ولادت باسعادت ۵۶۹ھ[2] مین قصبہ کھتی وال (کھوتوال)، ضلع ملتان مین ہوئی، سلسلۂ نسب درمیان مین فرخ شاہ بادشاہ کابل اور سلطان ابراہیم بن ادہم اور آخر مین حضرت عمر فاروق رضی سے ملتا ہے، پورا نسب نامہ یہ ہے
شیخ فریدالدین گنج شکر بن جمال الدین سلیمان بن شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ محمد بن شیخ شہاب الدین بن شیخ احمد المشہور بہ فرخ شاہ بادشاہ کابل بن نصیرالدین بن محمد المعروف بہ نشیان شاہ بن سامان شاہ بن سلیمان بن مسعود بن عبداللہ واعظ الاکبر بن ابوالفتح بن اسحاق بن قطب العالمین سلطان ابراہیم بادشاہ بلخ بن ادہم بن سلیمان بن ناصر بن عبداللہ بن امیرالمومنین فاروق الاعظم عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ[3]

حضرت شیخ فرید کے والد بزرگوار حضرت جمال الدین سلیمان شہاب الدین غوری کے زمانہ مین کابل سے لاہور آئے، پھر کچھ دنون قصور اور ملتان مین رہ کر کھتی وال آئے، اور یہین سکونت پذیر ہو گئے، اور اسی مقام پر حضرت فریدالدین کی ولادت ہوئی، والدہ ماجدہ کا نام قرسم خاتون بنت ملا وجیہ الدین تھا،

ابتدائی تعلیم | حضرت شیخ فرید نے ابتدائی تعلیم قصبہ کھتی وال ہی مین پائی، وہان سے

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۲۹۳ [2] ایضاً ج ۱ ص ۲۸۸، گلزار الاولیاء مین ۵۶۹ھ مرقوم ہے (ص ۹۱) [3] خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۲۰۰

مزید تعلیم کے لیے ملتان آگئے، یہاں ایک مسجد میں قیام کرکے کلام پاک حفظ کیا، بیان کیا جاتا ہے کہ ہر رات ایک بار کلام مجید ختم کرتے تھے، اسی مسجد میں فقہ کی کتاب نافع مولانا منہاج الدین ترمذی سے پڑھی، اسی زمانہ میں حضرت بختیار کاکیؒ کا ورود مسعود ملتان میں ہوا،

بیعت | ایک روز حضرت بختیار کاکی اسی مسجد میں جس میں شیخ فرید رہتے تھے، نماز پڑھنے کے لیے تشریف لائے، اور پہلی ہی نظر میں شیخ فرید اس شمع معرفت کے پروانہ ہوگئے، اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی، خیر المجالس (اردو ترجمہ ص ۱۷۱) میں ہے کہ بیعت کے وقت حضرت شیخ فرید کو مخاطب کرکے حضرت بختیار کاکی نے یہ رباعی پڑھی،

مقبول تو جز مقبل جاوید نشد | وز لطف تو ہیچ بندہ نومید نشد
لطفت بکدام بندہ پیوست دمے | کان ذرہ بہ از ہزار خورشید نشد

جب حضرت بختیار کاکی نے دہلی کا رخ کیا، تو شیخ فرید کو مزید تعلیم کی تلقین فرمائی، چنانچہ وہ ہندوستان سے نکل کر غزنی، بغداد، سیوستان اور بدخشان وغیرہ میں علوم ظاہری و باطنی حاصل کرتے رہے،[۱]

سیاحت | حضرت خواجہ فریدالدین کے ملفوظات راحت القلوب میں ان کی سیاحت کے جستہ جستہ واقعات مذکور ہیں، جن کو ہم یہاں اس غرض سے قلمبند کرتے ہیں کہ یہ اندازہ ہو کہ وہ مختلف مقامات کے اولیاء اللہ کی صحبت سے کس کس طرح بہرہ مند ہوئے،

فرماتے ہیں کہ میں نے بغداد میں شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کی زیارت کی، اور

---

[۱] راحت القلوب ص ۱۵۹، ۱۷۱، ۱۹۳، ۲۰۲، سیر الاولیاء ص ۸۰-۸۲، سیر العارفین ص ۲۸

ان سے کئی روز تک فیض صحبت حاصل کرتا رہا، کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا کہ ان کی خانقاہ
مین دس بارہ ہزار سے کم فتوح آتی ہو، اور وہ اس کو اسی روز راہ خدا مین خرچ نہ فرما دیتے
ہون، ایک پیسہ بھی شام تک باقی نہیں رکھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اگر مین ایک پائی بھی
رکھون تو مجھے درویش نہ کہین گے بلکہ مالدار کہین گے، [1]

حضرت بابا گنج شکر کو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے آخر عمر تک بڑی عقیدت
رہی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہین کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی
تصنیف عوارف المعارف کو آپ (یعنی حضرت بابا گنج شکر) بڑی خوش اسلوبی سے پڑھاتے
تھے، اور آپ کے پڑھانے مین یہ اثر تھا کہ سننے والون کے ہوش بجا نہیں رہتے تھے، مین نے
اس کتاب کے پانچ باب آپ ہی سے پڑھے، اور آپ کے بیان کی لذت سے مجھ پر ایسی
بے خودی طاری ہو جاتی کہ اگر ایسی حالت مین موت آجاتی، تو ایک بڑی دولت ملتی،
آپ کے گھر مین فرزند ارجمند پیدا ہوا، تو اس کا نام بھی شہاب الدین ہی رکھا، [2]

فرماتے ہین کہ جب مین بغداد مین تھا تو برابر اسی خیال مین رہتا کہ کسی اہل اللہ کی
زیارت نصیب ہو، اپنا یہ خیال ہر کس و ناکس سے ظاہر کرتا، اور بزرگان دین کا سراغ لگاتا
ایک بزرگ کا حال معلوم ہوا کہ وہ دریائے دجلہ کے کنارہ ایک غار مین سکونت پذیر ہین،
مین ان کی خدمت مین حاضر ہوا، تو وہ نماز مین مصروف تھے، جب نماز سے فارغ ہوئے
تو مین نے سلام کیا، سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ بیٹھ جاؤ، مین بیٹھ گیا، ان کے چہرے سے
بڑی عظمت و ہیبت ظاہر ہوتی تھی، ان کا منہ چودھوین رات کے چاند کی طرح
چمکتا تھا، میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا، اگر بزرگون کی زیارت کی غرض سے یہ سفر اختیار

---

[1] راحت القلوب مطبع قاسمی ص ۱۳ [2] فوائد الفواد ص ۷۷، سیر العارفین ص ۷۵

کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ تم کو بھی نیرنگی عطا فرمائے گا، میں نے سر تسلیم خم کیا، اس کے بعد فرمایا کہ کم و بیش پچاس سال سے اسی غار میں رہتا ہوں، حضرت جنید بغدادی کی اولاد سے ہوں، جڑی بوٹی میری غذا ہے، عرصہ بیس سال سے شب زندہ دار ہوں، لیکن گذشتہ شب اتفاقاً میری آنکھ مصلے پر لگ گئی، اور ایک خواب دیکھا، یہ رات معراج کی تھی، خواب میں اس رات کی فضیلت ظاہر ہوئی، خواب بیان کرنے کے بعد فرمایا، کہ جو شخص خدا کی طلب کرتا ہے حق تعالیٰ بھی اس کا طالب ہوتا ہے، ان کا معمول تھا کہ عشا کی نماز کے بعد سے صبح تک نماز معکوس پڑھتے رہتے تھے[1]

حضرت بابا گنج شکر ارشاد فرماتے ہیں کہ جس وقت میں بغداد اور اس کے نواح میں سفر کر رہا تھا، تو میری ملاقات خواجہ اجل سنجری سے ہوئی، میں نے سلام کیا، اور انھوں نے جواب دے کر مصافحہ کیا، اور مجھکو دیکھ کر فرمایا:

"بیا شکر عالم نیک آمدی بنشین"

میں وہیں بیٹھ گیا، آپ نے میرے حال پر بہت لطف و کرم فرمایا، اور کئی روز تک مجھکو مہمان رکھا، میں نے اپنے قیام کے زمانہ میں دیکھا کہ کسی آنے والے کو خالی نہ جانے دیتے تھے، اگر کچھ موجود نہ ہوتا، تو خستہ خرما ہی عطا فرماتے، میں جب رخصت ہونے لگا تو دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمھارے رزق میں برکت دے، میں نے وہاں کے لوگوں سے سنا کہ آپ جیسا فرماتے ہیں ویسا ہی ہوتا ہے، اسی نواح میں ایک اور بزرگ سے ملاقات ہوئی، جو بہت ہی لاغر اندام تھے، ان کے جسم میں گوشت مطلق نہ تھا، جس مقام پر وہ رہتے تھے وہ ایسے ویرانے میں تھا کہ وہاں چرند و پرند بھی نہ تھے، میں سوچنے لگا کہ یہ بزرگ ایسے خرابہ میں کیوں

---

[1] راحت القلوب ص ۹ و ۱۰

رہتے ہین، یہان ان کی خورش کا سامان کہان سے ہوتا ہوگا، وہ بزرگ میری طرف مخاطب
ہوئے، اور فرمانے لگے کہ مجھکو اس غار مین رہتے ہوئے چالیس سال گذر گیے، میری خورش
بجز خس وخاشاک کے کچھ اور نہین، مین چند روز ان کی صحبت مین رہا، اور پھر وہان سے بخارا
کی طرف روانہ ہوا، وہان شیخ سیف الدین باخرزیؒ سے ملاقات ہوئی، بڑے باعظمت
اور باہیبت بزرگ تھے، جب ان کی مجلس مین پہنچا، اور سلام عرض کیا تو فرمایا بیٹھ جاؤ،
مین بیٹھ گیا، آپ ہر لحظہ میری جانب دیکھ کر فرماتے یہ مشائخ مین سے ہوگا، اور بہت سے
اس کے مرید ہون گے، تھوڑی دیر کے بعد اپنے دوش مبارک سے سیاہ کمبل اتار کر مجھ پہ
ڈال دیا، اور فرمایا یہ کمبل اوڑھ لو، مین نے اوڑھ لیا، چند روز آپ کی خدمت مین رہا،
ایک دن بھی ایسا نہین ہوتا تھا کہ تقریباً ایک ہزار آدمی ان کے دسترخوان پر کھانا نہ کھاتے
ہون، کوئی خانقاہ سے محروم نہ جاتا، (ص ۵)

ایک اور موقع پر فرماتے ہین کہ جب مین بخارا مین شیخ سیف الدین باخرزی کی خدمت
مین حاضر تھا تو ایک شخص ان کے پاس آیا، اور عرض کیا کہ یا حضرت! مین مال رکھتا ہون،
لیکن کئی سال سے اس مین نقصان ہوتا ہے، اور مین خود بھی بیمار ہوجاتا ہون، اس سے
اور بھی نقصان ہوتا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی مسلمان کے مال مین نقصان
ہو تو سمجھنا چاہیے کہ اس کے دل مین کھوٹ ہے، اس کو نقصان اس لیے ہوتا ہے کہ
اس کا ایمان درست ہوجائے،

فرماتے ہین کہ حضرت شیخ سیف الدین باخرزی کے یہان سے روانہ ہو کر مین ایک
مسجد مین شب باش ہوا، یہان خبر ملی کہ اس مسجد کے پاس ایک غار ہے جہان ایک
اہل دل بزرگ رہتے ہین، علی الصباح انکی خدمت مین پہنچا، اس وقت تک مین نے

ان کے جیسا بہت بزرگ کسی اور کو نہین پایا تھا، عالم تفکر مین کھڑے تھے، چار رات اور
دن کے بعد عالم صحو مین آئے، مین نے سلام کیا، سلام کا جواب دیکر فرمایا تم کو مجھ سے
تکلیف پہنچی، بیٹھ جاؤ، مین بیٹھ گیا، فرمایا مین خاندان شمس العارفین سے ہون، تیس برس
سے اس صومعہ مین رہتا ہون لیکن اس مدت مین حیرت اور دہشت کے سوا مجھ کو کوئی
اور چیز حاصل نہین ہوئی، شاید تم اس کے سبب سے واقف نہ ہو، مین نے عرض کیا کہ مجھ کو
اس کی وجہ معلوم نہین، آپ ارشاد فرمائین، فرمایا یہ راہ راست بازون کی ہے، جس
شخص نے اس راہ مین راستی سے قدم رکھا وہ منزل مقصود کو پہنچا، اور اس کو وصال دوست
نصیب ہوا، اور جس نے دوست کی رضا کے بغیر قدم بڑھایا وہ جل کر رہ جائے گا،
میرے اور حق تعالی کے درمیان ستر ہزار حجاب ہین، جب پہلا حجاب اٹھا تو دیکھا کہ مقربان
بارگاہ آنکھین اوپر کیے ہوئے دیکھ رہے ہین، اس طرح یکے بعد دیگرے حجابات اٹھتے
گئے، اور جب حجاب خاص کے پاس پہنچا تو آواز آئی کہ اس حجاب کے آگے وہی بڑھ سکتا
ہے جس نے دنیا اور دنیا کی تمام چیزون سے بیگانہ ہوکر مجھ سے رشتۂ یگانگی جوڑا، مین نے
عرض کیا کہ مین تمام چیزون سے بیگانہ ہون، آواز آئی کہ اگر تو نے سب کو چھوڑ دیا ہے تو
مجھ سے مل گیا، اس وقت مین نے نگاہ ڈالی تو اپنے آپ کو اس صومعہ مین پایا، پس
اے فرزند! اس راہ مین سب سے بیگانہ ہونا چاہیے تاکہ حق تعالی سے رشتۂ یگانگی قائم ہو،
اس کے بعد حضرت بابا گنج شکر نے فرمایا کہ اس گفتگو کے بعد مغرب کی نماز کا وقت آیا،
تو ہم دونون نے باجماعت نماز پڑھی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو دو پیالہ آش اور
چار روٹیان آئین، مجھ سے کھانے کو ارشاد فرمایا، مین نے کھانا ساتھ کھایا، عجیب مزے
کا تھا، وہ حلاوت آج تک مین نے کسی اور کھانے مین نہین پائی، اس رات کو مین

وہین مقیم رہا[1]

ارشادات گرامی مین ہے کہ جب مین نواح غزنی مین تھا، تو ایک رات کسی مسجد مین شب باش ہوا، وہان چند درویش رہتے تھے، ان مین سے ہر ایک بڑا عبادت گذار تھا، مین رات بھر ان کی خدمت مین رہا، صبح کو وہان سے روانہ ہوکر ایک حوض پر پہنچا، جہان ایک بزرگ تشریف فرما تھے، وہ بہت لاغر ضعیف اور کمزور تھے، مین نے لاغری اور کمزوری کا سبب پوچھا تو فرمایا مجھے عارضۂ شکم ہے، دن بھر ان کی خدمت مین رہا، جب رات ہوئی، تو ان کا عارضہ بڑھا، ان کا معمول تھا کہ ہر رات سو رکعت نفل ادا فرماتے، لیکن دو رکعت کے بعد ان کو قضائے حاجت کی ضرورت ہوتی تھی، قضائے حاجت کے واسطے تشریف لے جاتے، واپس آکر غسل فرماتے، اور پھر نماز مین مشغول ہو جاتے، پھر حاجت ہوتی، اور پھر غسل کرکے دوگانہ ادا فرماتے، اس طرح اس رات وہ مسلسل ساٹھ بار نہائے اور اپنا وظیفہ ادا کیا، آخری بار جب نہانے تشریف لے گئے تو پانی کے اندر ہی انتقال فرماگئے، سبحان اللہ، کتنے مضبوط اور راسخ العقیدہ تھے،[2] یہ کہکر بابا گنج شکر رونے لگے،

غزنی ہی کے نواح کی سیاحت کے متعلق فرماتے ہین کہ کسی شہر کی مسجد مین رمضان شریف مین امام حدادی کی بھی قدم بوسی کی، اور ان کی خدمت مین عرصہ تک رہا، وہان ایک اور باعظمت بزرگ تھے، جو ہر رات تین بار کلام پاک ختم کرتے، بلکہ چار پارے اور زیادہ پڑھ جاتے، انھون نے مجھ کو نصیحت فرمائی کہ راہ سلوک مین جفاکشی اور محنت بہت ضروری ہے، جب تک مجاہدات کامل اور ریاضات شاقہ

---

[1] راحت القلوب ص ۵۵ و ۵۶ [2] ایضاً ص

نہ کروگے، مقام اعلیٰ کو نہ پہونچوگے کیونکہ اہل صفہ نے فرمایا ہے کہ اس راہ میں اصلی چیز مجاہدہ ہے[۱]

غزنی کے ایک بزرگ کی نصیحت کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے مجھ کو نصیحت کی کہ دنیا آدمی کی طرف پیٹھ رکھتی ہے اور آخرت منہ، زندگی میں یہ دونوں ساتھ ہیں، لازم ہے کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دی جائے کیونکہ آخرت ہی کام آئے گی[۲]،

فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں سیوستان کی سیر و سیاحت میں مصروف تھا، انہی دنوں شیخ اوحدالدین کرمانی سے ملاقات ہوئی، انھوں نے ازراہ کرم مجھکو اپنے سینے سے لگایا، اور فرمایا کہ مشائخ کی تم نے جو خدمت کی ہے وہ تمھارے لیے سعادت ہے، اور میرے پاس بھی آنا تمھارے لیے اچھا ہوا[۳]،

سیوستان ہی کے ایک بزرگ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ان کو دیکھا کھڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر فرما رہے ہیں، میں ان کے پاس ٹھہر رہا، ایک روز ان کو ہوش آیا، تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو سعادت ابدی عطا کرتے ہیں، اس کے لیے ذکر کا دروازہ کھول دیتے ہیں، اور وہ شخص سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے ذکر ہی میں رہتا ہے فرمایا قضائے حاجت کے وقت کے سوا اور تمام وقت ذکر کرنا چاہیے،

ارشادات عالی میں ہے کہ بدخشاں میں شیخ عبدالواحد شاگرد حضرت ذوالنون مصری سے میری ملاقات ہوئی، وہ شہر سے باہر ایک غار میں رہتے تھے، ان کا جسم بالکل گھل گیا تھا، صرف ایک پاؤں رکھتے تھے، ان کو ایک ہی پاؤں پر عالم تحیر میں کھڑے دیکھا، ان کے پاس پہنچا تو سلام کیا، انھوں نے بیٹھنے کو کہا، اور پھر عالم تحیر میں کھو گئے، تین دن اور تین رات عالم صحو میں نہ آئے، اور مجھ سے مخاطب نہ ہوئے، تیسرے دن

---

[۱] راحت القلوب ص ۲۶ [۲] ایضاً ص ۳۰ [۳] ایضاً ص ۱۷

عالم صحو میں آئے، تو فرمایا میرے پاس نہ آؤ، ورنہ جل جاؤ گے، دور بھی نہ ہو کہ مہجور رہو گے
میرا حال سن لو، میں اس غار میں ستر برس سے ہوں، ایک بار ایک عورت ادھر سے
گذری، میری نگاہ اس پر پڑی، اور اس کی طرف میرا میلان ہوا، اور میں نے اس غار سے
باہر نکلنا چاہا، لیکن غیب سے آواز سنی " اے مدعی، یہی عہد تھا کہ تم میرے سوا کسی دوسرے
سے بھی لگاؤ رکھو، یہ آواز سنکر میں متنبہ ہوا، اور فوراً اس پاؤں کو جو باہر نکل آیا تھا، کاٹ کر
پھینک دیا، اس واقعہ کو تیس سال گزرے ہوں گے، میں حیران ہوں کہ قیامت کے
روز جب مجھ سے سوال کیا جائے گا تو میں کیا جواب دوں گا، [۱]

فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حضرت ابو یوسف چشتی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں
حاضر تھا، ایک صوفی آیا، اور اس نے کہا کہ آج کی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی
کہتا ہے کہ تیری موت قریب ہے، حضرت نے سنتے ہی ارشاد فرمایا کہ کل تمھاری صبح کی نماز
قضا ہوئی تھی، صوفی نے خیال کیا تو سچ تھا، [۲]

راحت القلوب کی مجلس نہم کے بعض ملفوظات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت بابا
گنج شکر نے بیت المقدس میں بھی کچھ دنوں رہ کر وہاں کی جاروب کشی کی تھی، [۳]

خلافت | حضرت شیخ فریدالدین ایک مدت کی سیاحت کے بعد دہلی حضرت بختیار کاکی کی خدمت
میں حاضر ہوئے، مرشد نے ان کی اقامت کے لیے غزنین دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب
کی جہاں وہ ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے، تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ اس ریاضت
و مجاہدہ میں ان کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی حضرت بختیار
کاکی سے ملنے دہلی آئے تو شیخ فرید کو دیکھنے ان کے حجرے میں تشریف لے گئے، مگر شیخ

---

[۱] راحت القلوب ص ۱۷ و ۱۸، [۲] ایضاً ص ۲۲ [۳] ایضاً ص ۲۸،

فرید ضعف کی وجہ سے تعظیم کے لیے اٹھ نہ سکے حضرت خواجہ معین الدین نے ان کے لیے دعا کی، اور غیب سے بشارت ملی کہ "فرید را برگزیدم" چنانچہ خواجہ صاحب نے ان کو خلافت مرحمت فرمایا، اور حضرت بختیار کاکی نے بھی اپنی خلافت کی دستار ان کے سر پر باندھی، اس وقت حضرت خواجہ معین الدین نے حضرت بختیار کاکی کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ

"بابا قطب الدین شاہبازے عظیم در دام آوردہ کہ بجز سدرۃ المنتہیٰ آشیانہ نمی گیرد[۱]"

قیام ہانسی واجودھن

مرشد کی صحبت میں پوری تعلیم پا چکے تو حضرت گنج شکر مرشد کے حکم سے دہلی سے ہانسی آئے، اور رخصت کرتے وقت مرشد نے فرمایا کہ تم میری موت کے وقت تو میرے پاس نہ ہو گے، لیکن میری موت کے دو تین روز کے بعد فاتحہ خوانی کے لیے پہنچو گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت گنج شکر ہانسی پہنچے تو کچھ دنوں کے بعد ایک روز خواب میں دیکھا کہ مرشد کا وصال ہو گیا ہے، ہانسی سے پریشان ہو کر روانہ ہوئے، تو وصال کے تیسرے روز دہلی پہنچے، مزار مبارک کی زیارت فرما چکے تو قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے حضرت خواجہ بختیار کاکی کا خرقہ اور دوسری امانتیں حضرت گنج شکر کو دیں جنکو مرشد نے اپنے محبوب خلیفہ کے حوالہ کرنے کو کہا تھا، تین روز کے بعد حضرت گنج شکر نے دہلی کو چھوڑنا چاہا، تو تمام لوگوں نے دہلی ہی میں قیام کرنے کی درخواست کی، مگر انھوں نے دہلی میں ٹھہرنا پسند نہیں کیا، اور ہانسی آئے، لیکن یہاں لوگوں کا ہجوم بڑھا تو اجودھن کی طرف بڑھ گئے[۲]، یہاں تنہائی اور سکون پایا، تو اسی کو مسکن بنا لیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد معتقدین کا ہجوم یہاں بھی بڑھا، تو اس جگہ کو بھی چھوڑنا چاہتے تھے، مگر مرشد نے خواب میں یہیں ٹھہرنے کی ہدایت کی، اور ایک روز ہاتف غیبی نے بھی آواز دی کہ "اے شیخ!

---

[۱] سیر الاقطاب ص ۱۶۶ [۲] فوائد الفواد ص ۸۸ و سیر الاقطاب ص ۱۶۷

پریشان نہ ہو، اور لوگوں کی جفا کاری کو برداشت کر۔ اس کے بعد سے ہر شخص کو ان کے پاس آنے کی عام اجازت تھی، اور وہ ہجوم سے ملول خاطر نہیں ہوتے تھے[1]

محنت شاقہ | حضرت گنج شکر نے راہ سلوک کے طے کرنے میں بڑی بڑی محنتیں کیں، ان کا خود بیان ہے کہ وہ بیس سال تک عالم تفکر میں کھڑے رہتے مطلق نہ بیٹھے، ان کے پاؤں سوج گئے تھے، اور ان سے خون بہتا تھا، اس درمیان میں ان کو یاد نہیں کہ انھوں نے کچھ کھایا ہو[2]، مرشد کے پاس رہ کر بھی اپنی عبادت و ریاضت کو اسی شدت کے ساتھ جاری رکھا، پہلے ذکر آچکا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ ان کے حجرے میں ان کو دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تو ریاضت کی وجہ سے وہ اس قدر ضعیف ہو گئے تھے کہ تعظیم کے لیے نہ اٹھ سکے، ایک بار اٹھ کر تھوڑی دور چلنا چاہتے تھے، عصا کے سہارے اٹھے، مگر چند قدم چلے ہوں گے کہ چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا، ہاتھ سے عصا چھوڑ دیا، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ساتھ تھے، انھوں نے پریشانی کا سبب پوچھا، تو فرمایا، عصا پر سہارا کیا تھا، اس لیے عتاب نازل ہوا کہ غیر کا سہارا لیتے ہو، اسی لیے عصا چھوڑ دیا، اور محجوب ہوں[3]، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اگر کوئی عارضہ بھی لاحق ہوتا یا فصد لیتے تو بھی روزہ افطار نہ کرتے تھے[4]، رمضان میں ہر رات تراویح کی نماز میں دو کلام پاک ختم کرتے، کبھی دس دس پارے زیادہ بھی پڑھ جاتے، اور کچھ رات باقی رہتی تو تراویح سے فارغ ہو جاتے، حضرت خواجہ نظام الدین بھی ان کے ساتھ تراویح کی نمازوں میں شریک رہتے تھے[5]، خشیت الٰہی کا بڑا غلبہ رہتا تھا، مریدوں کی مجلسوں میں بات بات پر روتے، اور بعض اوقات وعظ میں اتنا گریہ کرتے تھے، اس شعر کو جب پڑھتے تو ہائے ہائے کرکے روتے، نعرے لگاتے

[1] فوائد الفواد ص ۸۸ و سیر الاقطاب ۱۴۷ [2] راحت القلوب ص ۲۹ [3] سیر الاولیاء ص ۱۸ و سیر الاقطاب ص ۱۴۷ [4] فوائد الفواد و سیر العارفین ص ۱۸ [5] راحت القلوب ص ۲۷

اور بیہوش ہو جاتے،

درکوی عاشقان چنان جان بدہند ۔۔۔ کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز[1]

ذوق سماع | ایک بار ان کے سامنے یہ رباعی پڑھی گئی تو ایک دن اور ایک رات بیہوش رہے،[2]

آن عقل کجا کہ در کمال تو رسد ۔۔۔ وان دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال ۔۔۔ آن روح کجا کہ در جلال تو رسد

ایک بار ایک مجلس سماع میں یہ غزل شروع کی گئی:

ملامت کردن اندر عاشقی راست ۔۔۔ ملامت کے کند آنکس کہ بیناست

نہ ہر تر دامنے را عشق زیبد ۔۔۔ نشان عشقی از دور پیداست

نظامی تا توانی پارسا باش ۔۔۔ کہ نور پارسائی شمع دلہاست

تو حضرت گنج شکر پر بیقراری کی عجیب کیفیت طاری ہوئی، اور یہ کیفیت اتنی بڑھی کہ سات دن اور سات رات سکر کا عالم رہا، بے چین ہو کر رقص بھی کرنے لگتے تھے، نماز کا وقت آتا تو صحو میں آجاتے، نماز پڑھ کر پھر بیہوشی طاری ہو جاتی،[3]

سماع سے نہایت شغف رکھتے تھے، سماع کی حرمت و حلت پر ایک روز گفتگو ہو رہی تھی تو فرمایا کہ سبحان اللہ کوئی جل کر راکھ ہو جائے اور دوسرے ابھی اختلاف ہی میں ہوں،[4] مگر سماع انہی لوگوں کیلئے جائز قرار دیا ہے جو اس میں ایسے مستغرق ہوں کہ اگر لاکھ تلواریں ان کے سر پر ماری جائیں یا ایک ہزار فرشتے ان کے کان میں کچھ کہیں تو بھی ان کو خبر نہ ہو،[5]

---

[1] راحت القلوب ص ۱۹، ۲۰، ۲۲، ۲۳ [2] ایضاً ص ۳۴ [3] ایضاً ص ۱۱ و ۱۲ [4] اخبار الاخیار ص ۵۲ [5] راحت القلوب

پریشان نہ ہو، اور لوگوں کی جفاکاری کو برداشت کرے، اس کے بعد سے ہر شخص کو ان کے
پاس آنے کی عام اجازت تھی، اور وہ ہجوم سے ملول خاطر نہیں ہوتے تھے[۱]

محنت شاقہ | حضرت گنج شکر نے راہ سلوک کے طے کرنے میں بڑی بڑی محنتیں کیں، ان کا
خود بیان ہے کہ وہ بیس سال تک عالم تفکر میں کھڑے رہتے مطلق نہ بیٹھے، ان کے پاؤں
سوج گئے تھے، اور ان سے خون بہتا تھا، اس درمیان میں ان کو یاد نہیں کہ انھوں نے
کچھ کھایا ہو،[۲] مرشد کے پاس رہ کر بھی اپنی عبادت و ریاضت کو اسی شدت کے ساتھ جاری
رکھا، پہلے ذکر آچکا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ ان کے حجرے میں ان کو دیکھنے گئے
تشریف لے گئے تو ریاضت کی وجہ سے وہ اس قدر ضعیف ہوگئے تھے کہ تعظیم کے لیے
نہ اٹھ سکے، ایک بار اٹھ کر تھوڑی دور چلنا چاہتے تھے، عصا کے سہارے اٹھے، مگر چند
قدم چلے ہوں گے کہ چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا، ہاتھ سے عصا چھوڑ دیا، حضرت خواجہ نظام الدین
اولیاء ساتھ تھے، انھوں نے پریشانی کا سبب پوچھا، تو فرمایا، عصا پر سہارا کیا تھا، اسلیے
عتاب نازل ہوا کہ غیر کا سہارا لیتے ہو، اسی لیے عصا چھوڑ دیا،[۳] اور محجوب ہوں، ہمیشہ روزہ
رکھتے تھے، اگر کوئی عارضہ بھی لاحق ہوتا یا فصد لیتے تو بھی روزہ افطار نہ کرتے تھے،[۴] رمضان میں
ہر رات تراویح کی نماز میں دو کلام پاک ختم کرتے، کبھی دس دس پارے زیادہ بھی پڑھ
جاتے، اور کچھ رات باقی رہتی تو تراویح سے فارغ ہوجاتے، حضرت خواجہ نظام الدین
بھی ان کے ساتھ تراویح کی نمازوں میں شریک رہتے تھے،[۵] خشیت الٰہی کا بڑا غلبہ
رہتا تھا، مریدوں کی مجلسوں میں بات بات پر روتے، اور بعض اوقات وجد میں آکر
گریہ کرتے تھے، اس شعر کو جب پڑھتے تو ہائے ہائے کرکے روتے، نعرے لگاتے

۱ فوائد الفواد ص ۸۸ و سیر الاقطاب ۱۶۷ ۲ راحت القلوب ص ۲۹ ۳ سیر الاولیاء ص ۶۸ و سیر الاقطاب
ص ۱۶۶ ۴ فوائد الفواد و سیر العارفین ص ۱۸ ۵ راحت القلوب ص ۲۷

اور بیہوش ہوجاتے،

درکوی عاشقان چنان جان بدہند　　کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز[1]

ذوق سماع ایک بار ان کے سامنے یہ رباعی پڑھی گئی تو ایک دن اور ایک رات بیہوش رہے،[2]

آن عقل کجا کہ در کمال تو رسد　　وان دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال　　آن روح کجا کہ در جلال تو رسد

ایک بار ایک مجلس سماع میں یہ غزل شروع کی گئی:

ملامت کردن اندر عاشقی راست　　ملامت کے کند آنکس کہ بیناست

ز ہر تر داشتہ را عشق زیبد　　نشان عشق از دور پیداست

نظامی تا توانی پارسا باش　　کہ نور پارسائی شمع دلہاست

تو حضرت گنج شکر پر بیقراری کی عجیب کیفیت طاری ہوئی، اور یہ کیفیت اتنی بڑھی کہ سات دن اور سات رات سکر کا عالم رہا، بے چین ہو کر رقص بھی کرنے لگتے تھے، نماز کا وقت آتا تو صحو میں آجاتے، نماز ادا کرکے پھر بیہوشی طاری ہوجاتی[3]

سماع سے نہایت شغف رکھتے تھے، سماع کی حرمت و حلت پر ایک روز گفتگو ہو رہی تھی تو فرمایا کہ سبحان اللہ! کوئی جل کر راکھ ہوجائے اور دوسرے ابھی اختلاف ہی میں ہوں[4]، مگر سماع انہی لوگوں کیلئے جائز قرار دیا ہے، جو اس میں ایسے مستغرق ہوں کہ اگر ایک لاکھ تلواریں ان کے سر پر ماری جائیں یا ایک ہزار فرشتے ان کے کان میں کچھ کہیں تو بھی ان کو خبر نہ ہو[5]

---

[1] راحت القلوب ص ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳　[2] ایضاً ص ۱۴　[3] ایضاً ص ۱۱ و ۱۲　[4] اخبار الاخیار ص ۴۰　[5] راحت القلوب

فقر و فاقہ | تمام زندگی فقیرانہ عسرت اور درویشانہ استغنا کے ساتھ گذاری، لباس وغذا میں بڑی شان بے نیازی پائی جاتی تھی، جسم پر کپڑے پھٹ جاتے تو بھی علاحدہ نہ کرتے تھے۔ ایک بار کرتہ بہت ہی بوسیدہ ہو گیا تھا، ایک شخص نے نیا کرتہ نذر کیا، کرتہ پہن تو لیا لیکن فرمایا جو ذوق مجھ کو اس پرانے کرتہ میں حاصل تھا، اس نئے کرتہ میں نہیں ہے[1]، جس کمبل پر دن کو بیٹھتے اسی کو رات کے وقت اپنا بستر استراحت بناتے[2]۔ گھر میں اکثر فاقہ ہوتا تھا، ایک روز زوجۂ محترمہ نے آکر عرض کیا کہ فلاں بچہ بھوک سے مر رہا ہے، تو فرمایا فرید کیا کرے، اگر تقدیر الٰہی یہی ہے تو یہی ہوگا، اکثر شربت سے روزہ افطار کرتے تھے، ایک پیالہ شربت کا جس میں تھوڑی کشمکش ہوتی حاضر کیا جاتا، تو اس میں سے نصف بلکہ دو تہائی حاضرین میں تقسیم کر دیتے، اور باقی خود نوش فرماتے، پھر اس میں سے بھی کسی کو عنایت کرتے، اگر گھر میں کچھ ہوتا تو افطار کے بعد دو روٹیاں لائی جاتیں، ان میں سے ایک ٹکڑا خود کھاتے اور باقی حاضرین کو تقسیم کر دیتے، لنگر خانہ کی طرف سے طرح طرح کے کھانے دسترخوان پر چنے جاتے تو مہمان کھاتے لیکن خود تناول نہ فرماتے، زیادہ تر زنبیل کی روٹی پسند فرماتے، اکثر ڈیلہ پکا کرتا تھا، یہ ایک قسم کا پھل تھا جس کا عام طور پر نمک اور سرکہ ملا کر اچار بناتے تھے، ایک روز گھر میں نمک نہ تھا، حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے مرشد کی خاطر ایک درہم کا نمک بقال سے ادھار لیا اور ڈیلہ پکا کر مرشد کے پاس لے گئے، حضرت گنج شکر نے کھانے کے لیے پیالہ میں ہاتھ ڈالا، تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی، اور لقمہ اٹھا نہ سکے، فرمایا "از ین بوئے اسراف می آید" اور پوچھا کہ نمک کہاں سے لا کر ڈالا گیا ہے، حضرت خواجہ نظام الدین

[1] فوائد الفواد ص ۵۳، اخبار الاخیار ص ۵۰ [2] ایضاً [3] ایضاً، خیر المجالس میں ہے کہ حضرت نظام الدین اولیا فرماتے تھے کہ حسن میں خانقاہ میں بلیہ بالکل کرید (؟) پیٹ بھر کھانے کو ملتا تو وہ دن عید کا ہوتا (سیر المجالس ص ۱۰۸)

اولیاؒ نے لرزہ براندام ہوکر عرض کیا کہ قرض کا ہے، حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا کہ درویشون کو فاقہ سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لیے وہ مقروض ہون، قرض اور توکل مین بعد المشرقین ہے، اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آجائے تو قیامت مین اس کی گردن قرض کے بار سے جھکی رہے گی، یہ کہکر پیالہ کو غرباء مین تقسیم کردینے کا حکم دیا[۱]، ایک بار طی کا روزہ رکھا، تین دن تک کچھ نہ کھایا تیسرے روز افطار کے وقت ایک شخص چند روٹیاں لیکر حاضر ہوا، اس کو رزق غیب سمجھکر نوش فرمایا، مگر فوراً ہی کراہت محسوس ہوئی، اور اسی وقت قے کردی، معلوم ہوا کہ جو شخص کھانا دے گیا تھا، وہ شرابی تھا،[۲]

استغناء | اسقدر عسرت اور تنگدستی کے باوجود بابا گنج شکرؒ اپنے مرشد کی طرح مال و متاع دنیوی سے مستغنی رہے، ایک بار سلطان ناصر الدین محمود اجودھن مین ان کی خدمت مین حاضر ہوا، اور ان کی ملاقات سے ایسا متاثر ہوا کہ اپنے وزیر الغ خان کو (جو بعد مین غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا) چار گاؤن کا فرمان اور ایک کثیر رقم بطور ہدیہ دیکر بھیجا، مگر انھون نے اس کو یہ کہکر واپس کردیا کہ یہ ان کو دو جن کو ضرورت ہو، ہمارے خواجگان کی یہ رسم نہیں،[۳] اسی طرح ایک بار والی اجودھن نے کچھ گاؤن اور نقد رقم پیش کرنے کی کوشش کی، تو فرمایا کہ اگر مین یہ گاؤن اور رقم لے لون تو مجھے لوگ درویش نہ کہین گے، لدار کہین گے، اور درویش دیہہ دار میر القب ہوجائے گا، اس کے بعد یہ منہ درویشون کو دکھانے کے لائق نہ رہے گا، اور مین ان کے درمیان کھڑا نہ ہوسکون گا،[۴] اور کبھی کسی سے کچھ قبول کرلیتے تو راہ خدا مین تقسیم کردیتے، فرماتے

---

۱ سیر العارفین ص ۱۱۹-۱۲۰، ۲ اخبار الاخیار ص ۵۱ ۳ راحت القلوب ص ۲۳، فوائد الفواد ص ۹۹ فرشتہ جلد ۲ ص ۳۸۸ ۴ راحت القلوب مجلس یازدہم،

تھے، کہ جو کچھ بھی اور جتنا بھی اللہ کی راہ میں دیا جائے اسراف نہیں ہے، اور جو کچھ بھی غیر اللہ کے لیے خرچ کیا جائے اسراف ہے[۱] جب زائرین اور معتقدین کا ہجوم ہوتا مصلّے کے نیچے ہاتھ ڈال کر شکر، زر اور جیتل نکالتے اور لوگوں کو عطا فرماتے، زائرین مٹھائی لاتے، تو مٹھائیوں کا انبار لگ جاتا لیکن یہ مٹھائیاں اچھوتوں کے بچوں اور دور دو لیشوں میں تقسیم کر دی جاتیں، کوئی محروم نہ رہتا[۲]

نرمی و ملاطفت | طبیعت میں بیحد نرمی و ملاطفت تھی، ایک بار چار درویش آئے، اور بابا صاحب کو درشت لہجہ میں گفتگو کی، انھوں نے پھر بھی ان کی دلجوئی اور مہمان داری کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ رکے نہیں جب جانے لگے تو حضرت بابا صاحب نے ہدایت کی کہ وہ بیابان کی راہ سے نہ جائیں، لیکن وہ نہ مانے، اور جب وہ جا چکے تو زار و قطار رونے لگے جیسے کوئی ماتم کرتا ہو، بعد میں معلوم ہوا کہ بیابان میں بادِ سموم اٹھی اور وہ چاروں درویش ہلاک ہو گئے[۳]

تواضع و خاکساری | ایک بار بابا صاحب کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، اس لیے مریدوں کی مجلس میں چارپائی (کھٹا) پر بیٹھے تو اپنے کو اونچی جگہ پا کر مریدوں سے معذرت کی، اور اپنی تکلیف بتائی، حاضرین نے دعا کی اور کہا کہ

"حیات شما می باید، حیات ما متعلق حیات شما است"

یعنی آپ کو صحت ہو، ہماری صحت آپ ہی کی صحت کے ساتھ ہے، حضرت خواجہ نظام الدین نے اسی وقت یہ بیت پڑھی،

جانِ جہانیان توئی دشمنِ جان تو کہ   اے ہمہ دشمنانِ تو دشمنِ جانِ خویشتن

---

[۱] سیر الاقطاب ص ۱۹۹ [۲] راحت القلوب ص ۱۵۰ [۳] فوائد الفواد ص ۱۳۱

ایک بار خانقاہ مین کچھ درویش آئے، گھر مین سوائے جوار کے اور کچھ نہ تھا، خود ہی جوار پیسا اور اسکی روٹیان پکا کر درویشون کے پاس لائے،

ازدواجی زندگی حضرت گنج شکر کے نکاح مین الغ خان کی ایک لڑکی بی بی ہزیرہ بھی تھین، جن سے چھ لڑکے اور تین لڑکیان پیدا ہوئین،[۱] مگر الغ خان کی بادشاہت سے پہلے اور اس کی بادشاہت کے زمانہ مین بھی اس سے وہی شان استغنا و بے نیازی قائم رہی، تخت نشین ہونے سے پہلے بلبن نے بابا گنج شکر سے ایک بار درخواست کی کہ ناصر الدین محمود کے کوئی اولاد نرینہ نہین، اس لیے دعا فرمائین کہ دہلی کی بادشاہت اسی کی قسمت مین لکھی ہو، بابا گنج شکر نے اس کے جواب مین صرف یہ رباعی پڑھی،

فریدون فرخ فرشتہ نبود ز عود و ز عنبر سرشتہ نبود
زداد و دہش یافتہ نیکوئی داد و دہش کن فریدون توئی[۲]

بلبن جب بادشاہ ہوا تو ایک بار کسی نے بابا گنج شکر سے اس کے پاس کچھ سفارش کرانی چاہی تو سفارش نامہ اس طرح لکھا،

> مین اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہون، اگر آپ اس کو کچھ دیدین گے تو حقیقی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ مشکور ہون گے اور اگر آپ نہ دین گے تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ معذور ہون گے،[۳]

ارباب دول سے کنارہ کشی اس استغنا کا یہ نتیجہ تھا کہ اپنے متوسلین کو بھی ارباب حکومت اور

---

[۱] خزینۃ الاصفیا ص ۲۰۱ [۲] سیر الاولیاء ص ۸۰ و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین،

[۳] اخبار الاخیار ص ۵۲

اصحاب ثروت سے دور رہنے اور ان سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھانے کی ہمیشہ تلقین کیا کرتے تھے، شیخ بدرالدین غزنوی حضرت خواجہ بختیار کاکی کے خلفا میں تھے، دہلی میں ملک نظام الدین خریطہ دار نے ان کے لیے ایک خانقاہ بنوادی تھی، اور ان کی راحت کے لیے ہر قسم کا سامان مہیا کیا کرتا تھا، کچھ دنوں کے بعد شاہی حکام نے ملک نظام الدین کو زرکثیر کے غبن کے الزام میں ماخوذ کیا، جس سے شیخ بدرالدین کی راحت میں خلل واقع ہوا، انھوں نے حضرت شیخ فریدالدین کی خدمت میں ایک رقعہ تحریر کیا، کہ شاہی عہدہ داروں میں میرا ایک معتقد ہے اس نے میرے واسطے خانقاہ بنوائی تھی، اور فقیروں کی خاطر عمدہ طریقہ سے کرتا تھا، مگر اب وہ غبن کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا ہے، میری طبیعت پریشان ہے اور بار التماس ہے کہ آپ دعا سے مدد فرمائیں کہ اس کی رہائی ہو، اور درویشوں کا کاروبار سرانجام پائے، حضرت بابا گنج شکر نے اس رقعہ کو پڑھا، تو سر ہلایا اور جواب میں تحریر فرمایا،

عزیز الوجود کا رقعہ پہنچا، اس کے مطالعہ سے خوشی ہوئی، اور جو کچھ اس میں درج تھا اس سے آگاہی ہوئی، جو کوئی اپنی روش پر چلے گا وہ ضرور ایسی حالت میں گرفتار ہوگا جس سے ہمیشہ بے چین رہے گا، آپ تو پیران پاک کے معتقدوں میں تھے، پھر ان کی روش کے خلاف خانقاہ کیوں بنوائی، اور اس میں کیوں بیٹھے، حضرت خواجہ قطب الدین اور آپ کے پیر بے نظیر خواجہ معین الدین کی روش اور عادت تو یہ نہیں رہی کہ اپنے لیے خانقاہ بنا کر وہ کاروبار کریں، ان کا شیوہ تو گمنامی اور بے نشانی کا رہا ہے[1]

---

[1] سیرالعارفین ص ۵۸

اگر کبھی شاہی ملازم سے کوئی واسطہ رکھتے تو اس کو پند و نصیحت کے ذریعہ سے راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے، اجودھن کے ایک عامل منشی پر اس جگہ کا والی مہربان نہ تھا، اور اس کو ایذا پہنچاتا تھا، عامل نے بابا گنج شکر کی خدمت میں پہنچکر عرض کیا کہ والی مجھکو تنگ کرتا ہے، آپ میری اس سے سفارش کردیں، بابا صاحب نے اس کی التجا سنکر اپنے خادم کو والی کے پاس بھیجا کہ فرید پر احسان کرو، اور عامل کو ایذا نہ پہنچاؤ لیکن والی کی عداوت پہلے سے بھی بڑھ گئی، عامل پھر بابا صاحب کی خدمت میں آیا، اور عرض کیا کہ وہ ظالم تو پہلے سے بھی زیادہ تکلیف پہنچاتا ہے، بابا صاحب نے فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح میں نے تمہاری سفارش اس والی سے کی اور اس نے نہ سنی اسی طرح تم سے بھی کسی شخص نے کسی مظلوم کی سفارش کی ہوگی اور تم نے نہ سنی ہوگی، یہ سنکر عامل متاثر ہوا، اور فوراً توبہ کی، اور عہد کیا کہ اب کسی شخص کی سفارش سے روگردانی نہ کروں گا، اور نہ کسی مظلوم کو ایذا دوں گا، تھوڑے دنوں کے بعد وہ والی عامل سے خوش ہوگیا، اور انعام میں اس کو خلعت اور گھوڑے دیئے، پھر کچھ روز کے بعد وہ بھی (یعنی والی) بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ظلم کرنے سے توبہ کی۔[۱]

فیوض و برکات حضرت گنج شکر کے رشد و ہدایت سے جو فیوض جاری ہوئے ان سے سلطان غیاث الدین بلبن بھی متاثر ہوا، بلبن کا عہد نہ صرف سیاسی نقطۂ نظر سے ممتاز تھا، بلکہ اس زمانہ میں اتنے مشائخ عظام جمع ہوگئے تھے کہ مورخوں نے اس عہد کو خیرالاعصار لکھا ہے، حضرت بابا گنج شکر کے علاوہ شیخ الشیوخ شیخ بہاء الدین زکریاؒ، شیخ صدرالدینؒ، شیخ بدرالدینؒ غزنوی، اور سید مولاؒ کے انوار سے ہندوستان منور

---

[۱] سیرالعارفین ص ۰۰

ہوگیا تھا، بلبن کو ان تمام اولیاء اللہ سے عقیدت تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اس نے اپنے لڑکے کو خاص طور پر تاکید کی تھی کہ

"قضاۃ و حکام متقی و متدین نصب فرمائی تا کہ رواج دین و رونق عدل میان علایق پذیرہ آید" (فرشتہ ج ۱ ص ۸۳)

وصال | فوائد الفواد (ص ۵۳) میں ہے کہ حضرت بابا گنج شکر کی وفات ترانوے سال کی عمر میں ہوئی، اگر سال ولادت ۵۸۴ھ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو سال وفات ۶۷۷ھ قرار پاتا ہے مگر اس میں تذکرہ نویسوں کا سخت اختلاف ہے، سیر الاولیاء، اخبار الاخیار، و سفینۃ الاولیاء میں ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ، تاریخ فرشتہ میں ۶۶۸ھ، سیر الاقطاب میں ۶۹۰ھ، خزینۃ الاصفیا میں بحوالہ مخبر الواصلین و تذکرۃ العاشقین ۶۷۰ھ درج ہے

وفات سے کچھ روز پہلے شمس دبیر شاعر نے خواجہ نظامی کی مندرجہ ذیل مثنوی سنائی،

جہان چیست بگذر ز نیرنگ او ۔۔۔ رہائی بچنگ آر از چنگ او

مقیمے نہ بینی درین باغ کس ۔۔۔ تماشا کند ہر یکے یک نفس

درین چار سو ہیچ بیگانہ نیست ۔۔۔ کہ کیسہ بہ مرد خود کامہ نیست

درو ہر دمے از نو بہ می رسد ۔۔۔ یکے می رود دیگرے می رسد

جہان گرچہ آرامگاہے خوش است ۔۔۔ شتابندہ را نعل در آتش است

دو در دارد این باغ آراستہ ۔۔۔ در و بند این ہر دو برخاستہ

در آ از در باغ بنگر تمام ۔۔۔ ز دیگر درے باغ بیرون خرام

اگر زیرکے با گلے خو مگیر ۔۔۔ کہ باشند بجا ماندنش ناگزیر

درین دم کہ داری بشادی بسیچ ۔۔۔ کہ آئندہ در زیر پیچیست و پیچ

یکے را در آرد بہ ہنگامہ تیز | دگر را ز ہنگامہ گوید کہ خیز
نظامی سبک باش یاران شدند | تو ماندی بہ غم غمگساران شدند

اس مثنوی سے متاثر ہو کر بیہوش ہو گئے، اور جب ہوش آیا تو شمس دبیر کو پیرہن خاص عطا فرمایا، اور تلاوت کلام پاک مین مصروف ہو گئے، اس کے بعد سے وصال تک کسی اور سے مخاطب نہین ہوئے، صرف عبادت مین مشغول رہتے، پانچوین محرم کی رات کو بابا صاحب پر مرض کا غلبہ ہوا، عشا کی نماز جماعت سے پڑھی، اور بیہوش ہو گئے، ایک گھنٹہ کے بعد ہوش مین آئے تو فرمایا کہ مین نے عشا کی نماز پڑھ لی ہے، حاضرین نے عرض کیا، حضرت ہان، لیکن پھر فرمایا کہ ایک بار اور پڑھ لون، پھر کون جانے کیا ہو، پھر تیسری مرتبہ پڑھی، اور فرمایا یاحی یاقیوم اور جان بحق تسلیم کی۔[۵]

مزار اقدس اجودھن مین ہے، جو اب تک زیارت گاہ خاص و عام ہے شہنشاہ اکبر کو حضرت بابا کے مزار سے بڑی عقیدت تھی، اسلیے اس نے اجودھن کا نام پاک پٹن رکھا،

تذکرہ نگارون نے ان کو زبدۂ انقیای ابرار، شبیر بیشۂ تقدیس ربانی، محرم اسرار مشیت ایزدی، ہمدم انوار قربت صمدی وغیرہ کے القاب سے یاد کیا ہے،

اشاعت اسلام حضرت بابا صاحب کے رشد و ہدایت سے نہ صرف مسلمان مسلمان بنے، بلکہ غیر مسلمونکی ایک بڑی تعداد بھی مشرف باسلام ہوئی، اجودھن کے قیام کے ابتدائی زمانہ مین ایک جوگی مسمی شمبھوناتھ خدمت اقدس مین حاضر ہوا، جو جادو، منتر اور استدراج مین مشہور تھا۔ بابا صاحب کو دیکھتے ہی اس پر ان کی ہیبت اس قدر غالب ہوئی کہ زبان سے کچھ بول نہ سکا، پھر حضرت بابا صاحب کے کشف و کرامت سے ایسا متاثر ہوا کہ

قدموں پر گر پڑا، اور اپنے چیلوں کے ساتھ بابا صاحب کے ہاتھ پر ایمان لایا[1] کہا جاتا ہے

ہے کہ پاک پتن کے اطراف میں زیادہ تر جو مسلم قومیں ہیں وہ حضرت بابا صاحب ہی کی برکت

سے مسلمان ہوئی ہیں،

تصنیفات | حضرت گنج شکرؒ کی تصنیفات میں انکے ملفوظات کے دو مجموعے ہیں، راحت القلوب

اور سیر الاولیاء، راحت القلوب کو خواجہ نظام الدین اولیاء، اور سیر الاولیا کو حضرت بدر اسحق

نے مرتب کیا ہے، دونوں بزرگ بابا گنج شکر کے خلیفہ تھے،

تعلیمات | راحت القلوب میں راہ سلوک کی بنیادی باتیں وہی ہیں جو انیس الارواح،

دلیل العارفین اور فوائد السالکین میں پائی جاتی ہیں، مگر اس میں ملفوظات نسبتہً زیادہ ہیں،

اس لیے ان سے بعض مسائل پر زیادہ روشنی پڑتی ہے، اس کتاب کے آخری حصہ میں چشتیہ

سلسلہ کے اوراد و وظائف اور ان کے فضائل و برکات کا ذکر ہے، جو مذکورہ بالا ملفوظات

میں نہیں ہیں،

درویش | شروع میں درویش کی مختلف صفات بتائی گئی ہیں، مثلاً درویش کی صفت پردہ پوشی

اور خود فراموشی ہے، پردہ پوشی سے مراد خدا کے بندوں کی پردہ پوشی ہے،

درویش کو چاہیے کہ چار باتیں اختیار کرے (۱) اپنی آنکھوں کو بند کر لے کہ خدا کے

بندوں کے عیوب نہ دیکھ سکے (۲) کانوں کو بہرا کرے کہ جو باتیں سننے کے لائق نہ ہوں

ان کو نہ سن سکے (۳) زبان کو گونگی کرے کہ جو باتیں کہنے کے لائق نہ ہوں ان کو نہ کہے،

(۴) پاؤں کو لنگڑا رکھے کہ جب اس کا نفس کسی غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لے جانا چاہے

تو نہ جا سکے، اگر یہ باتیں اس کو حاصل ہو گئیں تو وہ درویش ہے ورنہ وہ دروغ گو ہے،

---

[1] راحت القلوب ص ۲۸

جو درویش اس دنیا سے دنی کی عزت وجاہ کا خواستگار اور اہل دنیا کے لطف وکرم کا خواہان ہو وہ درویش نہیں ہے، بلکہ درویشوں کو بدنام کرنے والا اور طریقت کا مرتد ہے، جس درویش کے دل میں ذرہ برابر بھی دنیا کی محبت ہوگی وہ مردود طریقت ہے، درویشوں کا طریقہ تحمل ہے، اور تحمل بھی ایسا کہ اگر کوئی شخص اس کی گردن پر ننگی تلوار رکھے تو بھی اس سے وہ خوش رہے، اور اس کے لیے بد دعا نہ کرے،

درویش کا زہد تین چیزوں میں ہے (۱) دنیا کا جاننا اور اس سے ہاتھ اٹھا لینا (۲) مولا کی طاعت کرنا، اور آداب کی رعایت رکھنا (۳) آخرت کی آرزو اور اس کو طلب کرنا،

صلاحیت دل | حضرت گنج شکرؒ نے راہ سلوک میں دل کی صلاحیت پر زیادہ زور دیا ہے، اور اسے سلوک کی اصل کہا ہے، اور یہ صلاحیت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو لقمۂ حرام سے پرہیز اور اہل دنیا سے اجتناب کرتا ہے، ایک جگہ حضرت یحییٰ معاذ رازی کا قول نقل کر کے فرمایا ہے کہ حکمت اس کے دل میں قرار پاسکتی ہے، جس کے دل میں دنیا کی حرص نہ ہو، رشک وحسد نہ ہو اور شہرت وجاہ کی خواہش نہ ہو،

سماع | حضرت گنج شکرؒ نے سماع کو راحت دل قرار دیا ہے کہ یہ اہل محبت کے دل میں حرکت پیدا کرتا ہے، اور حرکت کے بعد حیرت، حیرت کے بعد ذوق اور ذوق کے بعد بیہوشی طاری ہو جاتی ہے، اس بیہوشی میں وہ ایسا مستغرق ہوتا ہے کہ اگر اس وقت اسکے سر پر ہزاروں تلواریں چلیں تو بھی اس کو خبر نہ ہو، اور یہی چار چیزیں معرفت کے اسباب بنتی ہیں،

معرفت | معرفت کی تعریف یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کو اپنی معرفت حاصل نہیں ہوتی، وہ دوسروں کے پیچھے مبتلا رہتا ہے، لیکن جب اس کو حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت ہو جاتی ہے تو پھر اس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ اگر اس کے پاس ہزاروں فرشتے بھی آئیں

تو ان کی طرف کنکھیون سے بھی نہ دیکھے، اور اگر اس کو انکے کی خبر ہو جائے تو وہ کاذب و دروغ گو ہے،

کرامت | کرامت کے متعلق فرمایا کہ اس کا اظہار کرنا پست حوصلہ والون کا کام ہے مشائخ نے اس کے اظہار کو پسند نہین کیا ہے، کیونکہ اس سے نفس مین تکبر پیدا ہوتا ہے[۵]

سیر الاولیا، مین بائیس فصلین ہین، اور ہر فصل مین تصوف کے مستقل موضوع پر حضرت گنج شکر کے ارشادات ہین، جس سے اس موضوع کے سمجھنے مین آسانی ہوتی ہے،

عشق الٰہی | شروع مین عشق الٰہی پر گفتگو ہے، حضرت گنج شکر نے فرمایا کہ فقرا، کا عشق الٰہی علماء، اور اصحاب عقل کے عشق سے بالکل جدا ہے، (ص ۴)

آن عشق کہ بود کم نگہ دد ... تا باشد ازان قدم نہ گردد (نظامی)

عشقے کہ نہ عشق جاودان است ... بازیچہ شہوت جوان است (ص ۴)

ایک دوسری جگہ فرمایا،

سریست مرا درون جان در عشقت ... گرسر رود اے دوست نگویم باکس

سریست عاشقان را در طاقت نہانی ... پوشیدہ دار خود را تا ام نجا خجل نمانی

اس عشق کا عنصر صرف آگ ہوتی ہے، جس کے شعلہ سے تمام عالم جل کر خاک سیاہ ہو سکتا ہے (ص ۶)

اس عشق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ صاحب عشق اپنی دوئی کو کھو کر اپنی ذات سے بالکل متحد ہو جاتا ہے، (ص ۶)

عشق مین عاشق اپنے معشوق کی طلب مین مجاہدہ کرتا ہے جس سے اس کو مکاشفہ ہوتا ہے، مکاشفہ کے بعد مشاہدہ یعنی معشوق کا دیدار ہوتا ہے، اس مشاہدہ سے اس کا

---

۵ راحت القلوب ص ۳۳،

عشق اور بھی تیز ہو جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ حجابات اٹھتے جاتے ہین، اور عاشق ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے جہان وہ صرف عالم تحیر مین رہتا ہے (اسرار الاولیا ص ۹۴)

راہ عشق مین محبت کے سات سو مقامات ہین، پہلا مقام یہ ہے کہ (معشوق) کی طرف سے جو بلا بھی نازل ہو اس کو صبر و سکون سے عاشق برداشت کرے، (ص ۱۵) اس راہ مین محبت کی کوئی غایت نہین (۵۲) اور عاشق اپنے تمام اعضا کے ساتھ محبت معشوق مین مستغرق رہتا ہے، اور اپنی آنکھون سے صرف معشوق کو دیکھتا ہے، وہ اپنے کانون سے صرف معشوق کی باتین سنتا ہے، وہ اپنے ہاتھ پاؤن کو صرف معشوق کے لیے حرکت دیتا ہے، اور اپنی زبان سے صرف معشوق کا ذکر کرتا ہے، اور محبت مین وہی صادق ہے جو ہر لمحہ معشوق کے ذکر یعنی ذکر الہٰی مین مشغول رہتا ہے (ص ۱۵)

ذکر یعنی عبادت الہٰی سے عشق کی تکمیل ہوتی ہے، عبادت الہٰی مین ظاہر اور باطن کا یکسان ہونا ضروری ہے، عبادت سے اسرار الہٰی معلوم ہوتے ہین، مگر ان کا ظاہر کرنا عشق کے منافی ہے،

رزق ایک جگہ فرمایا راہ سلوک مین بندہ صادق وہ ہے، جو رزق حاصل کرنے کے لیے پریشان خاطر نہ ہوتا ہو، اور اگر وہ اس کے لیے پریشان رہتا ہے، تو وہ بد دین اور بد دیانت ہے، رزق کی چار قسمین ہین:

(۱) رزق مقسوم (۲) رزق مذموم (۳) رزق مملوک (۴) رزق موعود،

رزق مقسوم وہ رزق ہے جو روز ازل سے لوح محفوظ پر لکھ دیا گیا ہے، اس مین کمی اور زیادتی نہین ہو سکتی، رزق مذموم وہ رزق ہے کہ جتنا بھی زیادہ ملے، اس پر قناعت نہ کی جائے، رزق مملوک وہ رزق ہے جو ضرورت کی کفالت کے بعد جمع کیا جائے، رزق موعود

وہ رزق ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے، اور اس کا ملنا ضروری ہے[۵۱]

راہ سلوک کی سچائی یہ ہے کہ سالک ہر قسم کے رزق سے بے غم رہے، اور اگر وہ رزق کے لیے اندوہگین رہتا ہے تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، خداوند تعالیٰ خود اس کا رزق اس کے پاس پہنچائے گا، پھر بھی اس کا توکل یہ ہونا چاہیے کہ اس کو جو کچھ بھی ملے، راہ خدا میں دیدے، اگر رزق جمع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی تمام عنایتوں سے محروم ہو جاتا ہے،

توکل | آگے چل کر ایک فصل میں بابا گنج شکرؒ نے فرمایا کہ عاقل وہی شخص ہے جو دنیا کے تمام معاملات میں اللہ پر توکل کرتا ہے، توکل کی تشریح اس طرح کی ہے کہ متوکل کے ایمان میں خوف، رجا اور محبت ہو، خوف سے وہ گناہ کو ترک کرتا ہے، اور رجا، سے اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اور محبت سے خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے تمام مکروہات سے باز آتا ہے[۵۲]

توبہ | راہ سلوک میں توبہ ایک اہم چیز ہے، بابا گنج شکرؒ نے توبہ کی چھ قسمیں بتائی ہیں،

(۱) توبۂ دل، حسد، ریا، لہو و لعب اور تمام نفسانی لذتیں اور شہوت سے صدق دل سے باز آنا، اس سے دل کی آلائش دور ہوتی ہے، جس کے بعد بندہ اور مولیٰ کا حجاب اٹھ جاتا ہے،

(۲) توبۂ زبان، ناشائستہ، بیہودہ اور ناروا کلمات زبان پر نہ لانا، زبان صرف خداوند تعالیٰ کے ذکر اور کلام پاک کی تلاوت کے لیے وقف ہونی چاہیے عشق حقیقی میں وہی سالک ثابت قدم رہ سکتا ہے جس نے دل اور زبان کی توبہ سچائی سے کر لی ہو، زبان کی توبہ کے بغیر صرف دل کی توبہ سے وہ انوارِ عشق کی تجلی نہیں دیکھ سکتا ہے۔ آنکھ، کان، ہاتھ، اور نفس زبان سچا

---

[۵۱] اسرار الاولیاء ص ۱۰۱، [۵۲] ایضاً ص ۱۶

تابع ہین، اس لیے زبان کی توبہ سے یہ تینون چیزین بھی محفوظ رہتی ہین،

(۳)، توبۂ چشم (۱) حرام چیز کو نہ دیکھنا (۲) کسی کا عیب نہ دیکھنا (۳) ظلم ہوتے ہوئے نہ دیکھنا، سالک جب مشاہدۂ حق کر چکا ہو، تو پھر اسکو دنیا کی کسی چیز پر نظر نہین ڈالنی چاہیے،

(۴)، توبۂ گوش، ذکر حق کے سوا کوئی اور چیز نہ سننا،

(۵)، توبۂ دست، ناروا اور ناجائز چیزون کو ہاتھ نہ لگانا،

(۶)، توبۂ پا، حرام چیزون کی طرف نہ جانا،

(۷)، توبۂ نفس، ماکولات، شہوات اور لذات سے باز آنا،

اس تقسیم کے علاوہ توبہ کی تین تقسیم اور کی ہے،

(۱)، توبۂ حال (۲)، توبۂ ماضی (۳)، توبۂ مستقبل، حال کا توبہ گناہون سے پشیمان اور نادم ہو کر باز آنا ہے، ماضی کا توبہ اپنے دشمنون کو خوش کرنا ہے، اگر تائب نے کسی کا دس درہم غصب کر لیا ہو تو اس کو دس درہم واپس کرنا چاہیے، اگر اس نے کسی کو برا کہا ہو، تو اس کے پاس جا کر معافی مانگے، اور اگر وہ مرگیا ہو تو معذرت کے بجائے اس کے نام سے غلام آزاد کرے، اور اگر شراب پیتا رہا ہو تو توبہ کے بعد خدا کے بندون کو سرد اور لطیف پانی پلائے،

مستقبل کا توبہ یہ ہے کہ تائب آیندہ تمام گناہون سے پرہیز کرنے کیلیے عہد کرے،

تلاوت کلام پاک حضرت گنج شکر نے اگلی دو فصلون مین مرشد اور پیر کی خدمت اور تلاوت کلام پاک کی فضیلت کا ذکر کیا ہے، فرمایا ہے کہ سات دن مشائخ اور پیرون کی خدمت سات سو سال کی عبادت کے برابر ہے، کلام پاک کی تلاوت کے متعلق فرمایا ہے کہ اس سے بہتر اور افضل تر کوئی عبادت نہین، کلام پاک کی تلاوت سے بندہ اللہ تعالی سے

ہم کلام ہوتا ہے، جس سے بڑھ کر اور کوئی سعادت نہیں ہو سکتی،

خرقہ | حضرت گنج شکرؒ نے صوفیوں کے لباس خرقہ، گلیم اور صوف اور طاقیہ پر بھی بحث کی ہے، خرقہ، گلیم اور صوف کو انبیاء کا لباس بتایا ہے، اس لیے اس کی تعظیم و تکریم پر پورا زور دیا ہے،

خرقہ پہننے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں عالم سے قطع تعلق کر لے، اس کے دل میں دنیا کی کوئی آلایش نہ ہو، اسی طرح صوف اور گلیم پہننے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیا سے کنارہ کش ہو جائے اور اگر اس لباس کو اہل دنیا کے لطف و کرم کا ذریعہ بناتا ہے تو وہ کذاب اور دروغ گو ہے، (ص ۴۷)

صوفی | اسی سلسلہ میں تصوف اور صوفی کی بھی جستہ جستہ بحث آگئی ہے، باباگنج شکرؒ نے فرمایا کہ

صوفی وہ ہے جس کے دل میں اتنی صفائی ہو کہ اس کے صفائے قلب کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے،

تصوف مولیٰ کی صفائے دوستی کا نام ہے،

اہل تصوف وہ ہیں جو ہر وقت خاموش اور عالم تحیر میں مستغرق رہتے ہیں،

اہل تصوف ایک ایسی قوم ہیں کہ جب وہ خدا سے پیوستہ ہو جاتے ہیں، تو پھر ان کو خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی خبر نہیں ہوتی،

تصوف کا کمال یہ ہے کہ اصحاب تصوف ہر روز پانچوں وقت نماز میں اپنے کو عرش پر دیکھیں،

تصوف ایک اخلاق ہے، اسلیے حضرت گنج شکرؒ نے ارباب تصوف کو اخلاقی ہدایتیں

بھی دی ہین، مثلاً

صوفی دنیا اور دنیا کے لوگون سے بے نیاز اور مستغنی ضرور رہتا ہے، مگر کسی حال ہین وہ دنیا کی مذمت اور ہجو نہین کرتا ہے، وہ نہ اس سے محبت اور نہ اس سے عداوت رکھتا ہے، (ص ۹۲)

محبت مرشد | صوفی ایک مرشد سے وابستہ ہوتا ہے، پیر سے اس کی ارادت اور بیعت عشق کے درجہ تک پہنچ جانی چاہیے (۹۱) اور ان تمام احکام کو دل وجان سے بجا لانا فرض ہے (ص ۹۱) وہ تمام عمر اپنے پیر کو سر پر اٹھا کر حج کرتا رہے، تو بھی پیر کے حقوق کی ادائگی سے سبکدوش نہین ہو سکتا (ص ۹۱)، وہ صدق دل اور تعظیم سے اپنے مرشد کے ہاتھون کا بوسہ دیتا ہے، تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہین، (فصل شانزدہم) حضرت گنج شکرؒ نے دوسرے علماء اور مشائخ کی تعظیم پر بھی زور دیا ہے، فرمایا کہ جو ان کو دوست رکھتا ہے وہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے، (فصل سیزدہم) صوفی کی زندگی ذکر حق ہین مشغول ہوتا ہے، وہ جب تک ذکر حق ہین مستغرق ہو کر بیہوش رہتا ہے، تو وہ زندہ ہے، اور جب ہوش ہین آکر ذکر حق چھوڑ دیتا ہے، تو مردہ ہو جاتا ہے (فصل ہفدہم)

اظہار کشف | حضرت گنج شکرؒ نے خواجگان چشت کے مسلک کے مطابق صوفی کو کشف کے اظہار سے منع کیا ہے، لیکن وہ راہ سلوک کے تمام مقامات کو طے کر لے تو اس کے اظہار ہین کوئی ہرج بھی نہین،

تکلیف ومصیبت | آخر ہین فرمایا ہے کہ راہ سلوک ہین سالک پر جس قدر رنج، تکلیف، مصیبت نازل ہوگی وہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوتا جائے گا، کیونکہ اس کے ذریعہ سے وہ خدا کی طرف سے یاد کیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت خواجہ معین الدینؒ تکلیف ہین اس کی زیادتی کی دعا کرتے تھے اور اپنے ایمان کی صحت اسی ہین سمجھتے تھے (ص ۹۳)

علم شریعت ایک بار حضرت نظام الدین اولیاؒ خلافت سے پہلے ایک مسجد میں بیٹھکر ایک شرعی مسئلہ پر غور و فکر کر رہے تھے، وہاں ایک مجذوب نے کہا کہ مولانا نظام الدین! علم بہت بڑا حجاب ہے، حضرت شیخ نظام الدین کے دل میں یہ بات کھٹکی کہ علم حجاب تو ہو سکتا ہے، لیکن بڑا حجاب کیونکر ہو سکتا ہے، مجذوب نے کہا جب اس جگہ پہنچوگے تو یہ معلوم ہو جائیگا۔

اس کے بعد حضرت شیخ نظام الدین اپنے مرشد کی خدمت میں پہنچے، اور مجذوب کی باتیں کہہ سنائیں، شیخ الاسلام حضرت فرید الدین گنج شکر نے فرمایا کہ حجاب دو قسم کا ہوتا ہے، ایک ظلمانی، دوسرا نورانی، گناہ اور برائیاں ظلمانی حجاب ہیں، جو شخص ان سے توبہ کرے گا اس کا گناہ معاف کر دیا جائے گا، لیکن علم ایک نورانی حجاب ہے، جس کو ہر شخص نہ عبور کر سکتا ہے، اور نہ اس کے کنارے سے اٹھ سکتا ہے، جس وقت تک شرعی علوم میں پوری دستگاہ نہیں ہوگی خدا کی محبت، معرفت اور قربت حاصل نہیں ہو سکتی، اسیلیے علم ایک بڑا حجاب ہو جاتا ہے[1]۔

شریعت کی پابندی حضرت بابا گنج شکرؒ کے ملفوظات نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دوسرے شرعی امور کے متعلق اس کثرت سے ہیں کہ یہ عاجز راقم اپنی کج مج بیانی کی بنا پر ان کو سمیٹ کر لکھنے سے قاصر ہے، خود حضرت بابا صاحب نے بھی کسی حال میں جادۂ شریعت سے تجاوز کرنا پسند نہیں فرمایا، عالم سکر میں ہوتے تو نماز کے وقت عالم صحو میں آجاتے، نماز کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو دینی و دنیاوی نعمت جو اٹھارہ ہزار عالم میں پیدا کی ہے، وہ در اصل نماز ہے[2]، نماز با جماعت کی بڑی پابندی کرتے، اور اپنے مریدوں کو تلقین فرماتے کہ اگر دو آدمی بھی ہوں تو جماعت قائم کرلینی چاہیئے[3]، روزے کی برکت کے لیے تمام عمر روزے رکھے

---

[1] شمائل الاتقیا ص ۵۰۴ [2] ایضاً ص ۵۱۴ [3] راحت القلوب مجلس پانزدہم

مریدوں اور معتقدوں کو ایک بار مخاطب کر کے فرمایا کہ رمضان المبارک کے روزے رکھنے سے ہزار سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے، اور روزہ دار کے نامۂ اعمال سے بے شمار برائیاں نکال دی جاتی ہیں[1]، زکوٰۃ کے متعلق فرمایا کہ شریعت کی زکوٰۃ تو یہ ہے کہ جب دو سو درہم ہوں تو پانچ درہم زکوٰۃ نکالے، لیکن طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دو سو درہم میں پانچ درہم تو اپنے لیے رکھے اور ایک سو پچانوے راہ خدا میں دیدے اور حقیقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دو سو درہم میں ایک حبہ بھی اپنے لیے نہ رکھے[2]۔

ایک موقع پر اپنے مریدوں کو ایک بزرگ کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ جب ایک آدمی تین باتوں سے اجتناب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے تین چیزیں اٹھا لیتا ہے، اول جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا تو اللہ اس کے مال سے برکت اٹھا لیتا ہے، دوم جو شخص قربانی نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس سے عافیت چھین لیتا ہے، سوم جو شخص نماز نہیں پڑھتا اللہ تعالیٰ مرنے کے وقت اس سے ایمان کو جدا کر دیتا ہے[3]۔

کئی بار حج کی بھی سعادت حاصل کی،

محبت رسول | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک جب کبھی آتا تو زار و قطار روتے، ایک بار آپ کی وفات کا ذکر خود ہی فرمایا، اور جب بیان کر چکے تو آہ کھینچی، نعرہ مارا، اور روتے روتے بیہوش ہو گئے، اور جب ہوش آیا تو فرمایا جس کے واسطے تمام عالم پیدا کیا گیا، جب اسی کو اس عالم سے اٹھا لیا گیا تو اور دوسرے ناچیز بندوں کی کیا حقیقت ہے جو زندگی کی خواہش کریں، ہم اپنے کو جانے والوں ہی میں شمار کریں، غفلت کا پردہ درمیان سے اٹھا دیں اور زادِ راہ کی فکر میں لگے رہیں[4]۔

خلفاء | بعض خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

---

[1] رحمت وسعادت ص ۲۹ [2] ایضاً ص ۳ [3] ایضاً ص ۲۲ [4] ایضاً ص ۶۰

سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ (دہلی)، شیخ علاء الدین علی احمد صابرؒ (کلیر شریف)
شیخ جمال الدین قطب (ہانسی)، شیخ نجیب الدین متوکل (دہلی) شیخ داؤد پالہی (دہلی)، سید
امام علی لاحق (سیالکوٹ) شیخ برہان الدین محمود ابی الخیر السعد البلخی (دہلی)، شیخ منتخب الدین چشتی
(دیوگیری)، سید محمد بن سید محمود کرمانی (دہلی)، خواجہ علاء الدین بن شیخ بدر الدین (دیال پور)
شیخ زکریا سندھی، شیخ برہان الدین ہانسوی، مولانا محمد مولتانی، مولانا علی بہاری
شیخ محمد نیشاپوری، شیخ حمید الدین مکانی، شیخ شہاب الدین بلخی اور عصیارہ سیوستانی،
ان خلفاء سے تین سلسلے جاری ہوئے، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء سے نظامیہ
حضرت شیخ علاء الدین صابر سے صابریہ، اور حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی سے جمالیہ،
لیکن کچھ دنوں کے بعد جمالیہ سلسلہ نظامیہ میں مدغم ہوگیا،

حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ

نام و نسب پورا نام شیخ فخر الدین ابراہیم ہے، تاریخ گزیدہ میں سلسلۂ نسب یہ ہے: فخر الدین ابراہیم بن بزرجمہر بن عبد الغفار الجوالقی،[1] مگر تذکرۂ دولت شاہ،[2] مراۃ الخیال،[3] سیر العارفین[4] مخزن الغرائب اور برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات[5] کی فہرست میں ان کے والد بزرگوار کا اسم گرامی شہریار مرقوم ہے، سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ

شیخ فخر الدین محمد شہریار بہاء الدین زکریا کی بہن کے بیٹے یعنی بھانجے تھے۔[6]

مگر بعض تذکروں میں ان کو شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کا بھانجا بتایا جاتا ہے،[7] ہمدان کے نواح میں قریہ کمجان (یا کونجان) میں پیدا ہوئے،[8] صغر سنی میں کلام پاک حفظ کیا، ہمدان کے لوگ ان کی خوش گلوئی پر شیفتہ تھے،[9]

ابتدائی حالات سترہ سال کی عمر میں ہمدان کے مدرسہ سے معقولات و منقولات پڑھ کر فارغ ہوئے، ایک روایت یہ ہے کہ وہ ہمدان سے بغداد آئے، اور شیخ شہاب الدین سہروردی

---

[1] تاریخ گزیدہ ص [2] تذکرہ دولت شاہ ص ۲۱۵ [3] مراۃ الخیال ص ۴۲ [4] سیر العارفین جلد اول اردو ترجمہ ص ۲۲ [5] برٹش میوزیم فارسی مخطوطات ص ۴۹۵ [6] سیر العارفین اردو ترجمہ ص ۲۲ [7] مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین [8] میخانۂ عبد النبی ص ۲۸ مرتبہ :- جناب محمد شفیع صاحب ایم اے [9] نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین، ایک روایت ہے کہ نو مہینے میں پورا کلام پاک حفظ کیا اور اس وقت ان کی عمر پانچ سال نو مہینے کی تھی،

کی خدمت میں رہ کر روحانی تعلیم پائی، اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا، ان کے پاس رہکر
برسوں عبادت وریاضت کرتے رہے، شیخ شہاب الدین سہروردی نے اسی مدت میں
ان کو عراقی تخلص عطا فرمایا، اور ہندوستان جانے کا حکم دیا، یہاں پہنچکر حضرت شیخ بہاءالدین
زکریا کی خدمت میں ملتان آئے، اور ان کے فیض صحبت سے روحانی اور باطنی دولت
مالامال ہوئے، ایک دوسری روایت ہے کہ تعلیم سے فارغ ہوکر ہمدان کے مدرسہ میں
درس دے رہے تھے کہ قلندروں کی ایک جماعت پہنچی اور مندرجہ ذیل غزل پڑھنے لگی،

ما رخت ز مسجد بخرابات کشیدیم — خط بر ورق زہد و کرامات کشیدیم
در کوے مغان در صف عشاق نشستیم — جام از کف رندان خرابات کشیدیم
از زہد و مقامات گذشتیم کہ بسیار — کاس تعب از زہد و مقامات کشیدیم

ان اشعار کو سن کر شیخ فخرالدین ابراہیم بے تاب ہوگئے، اور ان پر ایک وجد طاری
ہوگیا، قلندروں میں سے ایک قلندر اپنے حسن و جمال میں بے نظیر تھا، اس کے حسن فانی کو
دیکھ کر ان کے دل میں عشق حقیقی کی آگ بھڑک اٹھی، کپڑے پھاڑ ڈالے اور عمامہ سر سے اتار
پھینکا، اور اسی وقت فرمایا،

چہ خوش باشد کہ دلدارم تو باشی — ندیم و مونس و یارم تو باشی

اور پھر قلندروں کے ساتھ ہمدان سے چل کھڑے ہوئے اور عراق و عرب و عجم کی سیاحت
کرتے ہوئے ہندوستان پہنچے، جب ملتان آئے تو قلندروں کے ساتھ حضرت شیخ بہاءالدین
زکریا کی خانقاہ میں قیام کیا، حضرت شیخ بہاءالدین زکریا کی نظر ان پر پڑی تو ان کو صورت آشنا پایا
اور اپنے مقرب خاص شیخ عمادالدین سے فرمایا:۔

"درین جوان استعداد تمام یافتم او را این جا می باید بودن"

شیخ فخرالدین عراقی نے بھی حضرت شیخ بہاءالدین زکریا کی طرف کشش محسوس کی اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ

"بہ مثال مقناطیس کہ آہن راکشد، شیخ مرا جذب می کند و مقید خواہد کرد از این جا زود تر می باید رفت"

چنانچہ ملتان سے دہلی چلے آئے، اور دہلی سے سومنات کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں سخت آندھی آئی، آندھی میں قلندر ایک دوسرے سے علٰحدہ ہوگئے، شیخ فخرالدین عراقی ساتھیوں سے چھوٹ کر ادھر ادھر پریشان خاطر پھرتے رہے، بالآخر ملتان کی طرف مراجعت کا تہیہ کیا، وہاں پہنچے تو حضرت شیخ بہاءالدین زکریا نے دیکھتے ہی فرمایا:

"عراقی! از ما بگریختی!"

شیخ فخرالدین نے جواب میں کہا:

از تو مگریزد دلم یک زمان	کالبد را کے بود از جان گزیر
دایۂ لطفت مرا در بر گرفت	داد بیش از مادرم صد گونہ شیر[1]

کیفیت و مستی

حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ان کو اپنی خلوت میں لے گئے، جہاں وہ دس روز تک چلہ میں بیٹھے، گیارہویں روز ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی، وہ روتے تھے اور یہ غزل پڑھتے تھے،

نخستین بادہ کاندر جام کردند	ز چشم مست ساقی[2] وام کردند
چو با خود خواستند اہل طرب را	شراب بیخودی در کام کردند
برائے صید مرغ جان عاشق	ز زلف فتنہ جویان[3] دام کردند

[1] میخانۂ عبدالنبی ص ۲۳۲، [2] مخزن الغرائب، خوبان، [3] ایضاً، ز زلف قید خوبان دام کردند،

بہ عالم ہر کجا رنج و بلا بود[1] | بہم بردند و عشقش نام کردند
چو خود کردند راز خویشتن فاش[2] | عراقی را چرا بدنام کردند[3]

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے مریدون نے چلہ مین شیخ فخر الدین عراقی کو نغمہ سرائی کرتے دیکھا، تو مرشد کو اطلاع دی کہ ان چیزون کی تو ممانعت ہے، پھر شیخ فخر الدین عراقی اس کے کیسے مرتکب ہو رہے ہین، مرشد نے فرمایا کہ

"شما را ازین چیزہا منع است او را منع نیست"[4]

اس کے کچھ دنون کے بعد شیخ عماد الدین شہر مین نکلے، ایک خرابات سے گذر رہے تھے کہ رندون کو مندرجۂ بالا غزل چنگ و چغانہ کے ساتھ پڑھتے سنا، شہر سے واپس ہوئے تو اپنے مرشد شیخ بہاء الدین زکریا کو یہ واقعہ سنایا، مرشد نے یہ سن کر شیخ فخر الدین عراقی کے متعلق فرمایا کہ

"کار او تمام شد"

اور پھر شیخ فخر الدین عراقی کے پاس خلوت مین پہنچکر ارشاد فرمایا:-

"عراقی! مناجات در خرابات می کنی، بیرون آئی"

شیخ عراقی باہر آئے، مرشد کے قدمون پر سر رکھ دیا، اور دیر تک پھوٹ پھوٹ کر روتے

---

[1] مخزن الغرائب، رنج و بلائیست [2] مخزن الغرائب، سر [3] یہ پوری غزل تذکرۂ دولت شاہ ص ۲۱۶ سے نقل کی گئی ہے، دولت شاہ اور مخزن الغرائب کے مؤلف کا بیان ہے کہ شیخ فخر الدین نے یہ غزل اپنے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی کے فراق اور اپنی غربت وطن پر کہی تھی، جس کے بعد شیخ بہاء الدین زکریا نے انکو عراق واپس جانے کی اجازت دیدی، مگر میخانہ مؤلفہ عبد النبی مین شیخ فخر الدین عراقی کے جو تفصیلی حالات درج ہین اسکے مطالعہ سے یہ روایت صحیح نہین معلوم ہوتی ہے [4] مرآۃ الخیال ص ۴۴،

رہے، مرشد نے اپنے دست مبارک سے ان کا سر اٹھایا، اور سینہ سے لگایا، شیخ عراقی نے اسی وقت ایک غزل کہی جس کا مطلع یہ ہے،

در کوئے خرابات کسے را کہ نیاز است　　　ہشیاری و مستیش ہمہ عین نماز است

مرشد نے اسی وقت اپنا خرقہ اتار کر ان کو پہنا دیا، اور اسی مجلس میں اپنی صاحبزادی کو اُن کے حبالۂ نکاح میں دیدیا، شیخ عراقی اپنے مرشد اور خسر کی خدمت میں پچیس سال رہے، اسی اثناء میں ان کے فرزند ارجمند شیخ کبیر الدین کی پیدائش ہوئی،

خلافت حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے اپنے وصال کے وقت شیخ فخرالدین عراقی ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا تھا، مگر شیخ فخرالدین عراقی نے مرشد کی دیرینہ روایات کی پابندی نہ کی، وہ مغلوب الحال ہو کر اپنے جذبات کا اظہار شعر و شاعری کے ذریعہ سے کیا کرتے تھے، جس کو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے اور دوسرے مرید اپنے مرشد کے طریقے اور مسلک کے خلاف سمجھتے تھے، شیخ فخرالدینؒ نے یہ محسوس کیا، تو اس منصب سے علحدہ ہو کر عدن کی طرف روانہ ہو گئے،

عدن میں پذیرائی عدن کا سلطان ان کی شہرت سن چکا تھا، اور ان کی شاعری کا معتقد تھا، چنانچہ وہ عدن پہنچے، تو علماء و صلحاء کی معیت میں ان کا شاندار استقبال کیا، اور شاہی خانقاہ میں ٹھہرایا، اور ہر قسم کی خاطر تواضع کی، حج کا موسم آیا تو حضرت شیخ فخرالدین عراقی نے خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، سلطان ان کا اس قدر گرویدہ ہو گیا تھا کہ ان کی مفارقت گوارا نہ کی، لیکن وہ خانہ کعبہ کی زیارت کے اشتیاق میں سلطان کی اجازت کے بغیر چپ چاپ عدن سے چل کھڑے ہوئے، سلطان کو ان کے جانے کی خبر ملی تو ان کی علحدگی سے بیتاب ہو کر خود بھی عازم حج ہوا، مگر پھر لوٹ آیا اور بے انتہا مال و دولت کا نذرانہ ان کی خدمت میں

اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ اگر وہ اس کو قبول نہ کریں تو ان کے خادموں اور مریدوں میں تقسیم کر دیا جائے،

حج | حضرت شیخ فخرالدین عراقیؒ مست و سرشار مکہ معظمہ پہنچے، احرام باندھتے وقت انھوں نے ایک قصیدہ تحریر فرمایا، جس کا مطلع یہ تھا،

اے جلالت فرش عزت جاودان انداختہ
گوئے در میدان وحدت کامران انداختہ

اور جب خانہ کعبہ پر ان کی نظر پڑی تو اس کے انوار و تجلیات سے مسحور ہو کر ایک دوسرا قصیدہ کہا جس کے دو شعر یہ ہیں،

تعالیٰ من توحد بالکمال
تقدس من تفرد بالجلال

جبین اصفر بہشت مثال
کرو و آسانش صفت نعال

مدینہ منورہ پہنچے تو ان پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو گئی، اور ایک رات میں پانچ قصیدے کہے، ان قصیدوں کے صرف مطلعے ملاحظہ ہوں:-

(۱)

عاشقان چون بر در دل حلقہ سودا زدند
آتش سودائے جانان در دل شیدا زدند

(۲)

شہبازم و چہ صید جہان نیست درخورم
ناگہ بود کہ از کف ایام بر پرم

(۳)

اے رخت مجمع خیال شدہ
مطلع نور ذو الجلال شدہ

(۴)

راہ باریکست و شب تاریک و مرکب لنگ و پیر
اے سعادت لطف کن کای وائے عنایت دستگیر

(۵)

دل تہ او دست تہ ز جان دارد　　جان ز بہر تو در میان دارد[۱]

سیاحت اقصائے روم

مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہو چکے، تو اقصائے روم کی سیاحت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، تو قونیہ پہنچکر وہاں حضرت شیخ محی الدین عربی کے خلیفہ اور سجادہ نشین حضرت شیخ صدر الدین کی خدمت میں پہنچے۔ ان کی صحبت میں روحانی دلچسپی پیدا ہوئی تو ایک عرصہ تک قونیہ میں قیام پذیر رہے، اور حضرت شیخ صدر الدین کی صحبت میں فصوص الحکم کا مطالعہ کیا، جس کے بعد اپنی مشہور کتاب لمعات تصنیف کی حضرت شیخ صدر الدین نے اسکو پڑھکر فرمایا:

"اے فخر الدین عراقی سر سخن مردان آشکار کردی"[۲]

چنانچہ یہ کتاب ارباب تصوف کے حلقہ میں برابر مقبول رہی، ملا نور الدین عبد الرحمن جامی نے اشعۃ اللمعات[۳] اور مولانا صائن الدین علی ترکہ اصفہانی نے ضوء اللمعات[۴] کے نام سے اس کی شرحیں لکھی ہیں، سیر العارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ صدر خاوری نے بھی اس کی شرح تحریر کی ہے، اور لمعات کی تعریف میں یہ شعر لکھا ہے،

چو در سنبل چہ در آہوئے تاتار　　نسیمش نافہ مشک او دباز (؟)

اور خود سیر العارفین کے مولف نے لمعات کی توصیف ان الفاظ میں کی ہے،

"ارباب بصیرت پر مخفی نہیں ہے کہ لمعات ایک قطرہ سحاب فیض کا ہے، جو دریائے معرفت سے شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ سرہ العزیز کے فخر الدین کی زبان پر ٹپکا"[۵]

یہ کتاب فصوص الحکم کے طرز پر لکھی گئی ہے، اور اس میں بھی فصوص کی طرح اٹھائیس فصلیں

---

[۱] یہ تمام تفصیلات میخانہ مؤلفہ عبد النبی ص ۳۶ - ۳۷ سے لی گئی ہیں، [۲] میخانہ ص ۳۷،
[۳] برٹش میوزیم کیٹیلاگ ص ۸۰۵ [۴] ایضاً ص ۸۲۱ [۵] سیر العارفین اردو ترجمہ ج ۱ ص ۲۴

ہین، میخانہ کے مولف کا خیال ہے کہ

"لمعات بحقیقت لُب فصوص است"[1]

یہان کے قیام کے زمانہ مین امیر معین الدین حضرت شیخ فخرالدین عراقی کا بے حد معتقد ہو گیا تھا، اس کا اصرار تھا کہ وہ کوئی جگہ انتخاب کر کے اپنے لیے خانقاہ بنالین، پہلے تو انھون نے اس کو پسند نہ کیا لیکن پھر توقات مین خانقاہ بنوالی، ایک بار امیر معین الدین کچھ نقد رقم لیکر ان کی خدمت مین حاضر ہوا، مگر انھون نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا، امیر معین الدین نے شکستہ خاطر ہو کر کہا کہ آپ مجھ سے نہ کوئی خدمت لیتے ہین، اور نہ میری طرف التفات فرماتے ہین، شیخ نے ہنس کر جواب دیا کہ

"اے امیر! مارا ابزرلمی توان فریفت"

طبیعت مین وارفتگی تھی، اور اس وارفتگی کے عالم مین بعض اوقات ان کے حرکات و اعمال ارباب ظاہر کے لیے ناپسندیدہ ہو جاتے تھے، ایک روز امیر معین الدین ان کی قیام گاہ پر آیا، تو ان کو وہان نہ پایا، ان کی تلاش مین باہر نکلا، تو دیکھا کہ کچھ لڑکے ان کے گلے مین رسی ڈال کر ان کو ادھر اُدھر دوڑا رہے ہین، بعض لوگون نے شیخ عراقی کی اس حرکت پر طنز بھی کیا لیکن امیر معین الدین نے طنز و تشنیع پر توجہ نہ کی، اور شیخ کی معیت مین ان کی قیامگاہ پر واپس آیا، اسی طرح ایک روز شیخ اپنی قیام گاہ سے باہر گئے، تو دو دن تک واپس نہ آئے، امیر معین الدین نے ہر طرف آدمی دوڑائے، لیکن ان کا کہین پتہ نہ چلا، تیسرے روز خبر ملی کہ وہ پہاڑ کے دامن مین مقیم ہین، امیر معین الدین اپنے ساتھیون کے ہمراہ وہان پہنچا، تو شیخ کی عجیب کیفیت دیکھی، وہ برہنہ پا اور برہنہ سر برف کے تودون پر رقص کر رہے تھے

---

[1] میخانہ ص ۳۰۷،

ان کے جسم سے پسینہ جاری تھا، اور اسی جذب کے عالم میں اشعار کہتے جاتے تھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے:۔

در جام جہان نمائے اول ‌ ‌ ‌ ‌ شد نقش ہمہ جہان ممثل

بڑی مشکل سے شہر کی طرف مراجعت کرنے کے لیے رضامند ہوئے، تھوڑے ہی عرصہ کے بعد امیر معین الدین کے برے دن آگئے، ارباب سلطنت اس سے برگشتہ ہو گئے اور حکومت کی طرف سے اس کی املاک ضبط کر لی گئی، اس کو اپنی زندگی کی خاطر شہر بھی خاموشی سے چھوڑ دینا پڑا، مگر جب وہ شہر سے جانے لگا، تو رات کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جواہرات کا ایک ذخیرہ پیش کر کے گذارش کی کہ ان کو جس طرح چاہیں خرچ کریں، مگر میرا لڑکا مصر میں مقید ہے، اگر ممکن ہو تو اس کی رہائی کی کوشش کریں، اس کو رہا کرا کے اپنے پاس رکھیں، اور اس کو ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے سے جدا نہ کریں، اس کو اپنا پرانا خرقہ بھی پہنائیں، اور اس کو موقع نہ دیں کہ وہ اس خرقہ کو ضائع کرے، امیر یہ باتیں کہتے وقت اشکبار ہو رہا تھا، خود شیخ پر بھی گریہ طاری تھا، بالآخر شیخ کے پاؤں کا بوسہ دیکر وہ رخصت ہو گیا اور شیخ نے جواہرات کو بطور امانت اپنے پاس رکھ لیا

امیر معین الدین کی معزولی کے بعد اس علاقہ کی نگرانی خواجہ شمس الدین کے سپرد[1] کی گئی، اس کی معیت میں مولانا امین الدین[2] بھی تشریف لائے، توقات پہنچکر مولانا امین الدین شیخ فخر الدین عراقی سے بھی ملنے آئے، دونوں بڑی گرمجوشی سے ایک دوسرے سے ملے، اور جب سیر و سلوک پر گفتگو شروع ہوئی، تو دونوں ایسے محو ہوئے کہ رات کا

---

[1] ہلاکو کے زمانہ سے ارغون کی تخت نشینی (۶۸۳ھ) تک ایلخانیوں کے دیوانی معاملات کی نگرانی خواجہ شمس الدین کے سپرد تھی، دیکھو حواشی میخانہ ص ۵
[2] میخانہ کے مولف نے مولانا کے لیے یہ القاب استعمال کیے ہیں، سلطان المحققین امین الحق والدین حامی ملت قدس اللہ روحہا،

کافی حصہ گذر گیا، پھر بھی دونون کی تشنگی باقی رہی، یہانتک کہ تین دن گذر گئے، چوتھے روز مولانا امین الدین خواجہ شمس الدین سے ملے، تو موخر الذکر نے تین دن کی مفارقت کی شکایت کرکے اپنے ملال کا اظہار کیا، مولانا امین الدین نے خواجہ شمس الدین کی دلجوئی کرکے فرمایا کہ شیخ فخر الدین عراقی کی صحبت مین تھا، اور ان سے ایسی باتین سنین جو کسی سے عمر بھر نہ سنی تھین، ان کی صحبت مین تین سال رہتا یا تمام زندگی رہنے کا موقع مل جاتا، تو بھی ان کی مفارقت گوارا نہ کرتا، مولانا امین الدین کی اس عقیدتمندی کو سن کر خواجہ شمس الدین کو بھی شیخ فخر الدین عراقی سے ملنے کا اشتیاق ہوا، اور ان کو لانے کے لیے خلعت کے ساتھ ایک اونٹ بھیجا، شیخ فخر الدین عراقی جب قریب پہنچے تو خواجہ شمس الدین معزز لوگون کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے گیا، شیخ نے مولانا امین الدین کو دیکھ کر کہا "ان ھی الا فتنتک" یعنی مجھ کو یہان بلا بھیجنے مین تمھارا ہی فتنہ ہے، خواجہ شمس الدین ان سے بڑی تعظیم کے ساتھ پیش آیا، اور جب سلوک پر گفتگو شروع ہوئی، تو شیخ کی گفتگو مین اتنی تاثیر اور گرمی تھی کہ خواجہ شمس الدین کی آنکھون سے بہت دیر تک بے اختیار آنسو جاری رہے،

کچھ ہی عرصہ کے بعد حاسدون نے ارباب حکومت سے مخبری کی، کہ امیر معین الدین کی ساری دولت شیخ فخر الدین عراقی کے پاس جمع ہے، مگر ان کی گرفتاری سے پہلے خواجہ شمس الدین نے ان کو اس کا موقع دیا کہ وہ توقات چھوڑ کر کہین اور منتقل ہو جائین، چنانچہ وہ امیر معین الدین کی امانت لیکر دو آدمیون کے ساتھ تبریز کی طرف روانہ ہو گئے، اور وہان سے مصر پہنچے، یہان خانقاہ صالحیہ مین قیام کرکے امیر معین الدین کے لڑکے کی رہائی کی تدبیرین کین، مگر کوئی صورت کارگر نہین ہوئی، تو سلطان مصر کے دربار کے دروازے پر پہنچے، حاجبون نے پہلے روکا، مگر پھر اندر جانے کی اجازت دیدی، سلطان کو دیکھ کر سلام کیا،

اور امیر معین الدین کی امانت اس کے سامنے رکھ کر کھڑے ہوگئے، سلطان نے ان کو دیکھ کر محسوس کیا کہ وہ کوئی اعلیٰ پایہ کے بزرگ ہیں، چنانچہ اس نے ان کو عزت سے بٹھایا، اور جواہرات کی گٹھری کی طرف اشارہ کرکے پوچھا کہ اس میں کیا ہے، حضرت شیخ فخرالدین عراقی نے جواب دیا کہ یہ امانت ہے، سلطان نے اس کو کھولنے کا حکم دیا، اور بیش بہا جواہرات دیکھ کر متحیر ہوا، مزید تفصیل پوچھی تو شیخ فخرالدین عراقی نے ساری باتیں بتائیں، سلطان کو تعجب ہوا کہ انھوں نے جواہرات کو میرے سامنے لاکر تحفہ کے طور پر حاضر کردیا ہے، اور اپنے لیے ان کو پسند نہیں کیا، شیخ کو نور باطن سے سلطان کے اس تعجب کا کشف ہوگیا، چنانچہ اسی وقت کلام پاک کی اس آیت قل متاع الدنیا قلیل والآخرۃ لمن اتقی ولا تظلمون فتیلا کی تفسیر بیان فرمائی، سلطان ان کی تقریر سے متاثر ہوکر اپنی مسند سے نیچے اتر آیا، اور شیخ کے سامنے مودب ہوکر بیٹھ گیا، اور ان کی باتیں سنتا رہا، اور ہر بات پر روتا تھا، کہا جاتا ہے کہ سلطان اس روز اتنا رویا کہ تمام عمر نہ رویا تھا (میخانہ ص ۴۳)

اسی روز سلطان نے امیر معین الدین کے لڑکے کو قید سے رہا کرنے کا حکم جاری کیا، اور اس کے ساتھ بہت ہی لطف و کرم سے پیش آیا، غایت عقیدت میں اس نے حضرت شیخ فخرالدین عراقی کو سلطنت کا شیخ الشیوخ بنانے کا ارادہ ظاہر کیا، دوسرے دن اس منصب کے عطا کرنے کی تقریب میں تمام صوفیہ و علما، اور اکابر سلطنت کو مدعو کیا، اس دعوت پر دربار میں چھ ہزار صوفیہ جمع ہوئے، اور بڑے اعزاز کے ساتھ شیخ فخرالدین عراقی کو خلعت اور طیلسان پہنایا گیا، اس کے بعد ایک جلوس مرتب کیا گیا، جس میں صرف شیخ فخرالدین عراقی گھوڑے پر سوار تھے، اور باقی تمام صوفیہ، علما، اور امراء ان کے رکاب میں پاپیادہ تھے، شیخ نے اپنی یہ عظمت اور توقیر دیکھی تو انھوں نے اپنے نفس کا استیلاء اور غلبہ

محسوس کیا اس لیے اضطراراً طیلسان اور دستار اتار کر گھوڑے کی زین کے آگے رکھ لی، کچھ دیر کھڑے رو کر پھر دستار کو سر پر رکھ لیا، حاضرین یہ دیکھ ہنسنے، اور آپس مین کہنے لگے کہ ایسا دیوانہ اور مسخرہ آدمی شیخ الشیوخ کے منصب کے لیے کیونکر موزون ہو سکتا ہے، وزیر نے شیخ سے پوچھا یا شیخ لما فعلت ھذا (اے شیخ آپ نے ایسا کیون کیا) شیخ نے جواب دیا، وانت ما تعرف الحال (آپ کو حال سے واقفیت نہین) اور جب سلطان کو اس کی خبر ملی تو شیخ کو بلا کر اس واقعہ کے متعلق استفسار کیا، شیخ نے جواب دیا کہ

"نفس بر من مستولی شدہ بود، اگر چنین نہ کردے خلاص نیافتمے، بلکہ در عقوبت بماندمے"

اس جواب کو سن کر سلطان کا اعتقاد اور بھی بڑھ گیا، اور شیخ کے وظیفہ مین مزید اضافہ کر دیا، مگر شیخ کی طبیعت کی بے قراری اور مزاج کی آشفتگی بدستور سابق قائم رہی، وہ بازارون شہر کون اور گلیون مین بلا تکلف گھومتے نظر آتے تھے، اور اس بے تکلفی مین ان سے بعض ایسی باتین سرزد ہو جاتین جو درویشی اور مشیخت کے لیے ناموزون ہوتین، پھر بھی ان سے لوگون کی عقیدتمندی قائم رہی، سلطان نے حکم دے رکھا تھا کہ وہ اس کے پاس جب وقت بھی تشریف لانا چاہین، ان کی مزاحمت نہ کی جائے، چنانچہ اگر وہ حرم یا خوابگاہ مین بھی ہوتا تو بھی فوراً قدمبوسی کے لیے حاضر ہو جاتا، کچھ روز کے بعد شیخ کی طبیعت مصر سے گھبرا گئی، تو دمشق کی طرف جانے کا قصد کیا، سلطان نے روکنا چاہا، مگر وہ اٹھ کھڑے ہوئے، اس کے بعد سلطان نے شام کے ملک الامراء کو ان کے استقبال اور پذیرائی کے لیے لکھا، چنانچہ اس نے تمام علماء و مشائخ کے ساتھ ان کا پرجوش خیر مقدم کیا، (میخانہ ص ۴۶)

وفات | یہان ان کے قیام کے چھ مہینے کے بعد ان کے فرزند شیخ کبیر الدین ہندوستان سے ملنے آئے، صاحبزادے کے آنے کے کچھ دنون کے بعد ان کے چہرے پر دموی ورم ظاہر ہوا،

جس سے وہ پانچ روز تک سو نہ سکے، اور یہی عارضہ ان کے لیے مرض الموت ثابت ہوا، موت کے وقت شیخ کبیر الدین کو پاس بلایا، اور یہ آیت پڑھی،

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ	جس روز ایسا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی مان سے
وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ	اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے
امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ	بھاگے گا ان مین ہر شخص کو ایسا مشغلہ ہوگا جو
يُغْنِيهِ (عبس)	اسکو اور طرف متوجہ نہ ہونے دیگا،

پھر یہ رباعی کہی

در سابقہ چون قرار عالم دادند	مانا کہ نہ بر مراد آدم دادند
زان قاعدہ و قرار کانروز افتاد[1]	نہ بیش بکس وعدہ و نہ کم دادند

اس کے بعد کلمۂ طیبہ پڑھتے ہوئے عالم جاودانی کو سدھارے، وفات کے وقت سن شریف اٹھاسی سال تھا،[2] میخانہ اور نفحات الانس مین سال وفات ۶۸۸ھ ہے، تاریخ گزیدہ مین ۶۸۶ھ اور تذکرۂ دولت شاہ مین ۷۰۹ھ مرقوم ہے، مگر اول الذکر سنہ ہی صحیح سمجھا گیا،[3] انکے مزار مبارک کے متعلق نفحات الانس مین ہے،

"و قبر وے در قفاے مرقد شیخ محی الدین بن العربی است قدس اللہ تعالیٰ روحہما در صالحیہ دمشق و قبر فرزندے کبیر الدین در پہلوے قبر وے رحمہ اللہ تعالیٰ"

تذکرۂ دولت شاہ مین ہے،

"و مرقد مبارکش در جبل صالحیہ است، و در قدم حضرت قدوۃ العارفین شیخ الشیوخ

---

[1] مرآۃ الخیال، ہر قاعدہ و قرار کانروز افتاد ۔۔ نے بیش بکس ز وعدہ نے کم دادند [2] تذکرۂ دولت شاہ مین بیاسی سال مرقوم ہے [3] دیکھو حاشیہ میخانہ ص ۶، نیز مرآۃ الخیال ص ۶۴ و مرآۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین،

العالم ہادی الخلائق والامم شیخ محی الدین بن العربی قدس اللہ سرہ العزیز آسودہ است[1]"

سیر العارفین میں ہے :-

"قبران کی برابر مزار شیخ محی الدین عربی کے ہے، چنانچہ یہ فقیر جمالی بھی وہاں جاکر زیارت سے فیضیاب ہوا ہے، محلہ مشہور صالحیہ دمشق میں مزاران کا واقع ہے، اور اس دیار کے زائر دونوں مزار، دن کی نسبت الفاظ سے یوں کہتے ہیں کہ ہذا بحر العرب یعنی یہ قبر شیخ محی الدین عربی کی سمندر پر فیض عرب شریف کا ہے، اور بنسبت قبر شیخ مولانا فخر الدین کی کہتے ہیں، ہذا بحر العجم یعنی یہ سمندر عجم کا ہے، بڑا فیض پہنچانے والا، اور قبر شیخ اوحد الدین کرمانی کی بھی اسی متبرک جگہ پر ہے[2]"

سفینۃ الاولیاء میں ہے (ص ۱۹۸)

"قبر ایشان در قفائے قبر شیخ محی الدین العربی است در صالحیہ دمشق"

تصانیف حضرت شیخ فخر الدین عراقی کی تصانیف میں لمعات کے علاوہ ایک مثنوی اور ایک دیوان بھی ہے، مثنوی کا نام برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں عشاق نامہ درج ہے[3]، میخانہ میں مثنوی کا نام مرقوم نہیں ہے، لیکن اس کا ذکر ان الفاظ میں ہے :-

"مثنوی بطرز حدیقہ برشتۂ نظم در آوردہ، در آن میان غزل گوئی فرمودہ"

اور اسی کے ساتھ اس میں مثنوی کے کچھ اشعار بھی منقول ہیں، جو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں،

از عراقی سلام بر عشاق آن جگر خستگان تیر فراق

---

[1] تذکرۂ دولت شاہ ص ۲۱۷ [2] سیر العارفین اردو ترجمہ ج ۱ ص ۴۴ و ۲۵ [3] برٹش میوزیم کیٹلاگ فارسی مخطوطات ص ۵۹۲ [4] میخانہ ص ۸۴ و ۹۴

محرمانِ سراپردهٔ قدسی — لوح خوانان سرهٔ کرسی

سالکانِ طریقهٔ علیا — راه داران جادهٔ سفلی

زنده جانان مرده در غم یار — مست حالان وجان ودل هشیار

پادشاهانِ تختِ روحانی — غوطه خورانِ بحر نورانی

شاه بازان در قفس مانده — پیش بینان بازپس مانده

از حدودِ وجود گم گشته — وز عقول ونفوس بگذشته

بکسے شان ز دوست پرواه — سوخته چون ز شمع پروانه

همچو پروانه ز اشتیاق رخش — خویشتن را فکنده در آتش

در ره دوست پا ز سر کرده — ابجد عشق را ز بر کرده

چون ز کتاب دهر جیفه شده — بر سریر صفا خلیفه شده

یار خود دیده در پس پرده — تن بجان مانده جان فدا کرده

مے نخورده شده همه سرمست — دوست نادیده دل بداده ز دست

بره یار منتظر مانده — تخم شوق بر دل افشانده

بار محنت کشیده چون ایوب — زهر فرقت چشیده چون یعقوب

نظر جان ز جسم بگسسته — صدق میثاد باز دانسته

کرده از جان بسوی کویش روی — لیس فی جبتی سوی الله گوی

جان انا الحق زنان وتن بردار — فارغ از جنت وگذشته ز نار

علم اتحاد بر بسته — لشکر آز وخشم بشکسته

بن وبیخ خیال بر کنده — گشته آزاد همچنان بنده

مولانا شبلی شعر العجم جلد پنجم (ص ۱۲۸) مین رقمطراز ہین کہ شیخ عراقی کی ایک مثنوی کا نام دہ فصل ہے، جو ان کی نظر سے نہین گذری لیکن اس کے حسب ذیل چند اشعار ریاض العارفین سے نقل کیے ہین:

از جہالت نمی شکیبد دل	می برد عقل و می فریبد دل
عاشقان تو پاکباز اند	صید عشق تو شاہبازان اند
فارغی از درون صاحب درد	بکن اے دوست ہر چہ بتوان کرد
عشق دادو صاف کردگار یکے است	عاشقے و عشق و حسن یار یکے است

دیوان مین قصیدون اور غزلون کے ہزارون اشعار ہین، ان کے عارفانہ اشعار کی داد ہر زمانہ مین ملی ہے، ملا جامی نفحات الانس مین رقمطراز ہین:

"وے صاحب کتاب لمعات ست و دیوان شعر وے مشہور است۔"

تذکرۂ دولت شاہ مین ہے:-

"سخنان پر شور و عارفانہ دارد در وجد و حال بے نظیر عالم بودہ و موحدان و عارفان سخن او را معتقد اند۔" (ص ۲۱۵)

سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے،

"اور نیز اکثر قصائد و مدائح خوب و مرغوب اپنے پیر بے نظیر شیخ بہاء الدین زکریا قدس روحہٗ کی صفت وثنا مین فخر الدین مرحوم نے لکھے ہین (ج ۱ ص ۲۴)

مخزن الغرائب مین ہے،

"سخنان پر شور و عاشقانہ بسیار وے راست۔" (قلمی نسخہ دار المصنفین)

ان کا دیوان چھپ گیا ہے، غزلون کے کچھ اشعار اور رباعیات ملاحظہ ہون:-

بیا ای دیده تا یکدم بگرییم — نیم چون خوش دل و خرم بگرییم
گهی از درد بی درمان بنالیم — گهی از زخم بی مرهم بگرییم
نشد یاران محرم اسرار جانان — بر آن محروم نامحرم بگرییم
عراقی را کنون ماتم بداریم — بر آن مسکین درین ماتم بگرییم

چه کرده‌ام که دلم از فراق خون کردی — چه اوفتاد که درد دلم فزون کردی
همه حدیث وفا و وصال می‌گفتی — چو عاشق تو شدم قصه باژگون کردی
بسوختی دل و جانم گداختی جگرم — بر آتش غمت از بسکه آزمون کردی
سیاه روی دو عالم شدم که در غم فقر — گلیم بخت عراقی سیاه گون کردی

دست از دل بی قرار شستم — دل اندر سر زلف یار بستم
بیدل شدم و ز جان بیکبار — چون طرهٔ یار بر شکستم
گویند چگونه‌ای؟ چه گویم؟ — هستم ز غمش چنانکه هستم
ساقی قدحی که از می عشق — چون چشم خوش تو نیم مستم
در دام بلا فتاده بودم — هم طرهٔ او گرفت دستم
شد نوبت خویشتن پرستی — آید گر آنکه می پرستم
فارغ شدم از غم عراقی — از زحمت او چو باز رستم
در میکده می‌کشم سبوی — باشد که بیابم از تو بوی

اے دوست الغیاث کہ جانم بسوختی | فریاد کز فراق روانم بسوختی
دانم کہ سوختی تو غم عشق خود مرا | لیکن ندانم اینکہ چسانم بسوختی

رباعی

گل صبحدم از باد برآشفت و بریخت | با باد صبا حکایتے گفت و بریخت
بدعہدی عمر بین کہ گل در دہ روز | سر بر زد و غنچہ کرد و بشگفت و بریخت

رباعی

یارب تو بخود مرا تو شخیر گردان | وز ہر چہ خبر از تست علم بر گردان
آمیختہ شد مس وغل بالقدم | آخر نظرے مس را زر گردان

مولانا شبلی شعر العجم (حصہ پنجم ص ۱۲۹) مین رقمطراز ہین کہ شیخ عراقی اکثر وحدت وجود کے مسئلہ کو صاف تمثیلون مین ادا کرتے ہین، مثلاً

عشق شورے در نہاد ما نہاد | جان ما در بوتہ سودا نہاد
گفتگوے در زبان ما فگند | جستجوے در درون ما نہاد
دم بدم در ہر لباسے رخ نمود | لحظہ لحظہ پاے دیگر جا نہاد
بر مثال خویشتن حرفے نوشت | نام آن حرف آدم و حوا نہاد
ہم بچشم خود جمال خود بدید | تہمتے بر چشم نابینا نہاد

یہ غزل انکی مشہور عام ہے اور حال وقال کے جلسون مین گائی جاتی ہے،

بزمین چو سجدہ کردم ز زمین ندا برآمد | کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی
چو براہ کعبہ رفتم بہ حرم رہم ندادند | کہ برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

حضرت شیخ امیر حسینیؒ

نام و وطن حضرت شیخ امیر حسینیؒ کا اسم گرامی نفحات الانس[1] میں حسین بن عالم بن ابی الحسین تذکرہ دولت شاہ[2] میں حسین بن عالم بن الحسن الحسینی، تاریخ فرشتہ میں صرف امیر حسین بن نجم الدین شاہ[3] اور دہ کے کتب خانہ کی فہرست میں امیر کبیر الدین حسینی بن عالم بن ابو الحسین حسینی لکھا[4] ہے، مگر سیر العارفین میں پورا نام شیخ صدر الدین احمد بن نجم الدین المعروف بہ سید حسین[5] ہے، معلوم نہیں سیر العارفین کے مولف نے اتنے مختلف نام کیوں تحریر کیے ہیں، ممکن ہے، یہ القاب ہوں، وہ غور کے ایک گاؤں گزیو کے رہنے والے تھے[6]، پھر بعد میں ہرات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، اس لیے نام کے ساتھ ہروی بھی پایا جاتا ہے،

بیعت تذکرۂ دولت شاہ اور آتشکدہ میں ہے کہ وہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید تھے لیکن یہ صحیح نہیں،

نفحات الانس میں ہے:

از کتاب وے کنز الرموز چنان متبادر می شود، کہ وی مرید شیخ بہاء الدین زکریا است[7]"

[1] نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین [2] تذکرہ دولت شاہ ص ۲۲۲ [3] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۶ [4] کیٹلاگ بدا ص ۳۰۴ [5] سیر العارفین ج ۱ ص ۲۵ [6] لطائف اشرفی ص ۳۶۶ [7] ایضاً۔ لطائف اشرفی میں یہ بھی ہے کہ حضرت قدوۃ الکبریٰ می فرمودند کہ از بعض مردم ملتان، چنان استماع افتاد کہ حضرت میر حسینی را نیز حضرت شیخ یک دختر خود را بعقد نکاح در آوردہ اند،

اگرچہ اس کے بعد نفحات الانس کے مولف ملا عبدالرحمٰن جامی یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ
بعض کتابوں میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ حضرت امیر حسینی شیخ ابوالفتح رکن الدین بن شیخ صدرالدین
ابن شیخ بہاءالدین زکریا کے مرید تھے، مگر اس سلسلہ میں سیر العارفین کے مولف کا بیان ذ شیخ
شیخ بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں ہے کہ

ایک مرید منجملہ مریدان صادق الفعل والقول کے شیخ صدرالدین احمد بن نجم الدین
ہروی بھی ہیں، جو سید حسین کے نام سے بھی مشہور و معروف ہیں، ان کی تصنیفات نثر و
نظم میں بکثرت مقبول و مشہور عام و خاص ہیں، نثر میں نزہت الارواح اور طرب
المجالس اور نظم میں زادالمسافرین اور کنزالرموز بمقام متبرک ملتان شیخ بہاءالدین
کی خدمت میں رہ کر وہیں تصنیف کیں، اور شیخ بہاءالدین نے کتب مذکورہ کا مطالعہ
بغور فرما کر مصنف کی تحسین و آفرین کی، اور وہ سوالات بھی جو شیخ محمود شبستری سے
کیے گئے تھے، اور شبستری مرحوم نے ان کے جوابات میں نسخہ گلشن راز تصنیف کیا، سید
حسین کی تصنیفات میں سے ہیں، چنانچہ اپنے زمانہ میں نواحی خراسان میں علم معرفت و
طریقہ درویشی میں سید صاحب بے نظیر و بے ہمتا گذرے ہیں، اور ریاضت عظیم فرماتے
تھے، اول مرتبہ ملتان میں اپنے پدر بزرگوار سید نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ بسبیل
تجارت آئے تھے، اور بہاءالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں فیضیاب ہوئے
لیکن بوجہ تحصیل علم و کمال مرید نہ ہوسکے تھے، مگر وفات پدر بزرگوار دفعتہً ترک تعلق
دنیا سے دل کو کرکے آزادی اور خدا طلبی اختیار کی اور اپنا تمام مال و اسباب فی سبیل اللہ
مساکین و فقرا پر ایثار کرکے ملتان آئے، اور بصدق عقیدت شیخ بہاءالدین زکریا
قدس اللہ روحہ کے مرید ہوگئے، اور تین برس تک پیر کی خدمت میں رہ کر بڑی بڑی

ریاضتیں کرکے کمالات و کرامات سے مالامال ہوگئے، مزار متبرک سید صاحب کا موضع
ہری میں واقع ہے، اس دیار کے لوگ ان کی زیارت کے واسطے دوشنبہ کے دن جایا
کرتے ہیں، حق یہ ہے کہ مرقد منور ان کا زائروں کے جسم بے جان میں روح تازہ بخشتا ہے
عجیب دلکشا اور جانفزا مقام ہے، جن ایام میں یہ ضعیف جمالی مقام ہری میں پہنچا تھا،
اس وقت مولانا عبدالرحمٰن جامی اور مولانا عبدالغفور قدس اللہ سرہ العزیز بھی سید صاحب
کی زیارت کے واسطے تشریف لائے تھے، بعد حصول زیارت ہم سب نے مل کر نماز ظہر و عصر
کی اس جگہ پر ادا کی تھی، اور بہت کچھ فیض حاصل کیا تھا؛[۱]

وفات | نفحات الانس میں ہے کہ حضرت امیر حسینی نے ۱۶ ر شوال ۸۱۷ھ میں وفات پائی،
تذکرۂ دولت شاہ میں سال وفات ۷۱۹ھ ہے، لیکن اودھ کے کتب خانہ کے کیٹلاگ اسپرنگر
کا بیان ہے کہ ان کی تصنیف زاد المسافرین میں حسب ذیل شعر درج ہے،

در ہفت صد و بست و نہ ز ہجرت گشت آخر این کتاب ختمت[۲]

اس لحاظ سے وہ ۷۲۹ھ تک بقید حیات تھے، ان کے علمی تبحر کے ان کے معاصرین
بھی معترف تھے، چنانچہ ان کے ظاہری و باطنی علوم کی وجہ سے شیخ فخرالدین عراقی اور
شیخ اوحدی ان کو بہت عزیز رکھتے تھے،[۳]

تذکرۂ دولت شاہ میں ان کی مدح سرائی ان الفاظ میں کی گئی ہے،

سالک مسالک دین و عارف اسرار الیقین است و در کشف رموز حقائق و دقائق
کنز معانی بودہ و در فضیلت و علوم جنید ثانی، خاطر بہ نور او گلشن راز و طوطی نطق او عندلیب

---

[۱] سیر العارفین اردو ترجمہ ج ۱ ص ۲۶ [۲] فہرست کتب خانہ شاہ اودھ ص ۳۰۴،

[۳] تذکرۂ دولت شاہ ص ۲۲۴،

خوش آواز، (ص ۲۲۲)

تصانیف ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-

(۱) نزہت الارواح (۲) الارواح (۳) صراط مستقیم (۴) طرب المجالس (۵) زاد المسافرین (۶) کنزالرموز (۷) سوالات وگلشن راز (۸) دیوان، یہ تمام کتابیں غیر مطبوعہ ہیں، ان کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں[۱]۔ امیر حسینی کے دیوان کے متعلق مولانا عبدالرحمٰن جامی رقمطراز ہیں :-

مرا و را دیوان اشعار است بغایت لطیف"[۲]

میری نظر سے مذکورۂ بالا کتابیں نہیں گزری ہیں، لیکن کتب خانوں کی مختلف فہرستوں میں ان پر جو تبصرہ ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان تمام تصنیفات کا موضوع معرفت اور سلوک و طریقت ہے،

نزہۃ الارواح کے متعلق لطائف اشرفی میں ہے :-

لمعات حضرت فخرالدین عراقی و نزہۃ الارواح حضرت امیر حسینی بشرف نظر شیخ (یعنی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی) در آوردند، فرمودند کہ لمعات بہ نسبت خاص واقع شدہ، و نزہۃ الارواح ہم خاص و ہم عام بہ حسب حیثیت خود بہرہ برد اما لمعات لمعۂ دیگر دارد (ص ۳۶۶)[۳]

زاد المسافرین کے متعلق ہم جو کچھ معلومات فراہم کر سکے ہیں ان کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں،

---

[۱] مثلاً دیکھو کیٹلاگ فارسی مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۴۰، ج ۲ ص ۶۰۸ فہرست کتب خانہ شاہ اودھ ص ۴۲۳

[۲] نفحات الانس قلمی نسخہ دارالمصنفین [۳] راقم الحروف کا ایک مضمون "حضرت امیر حسینی" جنوری ۱۹۴۶ء کے معارف میں شائع ہوا تھا، اس کی اشاعت پر بزرگ محترم جناب سید مقبول احمد صاحب صمدنی نے حضرت امیر حسینی کی تصنیف "زاد المسافرین" پر ایک مختصر لیکن مفید مقالہ دسمبر ۱۹۴۶ء کے معارف میں تحریر فرمایا ہے، ہم اس مقالے کے بعض ضروری اجزا، اس کتاب میں شامل کرتے ہیں،

مثنوی کا آغاز حمد باری تعالیٰ شانہٗ سے ہوتا ہے، پروردگار عالم کی نعمتوں اور رحمتوں کا اعتراف کرتے ہوئے دنیاداروں کو خطاب اس طرح کیا جاتا ہے،

بشنو پسرا بیان حالت | علم دو بدست قیل وقالت
علمے کہ خدا ے دان شوی تو | اینست کجا ہمی دوی تو
آن علم طلب کہ با تو ماند | وآن دم کہ ترا از تو رہاند
آن علم فریضہ تا نہ خوانی | تحقیق صفات حق نہ دانی
اے طبع و ہوا مسلّم تو | تا کی لم و لا نسلّم تو
خود را بگذاشتہ کردہ گرم | آخر ز خدا نبایدت شرم
از خود بخدا مرو بتاویل | تشبیہ مکن بوجہ تمثیل
زنہار بحجت قیاسی | غرہ نشوی بحق شناسی

اس کے بعد مقالات شروع ہو جاتے ہیں، جن میں جابجا متعدد حکایات بھی ہیں، پہلا مقالہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس اور سالک کو ریاضت و مجاہدہ کی تلقین و تشویق میں ہے، اس میں بھی خطیبانہ رنگ اور واعظانہ انداز بیان قائم ہے، فرماتے ہیں،

ہندو کہ ہمیشہ بت پرستند | ہر صبح دعات می فرستند
جز ذکر تو نیست در زبانش | زنار و فاست در میانش
این جملہ ز دین و ملت خویش | جز تیر غمت ندیدہ در کیش

دوسرے مقالہ میں فضیلت و شرف انسانی پر بحث ہے، اس میں فارسی زبان کی سلاست و لطافت کے ساتھ ساتھ بعض غیر معمولی عربی الفاظ یا نامانوس کلمے بھی کہیں کہیں

آ گئے ہین، اس کی پہلی حکایت ملاحظہ ہو:-

موسیٰ ز می فراق مخمور مستانہ دوید بر سرِ طور

گفت اے ز تو بودہ ہر چہ بودہ ما را بتو ہم تو رہ نمودہ

گر نزد منی کجات جویم تا با تو حدیث خویش گویم

ور دور تری بر آرم آواز باشد کہ بخود درم کنی باز

بشنود ز ہاتفے جوابے کے از تو بہ پیش تو نقابے

این جائے حوالہ نیست بگذار من با توام از خودم طلبدار

افتادنِ مہرہ ہا ششدر اینجا بود اے حریف بنگر

شاہانِ جہان درین خیالات بر نطع غمند جملگی مات

از غایت قرب دور دور است ہر مرغ بہ دانۂ صبور است

این آتش ما چگونہ میرد کین درد دوا نمی پذیرد

یاد آر ز خود کہ نیست یادت بے شرم کسے کہ شرم بادت

تیسرا مقالہ طریقت اور سلوک کی کیفیت مین ہے، چوتھا ارشاد و معاملت پر ہے، اس مین کئی حکایتین ہین، پانچوین مقالہ عشق اور اس کے مرتبہ کا بیان ہے چھٹا مقالہ معرفت نفس انسانی اور اس کی صفت مین ہے، ساتوین مین معرفت کا بیان اور اس کی تحقیق ہے، آٹھوین مقالہ کا عنوان ہے "دربیان حال شرفنا باد شہر می رسد" یہ مقالہ اور مقالون سے کچھ زیادہ طویل اور تمثیلات سے معمور ہے، اور اسی پر چند در چند مواعظ و نصائح و مخاطبات کے ساتھ مثنوی ختم ہو جاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:-

در بیست گران بہا کہ سفتم | در یاب کہ گفتنی بگفتم
ہمدستہ گلہاے یقین است | ہم توشۂ رہروان دین است
از بس کہ فشاند بحر من دُر | شد دامن آخر الزمان پُر
این گلشنکدہ کہ من سرشتم | در ہشت مقالتش نبشتم
شمع است کہ اندلم برافروخت | ہفتاد و دو ہزار پردہ را سوخت
یک نکتہ او کہ جان کند شاد | بر دل در ہشت باغ بکشاد
آنکس کہ بیافت اندکے بوے | دانست کہ چون فشاندم موے
تا جیست سران نامور را | نہ پارہ و مست کون خرد را
چون اہل خرد بہر دیارے | زین تحفہ برند یادگارے
این نوزدہ بہر طرف کہ تابد | یعنی کہ قبول ہر کہ یابد
زین گنج کہ رائگان کشادم | دارو بدعاے خیر یادم
در ہفصد و بیست و نہ ز ہجرت | گشت آخر این کتاب تمت

اس مثنوی میں ۵۷ ۱۴۱ اشعار ہیں، اس کی مقبولیت اور اہمیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کا ایک بڑا حصہ تذکرہ دولت شاہ اور آتشکدہ میں بھی ہے، جس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

این طرفہ حکایتے بنگر | روزے نگہ از قضا سکندر[1]
می رفت و ہمہ سپاہ با او | صد حشمت[2] و مال و جاہ با او
ناگہ بخرابۂ گذر کرد | پیرے ز خرابہ سر بدر کرد

---

[1] آتشکدہ میں یہ مصرع اس طرح ہے ع روزے ز قضا مگر سکندر۔ [2] آتشکدہ: آن حشمت

پیرے کہ نہ کہ آفتاب پر نور | در چشم سکندر آمد از دور
پرسید کہ این چہ شاید آخر | این کیست کہ می نماید آخر
درگوشۂ این مغاک دلگیر | بیہودہ نباشد این چنین پیر
چون راند بدان مغاک چون گرد[1] | پیر از سر وقت خود نشد دور
چون باز نکرد سوے او چشم | پرسید سکندرش بصد خشم
گفت اے شدہ مشغول این گذرگاہ | غافل چہ نشستۂ درین راہ
ہر چہ نگروی آسترا ہم | آخر نہ سکندر ست نامم،
دانی کہ منم بہ بخت پیروز | پشت ہمہ روے عالم افروز
دریادل و آفتاب رایم | فرق فلکست زیر پایم،
پیر از سر وقت بانگ برزد | گفت این ہمہ نیم جو نیرزد
ز پشت نہ روے عالمی تو | یکدانہ ز کشت آدمی تو،
دوران فلک کہ بیشمار است | ہر ساعتش از تو صد ہزار است
مشغول و غافلم درین کوے | ہشیار تر از تو ام بصد روی
از روز پسین چو آگہم من | چون منتظر آن درین رہم من
غافل توئی کز براے ہیچی | مغرور دو روزۂ عمر خویشی
چون آخر کار ہا جدائیست | با خلق مرا چہ آشنائیست[2]
دربندۂ من کہ حرص و آزند | بر تو ہمہ روز سر فرازند
با من چہ برابری کنی تو | چون بندۂ بندۂ منی تو

---

[1] آتشکدہ: آمد بدان مغاک پر نور [2] یہ شعر تذکرہ دولت شاہ میں نہیں ہے،

گریان شد ازین سخن سکندر — بفگند کلاہ شاہی آذر
از خجلت خود نفیر می زد — سر بر کف پائے پیر می زد
پیر از سر حال رہ نمودش — کاندر ہمہ وقت یاد بودش

آتشکدہ میں کچھ اور اشعار بھی منقول ہیں، مثلاً

بخدا کہ دردمندم ز غم فراق یارا — نہ خلاف گوید آنکس کہ حکم کند خدارا

اے سایہ تو ہمدم صحبت نور نہ — رو ماتم خود گیر کزین سعد نہ
اندیشہ وصل آفتابت نرسد — می ساز باین قدر کہ ازو دور نہ

کنز الرموز میں امیر حسینی نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے فرزند ارجمند شیخ صدر الدین کی مدح میں جو اشعار لکھے ہیں ان میں سے کچھ یہاں نقل کیے جاتے ہیں

شیخ ہفت اقلیم قطب اولیا — واصل حضرت ندیم کبریا
مفخر ملت بہائے شرع و دین — جان پاکش منبع صدق و یقین
از وجود او بہ نزد دوستان — جنت الماوی شدہ ہندوستان
ہرکہ رو از نیک و از بد تافتم — این سعادت از قبولش یافتم
خستہ ہستی چون برون از میان — گرد پروانہ ہمای آشیان
آن بلند آوازۂ عالم پناہ — سرور عصر افتخار صدرگاہ
صدر دین و دولت آن مقبول حق — زانکہ برخوان جہانش یک طبق[2]

۱۔ آتشکدہ ص ۱۲، ۲۔ نفحات الانس قلمی نسخہ دار المصنفین، و فرشتہ جلد دوم ص ۴۰۶،

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

محبوبِ الٰہیؒ

اسم گرامی و القاب | اسم گرامی محمد، القاب محبوب الٰہی، سلطان المشائخ، سلطان الاولیاء، سلطان السلاطین، اور نظام الدین اولیاء تھے،

نسب نامہ | سید محمد بن سید احمد بن سید علی بن سید عبداللہ غلمی بن سید حسن غلمی بن سید علی مشہدی ابن سید احمد مشہدی بن سید ابی عبداللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام علی ہادی نقی ابن امام محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سیدنا امام حسین بن سیدنا امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ علیہم السلام ان کے دادا سید علی اور نانا سید عرب ہم جد تھے،

پیدائش | حضرت شیخ نظام الدینؒ کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا، پھر وہاں سے بدایوں میں سکونت پذیر ہوا، اور اسی شہر میں ماہ صفر ۶۳۴ھ میں حضرت شیخ نظام الدینؒ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

ابتدائی تعلیم | جب پانچ سال کے ہوئے تو والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اس لیے اپنی والدہ ماجدہ کے زیر تربیت پرورش پائی جو بڑی عابدہ اور زاہدہ تھیں، ان کی بزرگی اور کرامت کے واقعات سیر الاولیاء (مولفہ سید محمد مبارک امیر خورد) میں درج ہیں

حضرت شیخ نظام الدین کی ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہوئی، یہیں مولانا علاء الدین اصولی سے قدوری ختم کی، جنھوں نے دستار فضیلت باندھنے کی تقریب میں علماء و مشائخ کو مدعو کیا، دستار فضیلت باندھتے وقت بعض بزرگوں نے یہ پیشینگوئی کی کہ اس لڑکے کا سر کسی انسان کے آگے خم نہیں ہوگا۔[1]

مزید تعلیم کے لیے اپنی والدہ کے ساتھ دہلی گئے، جو اس وقت علماء و فضلاء کا گہوارہ بنا ہوا تھا، ان میں فضل و کمال کے اعتبار سے مولانا شمس الدین دامغانی بہت ممتاز تھے، بلبن ان کا بیحد قدرداں تھا، چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں اس نے ان کو "شمس الملک" کا خطاب دیا، اور "مستوفی ممالک" کے عہدہ پر مامور کیا، اس زمانہ کے مشہور شاعر تاج الدین سنگریزہ نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ بھی کہا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے،

شمسا کنون بکام دل دشمنان شدی   مستوفی ممالک ہندوستان شدی[2]

اس عہدہ سے پہلے درس و تدریس کے لیے مشہور تھے، اس لیے حضرت شیخ نظام الدینؒ نے ان کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا، مولانا شمس الدین دامغانی نے بھی ان کی طرف غیر معمولی توجہ کی، وہ عزیز شاگردوں کو اپنے حجرہ میں بلا کر درس دیا کرتے تھے، چنانچہ یہ شرف ان کے تین شاگردوں، قطب الدین ناقلہ، برہان الدین عبد الباقی اور حضرت شیخ نظام الدین کو حاصل تھا، مولانا شمس الدین دامغانی کا کوئی شاگرد جب درس سے غائب ہوتا اور جب وہ آتا تو اس سے مذاقاً پوچھتے کہ میں نے تمھاری کیا خطا کی تھی، جو تم درس میں حاضر نہ ہوئے، بتا دو تاکہ میں پھر وہی قصور کروں، اور تم آیندہ بھی حاضر نہ ہو سکو، لیکن جب حضرت نظام الدین کا ناغہ ہوتا اور وہ استاد کی خدمت میں پہنچتے تو ان کو

---

[1] سیر المجالس اردو ترجمہ خیر المجالس ص ۱۰۶ [2] سیر العارفین ص ۱۱۵

دیکھکر یہ شعر پڑھتے،

بارے کم از آنکہ گاہ گاہے　　　آئی و بما کنی نگاہے[1]

حضرت شیخ نظام الدین نے مولانا شمس الدین سے حریری کے چالیس مقامات پڑھے، اس کے بعد مولانا کمال الدین زاہد سے مشارق الانوار کا درس لیا، مولانا کمال الدین اپنے عہد کے جید عالم اور بڑے متقی اور متدین بزرگ تھے، سلطان بلبن نے ان کے تقوی، دیانت اور کمال علم کی شہرت سنکر ان کو اپنے پاس بلایا، اور کہا کہ اگر آپ میری نمازوں کی امامت قبول کریں تو کیا عجب کہ اس امامت کی برکت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میری نمازیں قبول ہوں، لیکن مولانا کمال الدین نے بڑی بے نیازی سے سلطان کو جواب دیا کہ میرے پاس نماز کے سوا اور کوئی چیز نہیں آپ اسکو بھی مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں، سلطان اس جواب کو سنکر خاموش ہو گیا، اور معذرت کر کے مولانا کو واپس کیا حضرت شیخ نظام الدین نے انہی سے حدیث پڑھی، اور اس علم میں بڑا پایہ حاصل کیا، حافظ کلام پاک بھی تھے تحصیل علوم و فنون کا شغل برابر جاری رکھا، اپنے مرشد حضرت شیخ العالم بابا گنج شکر سے عوارف المعارف اور تمہید ابو شکور سالمی پڑھی[2]، چنانچہ ان کا شمار متبحر علماء میں بھی ہوتا تھا، ان کے مریدان کے علمی تبحر سے بھی استفادہ کرتے تھے، اسی لیے ان کی خانقاہ میں رشد و ہدایت کے ساتھ درس و تدریس کا بھی سلسلہ رہتا تھا، اور اس سلسلہ کو جاری رکھنے کے لیے ان کے مرشد کی بھی ہدایت تھی،

کشش مرشد

حضرت شیخ نظام الدین دہلی میں ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں رہتے تھے۔ اس سے قریب ہی بابا فرید الدین گنج شکر کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین مشغول رہ

[1] سیر العارفین ص ۱۱۶　[2] سیر الاولیاء ص ۱۰۱ تا ۱۰۴

کا مکان تھا، جو ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ ور تھے، ان کی صحبت میں حضرت شیخ نظام الدین کے دل میں بابا گنج شکرؒ کی ملاقات اور دیدار کا شوق پیدا ہوا، ایک رات شہر کی جامع مسجد میں مقیم تھے، صبح کے وقت موذن نے منارہ پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی؛

الم یان للذین اٰمنوا ان تخشع	کیا اس کا وقت نہیں آیا ہے، کہ جو لوگ
قلوبھم لذکر اللّٰہ	ایمان لائے ہیں ان کے دل اللہ کے ذکر
(حدید - ۲)	سے اسکی خشیت سے جھک جائیں،

اس کو سن کر ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی، اور بابا گنج شکرؒ کی زیارت کو اٹھ کر چلے ہوئے، اور جب اجودھن پہنچے، تو بابا صاحب نے ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا،

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ　　سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

اور اسی وقت کلاہ چہار ترکی سر سے اتار کر اپنے مرید کے سر پر رکھ دی،[1]

حضرت شیخ نظام الدینؒ اپنے پیر و دستگیر کی صحبت میں ۱۵ رجب ۶۵۵ھ سے ۳ ربیع الاول ۶۵۶ھ تک تعلیم و تربیت پاتے رہے، بابا گنج شکرؒ کی خانقاہ میں تمام درویشوں کی زندگی بڑی عسرت، تنگی اور فاقہ میں گذرتی تھی، مولانا بدر الدین اسحٰق لنگر خانہ کے لیے ایندھن کی لکڑیاں لاتے، شیخ جمال الدین ہانسوی جنگل جا کر ڈیلہ لایا کرتے، یہ ایک قسم کا پھل تھا، جس کا عام طور سے نمک اور سرکہ ملا کر اچار بناتے تھے، حسام الدین کابلی پانی بھر کر لاتے، اور باورچی خانہ کے برتن دھویا کرتے، حضرت نظام الدینؒ ڈیلوں کے پکانے کی خدمت اپنے ذمہ لیتے، ڈیلے میں ڈالنے کے لیے نمک کبھی میسر ہوتا اور کبھی نہیں، جب کہیں سے کوئی غیبی مدد مل جاتی، تو پڑوس کے بقال کے یہاں سے سامان خرید لیا جاتا، ایک روز نمک نہ تھا

[1] سیر الاولیاء ص ۱۰۶، فرشتہ ج ۲ ص ۳۹۲ و خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۲۹،

حضرت شیخ نظام الدینؒ نے مرشد کی خاطر ایک درم کا نمک ابقال سے ادھار لے لیا، اور وہ پکا کر مرشد اور درویشوں کے سامنے لے گئے، مولانا بدرالدین اسحٰق، شیخ جمال الدین ہانسوی اور حضرت شیخ نظام الدین ایک ہی پیالہ میں ساتھ کھاتے تھے، جب بابا گنج شکرؒ نے لقمہ اٹھانے کیلیے پیالہ میں ہاتھ ڈالا، تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی، اور لقمہ اٹھا نہ سکے، فرمایا کہ "ازین بوے اسراف می آید" اور پوچھا کہ نمک کہاں سے لاکر ڈالا گیا ہے، حضرت شیخ نظام الدینؒ لرزہ بر اندام ہوکر عرض پیرا ہوئے، قرض لیا ہے، بابا گنج شکرؒ نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لیے وہ مقروض ہوں، قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے، اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آجائے، تو قیامت میں اس کی گردن قرض کے بار سے جھکی رہے گی، یہ کہہ کر پیالوں کو غربا میں تقسیم کردینے کا حکم دیا، حضرت شیخ نظام الدین کا خود بیان ہے، کہ اسی وقت انھوں نے دل میں قرض لینے سے توبہ و استغفار کی، مرید کی اس توبہ کا کشف مرشد کو ہوا تو جس کملی پر بیٹھے تھے، اس کو عطا کرکے ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ آیندہ تم کو قرض کی ضرورت ہی نہ پڑے گی، اور جب شیخ نظام الدین، دہلی واپس ہونے لگے، تو مرشد نے ان کو دو باتوں کی نصیحت فرمائی، ایک یہ کہ اگر کسی سے قرض لینا تو اس کو جلد ادا کرنے کی کوشش کرنا، دوسرے اپنے دشمنوں کو ہر حال میں خوش رکھنے کی سعی کرنا، چنانچہ جب حضرت نظام الدین دہلی واپس آئے تو ایک عزیز کے پاس پہنچے جس سے انھوں نے ایک کتاب مستعار لی تھی، اور وہ گم ہوگئی تھی، ان سے فرمایا کہ میری نیت صادق ہے، کاغذ مہیا کرکے آپ کی کتاب لکھ کر آپ کے حوالہ کروں گا، وہ عزیز یہ سن کر ایسے متاثر ہوئے کہ کتاب مذکور حضرت نظام الدین کو بخشدی، وہاں سے حضرت نظام الدین ایک بزاز کے پاس آئے جس سے کسی وقت بیس ٹنکے کا کپڑا ادھار لیا تھا، دس ٹنکے دیکر بقیہ رقم بعد میں دینے کو کہا، بزاز نے دس ٹنکے

تو لے لیے اور بقیہ دس حضرت نظام الدین کے مرشد کی صحبت کی عمدہ تاثیر کی وجہ سے معاف کر دیے۔[۱]

دہلی سے کئی بار مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے حضرت نظام الدینؒ اجودھن تشریف لے گئے۔ ایک بار مرشد نے اپنے محبوب مرید کے لیے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی کہ الٰہی نظام الدین جو تجھ سے مانگا کرے، اسے عطا فرمایا کر۔ یہ دعا قبول ہوئی، اسی لئے وہ محبوب الٰہی کہلائے۔[۲] آخری بار جب اجودھن مرشد سے ملنے گئے تو واپسی کے وقت مرشد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیک بخت بنائے، تم ایسے درخت ہوگے جس کے سایہ میں مخلوق آرام پائے گی، اور نصیحت کی کہ حصول استعداد کے لیے برابر مجاہدہ کرتے رہنا۔

بابا گنج شکر کا جب وصال ہوا تو محبوب الٰہی اجودھن میں نہ تھے، لیکن مرشد نے عصا اور خرقہ جو حضرت قطب الدین بختیار کاکی سے ان کو ملا تھا، مولانا بدرالدین اسحٰق کی معرفت اپنے مرید کے پاس دہلی بھیجا۔ بابا گنج شکر کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت خلفاء میں تاج الاولیاء علاء الدین صابر بھی تھے، بابا گنج شکر فرمایا کرتے تھے کہ

"علم سینۂ من بہ شیخ نظام الدین اولیاء بدایونی رسید، و علم دل من بہ شیخ علاء الدین علی احمد صابر قائم گردیدہ"[۳]

فقر و فاقہ | پہلی دفعہ جب اجودھن سے حضرت محبوب الٰہی دہلی تشریف لائے تو شہر میں آبادی کی کثرت کی وجہ سے ان کو عبادت و ریاضت کے لیے کوئی پرسکون جگہ نہ ملی، ان دنوں مرشد کی ہدایت کے بموجب کلام پاک حفظ کر رہے تھے، اس لیے جب شہر میں یکسوئی نہ

---

[۱] مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) و سیر العارفین ص ۱۱۹، ۱۲۱ و مراۃ الاسرار (قلمی نسخہ دار المصنفین)

[۲] سیر العارفین صفحہ ۱۳ [۳] سیر الاقطاب ص ۱۶۸

ملتی تو جنگل جا کر حفظ کرتے، ایک روز قتلغ خان کے حوض کے پاس ایک درویش سے ملاقات ہوئی
اس کی باتوں سے معلوم ہوا کہ شہر اس وقت فسق و فجور کا مرکز ہو رہا ہے، اس لیے یہاں کے قیام
سے ایمان میں سلامتی اور عبادت میں استقامت پیدا نہیں ہو سکتی ہے، اس گفتگو کے بعد حضرت
محبوب الٰہی دہلی سے متصل ایک جگہ غیاث پور میں آکر مقیم ہوئے، شروع میں یہاں کے قیام کے
زمانہ میں بڑی عسرت اور تنگی رہی، چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایک سال خربوزے
دو جیتل کو بکتے تھے، لیکن ساری فصل گذر گئی مگر میں ایک پھل بھی نہ چکھ سکا، اتفاقاً ایک روز
ایک شخص کئی خربوزے اور کچھ روٹیاں میرے پاس لایا، جس کو میں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی
نعمت سمجھ کر لے لیا،

اس زمانہ میں ایک جیتل میں دو سیر آٹا ملتا تھا، پھر بھی حضرت محبوب الٰہی کے پاس
اتنے دام نہ ہوتے تھے کہ روٹی کے لیے آٹا خرید سکیں، کئی کئی روز کا فاقہ ہو جاتا، ایک بار مسلسل
تین روز کا فاقہ ہو گیا تو کسی نے دروازہ پر دستک دی، دروازہ کھولا گیا تو ایک شخص خشک
کھچڑی دیکر غائب ہو گیا حضرت محبوب الٰہی نے گرسنگی کی شدت میں اس کھچڑی کو کھا لیا،
اور اس کو کھا کر جو لذت محسوس کی اس کا ذکر آیندہ بار بار فرماتے تھے، اور کہتے تھے کہ
پھر کسی کھانے میں ایسی حلاوت محسوس نہیں ہوئی، جب گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی
تھی تو ان کی والدہ ماجدہ کہا کرتیں کہ آج ہم لوگ خداوند تعالیٰ کے مہمان ہیں، حضرت
محبوب الٰہی کو اس حکایت سے بڑی لذت ملتی، اور جب ان کے گھر میں آذوقہ ہوتا تو وہ افسوس
کرتے کہ ان کی والدہ ماجدہ یہ نہ کہہ سکیں گی کہ آج ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں حضرت
محبوب الٰہی کی عسرت کی خبر سلطان جلال الدین خلجی کو ملی تو ان کی خدمت میں یہ کہلا بھیجا کہ
اگر وہ حکم دیں تو ان کی خدمت گذاری کے لیے کچھ گاؤں نذر کیے جائیں، مگر حضرت

محبوب الٰہی کے فاقہ مست جان نثاروں نے ان سے عرض کیا کہ آپکے یہاں ہم کبھی کبھی روٹی کھا لیتے ہیں، لیکن یہ گاؤں قبول کر لیے گئے تو اس کے بعد ہم آپکے یہاں پانی پینا بھی پسند نہ کرینگے، یہ جواب سنکر حضرت محبوب الٰہی بے حد محظوظ ہوئے،[1]

اسی زمانہ میں شیخ برہان الدین غریب اور شیخ کمال الدین یعقوب جو آگے چل کر حضرت محبوب الٰہی کے خلیفہ ہوئے، ان کی خدمت میں رہتے تھے، ایک روز چار روز کا مسلسل فاقہ ہو گیا، پڑوس کی ایک نیک بی بی جو حضرت محبوب الٰہی سے بیعت بھی تھیں، کچھ آٹا بھیجا، شیخ کمال الدین یعقوب نے آٹے کو مٹی کے ایک برتن (دیگ سفالین) میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیا، اسی وقت ایک ولق پوش درویش آپہنچا، اور کچھ کھانے کو مانگا، محبوب الٰہی نے دیگ کو خود اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر درویش کے سامنے رکھدیا، اس نے دیگ سے کچھ گرم گرم لقمے منہ میں ڈالے، پھر دیگ کو اٹھا کر زمین پر پٹک دیا، اور یہ کہتا ہوا غائب ہو گیا،

"شیخ فرید الدین گنج شکر نعمت باطنی بشیخ نظام الدین اولیاء ارزانی داشت و من دیگ فقر ظاہری اد شکستم حالا سلطان ظاہری و باطنی شدی"

اس کے بعد حضرت محبوب الٰہی کی عسرت اور تنگی جاتی رہی[2] حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

فتوحات کا حال تھا کہ دولت کا دریا آگے دروازے کے بہتا تھا، کوئی وقت فتوحات سے خالی نہ ہوتا، صبح سے شام تک لوگ آتے بلکہ عشا تک، مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے اور جو کوئی کچھ لاتا اس سے زیادہ حضرت کی عنایت سے پاتا، ایک بار ایک امیر سو تنکہ زر نذر کو لایا، آپ نے قبول نہ فرمائی، جب دیکھا کہ بہت رنجیدہ ہوتا ہے تو سمجھایا

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۱۱۳، ۱۱۴ [2] ایضاً ص ۱۱۳، ۱۱۵ و خزینۃ الاصفیاء ص ۳۰۳ و فرشتہ ج ۲ ص ۳۹۲،

ایک تنکہ قبول کیا، باقی وہ پاس لیے ہوئے غمناک بیٹھا رہا، دل میں کہتا تھا اگر حضرت شیخ سب قبول فرما دیں تو میری سعادت ہے، شیخ نے فرمایا میں نے یہ سب اس لیے قبول نہیں کیے کہ تیرے کام آویں گے، لے جا میرے پاس اور مال ہے، پھر اس سے کہا الٹی طرف دیکھ اس نے نظر کی تو دیکھا تو انبار اشرفیوں کا لگا ہوا ہے، سر قدموں پر رکھ کر جاتے کہہ رہا تھا، آپ نے اسے منع کیا کہ جو کچھ دیکھا ہے اسے دوست مت کہنا، وہ پوشیدہ نہ رکھ سکا، باہر آکر یہ حال لوگوں سے بیان کر دیا[1]" (خیر المجالس اردو ترجمہ ص ۲۰۲، ترجمہ کی عبارت ہو بہو نقل کر دی گئی ہے)

خلوت در انجمن

اسی زمانہ میں سلطان معز الدین کیقباد نے غیاث پور کے پاس کیلو کھڑی میں ایک محل بنوایا، اور ایک شہر آباد کیا، جس میں ایک جامع مسجد بھی بنوائی، اس لیے لوگوں کے ہجوم سے حضرت محبوب الٰہی کی طبیعت گھبرانے لگی، اور کہیں دوسری طرف چلے جانے کا ارادہ کیا، لیکن ایک روز ایک خوش رو نوجوان ان کے پاس آیا، اور یہ دو شعر پڑھے،

روزے کہ تو مہ شدی نمی دانستی — کانگشت نمائے عالمے خواہی بود

امروز کہ زلفت دل خلقے بربود — در گوشہ نشستنت نمی دارد سود

اور کہا:-

"اول مشہور نمی بایستی شد، این کس مشہور شد، اچنان سعی کند کہ در روز قیامت از پیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرمندہ نگردد، از خلق گوشہ گرفتن و بحق مشغول شدن سہل است اما مردانگی و کار مردی آنست کہ خلوت در انجمن باشد و باوجود انبوہ خلق و مشغولی خلل نیفتد[1]"

امراء کی آمد و رفت

بس کہ غیاث پور ہی میں آخر وقت تک مقیم رہے، دربار کی قربت کی وجہ سے امراء کی آمد و رفت بھی ان کے یہاں شروع ہوئی، اور وہ تربیت پا کر مستفیض ہوتے رہے -

---

[1] سیر الاولیا ص ۱۱۱ و سیر العارفین ص ۱۲۵

سیر العارفین کے مصنف کا بیان ہے کہ

"اکثر وہ متمول، وُ ساجد بالکل فسق و فجور تھے، شیخ کی خدمت میں افعال زشت سے تائب ہوکر وہیں رہنے لگے"[١]

امیر خسرو | امیر خسرو کے نانا عماد الملک اور والد بزرگوار امیر سیف الدین لاچین بھی حضرت محبوب الٰہی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، اور دونوں کا پورا خاندان شرف بیعت سے مشرف ہوا، امیر خسرو کی عمر اس وقت جب انھوں نے اپنے محبوب مرشد کے دامن میں پناہ لی، کل آٹھ سال کی تھی، رفتہ رفتہ مرشد کو اس مرید سے اتنا لگاؤ پیدا ہوگیا کہ بارہا فرمایا کرتے کہ

اے ترک من از دیدۂ خود برنجم لیکن از تو نرنجم"[٢]

امیر خسرو پر بھی مرشد کی تربیت کا اتنا اثر ہوا کہ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ چالیس سال تک صائم الدہر رہے، اور عشق الٰہی کی ایسی سوزش ان میں پیدا ہوگئی کہ جب لباس زیب تن کرتے تو بعض تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ سینہ کے پاس کا کپڑا جل جاتا، چنانچہ محبوب الٰہی خود فرماتے ہیں کہ

روز قیامت از ہر کس خواہند پرسید کہ چہ آوردی از من پرسند خواہم گفت کہ سوز سینۂ

این ترک اللہ را[٣]

امیر خسرو کو بھی اپنے مرشد سے کچھ ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہوگیا تھا، کہ ان کی فریفتگی اور شیفتگی آج تک ضرب المثل ہے۔ امیر خسرو صرف ایک بے بدل شاعر اور ادیب تھے بلکہ شاہی دربار سے تعلقات کی بنا پر امیر کبیر بھی تھے لیکن اس کے باوجود وہ کبھی خلوت میں مرشد کے ادنیٰ خادم بن کر رہتے، کبھی جلوت میں خوش الحان قوال کے لباس میں

[١] سیر العارفین ص ٣٢ [٢] خزینۃ الاصفیا ص ٣٣٠ جلد اول، مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) میں یہ الفاظ اس طرح ہیں "از خود تنگ آیم اما از تو تنگ نیایم" [٣] سفینۃ الاولیا ص ١٦٠

مرشد کو اپنی غزلیں سناتے، اور جو شعر مرشد کو پسند آ جاتا، اس کو بیخود ہو کر بار بار گاتے، وہ اپنی شاعری کے سارے کمالات کو محض اپنے مرشد کے لعاب دہن کی برکت سمجھتے تھے، مرشد نے بھی مرید کے شعر و شاعری کے متعلق یہ اشعار موزوں کیے ہیں[1]

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خواست　　ملکیست کہ ملک سخن خسرو راست

این خسرو ماست ناصر خسرو نیست　　زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

مرشد سے امیر خسرو کا عشق اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک بار ایک درویش نے محبوب الٰہیؒ کے پاس آکر سوال کیا، اتفاق سے اس روز لنگر خانہ میں کوئی چیز نہ تھی، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا آج جو کچھ بھی فتوح میں آئے گا تم کو دیا جائے گا، لیکن اتفاق سے اس روز کوئی چیز کہیں سے نہیں آئی، فرمایا کل کی فتوح تمہاری نذر کی جائے گی، دوسرے دن بھی کوئی چیز نہیں آئی، بالآخر حضرت محبوب الٰہیؒ نے اپنے پاؤں کی جوتیاں دے کر درویش کو رخصت کیا، وہ شہر سے باہر نکلا تو امیر خسرو جو بادشاہ وقت کے ساتھ کہیں گئے تھے راستہ میں ملے، اور درویش سے مرشد کی خیریت پوچھی جب درویش باتیں کرنے لگا، تو امیر خسرو نے بے اختیار ہو کر کہا،

"مرا از تو بوئے پیر روشن ضمیر من می آید شاید کہ از شیخ نشانی نزد خود داری"

درویش نے وہ نشانی دکھائی، امیر خسرو بے تاب ہو گئے، اور درویش سے پوچھا کہ ان کو فروخت کرتے ہو، وہ راضی ہو گیا، امیر خسرو کے پاس اس وقت پانچ لاکھ نقرئی تنکے تھے، جو بادشاہ نے ان کو ایک قصیدہ کے صلہ میں عطا کیے تھے، یہ پوری رقم درویش کو دیکر مرشد کے نعلین خرید لیے، اور ان کو اپنے سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت میں حاضر

[1] کہا جاتا ہے کہ محبوب الٰہیؒ نے امیر خسرو کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا تھا، خزینۃ الاصفیا [illegible]

ہوئے، اور عرض کی۔

"درویش بر ہمیں اکتفا کرد، ورنہ اگر تمام جان و مال من بعوض این کشف طلب
می کرد حاضر می کردم"[1]

محبوب الٰہی کو بھی اپنے مرید سے ایسی شیفتگی تھی کہ فرمایا کرتے تھے، کہ اگر شریعت
میں اجازت ہوتی تو میں وصیت کرتا کہ

"او را در قبر من دفن نمایند تا ہر دو یکجا باشیم"[2]

لیکن پھر یہ وصیت فرما گئے کہ

"امیر خسرو بعد از من نخواہد زیست، چون رحلت کند پہلوئے من دفن کنند کہ
او صاحب اسرار منست و من بے او قدم در بہشت نہم"[3]

امیر خسرو مرشد کی رحلت کے وقت دہلی سے دور سلطان محمد تغلق کے ساتھ بنگالہ کی
کی مہم پر تھے، محبوب الٰہی کا وصال ہوا تو یکایک امیر خسرو کے دل پر ایک عجیب کیفیت
طاری ہو گئی، اور وہ بادشاہ سے اجازت لے کر چل کھڑے ہوئے، دہلی پہنچکر معلوم
ہوا کہ حضرت محبوب الٰہی اپنے محبوب سے جا ملے، یہ سن کر بے تاب ہو گئے، اپنی ساری
ملکیت مرشد کے ایصال ثواب کے لیے فقراء و مساکین پر لٹا دی، اور ماتمی لباس پہنکر
مزار پر انوار پر پہنچ گئے، اس سے سر ٹکرا کر ایک چیخ ماری کہ

"سبحان اللہ آفتاب در زیر زمین و خسرو زندہ"[4]

اور یہ کہکر بیہوش ہو گئے، اور اسی اندوہ و غم میں چھ مہینے کے بعد عالم بقا کو سدھارے لیکن
وفات کے بعد مرشد کے پہلو میں دفن نہ کیے جا سکے، فرشتہ کا بیان ہے:

[1] خزینۃ الاصفیا ص ۳۳۱ [2] سفینۃ الاولیا ص ۱۰۰ [3] [4] و [5] فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۳ [6] سفینۃ الاولیا ص
و مونس الارواح،

"چون امیر خسرو فوت شد خواستند کہ بموجب وصیت پہلوے قبر شیخ درون گنبد دفن کنند یکے از خواجہ سرایان کہ منصب وزارت داشت و مرید شیخ بود مانع شد کہ بعضے مریدان شیخ و امیر خسرو مشتبہ خواہد شد، پس او را در پایان شیخ بر چبوترہ یاران مدفون ساختند"[1]

دربار شاہی سے بے نیازی حضرت محبوب الٰہیؒ نے بادشاہوں کی صحبت سے ہمیشہ کنارہ کشی اختیار کی، اور ان سے کسی حال میں بھی ملنا پسند نہیں فرمایا، سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت محبوب الٰہی کے شرف ملاقات کی بڑی تمنا تھی، لیکن یہ تمنا پوری نہیں ہوئی، امیر خسرو اس کے دربار سے متعلق تھے، اور انھوں نے وعدہ کیا کہ حضرت کی اجازت کے بغیر وہ ان کی خدمت میں سلطان کو لے جائیں گے، سلطان خوش تھا کہ اسی طرح نیاز حاصل ہو جائے گا، امیر خسرو نے اپنے ولی نعمت سے وعدہ کرنے کو تو کر لیا، لیکن دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں مرشد کو یہ ناگوار نہ ہو، سلطان جلال الدین نے امیر خسرو سے اس واقعہ کو راز میں رکھنے کے لیے کہا تھا، مگر سلطان کے امراء کے خلاف انھوں نے اپنے مرشد کی خدمت میں عرض کیا کہ سلطان آنا چاہتے ہیں، محبوب الٰہی اسی وقت شہر چھوڑ کر اپنے مرشد سے ملنے اجودھن روانہ ہو گئے، سلطان جلال الدین کو خبر ملی تو امیر خسرو سے باز پرس کی کہ یہ راز کیوں فاش کیا، امیر خسرو نے عرض کیا کہ اگر آپ رنجیدہ ہوتے تو زیادہ سے زیادہ میری جان کا خطرہ ہے، لیکن مرشد آزردہ ہوتے تو میرے ایمان کا خطرہ تھا، سلطان جلال الدین خلجی کو یہ جواب بہت پسند آیا[2]

خلجی دربار کے امراء میں محمد کاشف حاجب اور ملک قرابیگ ترک بھی حضرت محبوب الٰہیؒ

---

[1] فرشتہ ج ۲ ص ۴۰۴، مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) میں ہے کہ امیر خسرو نے اپنے مرشد کے وصال کے ساڑھے تین مہینے کے بعد انتقال کیا، [2] سیر الاولیا ص ۳۰۵

کے معتقدین میں تھے، ایک بار کاشف علاء الدین خلجی کی جانب سے پچاس ہزار نقرئی ٹنکے نذرانے میں لایا یہ رقم وہ اس وقت لے کر پہنچا جب محبوب الٰہی رشد و ہدایت کے سلسلے میں کسی عقدہ کے حل کرنے کے وعدہ کا ایفا کرنے والے تھے، رقم دیکھکر فرمایا، بادشاہ کے انعام کی طرف توجہ کروں یا عہد پورا کروں، مریدین نے عرض کی،

"وفائے عہد بہتر از بہشت بہشت ست، چہ جائے کہ پنجاہ ہزار تنکہ"[1]

سلطان علاء الدین خلجی نے جب ملک کافور کو ورنگل کی فتح کے لیے بھیجا، تو کچھ دنوں تک سلطان کو اس مہم کے متعلق کسی قسم کی خبر نہ ملی، حالت اضطراب میں قاضی مغیث الدین بیانوی اور ملک قرابیگ کو بھیجکر محبوب الٰہی کی خدمت میں یہ پیام کہلایا:

"شما را غم اسلام بیش از من ست، اگر بیامن نور باطن حقیقی کیفیتی معلوم شده باشد اشاره نمایند که خاطر از نرسیدن خبر لشکر گران ست"[2]

محبوب الٰہی نے بشارت دی:۔

"ورائے ایں فتح فتحہائے دیگر متوقع ست"[3]

چنانچہ اسی روز ورنگل کی فتح کی خبر ملی، سلطان علاء الدین نے خوشی میں سلطان الاولیا کی خانقاہ کے لیے پانچ سو اشرفیاں بھیجیں، ملک قرابیگ اشرفیاں لیکر پہنچا تو اس کو دیکھکر ایک خراسانی قلندر نے محبوب الٰہیؒ سے کہا کہ "الہدایا مشترک" (یعنی ہدیہ مشترک ہوتا ہے)، محبوب الٰہیؒ نے جواب دیا، "تنہا خوشتر ک"، (یعنی تنہا ایک ہی شخص کو مل جائے تو اس سے بہتر ہے) یہ کہکر تمام اشرفیاں قلندر کے حوالہ کر دیں،[4]

---

[1] فرشتہ ج دوم ص ۳۹۴ و سیر العارفین ص ۱۳۴ [2] فرشتہ ج اول ص ۱۱۹ و تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی ص ۳۳۴ [3] ایضاً [4] سیر العارفین ص ۱۴۳

ملک قرابیگ کو علاءالدین نے یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ محبوب الٰہی کو محفل سماع میں جس شعر پر وجد آئے، اس کو وہ لکھ لیا کرے، اور آکر سنایا کرے، مراۃ الاسرار کے مصنف کا بیان ہے کہ ان اشعار کو سن کر علاءالدین کو قلبی راحت محسوس ہوتی تھی[1]۔ ایک بار محبوب الٰہی کو حکیم سنائی کے ان دو شعروں پر وجد آیا:-

بیش منما جمال جان افروز — ور نمودی بپو سپندار بسوز

آن جمال تو چیست ہستی تو — وان سپند تو چیست ہستی تو

حسب معمول قرابیگ ان کو لکھ کر سلطان علاءالدین خلجی کے پاس پہنچا[2]، سلطان ان اشعار کو بار بار پڑھتا آنکھوں سے لگاتا اور تعریف کرتا تھا، قرابیگ نے سلطان کی یہ عقیدت دیکھ کر کہا "اس حسن عقیدت کے باوجود آپ نے شیخ سے اب تک ملاقات نہیں کی ہے، جو تعجب کا باعث ہے" سلطان نے جواب دیا:-

"اے قرابیگ ترک ما بادشاہیم از سرتا پا آلودہ دنیا و بدین آلودگی شرم می آید مرا کہ آنجناب پاکی را ببینم"

لیکن اسی وقت اپنے جگر گوشوں خضر خان اور شادی خان کو محبوب الٰہی کے دامن ارادت سے وابستہ ہونے کے لیے دو لاکھ تنکے کے ساتھ بھیجا، دونوں مرید ہو کر محبوب الٰہی کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے، خضر خان ہی نے خانقاہ کی عمارت بنوائی ہے۔

خضر خان محبوب الٰہی کے حلقۂ ارادت میں آچکا تو تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ایک بار سلطان علاءالدین خلجی نے شیخ کے امتحان کی غرض سے ان کی خدمت میں

---

[1] مونس الارواح (قلمی نسخہ دارالمصنفین) سیر العارفین ص ۳۶۔۵۳۱ مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دارالمصنفین

[2] فرشتہ ج دوم ص ۳۹۷ و سیر العارفین ص ۱۳۶

امور سلطنت کی اصلاح کے متعلق چند فصلیں لکھیں جن میں ایک فصل کا مضمون یہ تھا کہ چونکہ حضرت شیخ تمام دنیا کے مخدوم ہیں، اور دین و دنیا میں جس شخص کو کوئی ضرورت ہوتی ہے ان کی خدمت سے پوری ہوتی ہے، اور خداوند تعالیٰ نے دنیا کی سلطنت کی باگ ہمارے ہاتھ میں دی ہے، تو ہم کو چاہیے کہ جو کام اور جو مصلحت سلطنت میں پیش آئے، حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کریں، تاکہ جس چیز میں ملک کی بھلائی اور ہماری بہتری ہو اس سے مطلع فرمائیں، اس لیے چند فصلیں اس باب میں شیخ کی خدمت میں بھیجی جاتی ہیں، ان میں جو اچھی باتیں ہوں ان کے نیچے لکھ دیں، تاکہ ہم ان پر عمل کریں،

اس کاغذ کو خضر خاں کے ذریعہ جو اس کے تمام لڑکوں میں زیادہ محبوب اور شیخ کا مرید تھا شیخ کی خدمت میں بھیجا، جب خضر خاں نے اس کاغذ کو شیخ کے ہاتھ میں دیا، تو انھوں نے اس کو نہیں پڑھا، اور حاضرین مجلس سے کہا کہ ہم فاتحہ پڑھتے ہیں، پھر فرمایا کہ فقیروں کو بادشاہوں کے کام سے کیا مطلب، میں ایک فقیر ہوں، اور شہر سے الگ ایک گوشہ میں رہتا ہوں، اور بادشاہوں اور مسلمانوں کی دعاگوئی میں مشغول ہوں، اس لیے بادشاہ اس کے بعد مجھ سے کہے گا تو میں اس جگہ سے بھی چلا جاؤں گا، خدا کی زمین کشادہ ہے، جب یہ خبر سلطان علاء الدین کو پہنچی تو خوش ہو کر معتقد ہو گیا، اور کہلا بھیجا کہ اگر قبول فرمائیں تو میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوں، شیخ نے فرمایا کہ آنے کی ضرورت نہیں میں غائبانہ دعا میں مشغول ہوں، اور غائبانہ دعا اثر رکھتی ہے، سلطان علاء الدین نے ملاقات کیلیے پھر اصرار کیا، تو شیخ نے کہلا بھیجا کہ اس ضعیف کے گھر میں دو دروازے ہیں، اگر بادشاہ ایک دروازہ سے تشریف لائیں گے، تو میں دوسرے دروازہ سے باہر نکل جاؤں گا۔[1]

---

[1] اخبار الاخیار ص ۵۶-۵۵، نیز دیکھو سیر الاولیار ص ۱۳۲-۱۳۳؛

سلطان علاء الدین خلجی کی ایک نئی تصویر

اوپر کی سطروں سے سلطان علاء الدین خلجی کو محبوب الٰہیؒ سے جو عقیدت تھی اس کا اندازہ ناظرین کو ہوا ہوگا، موجودہ دور کی تاریخوں میں سلطان علاء الدین خلجی کی بہت ہی بھیانک تصویر کھینچی گئی ہے، لیکن اولیاء اللہ اس کو کن نظروں سے دیکھا کرتے تھے، اس کا ذکر شاید یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، حضرت محبوب الٰہی کی وفات کے بعد حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی مجلس میں ایک بار علاء الدین خلجی کا ذکر آیا تو حضرت چراغ دہلی نے فرمایا کہ ملک التجار قاضی حمید الدین جب اودھ آئے تو ایک دعوت میں مجھکو بھی بلایا، دعوت کے بعد جب تمام لوگ رخصت ہو گئے تو میں تنہا رہ گیا، اثنائے گفتگو میں قاضی حمید الدین نے کہا کہ ایک بار میں نے علاء الدین کو پلنگ پر برہنہ سر پاؤں زمین پر لٹکائے ہوئے بیٹھا دیکھا جو فکر میں غرق اور مبہوت تھا، میں سامنے پہنچا تو بادشاہ کو بالکل خبر نہیں ہوئی، میں نے باہر آکر ملک فرید بک سے کہا کہ آج بادشاہ کو میں نے اس حال میں دیکھا ہے، تم بھی چلکر دیکھو، میرے ساتھ وہ اندر گیا تو بادشاہ کو باتوں میں لگایا، پھر عرض کیا امیر المومنین! حکم ہو تو کچھ بیان کروں، بادشاہ نے اجازت دی تو میں (یعنی قاضی حمید الدین) آگے بڑھا اور عرض کیا کہ میں اندر آیا تھا تو دیکھا حضور برہنہ سر پریشان حال اور فکر مند ہیں، آپ کو کس بات کی فکر ہے، بادشاہ نے کہا سنو مجھکو چند روز سے یہ فکر ہے کہ مجھکو اللہ تعالےٰ نے اپنی مخلوق کا حاکم بنایا ہے، اب کچھ ایسا کام کرنا چاہیے کہ مجھ سے تمام مخلوق کو نفع پہنچے سوچا کیا کروں، اگر اپنا خزانہ تقسیم کر دوں تو بھی مخلوق کو نفع نہ ہوگا، اب ایک بات یہ سوچی ہے کہ غلہ کی ارزانی کی تدبیر کروں، اس سے مخلوق کو ضرور فائدہ پہنچے گا، اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ بنجاروں کے نائکوں کو حکم دوں کہ وہ حاضر ہوں، اور وہ جو غلہ اطراف ملک سے ہزاروں بیلوں پر لاتے ہیں، اس کی قیمت اپنے خزانے سے ادا کر دوں، اور ان کو

خانگی خرچ کے لیے علٰحدہ سے روپیے دوں تاکہ وہ بے فکر رہیں، اور اطراف ملک سے غلہ لاکر میرے نرخ مقررہ کے مطابق فروخت کریں، قاضی حمید الدین نے یہ واقعہ بیان کرکے کہا کہ غرض یہی بات کی گئی، شاہی فرمان جاری ہوئے، خلعت، خرچ اور قیمت شاہی خزانے سے ادا کی گئی، اور غلہ بکثرت آنے لگا، چند روز کے بعد گیہوں سات جیتل من بکنا شروع ہوا، گھی، شکر اور دوسری چیزیں بھی ارزاں ہوئیں اور تمام لوگ آسودہ رہنے لگے، یہ قصہ بیان کرکے حضرت چراغ دہلیؒ نے فرمایا کہ سلطان علاء الدین خلجی عجیب غریب پرور اور خدا ترس بادشاہ تھا، مجلس کے حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ لوگ اس کی قبر پر زیارت کو جاتے ہیں، اور اپنی مراد کی ڈوری اس کے مزار پر باندھ آتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کی حاجتیں بر لاتے ہیں، حضرت چراغ دہلیؒ کے ملفوظات کے کاتب شیخ حمید شاعر نے بھی اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کیا کہ ایک روز جمعہ کی نماز کے بعد سلطان علاء الدین کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا، مجھکو کوئی حاجت نہ تھی، لیکن پھر بھی اپنی دستار سے ایک دھاگا نکال کر مزار پر باندھ آیا، رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ تیری کیا حاجت ہے، میں نے کہا مجھے کوئی حاجت نہیں[1]،

علاء الدین خلجی کے عہد میں محبوب الٰہیؒ کے فیوض و برکات	محبوب الٰہیؒ کے فیوض و برکات

سے ملک میں عام انقلاب پیدا ہوا، اس کی تصویر ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں کھینچی ہے، اس میں پہلے تو بعض اور مشائخ کے اثرات کا ذکر ہے، پھر محبوب الٰہیؒ کی نظر کیمیا اثر اور صحبت روح پرور سے خواص و عوام میں جو غیر معمولی تبدیلیاں پیدا ہوئیں، ان کی تفصیل یہ ہے:-

---

[1] خیر المجالس مجلس ہفتاد و ہفتم

سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ مین سے سجادۂ تصوف شیخ الاسلام
نظام الدین، شیخ الاسلام علاء الدینؒ، اور شیخ الاسلام رکن الدینؒ سے آراستہ تھا،
ایک دنیا ان کے انفاسِ متبرکہ سے روشن ہوئی اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا
ہاتھ پکڑا، اور ان کی مدد سے گناہگارون نے توبہ کی، اور ہزارون بدکارون اور
بے نمازیون نے بدکاری سے ہاتھ اٹھا لیا، اور ہمیشہ کے لیے پابند نماز ہوگئے، اور
باطنی طور پر دینی مشغلے کی طرف رغبت ظاہر کی، اور توبہ صحیح ہوگئی، اور عبادات لازمہ
اور متعدیہ کا معمول ہوگیا، اور دنیا کی حرص و محبت جو انسانون کے فوائد اور فخر
کی بنیاد ہے، ان مشائخ کے اخلاق حمیدہ اور ترک و تجرید کے معاملات کے دیکھنے
سے دلون سے کم ہوگئی، اور سالکون کو نوافل اور وظائف کی کثرت اور اوصاف
عبودیت کی پابندی سے کشف و کرامات کی آرزو دل مین پیدا ہونے لگی، اور ان
بزرگون کی عبادات و معاملات کی برکت سے لوگون کے معاملات مین سچائی پیدا
ہوگئی، اور ان کے مکارم اخلاق و مجاہدہ و ریاضت کے دیکھنے سے اللہ والون
کے دلون مین اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور ان دینی بادشاہون کی
محبت اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا مین ہونے لگی،
اور آسمانی مصیبتون کے دروازے بند ہوگئے، اور ان کے زمانہ کے لوگ قحط و وبا
کی مصیبت مین مبتلا اور گرفتار نہین ہوئے، اور ان کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت
گذاری کی برکت سے مغلون کا فتنہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا، ایسا فرو ہوا، اور یہ تمام ملاعین
اس قدر آوارہ اور تباہ ہوئے کہ اس سے زیادہ نہین ہو سکتے تھے، اور یہ تمام باتین
جو ان تینون بزرگون کے وجود سے ان کے معاصرین کو نظر آئین، وہ شعار اسلام

کی بلندی کا ذریعہ بن گئین، اور احکام شریعت و طریقت سے جو رونق و رواج حاصل
ہوا اس کا کیا کہنا، کتنا عجیب زمانہ وہ تھا، جو سلطان علاء الدین کے آخری دسوین
سال مین نظر آیا، ایک طرف سے سلطان علاء الدین نے ملک کی بہتری کے لیے
تمام نشّی اور ممنوع چیزون کو اور فسق و فجور کے اسباب کو قہر و غلبہ، تعزیر و تشدد
اور قید و بند سے روک دیا، اور مال جو دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ اور ہوا پرستون
کیلیے گناہون کا آلہ اور حریصون، بنیادون اور تاجرون کے لیے سود، ذخیرہ اندوزی
کا سامان اور فتنہ پردازون کے لیے بغاوت کی استعداد اور نیکون کے لیے کفرانِ نعمت
غفلت اور کسل مندی پیدا کرنے والا ہے، اور عبادت گذارون کے لیے نسیان
و فراموشی کا باعث ہے، سلطان علاء الدین ہر ہاتھ سے کہ جو اس کو ملتا، اندازون
اور حکام سے سختی سے لے لیتا، اور بازار والون کو کہ دنیا کی تمام قومون مین سب سے زیادہ
جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم ہے، سچائی اختیار کرنے پر
سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور سچ کہنے کے لیے خوف و خطر مین رکھتا تھا، دوسری طرف
اسی زمانہ مین شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت کا عام دروازہ کھول رکھا تھا،
اور گناہ گارون کو خرقہ پہناتے، اور ان سے توبہ کراتے تھے، اور اپنی مریدی مین
قبول کرتے تھے، اور خاص و عام، غریب و دولتمند، بادشاہ و فقیر، عالم و جاہل، شریف
و رذیل، شہری اور دیہاتی، غازی و مجاہد، آزاد و غلام، سب کو طہارت و تقویٰ اور
پاکی کی تعلیم دیتے تھے، اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے، بہت سے
گناہون سے باز آتے تھے، اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہو جاتی تھی، تو پھر
از سرِ نو بیعت کر لیتے، اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے، اور شیخ کی مریدی کی شرم

تمام لوگون کو بہت سی ظاہری و باطنی برائیون سے روک دیتی تھی اور عام طور پر لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے، مرد، عورت، بوڑھے، جوان، بازاری، عامی، غلام اور نوکر سب نماز ادا کرتے تھے، اور زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہو گئے تھے، آزاد اور نیک کام کرنے والون نے شہر غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے قائم کر دیے تھے، چھپر ڈال دیے تھے، کنوین کھدوا دیے تھے، پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیے تھے، چٹائیان بچھوا دی تھین، ہر چبوترہ اور ہر چھپر مین ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کر دیا تھا، تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگون کو شیخ کے آستانہ تک آنے جانے مین نماز ادا کرنے کے وقت وضو کرنے کے لیے کوئی تردد نہ ہو، اور چبوترہ اور چھپر مین نفل پڑھنے والے نمازیون کا ہجوم دیکھا جاتا تھا، ارتکاب گناہ لوگون کے درمیان کم ہو گیا تھا، اور اکثر آدمیون کے درمیان چاشت، اشراق، اوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعات نماز کی تحقیقات زیادہ تھی کہ ان نوافل مین ہر وقت کتنی رکعتین ادا کرتے ہین، اور ہر رکعت مین کلام پاک کی کونسی سورہ اور کونسی آیت پڑھتے ہین۔ ...... پنجگانہ نمازون اور ہر نفل سے فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائین آئی ہین، اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدون سے غیاث پور کی آمد و رفت کے وقت پوچھتے تھے کہ شیخ رات کی نماز مین کتنی رکعتین پڑھتے ہین، اور ہر رکعت مین کیا پڑھتے ہین، اور عشا کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار درود بھیجتے ہین، اور شیخ فریدؒ اور شیخ بختیارؒ رات دن مین کتنی بار درود بھیجتے تھے، اور کتنی بار قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے، نئے مرید شیخ کے قدیم مریدون سے اسی قسم کے سوالات کرتے تھے،

روزے نوافل اور تقلیل طعام کے متعلق پوچھتے تھے، اس نیک زمانہ مین اکثر آدمیون کو حفظ قرآن کا ذوق پیدا ہو گیا تھا، نئے مرید شیخ کے پرانے مریدون کی صحبت مین رہتے تھے، پرانے مریدون کو طاعت، عبادت، ترک تعلق، تصوف کی کتابون کے پڑھنے، مشائخ کے اوصاف حمیدہ اور ان کے معاملات کے بیان کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا، دنیا اور دنیادارون کا ذکر ان کی زبان پر نہین آتا تھا کسی دنیادار کے گھر کی طرف اپنا رخ نہین کرتے تھے، دنیا اور اہل دنیا کے میل جول کی حکایت نہین سنتے تھے، اور اس کو عیب اور گناہ جانتے تھے، کثرت نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ مین اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ بادشاہ کے محل مین بہت سے امرار، سلاحدار، لشکری، شاہی نوکر، شیخ کے مرید ہوتے تھے، اور چاشت و اشراق کی نمازین ادا کرتے تھے، ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے، اور کوئی محلہ ایسا نہین تھا جس مین ایک مہینہ میں دن کے بعد صلحار کا اجتماع نہین ہوتا تھا، اور صوفیون کی محفل سماع نہین ہوتی تھی، اور باہم گریہ و زاری نہین کرتے تھے، شیخ کے چند مرید تراویح کی نمازین مسجدون اور گھرون مین ختم قرآن کرتے، وہ لوگ جو مستقیم الحال ہو چکے تھے، رمضان، جمعہ اور تہوارون کی راتون مین قیام کرتے اور صبح تک بیدار رہتے، پلک کو پلک سے نہین لگنے دیتے، شیخ کے مریدون میں سے بڑے درجہ کے مرید تمام سال رات کے ایک یا دو تہائی حصے تہجد کی نمازین گذارتے، بعض عبادت گذار عشا کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے، شیخ کے مریدین مین سے چند آدمیون کو مین جانتا ہون کہ شیخ کے فیض نظر سے صاحب کشف و کرامات ہو گئے تھے، شیخ کے مبارک وجود ان کے انفاس پاک کی برکت، ان کی مقبول دعاؤن کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی

ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے، سلطان علاء الدین اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ ہی کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا، خواص و عوام کے دلوں نے نیکی اختیار کر لی تھی، عہد علائی کے آخر چند سالوں میں شراب، معشوق، فسق و فجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پایا، بڑے بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مثابہ معلوم ہونے لگے تھے، مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خواری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہیں ہو سکتے تھے، بازار والوں سے جھوٹ بولنے، کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا تھا، اکثر طالب علموں اور بڑے بڑے لوگوں کی رغبت جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے تصوف اور احکام طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہو گئی تھی، قوت القلوب، احیاء العلوم، ترجمۂ احیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالۂ قشیری، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح و لوامع قاضی حمید الدین ناگوری، فوائد الفواد میر حسن سجزی کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے، زیادہ تر لوگ کتب فروشوں سے سلوک و حقائق کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے، کوئی پگڑی ایسی نہ تھی جس میں مسواک اور کنگھی لٹکی نظر نہ آتی تھی، صوفیوں کی کثرت خریداری کی وجہ سے لوٹا اور چرمی طشت گران ہو گئے تھے، حاصل کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدینؒ کو پچھلی صدیوں میں شیخ جنید اور شیخ بایزیدؒ کے مثل پیدا کیا تھا۔[1]

حضرت محبوب الٰہیؒ اور قطب الدین خلجی

سلطان علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد قطب الدین مبارک شاہ ملک کافور کی مدد سے خضر خان اور شادی خان کو قتل کر کے تخت نشین ہوا، خضر خان اور شادی خان محبوب الٰہی کے خاص اور عزیز مریدوں میں تھے، اس لیے سلطان

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی ص ۳۴۶ – ۳۴۷

قطب الدین ان سے بدگمان ہوگیا، اور پھر اس کی یہ بدگمانی عداوت میں تبدیل ہوگئی، اور مصلحتاً وہ پہلے سہروردیہ سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ ضیاء الدین رومی کا مرید ہوگیا، اور حضرت محبوب الٰہیؒ کی دشمنی کا کھلم کھلا اظہار کردیا، اس وقت محبوب الٰہی کے لنگر خانہ کا خرچ روزانہ دو ہزار ٹنکہ تھا، درویشوں اور مسکینوں کو داد و دہش اس خرچ کے علاوہ تھی، سلطان قطب الدین کے بعض مفسد امراء نے اس کے کان بھرے کہ یہ تمام اخراجات ان امراء کے نذرانے کی رقم سے پورے ہوتے ہیں، جو خانقاہ میں آیا جایا کرتے ہیں، اس لیے قطب الدین نے خانقاہ میں امراء کی آمد و رفت سختی سے روک دی، مگر اس سے لنگر خانہ کے اخراجات پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑا، اور سارے اخراجات غیبی امداد سے پورے ہوتے رہے، حضرت خواجہ نصیر الدین فرماتے ہیں،

ایک بار سلطان قطب الدین کو کسی بدخواہ نے کہا کہ شیخ تمھاری فتوحات قبول نہیں کرتے، اور امراء اور سرداروں کے لائے ہوئے فتوحات قبول کر لیتے ہیں، آخر وہ سب بھی تو آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں، سلطان قطب الدین نے صحیح جان کر حکم دیا کہ کوئی امیر یا سردار شیخ کے یہاں نہ جائے دیکھیں وہ اسقدر دعوت لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں، اور جاسوس مقرر کیے کہ دیکھتے رہیں جو امیر وہاں جاوے مجھ سے آکر اطلاع کریں، جناب شیخ نے جب یہ سنا فرمایا کھانا آج سے زیادہ پکایا جائے ایک مدت کے بعد سلطان نے لوگوں سے دریافت کیا کہ خانقاہِ شیخ کا کیا حال ہے، انھوں نے عرض کی کہ سابق جس قدر پکتا تھا، اب اس سے دوگنا پکتا ہے، بادشاہ یہ سنکر پشیمان ہوا، کہا میں غلطی پر تھا، ان کا معاملہ عالم غیب سے ہے۔[1]

---

[1] خیر المجالس اردو ترجمہ ص ۲۰۳-۲۰۲، ترجمہ کی عبارت بجنسہٖ نقل کردی گئی ہے،

پھر بھی قطب الدین کی پرخاش بڑھتی گئی اور اس نے محبوب الٰہی کو اپنے دربار مین حاضر ہونے کا حکم دیا، مگر محبوب الٰہیؒ نے اس حکم کا جواب دیا :-

من مرد منزوی ام جائے نمی روم، نیز رسم و عادت ہر سلسلہ نوعی باشد، قاعدہ بزرگان ما نبودہ کہ بدیوان روند، و مصاحب پادشاہان شوند، درین باب معذور دارید و بجا خود بگذارید"

لیکن مغرور بادشاہ نے اس عذر کو قبول نہین کیا، اور حکم دیا کہ ہفتہ مین دو بار دربار مین آیا کرین، محبوب الٰہی نے بادشاہ کے پیر شیخ ضیاء الدین رومی کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ وہ اپنے مرید کو سمجھائین، کہ درویشون کو رنج پہنچانا کسی مذہب مین روا نہین، مگر اس پیام کے پہنچنے سے پہلے شیخ ضیاء الدین رومی کا انتقال ہوگیا، اور ان کی فاتحہ خوانی کے لیے ان کے مقبرہ مین بادشاہ اور اسکے اکابر امراء شریک ہوئے، محبوب الٰہی نے بھی اس مجلس مین شرکت کی، جس وقت وہ تشریف لائے، تمام حاضرین تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، محبوب الٰہیؒ نے بادشاہ کو سلام کیا، اس نے جواب نہین دیا، لیکن اس نے دیکھا کہ تمام حاضرین ان کو سر آنکھوں پہ بٹھا رہے ہین، اس سے اس کی حسد اور بھی بڑھ گئی، اور مجلس کے ختم ہونے کے بعد ایک محضر کے ذریعہ ہر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ کو محبوب الٰہی کو دربار مین حاضر ہونے کا حکم جاری کیا، شیخ عماد الدین طوسی، شیخ وحید الدین قندزی، مولانا برہان الدین اور دوسرے اکابر یہ محضر لے کر محبوب الٰہیؒ کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور گذارش کی کہ بادشاہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اس کی ناعاقبت اندیشی ہے، پھر بھی وہ (یعنی محبوب الٰہیؒ) دربار مین تشریف لاکر ایک فتنہ کو روک دین، محبوب الٰہیؒ نے یہ کہکر ان کو رخصت کیا کہ

"ببینم چہ بظہور می پیوندد"

انھوں نے واپس جاکر سلطان کو اطمینان دلایا کہ محبوب الٰہیؒ دربار میں آنے کے لیے راضی ہوگئے ہیں، وہ خوش تھا کہ شیخ نے اس کی اطاعت قبول کرلی ہے لیکن قمری مہینہ کی پہلی تاریخ سے کچھ روز پہلے محبوب الٰہیؒ نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ میں اپنے مرشدوں کے خلاف دستور کوئی کام نہ کروں گا، اس سے مریدوں میں بڑی سراسیمگی اور پریشانی پیدا ہوگئی کہ سلطان الاولیاء اور سلطان دہلی کے تصادم سے ایک بڑی مصیبت بپا ہوجائے گی، مگر محبوب الٰہیؒ کو کشف ہوچکا تھا کہ وہ نہ دربار جائیں گے، اور نہ کوئی تصادم ہوگا، چنانچہ سلطان قطب الدین جس روز دربار میں محبوب الٰہی کی آمد کا منتظر تھا، اسی روز محل کے اندر شورش ہوئی اور خسرو خان کے ہاتھ وہ قتل ہوا،

خسرو خان تخت نشین ہوا، تو اس نے اپنی سیہ کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ملک میں روپیے تقسیم کیے، مشائخ کرام کے پاس بھی روپیے بھجوائے، محبوب الٰہیؒ کے پاس بھی پانچ لاکھ ٹنکے پہنچے، انھوں نے اسی وقت ساری رقم فقراء میں تقسیم کردی، چار مہینے کے بعد غیاث الدین تغلق نے خسرو خان کی سرکوبی کی، اور خود تخت پر بیٹھا، جن لوگوں کو خسرو نے روپیے دیے تھے، ان سے غیاث الدین تغلق نے واپس مانگے، اس حکم پر دوسرے مشائخ نے روپیے واپس کردیے، لیکن محبوب الٰہیؒ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی،

سلطان غیاث الدین تغلق اور محضر سماع

سلطان غیاث الدین تغلق طبعاً "دین دار"، "دین پرور"، "حق گزار" اور حق شناس واقع ہوا تھا، چنانچہ مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ

"از بہر اجرای احکام شریعت قاضیان و مفتیان و دادبیگ و محتسبان عہد اورا آبروی بس بسیار و آشنائی تمام پیدا آمدہ بود"[1]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۴۱،

سلطان کی اس دینداری اور شریعت کی پابندی سے فائدہ اٹھاکر علماے ظاہر نے اس سے سماع کی ممانعت میں ایک عام شاہی حکم جاری کرادیا لیکن محبوب الٰہیؒ کے یہاں محفل سماع بدستور جاری رہی، جاہ طلب علماء نے ان کے خلاف شورش کی تو سلطان غیاث الدین تغلق نے ایک محضر طلب کیا، جس میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لیے تمام مشائخ و علماء جمع کیے گئے، محبوب الٰہیؒ بھی اس مجلس میں شریک ہوئے، بحث شروع ہوئی تو دونوں طرف سے سماع کی اباحت اور حرمت کے دلائل پیش کیے گئے، چاشت کے وقت سے زوال آفتاب تک مناظرہ قائم رہا، مباحثہ میں بڑی گرما گرمی رہی، محبوب الٰہیؒ نے نفس غنا کے جواز میں جب حدیثیں پیش کیں تو علماے احناف نے کہا کہ تم مقلد ہو، تم کو حدیث سے کیا مطلب، اگر فقہ حنفی کی روایت ہو تو پیش کرو، یہ سن کر محبوب الٰہیؒ نے فرمایا، وہ ملک کیونکر آباد رہے گا جس میں لوگوں کی راے کو احادیث نبوی پر ترجیح دی جاتی ہو، بالآخر شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے نواسے مولانا علم الدین نے جو اپنے زمانہ کے جید عالم تھے، اور جن کا سلطان غیاث الدین تغلق بھی معتقد تھا، محبوب الٰہیؒ کی موافقت یعنی سماع کی اباحت میں فیصلہ دیا، جس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے محبوب الٰہی کو اعزاز واکرام کے ساتھ مجلس سے رخصت کیا، محبوب الٰہی خانقاہ واپس تشریف لائے تو ظہر کی نماز کے وقت مولانا ضیاء الدین برنی، مولانا محی الدین کاشانی اور امیر خسرو سے مخاطب ہو کر فرمایا،

"دہلی کے فقہا میری عداوت اور حسد سے بھرے ہوئے تھے، انھوں نے وسیع میدان پایا، اور عداوت سے بھری ہوئی بہت سی باتیں کہیں، اور آج ایک تعجب انگیز بات دیکھی گئی کہ استدلال کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثیں نہیں سنتے تھے، اور مجھ سے کہتے تھے، کہ ہمارے شہر میں فقہی روایات پر عمل کرنا حدیث سے مقدم سمجھا جاتا ہے"

اور اس قسم کی باتین وہ لوگ کہتے ہین جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر اعتقاد نہین، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح بیان کی گئی تو برہم ہوئے، اور منع کیا اور کہا کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہین، اور وہ ہمارے علمار کے دشمن ہین، ہم نہین سنتے اور نہین جانتے کہ وہ عقیدہ رکھتے ہین یا نہین، حاکم کے سامنے وہ (یعنی شہر کے فقہا) مغرورانہ بحث کرتے ہین اور صحیح احادیث کو نہین مانتے ۔ مین نے کوئی عالم ایسا نہ دیکھا اور نہ سنا کہ اس کے سامنے حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثین بیان کی جائین اور وہ کہے کہ ہم نہین سنتے اور نہین جانتے، یہ کیسا زمانہ ہے؟ یہ شہر جس کے اندر ایسی مغرورانہ بحث ہو کیسے آباد رہ سکتا ہے، عجب نہین کہ اسکی اینٹ سے اینٹ بج جائے، بادشاہ، امرا، اور عوام، قاضی شہر اور علماے شہر سے یہ سنکر کہ اس شہر مین حدیث پر عمل نہین ہوتا کیسے پیغمبر علیہ السلام کی حدیثون پر راسخ اعتقاد رکھ سکتے ہین مین ڈرتا ہون کہ شہر کے علمار کی اس بد اعتقادی کی وجہ سے کہین شہر پر بلا، جلا، قحط و وبا نہ آئے ۔ (سیر الاولیا، ص ۵۳۲-۵۳۱)

سیر الاولیا، کے مصنف سید مبارک امیر خورد کا بیان ہے کہ اس کے چار سال کے بعد شہر دہلی قحط و وبا سے واقعی تباہ ہو گیا، جبکہ سلطان محمد تغلق نے اپنا دار السلطنت دیو گیر منتقل کیا، اور اس سلسلہ مین علمار بھی طرح طرح کی مصیبتون مین مبتلا ہوئے[1]

بعض تذکرہ نگارون اور مورخون نے لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق ۷۲۵ھ مین بنگال کی مہم سے واپس آ رہا تھا تو اس نے محبوب الٰہیؒ کے پاس یہ پیام لکھ بھیجا،

[1] تفصیل کیلیے دیکھو سیر الاولیا، باب نہم، حضرت محبوب الٰہیؒ کے خلیفہ مولانا فخر الدین زرادی نے اباحت سماع مین ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام کشف القناع عن وجوہ السماع ہے۔

"وقتیکہ مادر دہلی بیائیم شما از غیاث پور بیرون روید کہ بسبب سکونت شما کثرت مردم از بس در آنجا می باشد وجائے برائے متوسلان بادشاہی نمی ماند"[1]

اس پیام کو پڑھ محبوب الٰہی کی زبان سے صرف یہ نکلا :

"ہنوز دہلی دور است"۔

چنانچہ غیاث الدین تغلق شہر سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک مقام افغان پور میں ایک نئی عمارت میں مقیم تھا کہ اچانک یہ عمارت رات کو گر گئی جس کے نیچے دب کر وہ جان بحق ہو گیا، مگر تاریخ فرشتہ، طبقات اکبری اور منتخب التواریخ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مشہور روایت محض عوام کی ہے[2] جس کا شاید حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ مولانا ضیاء الدین برنی جو محبوب الٰہیؒ کے خلفاء میں تھے، اپنے مرشد کے ساتھ سلطان غیاث الدین تغلق کی اس ایذا رسانی اور تعدی کا ذکر اپنی تاریخ فیروز شاہی میں مطلق نہیں کرتے، بلکہ سلطان کی "دین پروری"، "دین پناہی"، "حق گذاری"، "حق شناسی"، "عبادت گذاری"، "نیک نفسی"، "انصاف پرستی"، اور "شریعت پسندی" کا ذکر بار بار بہت ہی والہانہ انداز میں کرتے ہیں[3]

غیاث الدین تغلق کا جانشین سلطان محمد تغلق محبوب الٰہیؒ کا معتقد رہا، لیکن اس کی حکومت کے پہلے ہی سال ۷۲۵ھ میں ان کا وصال ہو گیا،

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ص ۳۲۷، طبقات اکبری ج اول ص ۱۹۰ میں پیام کے الفاظ یہ ہیں، چون من بدہلی برسم شیخ از شہر بدر رود، فرشتہ ج دوم ص ۳۹۸ میں ہے، تا آمدن من بدہلی نیاید بود، بعد ازین از غیاث پور روید

[2] منتخب التواریخ میں اس روایت کی ابتداء اس طرح کی گئی ہے کہ

درمیان اہل ہند مشہور است" (ج ۱ ص ۲۲۵)

[3] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۴۰، ۴۴۶،

مجاہدہ و ریاضت

حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرشد بابا گنج شکرؒ نے ان کو ایک موقع پر نصیحت فرمائی تھی کہ

"ہمیشہ مجاہدہ میں مشغول رہنا، بیکار رہنا مناسب نہیں، اس راہ میں روزہ رکھنا نصف راہ ہے، نماز اور حج سے بقیہ نصف راہ طے ہوتی ہے، (سیر الاولیا، ص ۱۱۲)

اور جب خلافت عطا کی تو چند تحریری ہدایتیں کیں، جنکا خلاصہ یہ ہے،

"شاگردوں کو تعلیم دیں، خطا و تصحیف سے بچتے رہیں، لغزشوں کی اصلاح اور تحقیق و تنقیح میں پوری کوشش کریں، جو کچھ مجھ سے سنا اور یاد رکھا ہے اس کی روایت کریں، ایسی مسجد میں خلوت نشین ہوں جس کے اندر جماعت ہوتی ہو، خلوت میں اپنے نفس کو کم، درست اور خلق کو معدوم سمجھیں، دنیا کی تمام خواہشات کو ترک کر دیں، خلوت طرح طرح کی عبادات سے معمور ہو، اس خلوت میں جب نفس بڑے بڑے مجاہدات سے تھک جائے تو چھوٹے چھوٹے مجاہدات اختیار کیے جائیں، اور نفس غلبہ کرے تو تھوڑی سی نیند سے اس کو راضی کرلیں، اور خلوت سے اپنا پورا حصہ لے لیں تو حکمت کا چشمہ جاری کریں، اور جو شخص ان کے پاس پہنچے تو اس کو نعمت سے سرفراز کریں۔" (سیر الاولیا، ص ۱۱۷)

اور حضرت محبوب الٰہیؒ نے اپنے مرشد کی ان ہدایات پر برابر عمل کیا، سیر الاولیا کے مؤلف کا بیان ہے کہ جوانی میں تیس سال تک بڑے سخت مجاہدے کیے، پھر جوانی کے بعد بقیہ زندگی اس سے زیادہ سخت مجاہدے میں گذاری، تمام عمر صائم الدہر رہے۔ دن رات میں چار پانچ سو رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے، اور خانقاہ میں کوٹھے پر ان کا قیام رہتا تھا، مگر اسی سال کی عمر میں بھی کوٹھے سے اتر کر نماز باجماعت ادا کرتے، روزانہ کا یہ معمول تھا کہ فجر، اشراق اور چاشت کی نمازوں کے بعد جماعت خانہ میں مسند رشد و ہدایت پر جلوہ فرماتے، اس وقت تمام علماء، صلحاء

اور صوفیہ کا اجتماع ہوتا، اور وہ سلوک و معرفت کے دقائق بیان فرماتے، اس اثنا میں شہر سے غربا و مساکین آتے رہتے، ان کو پیسے غلے اور تحفے دیے جاتے، حکم تھا کہ خانقاہ کی ساری چیزیں غربا میں روز تقسیم کر دی جائیں، کوئی چیز باقی نہ رہنے پائے، ظہر کی نماز سے پہلے کچھ قیلولہ فرماتے، ایک روز قیلولہ فرما رہے تھے کہ ایک درویش آیا، خانقاہ میں کوئی چیز نہ تھی، خدام نے اس کو واپس کر دیا، اسی وقت حضرت محبوب الٰہیؒ کی آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھا کہ مرشد تشریف لائے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ایک درویش آیا اور خستہ دل واپس گیا، اگر کچھ دینے کو نہ تھا تو کم از کم حسن رعایت تو تھا، آنکھ کھلی تو خدام سے مرشد کی تنبیہ کا ذکر کیا، اور حکم دیا کہ آئندہ اگر کوئی درویش آئے تو قیلولہ کے وقت بھی ان کو خبر کر دی جائے،

ظہر کی نماز کے بعد پھر مجلس ہوتی، اور اس مجلس میں حضرت محبوب الٰہی زیادہ تر علمی نکات بڑی گہرائی سے بیان فرماتے، حدیث کشاف اور دوسری مشہور کتابوں کا درس بھی ہوتا، حاضرین سر جھکائے بیٹھے رہتے، کسی کو سر اٹھانے کی مجال نہ ہوتی، ہر شخص سر جھکائے سنتا رہتا، اور سنتے وقت محسوس کرتا کہ وہ الہامی باتیں سن رہا ہے، عصر کی نماز کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ کوٹھے پر تشریف لے جاتے، اور مغرب کے وقت پھر نیچے آتے، روزہ افطار فرماتے، مغرب کی نماز پڑھ کر کوٹھے پر واپس جاتے، اور اس وقت ایک مجلس ہوتی، اور حاضرین کو خشک و تر میوے اور لطیف و لذیذ مشروبات پیش کیے جاتے، عشا کی نماز پڑھنے کیلئے پھر نیچے آتے، اور نماز پڑھ کر پھر کوٹھے پر حجرے میں چلے جاتے، اس وقت صرف امیر خسرو آتے، اور کچھ حکایتیں سناتے، جن کو حضرت محبوب الٰہی لطف و لذت کے ساتھ سنتے، کبھی کبھی اعزہ و اقارب کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی آجاتے، جب امیر خسرو رخصت ہوتے تو خادم وضو کا پانی لاکر رکھتا، اس کے بعد حضرت محبوب الٰہی اٹھکر خود دروازہ بند کر دیتے، پھر حجرہ کی تنہائی میں کیا ہوتا، یہ کسی کو خبر نہ ہوتی، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ

عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے، اور تمام رات ان پر غیر معمولی کیف و مستی، اور بیخودی و وارفتگی طاری رہتی جس کا اظہار حسب ذیل اشعار سے ہوتا تھا، جو کبھی کبھی دن کے وقت ان کی زبان مبارک سے سنے جاتے،

عشقے ز تو دارم اے شمع چہ گل | دل داند و من دانم و من دانم و دل
یارے تماشائے من و شمع بیا | کز من و کے نماند و از وے دُودے

قطعہ

تنہا منم و شب و چراغے | مونس شدہ تا بگاہ روزم
گاہیش ز آہِ سرد بکشم | گاہ از تفِ سینہ بر فروزم

صبح ہونے سے پہلے خادم سحری لاکر پیش کرتا، کچھ نوش جان فرما لیتے بقیہ تقسیم کردینے کو حکم دیتے[1] صبح ہوتی تو شغل باطن سے آنکھیں سرخ رہتیں، انہی خمار آلود آنکھوں کی کیفیت پر امیر خسرو نے یہ شعر کہا تھا،

تو شبانہ می نمائی بہ بر کہ بودی امشب | کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد[2]

عبادت و ریاضت کی کثرت کی وجہ سے محبوب الٰہی "نہنگ دریائے وحدت"، "پلنگ بیدائے محبت و معرفت"، "مسند نشین سپہر صدق و صفا"[3] "مالک الاتقیا" "نقاوہ مشائخ عظام" اور "عارف معارف ربانی" کہلاتے تھے،[4] خود فرماتے تھے کہ ہر وجود عدم کے بیچ میں ہے، یعنی وہ نہ پہلے تھا اور نہ بعد میں ہوگا، ایسا وجود گویا عدم کے برابر ہے، انسان کا وجود بھی بین العدمین ہونے کے سبب عدم کے برابر ہے، پھر انسان ایسی زندگی پر اعتماد کرکے تعطل اور غفلت

[1] سیر الاولیاء ص ۱۳۰، ۱۳۴ [2] اخبار الاخیار ص ۵۵ [3] سیر العارفین ص ۱۵ [4] مونس الارواح قلمی نسخہ دارالمصنفین

ہیں کیوں گذارے، عمر کا بہترین مصرف یہ ہے کہ ہر وقت خدا کی یاد میں مستغرق رہئے،[1]

خلق اللہ کی محبت مگر خالق کے ساتھ اس استغراق کے باوجود اس کی مخلوق کو کسی حال میں نہیں بھولتے، ایک بار بابا گنج شکرؒ کے نبیرہ شیخ شرف الدین، شیخ رکن الدین فردوسی کے پیر شیخ بدرالدین سمرقندیؒ کے عرس میں شریک تھے، مجلس میں کسی صوفی نے کہا کہ شیخ نظام الدینؒ رات دن بیشمار دولت مخلوق خدا میں تقسیم تو ضرور کرتے ہیں، لیکن اہل وعیال کے جھگڑے سے پاک ہیں، اس لیے دنیا کا کوئی غم والم ان کو لاحق نہیں ہوتا ہوگا، یہ سن کر شیخ شرف الدین حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس کو نقل کرنا ہی چاہتے تھے کہ محبوب الٰہی نے خود ہی فرمایا،

بابا شرف الدین جو رنج وغم میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے، شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو، جو شخص اپنا غم والم مجھ سے بیان کرتا ہے، اسے سن کر اس سے دوچند زیادہ رنج وغم مجھ کو ہوتا ہے، جس کی شرح میں نہیں کرسکتا، معلوم نہیں وہ لوگ کیسے سنگ دل ہیں، جو اپنے دینی بھائیوں کا غم والم اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور آہ نہ کریں، ان پر بڑا تعجب ہے"[2]

چنانچہ خدا کی مخلوق کو اس تعلق خاطر کی بنا پر ان کی ذات سے جو فیض پہنچا، اس کا اندازہ مولانا ضیاء الدین برنی کے گذشتہ اقتباسات سے ہوا ہوگا، معمولی مثال یہ ہے کہ صوم دہر کے باوجود افطار میں کوئی چیز صرف چکھ لیتے، اس کے بعد سحری میں کچھ کھاتے، اور اکثر ایسا بھی ہوتا کہ اس وقت کچھ نہ کھاتے، خادم عرض کرتا کہ اگر آپ اس وقت بھی کچھ نہ تناول فرمائیں گے، تو کمزوری آجائے گی، قوت برقرار نہ رہے گی، یہ سن کر روتے اور فرماتے کہ

چندیں مسکینان و درویشان در کنج ہاے مساجد و دوکانہا گرسنہ وفاقہ زدہ افتادہ اند

---

[1] فوائد الفواد ص ۲۴ [2] سیر العارفین ص ۱۴۴، فرشتہ ج ۲ ص ۳۹۶، نیز دیکھو سراج المجالس ص ۴۷

این طعام در حلق من چہ گونہ فرو رود[۵]

اس کے بعد خادم سامنے سے کھانا اٹھا لیتا،

جود و سخا — بعض تذکرہ نویسون نے لکھا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی جب اپنے مرشد کی خدمت مین تھے، تو ایک موقع پر اپنی دستار رہن رکھکر مرشد کے لیے لوبیا خریدی، اور اس کو جوش دے کر ان کی خدمت مین پیش کیا، اس مین نمک ایسے مناسب انداز سے ڈالا گیا تھا کہ مرشد کو بہت پسند آیا، انھون نے اپنے محبوب مرید کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم نے لوبیا بہت اچھی پکائی، نمک بھی خوب ڈالا، خدا کرے تمھارے باورچی خانہ مین ستر من نمک خرچ ہوا کرے[۵]، مرشد کی دعا سے حضرت محبوب الٰہی کا مطبخ ہمیشہ گرم رہا، کئی ہزار فقرا اور مساکین روزانہ مطبخ مین کھانا کھاتے، پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ تمام دن جو چیزین خانقاہ مین آتین شام تک تقسیم کر دی جاتین، خانقاہ مین دنیاوی ساز و سامان جمع ہو جاتے تو ان کو دیکھ کر حضرت محبوب الٰہی پر گریہ طاری ہو جاتا، اگر کسی وقت کوئی قیمتی چیز بطور تحفہ آ جاتی تو اور بھی زیادہ آہ و بکا کرتے، اور ہدایت دیتے کہ اس کو جلد از جلد تقسیم کر دیا جائے، خدام فوراً تعمیل کرتے، اور جب سارا مال تقسیم ہو کر محتاجون کو پہونچ جاتا تو خاطر مبارک کو اطمینان ہوتا، ہر جمعہ کے دن تجرید فرماتے، تمام حجرون اور انبار خانون کو بالکل خالی کرا کے جھاڑو دیدی جاتی، اس کے بعد جامع مسجد تشریف لے جاتے اور اطمینان سے نماز ادا فرماتے[۳]،

پھر بھی خانقاہ مین غریب الوطن، مسافر، یا شہر کا باشندہ جو بھی آتا محروم واپس نہ جاتا، کپڑا، نقدی تحفے تحائف جو کچھ بھی خانقاہ مین موجود ہوتا آنے جانے والون کو دیدیا جاتا[۴]،

---

[۱] سیر الاولیا ص ۱۲۸، اخبار الاخیار ص ۵۸ [۲] سیر الاولیا ص ۱۳۱ مین اس واقعہ کی تفصیل کچھ مختلف ہے
[۳] سیر الاولیا ص ۱۳۰ [۴] ایضاً

جوامع الکلم میں ہے کہ ہر عرس کے موقع پر تمام شہر میں کھانا تقسیم کیا جاتا، اور کچھ نقد رقم بھی بھیجی جاتی، ایک روز غیاث پور میں گرمی کے موسم میں آگ لگی، مکانات کو جلتے دیکھ کر حضرت محبوب الٰہیؒ رونے لگے، جب آگ بجھی تو خادم خاص کو بلا کر فرمایا جاؤ ان سب گھروں کو جو جل گئے ہیں گنو اور ہر گھر میں دو خوان کھانا، دو سبو پانی، دو ٹنکے زر لے جاؤ، اور گھر والوں کو دلاسا دو، نفحات الانس میں ہے کہ ایک سوداگر ملتان کے پاس لٹ گیا، وہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے حضرت شیخ صدر الدین کی ایک سفارش لے کر حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں پہنچا، حضرت محبوب الٰہی نے خادم خاص کو حکم دیا کہ صبح سے چاشت تک جو فتوح پہنچے اس سوداگر کے حوالہ کر دو، چاشت تک بارہ ہزار ٹنکے آئے، یہ ساری رقم سوداگر کو دے دی گئی۔

ایک بار ایک درویش آیا، حضرت محبوب الٰہی کے افطار کا وقت تھا، دسترخوان سامنے بچھا ہوا تھا، اس پر زنبیل کے خشک ٹکڑے رکھے ہوئے تھے، درویش سمجھا کہ حضرت محبوب الٰہی افطار کر چکے ہیں اور یہ ٹکڑے دسترخوان پر باقی رہ گئے ہیں، اس نے وہ تمام ٹکڑے دسترخوان سے چن لیے اور ہاتھ میں لے کر چلا گیا، حضرت محبوب الٰہی یہ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا

ہنوز در کار ما خیریت بسیار است کہ اگر سنہ می دارند، دریں حال بود در فاقہ بود

کہ آں درویش را از غیب رسانیدند، (سیر الاولیاء ص ۱۴۳)

استغناء | اس جود و سخا کے باوجود استغنا کا یہ عالم تھا کہ اگر بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی تحفہ یا ہدیہ پیش کرتا تو ایک سرد آہ کھینچ کر آہ یہ آگ درویش کو غارت کرتی ہیں، ایک بار[1]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۳۰

ایک عقیدت مند ملک نے دو باغ، کچھ زمین، اور دوسرے قسم کا ساز و سامان باضابطہ لکھ کر نذر کرنا چاہا، لیکن حضرت محبوب الٰہی نے ان کو قبول نہیں کیا، اور مسکرا کر فرمایا، کہ اگر میں ان چیزوں کو قبول کر لوں تو لوگ مجھکو یہی کہیں گے کہ شیخ اب باغ میں جاتا ہے، اور اپنی زمین اور باغ کا تماشا دیکھتا ہے، یہ میرے لیے بالکل مناسب نہیں، پھر اشکبار ہو کر فرمایا،

از خواجگان و مشائخان ما ہیچکس ازین قبول نہ کردہ است[1]

حضرت محبوب الٰہی کے ابتدائی زمانہ کی عسرت و تنگی کی خبر سلطان جلال الدین خلجی کو ہوئی تو ان کی خدمت میں کچھ تحائف بھیجے، اور کہلا بھیجا کہ اگر حکم ہو تو ایک گاؤں خدمت گزاروں کے لیے مقرر کر دوں، تاکہ وہ فارغ البالی سے آپ کی خدمت میں مصروف رہیں لیکن حضرت محبوب الٰہی نے کہلا بھیجا کہ اس گاؤں کی ضرورت نہیں، میرا اور میرے خدمت گزاروں کا کارساز خداوند تعالیٰ ہے، لیکن جب بعض خدمت گزاروں کو اس کی خبر ہوئی تو وہ حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ آپ تو اپنی فلاح اسی میں سمجھتے ہیں کہ پانی تک نہ پئیں، لیکن ہم لوگوں کا حال فقر و فاقہ سے نازک ہے حضرت محبوب الٰہی نے اس شکایت کی طرف التفات نہیں کیا، اور طے کر لیا کہ اگر سب کے سب اسی وقت مجھکو چھوڑ کر چلے جائیں تو مجھے کچھ افسوس اور غم نہ ہوگا، مگر جب اپنے اور دوسرے یارانِ طریقت کو بلایا اور سلطان جلال الدین خلجی سے گاؤں قبول کرنے کے بارہ میں مشورہ کیا تو انھوں نے متفقہ طور پر گذارش کی کہ مولانا نظام الدین! ہم جو آپ کے یہاں وقت بے وقت روٹی کھا لیتے ہیں تو یہی بہت غنیمت ہے، لیکن اگر آپ نے گاؤں قبول کر لیا تو اسکے بعد ہم پانی بھی نہیں پئیں گے، اس جواب کو سنکر حضرت محبوب الٰہی خوش ہوئے، اور فرمایا، الحمد للہ دین کے کاموں میں تم بھی میرے مددگار ہو، دوستوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے،[2]

---

[1] فوائد الفواد ص ۹۹ [2] سیر الاولیا ص ۱۱۴-۱۱۵

بردباری فوائد الفواد مین ہے کہ ایک روز حضرت محبوب الٰہی سجادہ پر رونق افروز تھے
کہ ایک جوالقی پہنچا، اور گالیان دینے لگا، حضرت محبوب الٰہی نے گالیون کو خاموشی سے
سنا اور برداشت کیا، مزید یہ کہ جوالقی نے جو کچھ مانگا عطا کیا، اور حاضرین مجلس کو مخاطب کرکے
فرمایا میرے پاس بہت سے لوگ آتے ہین، چیزین لاتے ہین، ایسے شخص کو بھی آنا چاہیے
جو مجھ کو برا کہے، اسی سلسلہ مین فرمایا کہ ایک موقع پر ایک شخص آیا، اور مجھ سے ناگفتہ بہ باتین
کین، مین نے اس سے کہا کہ جب تک دنیا مین ہون مجھ سے جرم سرزد ہوگا، اور تجھ سے عفو،

فوائد الفواد ہی مین ہے کہ حاضرین مجلس مین سے کسی نے حضرت محبوب الٰہی سے کہا کہ
آپ کے لیے بعض لوگ نامناسب الفاظ استعمال کرتے ہین جن کا سننا مشکل ہے، فرمایا،
جو مجھکو برا کہتے ہین مین نے ان کو معاف کیا، مجھ کو برا کہنے والون سے تکرار کرنے کی ضرورت نہین۔

مخالفین سے حسن سلوک خدا کی کسی مخلوق سے عناد رکھنا طریقت کے خلاف سمجھتے تھے،
غیاث پور کے قریب کا رہنے والا ایک شخص چھجو نامی بلاوجہ حضرت محبوب الٰہیؒ کا دشمن ہو گیا
تھا، اور ایذا رسانی پر کمربستہ رہتا تھا، لیکن جب اس کی وفات کی خبر حضرت محبوب الٰہیؒ
کو ملی تو اس کے جنازہ مین شریک ہوئے، اور تدفین کے بعد اس کی قبر پر دوگانہ نماز ادا
کی، اور اس سے جو تکلیفین پہنچی تھین ان کو معاف کرکے ارحم الراحمین سے اس کی مغفرت
کے لیے دعائین کین،[1]

مولانا ضیاء الدین سنامی اپنے وقت کے متشرع متقی اور دیانتدار عالم تھے، احتساب
پر ایک کتاب نصاب الاحتساب بھی لکھی تھی، اسی بنا پر حضرت محبوب الٰہی سے سماع
پر احتساب کرتے رہے، اور شد و مد سے ان کی مخالفت کی لیکن جب وہ مرض الموت

---

[1] سیر العارفین ص ۱۲۵،

مین مبتلا ہوئے تو حضرت محبوب الٰہیؒ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، مولانا ضیاء الدین سنامی نے اپنی دستار حضرت محبوب الٰہیؒ کے قدمون کے پاس بچھا دی، حضرت محبوب الٰہیؒ نے اس کو اٹھا کر اپنی آنکھون پر رکھ لیا، جب وہ مولانا ضیاء الدین کے پاس پہنچے تو مولانا سنامی آنکھین چار نہ کر سکے، حضرت محبوب الٰہیؒ اٹھ کر باہر چلے آئے، لیکن اسی وقت خبر ملی کہ مولانا کی روح پرواز کر گئی، محبوب الٰہیؒ رونے لگے، اور فرمایا کہ ایک حامی شریعت تھا وہ بھی نہ رہا،[۵]

مریدون کی محبت واصلاح اپنے مریدون پر بے حد شفقت فرماتے تھے، حضرت امیر خسرو سے ان کو جو شیفتگی تھی وہ آج بھی ضرب المثل ہے، مگر محبت کے ساتھ مریدون کی تربیت مین کسی قسم کی رو رعایت نہین کرتے تھے، حضرت خواجہ برہان الدین غریب کی بیعت محض اس لیے فسخ کر دی کہ وہ کمبل کو دوتہ کر کے اس پر بیٹھتے تھے، اس کو ان کی تن پروری اور راحت پسندی پر محمول کیا، اس کی تفصیل آئندہ اوراق مین آئے گی، حضرت جلال الدین اودھی اپنے زہد، ورع، ترک اور تجرید کے لحاظ سے ممتاز مریدون مین تھے، ان کے ساتھیون نے ان سے درس و تدریس کی خواہش ظاہر کی، مرشد سے اس کی اجازت چاہی، تو مرشد نے فرمایا کہ وہ کسی اور ہی کام کے ہین، لیکن مریدون کی دلجوئی کے لیے یہ بھی فرمایا کہ وہ سب مثل پیاز کے تہ بہ تہ ہو کر ایک ہی ہین، خواجہ مؤید الدین کرہ سلطان علاء الدین کی شہزادگی کے زمانہ مین اسکے جان نثارون مین تھے، مگر ترک دنیا کر کے حضرت محبوب الٰہیؒ کے آستانہ پر جبین سائی کرنے لگے، علاء الدین جب بادشاہ ہوا تو ایک حاجب کو حضرت محبوب الٰہی کی خدمت مین بھیج کر پیام دیا کہ خواجہ مؤید الدین کو رخصت کر دین تاکہ میرا کام بنائین، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ ان کو ایک اور کام درپیش ہے، اور اسی مین کوشش کر رہے ہین، شاہی حاجب کو یہ جواب گران گذرا اور

[۵] اخبار الاخیار ص ۱۰۲،

اس نے کہا کہ مخدوم! آپ چاہتے ہیں کہ اپنا جیسا سب کو کرلیں، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا، اپنا جیسا کیا میں اپنے سے بہتر کرنا چاہتا ہوں، سلطان علاء الدین کو جب اس جواب کی اطلاع دی گئی تو وہ خاموش رہا، حضرت خواجہ شمس الدین دہاری شاہی ملازمت میں دیوان کے عہدہ پر مامور تھے، مگر اس عہدہ کو چھوڑ کر محبوب الٰہیؒ کے مرید ہوگئے، اور ان کے ملفوظات کو جمع کرکے ان کو مرتب بھی کیا، ایک دن مرشد سے عرض کیا، کہ اگر حکم ہو، تو آنے جانے والوں کے لیے ایک مکان بنالوں، مرشد نے فرمایا کہ یہ کام اس کام سے جس کو تم نے چھوڑا ہے کم نہیں ہے [1]

حضرت قطب الدین منور، اور حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو ایک ساتھ خلافت دی، پہلے خلافت نامہ حضرت قطب الدین منور کے ہاتھ میں دیکر دو رکعت نماز ادا کرنے کو فرمایا، اور جب وہ جماعت خانہ میں نماز ادا کر رہے تھے تو حضرت شیخ نصیر الدین کو خلعت خلافت عطا کیا، پھر حضرت شیخ قطب الدین منور کو بلا کر فرمایا، شیخ نصیر الدین کو خلافت کی مبارکباد پیش کرو، اور جب وہ مبارکباد پیش کر چکے تو شیخ نصیر الدین سے فرمایا اب تم قطب الدین کو خلافت کی مبارک باد دو، شیخ نصیر الدین نے مبارکباد دی، پھر دونوں کو حکم دیا کہ ایک دوسرے سے بغل گیر ہوں، اور جب وہ مل رہے تھے تو فرمایا تم دونوں بھائی بھائی ہو، خلافت کی تقدیم و تاخیر کو خاطر میں نہ لانا، دونوں نے اپنی زندگی میں ایسا ہی کیا [2]

حضرت محبوب الٰہی اپنے مریدوں میں قاضی محی الدین کاشانی کا سب سے زیادہ لحاظ کرتے تھے، ان کو اپنے علم، حلم، زہد اور تقویٰ کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل تھی، جب حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تو اپنی جاگیر کا شاہی فرمان مرشد کے سامنے لاکر چاک کر دیا، اور فقر و فاقہ کی زندگی

[1] اخبار الاخیار ص ۱۰۲-۱۰۱ [2] سیر الاولیاء ص ۲۴۹-۲۴۸

بسر کرنے لگے، حضرت محبوب الٰہی ان کے علمی تبحر کی وجہ سے ان کی بڑی قدر کرتے، اور جب وہ ان کی خدمت میں آتے تو ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے، جب وہ درجہ کمال کو پہنچ گئے تو مرشد کی طرف سے خلافت ملی، خلافت کے وقت یہ تحریر بھی عطا ہوئی،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

می باید کہ تارک دنیا باشی، بسوے دنیا وارباب دنیا مائل نشوی، ودیہہ قبول نکنی وصلۂ بادشاہان نگیری، واگر مسافران برتو رسند و بر تو چیز نباشد این حال راغنیمت شمری، از نعمت ہاے الٰہی فان فعلت ما امرتك فظنی بك ان تفعل كذالك فانت خلیفتی وان لم تفعل فالله خلیفتی علی المسلمین

چاہیے کہ تارک دنیا ہو جاؤ، دنیا اور اہل دنیا کی طرف مائل نہ ہو، گاؤں، جاگیر قبول نہ کرو، بادشاہوں سے صلہ نہ لو، اگر تمھارے یہاں مسافر آئیں اور تمھارے پاس کوئی چیز نہ ہو تو اس حال کو غنیمت جانو اور اس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت تصور کرو، پس اگر تم نے ایسا کیا جسکا میں تم کو حکم دیتا ہوں اور جسکی نسبت میرا گمان ہے کہ تم ایسا ہی کروگے تو تم میرے خلیفہ ہو،

ارادت کے بعد قاضی محی الدین کاشانی کے یہاں بڑی تنگی ہوگئی اور پیچے فاقے سے تنگ آنے لگے، انکے گھر کی اس عسرت کا حال کسی نے سلطان علاء الدین خلجی سے بیان کیا، سلطان علاء الدین نے کہا کہ صوبہ اودھ کا عہدۂ قضا ان کا موروثی حق ہے، میں ان کو یہ بھی دونگا، اور انعام میں جاگیر اور گاؤں بھی پیش کرونگا، چنانچہ اس کے لیے ایک فرمان بھی جاری کیا، قاضی محی الدین کاشانی کو فرمان کی خبر ملی تو مرشد کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ بادشاہ نے میری رضامندی کے بغیر ایسا فرمان جاری کیا ہے، مرشد نے یہ بات سنی تو رنجیدہ خاطر ہوئے

اور فرمایا تمھارے دل میں یہ بات آئی ہوگی تو سلطان نے یہ فرمان جاری کیا ہوگا، یہ کہکر حضرت محبوب الٰہی شیخ نے قاضی محی الدین کی طرف سے اپنی توجہ اور تلطف کی نظر پھیر لی، اور ایک سال تک ملتفت نہ ہوئے، ایک سال کے بعد قاضی صاحب کو دوبارہ مرید فرمایا[1]

خلفاء میں حضرت بابا گنج شکر کے ایک نواسے مولانا خواجہ سید محمد امام بھی تھے، وہ نماز میں محبوب الٰہی رح کی امامت کرتے تھے، جب وہ خوش الحانی سے کلام پاک پڑھتے تو حضرت محبوب الٰہی پر رقت طاری ہوجاتی، حضرت نے نماز کے بعد کئی بار ان کو لباس خاص عطا فرمایا، مجلسوں میں کوئی شخص خواجہ محمد امام سے اونچی جگہ بیٹھ نہ سکتا تھا، جب خواجہ محمد نہ ہوتے تو ان کے بھائی خواجہ محمد موسیٰ امامت کیا کرتے تھے، دونوں حضرت کے دسترخوان پر برابر شریک رہتے، اور وہی دسترخوان کی دعا پڑھا کرتے،

مرشد کے اعزہ اور مریدین سے محبت ایک روز حضرت بابا گنج شکر رح کے چھوٹے بھائی حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رح کے پوتے خواجہ عطا حضرت محبوب الٰہی کے پاس آئے اور دوات و قلم سامنے رکھکر کہا کہ فلاں امیر کو رقعہ لکھ دو کہ وہ مجھکو کچھ دے، حضرت محبوب الٰہی رح نے عذر فرمایا کہ اس امیر کی آمد و رفت میرے یہاں نہیں ہے تم کو اس سے جو توقع ہو بیان کرو، میں اپنے پاس سے دینے کی کوشش کرون گا، خواجہ عطا نے جواب دیا کہ جو تمھارے دل میں آئے دیدو، لیکن رقعہ بھی لکھ دو، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا یہ درویشوں کا طریقہ نہیں، خواجہ عطا نے محبوب الٰہی کو برا بھلا کہنا شروع کیا، کہ تم میرے دادا کے غلام ہو، میں تمھارا خواجہ زادہ ہوں، ایک رقعہ لکھنے کو کہتا ہوں اور تم نہیں لکھتے، یہ کہکر دوات زمین پر پٹک دی، اور غصے سے اٹھ کر جانے لگے، حضرت محبوب الٰہی نے ہاتھ بڑھا کر دامن پکڑ لیا، اور فرمایا، ناخوش

[1] سیرالاولیاء ص ۳۲۷

ہو کر مست جاؤ، خوش ہو کر جاؤ۔[1]

حضرت بابا گنج شکر کے ایک مرید محبوب الٰہی کے پاس آئے، اور عرض کی کہ میرے پانچ چھ لڑکیاں ہیں، مجھکو کسی کے سپرد کریں کہ وہ میری خبر گیری کرے، اتفاق سے اسی وقت علاءالدین خلجی کا عارض ممالک ظفر خان حضرت محبوب الٰہی کے پاس آیا، حضرت محبوب الٰہیؒ نے اس سے سفارش کی، ظفر خان نے تعظیم بجالا کر کہا کہ گھر اور کھانا موجود ہے، آپ ان سے فرما دیں کہ وہاں چل کر رہیں، میں ہر طرح خدمت کرتا رہوں گا۔[2]

غذا | حضرت محبوب الٰہی ہمیشہ صائم الدہر رہتے، صرف افطار اور سحری کے وقت کچھ تناول فرماتے، افطار کے وقت آدھی یا زیادہ سے زیادہ ایک روٹی سبزی یا تلخ کریلے کے ساتھ کھاتے کبھی چاول بھی کھا لیتے۔ دسترخوان پر اور لوگ بھی شریک ہوتے تھے، ان کی خاطر دیر تک کھاتے رہتے، کبھی اپنے پیالہ میں ہاتھ ڈالے رہتے تاکہ اور لوگ ان کو کھانا ختم کرتے دیکھ کر ہاتھ نہ روک لیں، کبھی کسی پر شفقت فرماتے تو اپنے کھانے کا کچھ حصہ خوان میں رکھ کر اس کے یہاں بھجوا دیتے تھے، سحری کے وقت کھانے کی چیزیں لائی جاتیں تو کچھ چکھ لیتے اور بقیہ کو تقسیم کر دینے کا حکم دیدیتے، بھوکوں کو یاد کر کے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتا اور لقمہ فرو نہ ہوتا جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے دسترخوان پر کبھی ادھ چبے نوالے پائے جاتے، اس کی وجہ یہ ہوتی کہ جو لقمہ لذیذ معلوم ہوتا، اس کو دہن مبارک سے نکال کر دسترخوان پر رکھ دیتے، خانقاہ میں فقراء اور مہمانوں کے لیے انواع واقسام کے کھانے پکتے مگر خود ان کی لذت سے نا آشنا رہتے، مغرب کے بعد کی مجلس کے لیے شہر سے مختلف قسم کے کھانے پینے کی چیزیں

[1] سیر المجالس اردو ترجمہ خیر المجالس ص ۷۵-۷۴، [2] ایضاً ص ۱۲

آتیں تو حاضرین میں تقسیم کر دی جاتیں، ان کی تواضع کے لئے ہر ایک سے خداوند تعالیٰ کی ان نعمتوں کی لذت پوچھتے رہتے، (سیر الاولیاء، ص ۱۲۴، ۱۲۸)

لباس لباس میں بھی درویشانہ شان ہوتی تھی، مرشد کی صحبت میں جب اجودھن میں مقیم تھے، تو کپڑے میلے اور جابجا شکستہ ہو گئے تھے، ناداری کی وجہ سے نہ صابن خرید سکتے اور نہ پیوند لگا سکتے تھے، سیر الاولیاء کے مصنف کی دادی نے ایک روز اصرار کر کے کپڑے دھو دیئے، اور پیوند بھی لگا دیئے تو اس احسان کو تمام زندگی یاد کرتے رہے، (سیر الاولیاء ۱۱۵)

محبت رسول محبت رسول کا یہ عالم تھا کہ وصال سے کچھ دنوں پہلے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ نظام! تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے، اس خواب کے بعد سفر آخرت کے لیے بے چین رہے،

وفات سے چالیس روز پہلے کھانا پینا بالکل ترک کر دیا تھا، اور برابر آنکھوں سے آنسو جاری رہتا تھا، کبھی کچھ کھانے کے لیے اصرار کیا جاتا تو فرماتے

کسیکہ مشتاق حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باشد او طعام دنیا چگونہ،

وصال مرض الموت کی شدت ہوئی تو دوا پینے کے لیے کہا گیا، لیکن فرمایا

درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست

وصال کے روز لنگر خانہ اور ان کی ملکیت میں جتنی چیزیں تھیں، غربا و مساکین میں تقسیم کر دیں تاکہ خداوند تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کا مواخذہ نہ ہو، خادم خاص نے کچھ غلہ درویشوں کے لیے رکھ لیا تھا، اس کی خبر ہوئی تو ناخوش ہو کر فرمایا کہ اس کو بھی لٹا دو اور ہر توشہ خانہ میں جھاڑو پھیر دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، نماز کا وقت آتا تو ایک ہی وقت کی نماز کئی بار پڑھتے، پھر بھی تسکین نہ ہوتی، اور فرماتے،

می رویم و می رویم و می رویم،

وفات سے کچھ پہلے تبرکات خاص سے مختلف چیزیں مختلف خلفاء کو عطا کیں اور انکو خاص خاص مقامات پر جانے کا حکم دیا، حضرت شیخ نصیر الدین چراغ کو بابا فرید گنج شکرؒ کا عنایت کیا ہوا مصلیٰ، خرقہ، تسبیح، اور کاسہ چوبیں دے کر فرمایا،

"شما را در دہلی باید بود، وجفاے مردم باید کشید"۔

اس کے بعد صبح کی نماز پڑھی، اور جب آفتاب طلوع ہو رہا تھا، تو یہ آفتاب دین ابد کے پردوں میں مستور ہو گیا، تاریخ وفات روز چہار شنبہ ۱۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ ہے، مزار پرانوار دہلی میں ہے، جہاں آج بھی خواص وعوام کا ہجوم رہتا ہے، اور زائرین کو بڑی کیفیت محسوس ہوتی ہے، روضۂ مبارک کی عمارت سلطان محمد بن تغلق کی بنوائی ہوئی ہے،[1]

ساری عمر تجرد میں گذری، اس لیے کوئی اولاد نہیں تھی، مگر ان کی معنوی اولادوں نے ان کی تعلیمات کو جاری رکھا،

محبوب الٰہی کے ملفوظات | محبوب الٰہی کے ملفوظات جن کی حیثیت گویا ان کی تصانیف کی ہے، حسب ذیل ہیں:۔

(۱) فوائد الفواد (۲) فضل الفواد (۳) راحت المحبین (۴) سیر الاولیاء،[2]

اول الذکر کو خواجہ حسن سجزی نے مرتب کیا ہے، جو محبوب الٰہی کے محبوب خلفاء میں تھے، سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت شیخ نظام الدینؒ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کی قدس سرہٗ کے مزار پر تشریف لے گئے، وہاں سے حوض شمسی کے پاس بعض بزرگان دین کی فاتحہ خوانی

[1] اوپر کی تفصیل سیر الاولیاء ص ۱۵۵-۱۵۴، خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۳۶ اور مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین میں ملے گی، [2] خواجہ شمس الدین دہاری نے بھی حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات جمع کیے تھی، مگر اسکا نام معلوم نہ ہو سکا

کے یہ پہنچے تو دیکھا کہ خواجہ حسن سجزی اپنے دوستوں کے ساتھ رندی اور شراب نوشی میں مشغول ہیں، خواجہ حسن بچپن میں حضرت محبوب الٰہیؒ کے ساتھ بدایون میں رہ چکے تھے، انکو بچپن کی صحبت یاد آ گئی، اور محبوب الٰہیؒ کو دیکھ کر مستانہ وار یہ دو بیت زبان پر لائے،

سالہا باشد کہ ما ہم صحبتیم   گر ز صحبتہا اثر باشد کجاست

زہد تان این فسق ما را کم نکرد   فسق ما محکم تر از زہد شماست

محبوب الٰہیؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ اثر صحبت بھی اپنا محل و موقع چاہتا ہے، تاثیر صحبت کی صورتیں مختلف ہیں، خواجہ حسن پر ان الفاظ نے سحر کا کام کیا، اسی وقت ان کا دل جاری ہو گیا، قدموں پر گر پڑے، اور تمام افعال قبیحہ سے تائب ہو کر محبوب الٰہیؒ کے مرید ہو گئے، اس وقت ان کی عمر تہتر سال کی تھی[۱]، مرشد کی صحبت میں برابر رہنے لگے، اور ۷۰۷ھ سے ۷۱۹ھ تک جو کچھ مرشد کی زبان مبارک سے سنتے ان کو قلمبند کر لیتے، چنانچہ ان کے مرتب کردہ ملفوظات فوائد الفواد کو ہر زمانہ میں جو مقبولیت حاصل رہی، وہ چشتیہ سلسلہ کے اور مشائخ کے ملفوظات کو شاید حاصل نہیں ہوئی، امیر خسرو کہا کرتے تھے کہ

اے کاش میری تمام تصنیفات خواجہ حسن سے نامزد ہو جاتیں، اور ان کے بدلے میں کتاب فوائد الفواد کا حسن قبول میرے لیے نامزد ہو جاتا،[۲]

ضیاء الدین برنی نے اپنے زمانہ کا حال لکھا ہے، کہ

درین ایام فوائد الفواد دستور صادقان ارادت شدہ است،[۳]

---

[۱] سیر العارفین ص ۱۵۳ و فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۴ [۲] ایضاً فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں، امیر خسرو بران رشک بردہ گفت کاش تشریف قبول و تحسین آن نسخہ و تصنیف آن بمن منسوب گشتی و تمام تصانیف من بنام خواجہ حسن گردیدی [۳] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۰

عہدِ ہمایون کے مصنف صاحب سیر العارفین کا بیان ہے :۔

"کتاب الفوائد مین خواجہ حسن نے ایسے اعلیٰ درجہ کے مضامین کی تصنیف کی جو کہ خضر راہ اہلِ سلوک اور مونس اہل اللہ تصور کی جاتی ہے"

فرشتہ رقم طراز ہے :۔

کتاب الفواد ...... بشرف قبول وتحسین سرفراز گشت[1]"

مرآۃ الاسرار کے مؤلف مولانا عبدالرحمن چشتی لکھتے ہین :۔

"امروز آن فوائد الفواد مقبول اہلِ دلانِ عالم شدہ است و دستور عاشقان گشتہ و شرق و غرب عالم گرفتہ"

بعد کے تذکرہ نگارون مین خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف نے لکھا ہے کہ کتاب فوائد الفواد از ملفوظات حضرت شیخ تالیف کردہ دہی خواجہ حسن است و بنہایت مقبول افتادہ[2]"

امیر خسرو نے بھی اپنے مرشد کے ملفوظات افضل الفواد کے نام سے مرتب کیے ہین،[3] مگر اس کو وہ مقبولیت حاصل نہین ہوئی، برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات مین حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات مین ایک کتاب راحت المحبین بھی ہے جس مین ان کے ایک نامعلوم مرید نے ۶۸۹ھ سے ۶۹۰ھ تک کے ملفوظات درج کیے ہین،[4] یہ دونون کتابین میری نظر سے نہین گذری ہین، افضل الفواد کے اقتباسات بعض تذکرون

---

[1] فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۴ [2] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۲۶ [3] برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد سوم ص ۱۵۰ [4] ایضاً ص ۹۷۳، بعض اور مریدون نے حضرت محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات جمع کیے لیکن یہ مشہور نہ ہوسکے،

ہیں پائے جاتے ہیں، خواجہ سید محمد مبارک امیر خورد بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرید تھے، انھوں نے بھی سیر الاولیاء میں انکے ملفوظات جمع کیے ہیں، اس کتاب میں خواجگان چشت کے حالات بھی ہیں اور آخر میں محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات بھی ہیں،

ان تمام ملفوظات میں ایک سالک کو توبہ، استقامت توبہ، ایمان، استغراق نماز، تلاوت قرآن، اوراد و وظائف، فقر و فاقہ، ترک دنیا، جہد و طاعت، مشغولی حق، مجاہدہ، صبر و رضا، توکل، احترام پیر، حلم و بردباری، اور جود و سخا وغیرہ کی وہی تعلیمات دی گئی ہیں جو چشتیہ سلسلہ کے پیشرو مشائخ نے دی تھیں، جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے، کچھ مزید تعلیمات ملاحظہ ہوں[1]:-

رہروان سلوک کی قسمیں حضرت محبوب الٰہی نے راہ سلوک کے رہروں کی تین قسمیں بتائی ہیں، (۱) سالک (۲) واقف (۳) راجع اس راہ کے مسلسل چلنے والے سالک ہیں، اور جن کو طاعت و عبادت میں وقفہ حاصل ہو وہ واقف ہیں، اور جو وقفہ میں پھر راہ سلوک کی طرف رجوع نہ کریں وہ راجع ہیں، (ص ۱۶)

راہ سلوک کی لغزشیں اس راہ میں مندرجہ ذیل لغزشیں ہیں (۱) اعراض (۲) حجاب (۳) تفاصل (۴) سلب مزید (۵) سلب قدیم (۶) تسلی (۷) عداوت،

ان کی تفصیل یہ بتائی ہے کہ عاشق سے جب کوئی فعل یا حرکت ایسی سرزد ہو جائے، جو معشوق کے لیے پسندیدہ خاطر نہ ہو تو وہ یعنی معشوق منہ پھیر لیتا ہے، اس کو اعراض کہتے ہیں

[1] آیندہ سطور میں جہاں قوسین میں صفحات کے حوالے ہیں، وہ فوائد الفواد کے صفحے ہیں، اور جن سطور کے ساتھ صفحے کے حوالے نہیں لکھے جا سکے ہیں، وہ افضل الفوائد کے اقتباسات ہیں جو اخبار الاصفیا مرتبہ نواب معشوق یار جنگ بہادر کے ص ۲۰۰ ۔ ۲۰۴ سے لیے گئے ہیں،

عاشق کو چاہیے کہ وہ استغفار اور معذرت کرے، اور جب اس کی معذرت قبول نہیں ہوتی تو دونوں کے درمیان حجاب پیدا ہو جاتا ہے، اس حجاب کو دور کرنے کے لیے عاشق خضوع وخشوع کے ساتھ توبہ کرے، اور اگر توبہ قبول نہیں ہوتی ہے، تو تفاصل یعنی جدائی ہو جاتی ہے، اور اس کے بعد بھی اگر استغفار قبول نہیں ہوتا، تو عاشق سے طاعت وعبادت کا ذوق سلب کر لیا جاتا ہے، اور اس کے ساتھ وہ اپنی قدیم عبادت کا ثواب بھی کھو بیٹھتا ہے، اور معشوق عاشق کے دل میں جدائی کی تمام صورتیں پیدا کر دیتا ہے جس کو تسلی کہتے ہیں، اس سے عاشق اہمال کی طرف مائل ہو جاتا ہے، اور اس کی محبت عداوت میں منتقل ہو جاتی ہے،

عزلت | سالک کو ہر خطرہ کے حال میں خداوند تعالیٰ کی پناہ کا جویاں ہونا چاہیے، اس کا نام عزلت ہے، اور پھر اس عزلت کو عمل میں منتقل کر دینا چاہیے (ص ۱۸) جب سالک مجاہدہ اور ریاضت کا آغاز کرتا ہے، تو اس کو نفس پر گرانی محسوس ہوتی ہے لیکن جب وہ صدق دل سے اس کو جاری رکھتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کو توفیق عطا ہوتی ہے، اور اس کی مشکل آسان ہو جاتی ہے (ص ۲۰-۲۷)، اس کے بعد وہ مجاہدہ وریاضت میں ذوق وشوق محسوس کرتا ہے، رفتہ رفتہ اس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ یاد حق کے سوا ہر چیز اس راہ میں مانع ہو جاتی ہے (ص ۹۱)

فراغت قلب | اس راہ میں عاشق وہی ہے جو حضور اور غیبت کی حالت میں یکساں معشوق کی محبت کا دم بھرتا ہو، اور اس کے وصال کا ہمیشہ طالب رہتا ہو، محبت کی دو قسمیں ہیں، ایک محبت ذات، دوسری محبت صفات، اول الذکر موہبت الٰہی ہے، اور ثانی الذکر کسب سے حاصل ہوتی ہے، موہبت الٰہی کا تعلق بندہ کے عمل سے نہیں، مگر محبت صفات کو کسب سے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ماسوا اللہ سے قلب کو فارغ کر کے اس کو ذکر دائم

ہیں مصروف رکھنا چاہیے، فراغِ قلب کو روکنے والی چار چیزیں ہیں (۱) خلق (۲) دنیا (۳) نفس اور (۴) شیطان، مگر دفع خلق کے لیے عزلت، دفع دنیا کے لیے قناعت اور دفع نفس و شیطان کے لیے اللہ جل شانہٗ سے التجا، فریاد اور گریہ وزاری ہو تو فراغتِ قلب حاصل ہو جاتی ہے۔

عشق و محبت | درویش اہل عشق ہوتے ہیں، اور علما اہلِ عقل، جب تک اللہ جل شانہٗ کی محبت قلب کے غلاف میں ہوتی ہے، گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے، لیکن محبت جب قلب کے گرد و نواح میں آجاتی ہے، تو پھر گناہ صادر نہیں ہوتا، اہل محبت کے دل میں نماز کے وقت دنیا کا خیال آجاتا ہے، تو وہ پھر سے نماز پڑھتے ہیں، اور اگر عاقبت کا خیال آجاتا ہے، تو سجدہ سہو بجا لاتے ہیں۔

صبر، رضا، توکل | اس راہ میں صبر، رضا، اور توکل لازمی چیزیں ہیں، بلا اور مصیبت کے وقت شکایت نہ کرنا صبر ہے، اور بلا اور مصیبت کے وقت اپنی کراہت کا اظہار نہ ہونے دینا رضا ہے، جو بظاہر ناممکن العمل معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقتہً ایسا نہیں، مثلاً تیز رو مسافر کے پاؤں میں کانٹا چبھ جاتا ہے، تو وہ کانٹے کا خیال کیے بغیر اپنی راہ طے کرتا چلا جاتا ہے، یا ایک سپاہی جنگ میں مشغول ہوتا ہے، تو پھر اس کو اپنے زخم کا خیال مطلق نہیں ہوتا، (ص ۵۳) توکل کی تین قسمیں بتائی ہیں، ایک یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو اپنے حال کا عالم و دانا سمجھ کر اس سے سوال کرے، دوسرا توکل بچوں کا ہے، کہ وہ ماں سے دودھ نہیں مانگتا ہے لیکن پھر بھی اس کو دودھ مل جاتا ہے، تیسرا توکل مردوں کا ہے، کہ وہ اپنے غسال کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں جس طرح غسال چاہتے ہیں، ان کو غسل دیتے ہیں، محبوب الٰہیؒ کے نزدیک سب سے اعلیٰ توکل یہی ہے۔ (ص ۵۴)

فرمایا کہ ایک شخص کا ایمان مکمل اسی وقت ہوتا ہے، جب وہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں کو اونٹ کی مینگنی کے برابر سمجھتا ہو اور خدا کے سوا کسی اور پر اعتماد نہ کرتا ہو، (ص ۱۰۱) جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے، اور اسی کے ساتھ دنیا کی دوستی بھی رکھتا ہے، وہ کاذب ہے (ص ۵۰)

عارف کے ستر مقامات ہین، ان مین سے ایک اس دنیا کی مرادون سے محرومی ہے، لیکن اگر وہ اپنے کو نیک اور اچھا انسان سمجھنے لگے، اور اس مین رعونت پیدا ہوجائے تو وہ بدترین آدمی ہے، (ص ۲۱۶)

بنیاد یاد حق | سالک کے لیے یاد حق کی بنیاد چھ چیزون پر ہے:-

(۱) وہ خلوت نشین ہو کر اس سے اس کا نفس مغلوب ہوگا (۲) وہ ہمیشہ باوضو رہتا ہو، اگر اس کو نیند آجائے، تو جاگنے کے بعد پھر وضو کرلے۔ (۳) صوم دوام رکھنے کی کوشش کرتا ہو، اگر یہ ممکن نہ ہو تو غذا مین تقلیل کرے (۴) غیر حق سے ہمیشہ سکوت اختیار کرتا ہو (۵) شیخ سے قلبی لگاؤ اور محبت رکھتا ہو (۶) حق کی خاطر تمام خواطر کی نفی کردیتا ہو،

سالک کا پرہیز | ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ سالک کے لیے چار چیزون سے پرہیز کرنا ضروری ہے، (۱) دنیا خصوصاً صحبت اغنیاء (۲) ماسوا اللہ کا تذکرہ (۳) غیر اللہ کی طرف التفات و توجہ، (۴) دل کا میل، یعنی دل مین دنیا کی کسی قسم کی محبت نہ ہو، ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ

توبہ | ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ سالک جب کسی چیز سے توبہ کرے تو اسکی نیت خالص ہو (ص ۲۵) اور ہر حال مین اس پر ثابت قدم رہے (ص ۵، ۱۳۹، ۲۰۵) گناہ سے ایک مرتبہ توبہ کی جاتی ہے، مگر طاعت سے ہزار مرتبہ، جس طاعت مین ریا کی آمیزش ہو وہ گناہ سے بھی بدتر ہے،

ظاہری اخلاق | حضرت محبوب الٰہیؒ نے سالک کے ظاہری اخلاق پر بھی پورا زور دیا ہے، فرماتے ہین کہ سالک مین چار چیزون سے کمال پیدا ہوتا ہے، (۱) کم کھانا (۲) کم بولنا (۳) کم سونا اور (۴) لوگون سے میل جول کم رکھنا،

حقوق العباد | مخالطت خلق سے پرہیز کی تاکید جابجا ہے، مگر اسی کے ساتھ خلق اللہ کے حقوق کی بھی تعلیم ہے، فرمایا کہ مومن کے دل کو ستانا اللہ تبارک تعالیٰ کو تکلیف پہنچانا ہے، مومن وہ شخص ہے، کہ اگر وہ مشرق مین ہے اور مغرب مین ایک مومن کے پاؤن مین کانٹا چبھے، تو اس کو

یہاں درد محسوس ہو،

عیب پوشی درویش کو جب کسی سے تکلیف پہنچے، تو اس کے دل سے کسی حال میں بھی بددعا نہ نکلے، اور درویش کو پردہ پوش ہونا چاہیے، پردہ پوشی تمام عبادتوں میں افضل ہے،

حقوق ہمسایہ ہمسایہ کے حقوق کے سلسلہ میں فرمایا، وہ قرض مانگے تو اس کو قرض دو، اس کو کوئی ضرورت ہو تو پوری کرو، بیماری میں اس کی عیادت کرو، مصیبت میں غمخواری کرو، اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی میت کے ساتھ جاؤ، اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھو،

پابندی شریعت شریعت کی پابندی ہر حال میں ضروری بتائی ہے، اپنے خواجگان ہی کی طرح فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی مقام سے گرے تو شرع میں گرے اور اگر یہاں سے گر گیا تو پھر اس کا کوئی ٹھکانا نہیں، ایک اور موقع پر فرمایا کہ آنچہ نامشروع ست ناپسند است، یعنی جو شے شرعاً ناجائز ہے وہ بری ہے (ص ۲۴۷)، وجد و حال، ذوق و کیف اور استغراق و تحیر سے شریعت ساقط ہو جاتی تو اس کو کسی حال میں گوارا نہیں فرماتے، ارشادات عالیہ میں ہے کہ وہی لوگ مشائخ ہیں جن کے ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہیں (ص ۱۴۴) اسی لیے ملفوظات میں ذوق و کیف اور استغراق و تحیر کے ساتھ نماز، روزہ، سنن و نوافل تلاوت کلام پاک، تراویح، احترام شریعت اور اتباع سنت کی جابجا تاکیدیں ہیں خصوصاً نماز باجماعت کی بڑی تاکید کی ہے، فرمایا کہ

"اگر دو کس باشند ہم جماعت باید کرد چہ از دو کس جماعت نباشد، اما ثواب جماعت باشد، آں دو تن را باید کہ برابر ایستند" (ص ۱۰۶)

خود بھی جماعت کا بڑا احترام رکھتے تھے، ضعیفی اور کبر سنی کے باوجود آخر وقت تک نماز باجماعت کے لیے خانقاہ کے کوٹھے پر سے نیچے تشریف لاتے، جمعہ کی نماز کے متعلق ارشاد ہے

کہ مسافر اور مریض کے علاوہ اگر کوئی شخص ایک جمعہ کی نماز میں شرکت نہیں کرتا، تو اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے، اگر دو جمعہ ناغہ کرتا ہے، تو دو سیاہ نقطے پیدا ہو جاتے ہیں، اور تین جمعہ کی عدم شرکت سے اس کا تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے (ص ۱۳۱)

پہلے ذکر آچکا ہے کہ حضرت بابا گنج شکرؒ نے حضرت محبوب الٰہیؒ کو نصیحت فرمائی تھی کہ راہ سلوک میں روزہ رکھنا نصف راہ ہے، اور بقیہ نصف راہ نماز اور حج سے طے ہو جاتی ہے، حضرت محبوب الٰہیؒ نے اسی کی تعلیم اپنے مریدوں کو دی، اس کے علاوہ اپنی مجلسوں میں احکام الٰہی کی تلقین زیادہ تر کلام الٰہی کی تفسیر کے تحت فرماتے، احادیث نبوی کی بھی بڑی تعظیم کرتے، ایک موقع پر فرمایا کہ وہ ملک کیونکر آباد رہے گا جس میں لوگوں کی رائے کو احادیث نبوی پر ترجیح دی جاتی ہو،

اظہار کرامت | کرامت کے اظہار کی ممانعت سختی سے کی ہے، فرمایا کہ

"کرامت پیدا کردن کارے نیست مسلمانے روی راستی گدائے بیچارہ می باید بود"

اسی کے ساتھ یہ حکایت بیان کی کہ ایک بار خواجہ ابو الحسن نوائی دجلہ کے کنارے پہنچے، تو دیکھا کہ ایک ماہی گیر دریا میں جال ڈال رہا ہے، خواجہ ابو الحسن نوائی نے ماہی گیر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر میں صاحب ولایت و کرامت ہوں گا، تو تمھارے جال میں میرے کہنے سے ڈھائی من وزن کی ایک مچھلی پھنسے گی، اور مچھلی ٹھیک اسی وزن کی ہوگی، نہ کم ہوگی، نہ زیادہ، ان کے ارشاد کے مطابق واقعی اس وزن کی مچھلی پھنس گئی، اس کی خبر حضرت شیخ جنید قدس سرہ کو ملی تو انھوں نے فرمایا کہ کاش اس جال میں ایک مار سیاہ پھنستا، اور ابو الحسن کو کاٹ لیتا، کہ وہ ہلاک ہو جاتے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں فرماتے ہیں، جواب دیا کہ اگر سانپ ان کو کاٹ لیتا، تو وہ شہید ہو جاتے، لیکن اپنی کرامت کے بعد زندہ رہے تو یہ دیکھنا پڑے گا کہ ان کا

خاتمہ کس طرح ہوا، (ص ۱۷۳)

سماع | سلسلہ چشتیہ مین سماع جائز ہے، فوائد الفواد مین کثرت سے اس کا ذکر آیا ہے محبوب الٰہی نے فرمایا کہ سماع ایک صوت موزون ہے، اس لیے حرام نہین، اس سے تحریک قلب ہوتی ہے، اگر یہ تحریک یاد حق کے لیے ہے تو مستحب ہے، لیکن فساد کی طرف مائل ہے تو حرام ہے، (ص ۲۴۶)

سماع سے تین سعادتین حاصل ہوتی ہین:-

(۱) انوار،

(۲) احوال،

(۳) آثار،

اور یہ تین عالم سے نازل ہوتی ہین:-

(۱) ملک،

(۲) جبروت،

(۳) ملکوت،

اور تین چیزون پر نازل ہوتی ہین:-

(۱) ارواح،

(۲) قلوب،

(۳) جوارح،

انوار عالمِ ملکوت سے ارواح پر، احوال عالمِ جبروت سے قلوب پر اور آثار عالمِ ملک سے جوارح پر نازل ہوتے ہین، انوار، پھر احوال اور آخر مین آثار ظاہر ہوتے ہین، آثار کے نزول

سے جسم میں حرکت اور جنبش پیدا ہوتی ہے (ص ۳۶) وقفۃً جنبش اور ہیجان پیدا کرنے والے سماع کو حرام کہتے ہیں، لیکن سماع کے اثر کرنے کے بعد کسی شعر کو خدا یا اپنے پیر یا کسی ایسی چیز کی طرف منسوب کرے، جو اس کے دل میں پیدا ہو تو وہ غیر حرام ہے، (ص ۱۴۲)

سماع کے لیے حسب ذیل شرطیں لازمی ہیں:-

(۱) مسمع یعنی سنانے والا، لڑکا اور عورت نہ ہو،

(۲) مسموع یعنی جو چیز سنی جائے، وہ ہزلیات اور فواحش سے پاک ہو،

(۳) مستمع یعنی جو سنے وہ صرف خدا کے لیے سنے،

(۴) آلات سماع مثلاً چنگ، رباب، اور دوسرے مزامیر نہ ہوں (ص ۱۴۲) محفلِ سماع میں عورتیں نہ ہوں (ص ۹۵)

ایک مجلس میں مریدوں نے عرض کی کہ آج کل مخدوم کی خدمت کی خاطر ہر وقت سماع سننا جائز کر دیا گیا ہے، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ جو چیز حرام ہے، وہ کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہو سکتی، اور جو چیز حلال ہے وہ کسی کے حکم سے حرام نہیں ہو سکتی، مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں سماع دف اور چغانہ کے ساتھ جائز ہے، لیکن ہمارے علماء (احناف) اس کے خلاف ہیں، لیکن اب اس اختلاف میں حاکم وقت کا جو حکم ہوگا، وہی صحیح ہوگا، مریدوں میں سے ایک نے گذارش کی کہ آج کل بعض خانقاہوں میں درویش چنگ و رباب و مزامیر کی محفلِ سماع میں رقص کرتے ہیں، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ وہ اچھا نہیں کرتے، کیونکہ جو فعل نامشروع ہے، وہ ناپسندیدہ ہے، ایک مرید نے عرض کی کہ یہ درویش جب محفل سے باہر آتے ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسی محفل میں کیوں شریک ہوئے جہاں مزامیر تھے، اور وہاں کیوں رقص کیا، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم سماع میں اس قدر مستغرق ہو جاتے ہیں کہ ہم کو خبر نہیں ہوتی، کہ اس جگہ

(حاشیہ)

مزامیر بھی ہیں۔ محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ یہ جواب درست نہیں، اور یہ تمام باتیں معصیت کی ہیں۔

خلفاء | حضرت محبوب الٰہیؒ کے خلفاء کی فہرست بڑی لمبی ہے، بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی (دہلی)، حضرت امیر خسرو (دہلی) حضرت شیخ قطب الدین منور (ہانسی)، حضرت شیخ حسام الدین ملتانی (پاک پٹن) حضرت شیخ برہان الدین غریب (دیوگیری) حضرت شیخ حسام الدین سوختہ (سانبھر) شیخ اخی سراج الدین (مالدہ) (بنگال) حضرت خواجہ شمس الدین دھاری (ظفرآباد) حضرت شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر (پانی پت) حضرت شیخ منتخب الدین (خلدآباد)

تبلیغ واشاعت اسلام | ان خلفاء میں حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی نے دہلی، اودھ، پنجاب اور گجرات میں مذہبی و روحانی اثرات پیدا کیے۔ حضرت شیخ اخی سراج الدین نے بنگال اور اسکے اطراف بہار اور آسام میں اسلامی تعلیمات پھیلائیں، حضرت خواجہ برہان الدین غریب نے دکن کو اپنے مرشد کی برکات سے مستفیض کیا، جناب خواجہ حسن نظامی (موجودہ سجادہ نشین درگاہ نظام الدین اولیاء) کا بیان ہے کہ چین میں بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کے ایک خلیفہ تھے، ان کا اسم گرامی خواجہ سالار ہین تھا، انھوں نے چین میں سلسلہ نظامیہ قائم کرکے اسلام کی تبلیغ کی،

توحید اور رسالت کے ان شیدائیوں کو اشاعت اسلام کی بھی ہدایت تھی، چنانچہ حضرت خواجہ برہان الدین غریب نے دکن میں اور حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر نے پانی پت کے علاقے میں بہت سے غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام کیا، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا،

حضرت شیخ بو علی قلندر پانی پتیؒ

نام و نسب نام شیخ شرف الدین اور لقب بو علی قلندر تھا، امام اعظم ابو حنیفہ کی اولاد سے تھے سلسلۂ نسب یہ ہے، شیخ شرف الدین بو علی قلندر بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابوبکر غازی بن فارس بن عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم بن محمد بن دانک بن امام اعظم ابو حنیفہؒ[1]

والد ماجد ۶۰۰ھ میں عراق سے ہندوستان آئے، وہ بڑے متبحر اور جید عالم تھے ان کی پہلی شادی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی دختر نیک اختر سے ہوئی، لیکن وہ لاولد فوت ہوگئیں، ان کے بعد مولانا سید نعمت اللہ صاحب ہمدانی کرمانی کی ہمشیرہ بی بی حافظہ جمال سے عقد ہوا جو حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر کی ماں تھیں،

شیخ بو علی قلندر ۶۰۵ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے کمسنی میں تمام علوم ظاہری حاصل کیے، اور بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے پاس ان کے درس و تدریس کا فیض جاری رہا، دہلی کے اکابر علما مولانا قطب الدین، مولانا وجیہ الدین پائلی، قاضی ظہور الدین بجوادی، قاضی حمید الدین صدر شریعت، مولانا فخر الدین پائلی وغیرہ ان کے علمی تبحر اور فضیلت کے معترف تھے،

جذب و سکر لیکن جب تصوف کے کوچہ میں قدم رکھا، اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہوئے، تو جذب و سکر کی حالت میں علوم و فنون کی تمام کتابوں کو دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی، اور پانی پت کے مضافات باگھونی اور کرنال کے نواح بڈھا کھیڑہ میں اقامت اختیار

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۹۰۔

تک مقیم رہے[1]،

خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ معارج الولایت کے مولف نے شیخ بو علی قلندر کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا خلیفہ لکھا ہے[2] لیکن ان کی ارادت اور خلافت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی طرف بھی منسوب ہے، اخبار الاخیار میں ہے،

"بعضے گویند کہ بخواجہ بختیار کاکی ارادت داشت و بعضے گویند بشیخ نظام الدین اولیا، وہیچ یکے ازین دو نقل بصحت نرسیدہ است[3]"

سکر اور مستی کی حالت میں ایک بار مونچھیں شرعی حد و د سے بہت بڑھ گئیں، کسی کو ترشنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، ان کے ہم عصر بزرگ مولانا ضیاء الدین سنامی کو شریعت کی پابندی کا بڑا جوش تھا، انھوں نے شیخ کی ریش مبارک کو پکڑ کر مونچھوں کو شرعی حد کے مطابق تراش دیا جب وہ تراش کر تشریف لے گئے تو شیخ بو علی قلندر اپنی داڑھی کو پکڑ کر بار بار فرماتے، یہ ریش کیسی مبارک ریش ہے کہ شرع محمدی کی راہ میں پکڑی گئی ہے[4]

خواجہ شمس الدین ترک | شیخ بو علی قلندر کے قیام پانی پت کے زمانہ میں شمس الاولیا حضرت خواجہ شمس الدین ترک اپنے خلیفہ تاج الاولیاء حضرت خواجہ علاء الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے یہاں آکر قیام پذیر ہوئے،

حضرت خواجہ شمس الدین ترکستان کے سادات میں اور حضرت خواجہ احمد یسوی کے فرزند تھے جن کا سلسلہ نسب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے، خواجہ شمس الدین علوم نقلی عقلی کی تعلیم پانے کے بعد علم سلوک کی طرف مائل ہوئے، اور ماوراء النہر کے بہت سے بزرگوں

---

[1] خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۳۲۰ [2] ایضاً ص ۲۲۶ [3] اخبار الاخیار ص ۱۲۱ [4] ایضاً و خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۲۶،

کی صحبت میں رہے، مگر جب کہیں تشنگی نہ بجھی، تو مرشد کامل کی طلب میں ہندوستان کی طرف چل کھڑے ہوئے، ملتان پہنچکر بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور تربیت پانے کے بعد وہاں سے بابا صاحب کی ہدایت کے مطابق کلیر شریف پہنچے جہاں حضرت شیخ علاء الدین صابرؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ

"شمس الدین تو مرا فرزندی، از حق سبحانہ تعالیٰ خواستہ ام کہ این سلسلہ ما از تو جاری باشد و تا قیامت بر پا ماند"[۱]

اور اپنی چہار ترکی کلاہ ان کے سر پر رکھدی، وہ گیارہ سال تک پیر دستگیر کی خدمت میں رہے مرشد کو اپنے ہاتھوں سے نہلاتے، وضو کراتے، ان کے لیے جنگلوں سے لکڑیاں لاکر کھانا پکاتے، اور خود فقر و فاقہ سے مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہتے، مرشد سے علوم سینہ کی تحصیل کے بعد پانی پت میں قیام کرنے کا حکم ملا، لیکن روحانی طور سے اس مقام کا بار اٹھانے کی اپنے میں صلاحیت نہیں پائی، اس لیے مرشد کی اجازت سے فوج کی ملازمت کی طرف متوجہ ہو گئے اس وقت سلطان غیاث الدین بلبن کا دور حکومت تھا، دہلی آکر اس کی فوج میں سواروں کے زمرہ میں شامل ہو گئے[۲]، کچھ دنوں میں ان کے پاس کافی دولت ہو گئی، لیکن امارت کی کسی چیز سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، شب و روز ذکر الٰہی میں مشغول رہتے،

سیر الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے:-

"ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک قلعہ[۳] کا محاصرہ کیا، ایک زمانہ اسی حالت میں گذر گیا، اور قلعہ فتح نہ ہو سکا، اسی دوران میں ایک رات ایسی سخت آندھی آئی، اور

۱؎ مراۃ الاسرار (قلمی نسخہ دار المصنفین) ۲؎ سیر الاقطاب ص ۱۸۶ ۳؎ خزینۃ الاصفیا، جلد اول ص ۳۲۱

۳؎ قلعہ کا نام معلوم نہ ہو سکا،

بارش ہوئی، کہ سپاہیوں اور امراے اسلام کے خیمے گر پڑے، بارش تیزی سے جاری رہی، سخت سردی پڑنے لگی، اور کسی جگہ آگ باقی نہیں رہی، شاہی سقہ بادشاہ کے وضو کا پانی گرم کرنے کے لیے آگ کی تلاش میں نکلا، اس نے دفعۃً دور سے دیکھا کہ ایک خیمہ میں چراغ جل رہا ہے، وہ خیمہ حضرت (یعنی خواجہ شمس الدین ترک) کا تھا، سقہ دوڑا ہوا خیمہ کے پاس گیا، دیکھا کہ ایک فقیر کلام مجید کی تلاوت کر رہا ہے، حضرت کے خوف سے وہ آگ مانگ نہ سکا، حضرت نے سر اٹھایا، اور فرمایا کہ اے بھائی آؤ اور جتنی آگ چاہئے ہو لیجاؤ، وہ سامنے آیا، اور ایک لکڑی آگ سے جلائی، اور لوٹا لے کر لوٹ گیا، اس واقعہ سے سقہ کو بیقراری تھی، صبح کے وقت مشک لے کر اس خیمہ کی طرف چلا، اور جب اس کے پاس پہنچا، تو حضرت کو اس میں نہ پا کر حیران ہوا، اور وہاں سے واپس آ کر ایک تالاب پر جو لشکر گاہ کے پاس تھا گیا، دیکھا کہ ایک نیک بزرگ وضو کر رہے ہیں، غور کیا تو وہی پاک صورت نظر آئی، جن کے چراغ سے رات کو آگ جلا گیا تھا، یہ دیکھ کر ایک گوشہ میں کھڑا رہا، یہاں تک کہ وہ بزرگ وضو کے بعد نماز ادا کر کے اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے گئے، سقہ نے اسی جگہ سے مشک میں پانی بھرا، اور باوجود یکہ جاڑے کا زمانہ تھا، اور ہر جگہ پانی جم گیا تھا، لیکن جس جگہ حضرت نے وضو کیا تھا، وہاں کا پانی اس قدر گرم تھا، گویا کسی نے اس کو ابھی گرم کیا ہے، اس کو لے کر اپنے کارخانہ میں گیا، اور اپنی عقل سے معلوم کیا کہ یہ سب کچھ اسی مرد خدا کی عظمت و برکت کے سبب سے ہوا ہے، لیکن اس راز کو کسی سے ظاہر نہیں کیا، دوسرے دن حضرت کے پہنچنے سے پہلے جب دو چار گھڑی رات رہ گئی تھی، تالاب پر پہنچا، اور پانی کو دیکھا کہ جما ہوا ہے، قریب ہی ایک درخت تھا، اس کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا، یہاں تک کہ حضرت تشریف لائے، ان کے پہنچنے کے ساتھ ہی تالاب کے پانی نے جوش مارا، حضرت

نے وضو کیا، اور نماز ادا کر کے اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہو گئے، سقہ نے گرم پانی کو مشک میں بھرا، اور سلطان غیاث الدین بلبن کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس وقت جب سلطان دربار عام میں بیٹھا تھا سقہ نے فریاد کی، سلطان نے اس کو بلا کر استفسار کیا، اس نے عرض کیا، اگر جہاں پناہ میرے راز کو خلوت میں سنیں تو گذارش کروں، سلطان نے اس کا موقع دیا، سقہ نے حضرت کا تمام حال بیان کیا، سلطان سن کر متحیر ہوا، اور اپنی خوابگاہ میں اس کو ٹھہرنے کا حکم دیا، جب رات ہوئی، تو سلطان خیمہ کے اندر چلا گیا، اور دروازہ کی کنجی سقہ کے حوالہ کر دی، جب تین چار گھڑی رات باقی رہ گئی، تو سقہ نے دروازہ کھول کر سلطان کو جگا دیا، سلطان مسلح ہو کر باہر نکلا، اور سقہ کے ساتھ پیادہ تالاب پر پہنچا، پانی کو دیکھا تو بالکل سرد تھا، وہ چھپ کر وہیں بیٹھ گیا، یہاں تک کہ حضرت تشریف لائے، ان کے پہنچتے ہی حسب معمول پانی میں جوش آگیا، جس کو سلطان نے خود دیکھا، حضرت نے وضو کر کے نماز ادا کی، اور اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے گئے، سلطان نے پانی کو دیکھا تو گرم تھا، وہ متحیر ہوا، اور حضرت کے پیچھے پیچھے چلا، حضرت خیمہ میں پہنچ کر قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو گئے، سلطان دست بستہ وہیں کھڑا رہا، جب وہ تلاوت سے فارغ ہو چکے، تو بادشاہ کو دیکھا، تعظیم کے لیے کھڑے ہوئے اور سلام کیا، سلطان نے اظہار ادب کر کے عرض کی، کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے دوست میرے عہد میں موجود ہیں، لیکن اس کے باوجود ہزار افسوس ہے کہ ابھی تک قلعہ فتح نہیں ہو سکا، حضرت نے ہر چند اپنے کو چھپانے کی کوشش کی، لیکن بے سود تھا، مجبوراً دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، اور فاتحہ پڑھ کر فرمایا کہ اسی وقت حملہ کیا جائے، انشاء اللہ فتح ہوگی، سلطان خوش خوش رخصت ہوا، اور لشکر میں پہنچ کر

اسی وقت حملہ کیا، قلعہ فتح ہوگیا، سلطان جب مسرت سے معمور اپنے فتح مند لشکر میں پہنچا تو وہ دوسرے دن برہنہ پا حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا، اور حضرت نے اپنے نور باطن سے اس کا ارادہ معلوم کر لیا، ....

اپنا تمام اسباب و مال و متاع فقرا کو دیدیا، اور کمل اوڑھ کر لشکر سے چل کھڑے ہوئے، اور اپنے پیر دستگیر کی خدمت میں پہنچے، کچھ دنوں وہاں رہ چکے تو پانی پت میں مامور کیے گئے،

بلبن پر بزرگان دین کے اثرات گو ہم اپنے موضوع سے کچھ الگ ضرور ہو رہے ہیں لیکن یہ اسلیے کہ ناظرین کو اندازہ ہو جائے کہ سلطان بلبن کو اولیا، اللہ سے کیسی عقیدت تھی، پہلے ذکر آچکا ہے کہ اس کی ایک لڑکی حضرت بابا فرید گنج شکر کے حبالہ عقد میں تھی، ایک موقع پر بابا صاحب نے اس کے لیے دعائیں بھی کیں، بادشاہت کے زمانے میں وہ علما و مشائخ کی صحبت سے برابر مستفیض ہوتا رہا، تاریخوں میں اس کی دینداری، خدا ترسی اور عبادت گذاری کی بڑی تعریف کی گئی ہے، مولانا ضیاء الدین برنی اس کے متعلق رقمطراز ہیں :-

وہ (یعنی سلطان بلبن) عبادت، ریاضت، روزے، نفل، اور شب بیداری میں غیر معمولی اہتمام کرتا، جمعہ کی نماز، نماز باجماعت، اشراق و چاشت، اوابین اور تہجد کی بھی پابندی کرتا، خواہ کوئی موسم ہو، رات کو جاگتا، سفر و حضر میں بھی اوراد و وظائف کو نہ چھوڑتا، کبھی بے وضو نہ رہتا، علما کے بغیر کھانا نہ کھاتا، کھانے کے وقت علما سے دینی مسائل پوچھتا، اور اس وقت بحث و مباحثہ بھی ہوتا، ہر قسم کے علما و مشائخ کی بیحد تعظیم کرتا، بزرگان دین کی ملاقات کے لیے ان کے گھروں پر جاتا، جمعہ کی نماز کے بعد اپنی سواری کی حشمت و شوکت کے ساتھ مولانا برہان الدین بلخی کے گھر پر اترتا اور

لہ سیر الاقطاب ص ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹؛

اس عالم ربانی سے بہت ہی تعظیم و توقیر سے پیش آتا، قاضی شرف الدین ابالجی، مولانا سراج الدین سنجری، مولانا نجم الدین دمشقی کی بھی جو اس زمانہ کے ممتاز علما تھے، بڑی عزت کرتا، جمعہ کی نماز کے بعد بزرگانِ دین کے مزاروں کی زیارت کو بھی جاتا، شہر کے سادات، مشائخ و علماء میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا، تو ان کے جنازہ میں شریک ہوتا، پھر ان کے سیوم میں حاضر ہو کر ان کے لڑکوں اور بھائیوں کو خلعت دیتا، جاگیر اور وظیفہ مقرر کرتا، اگر اپنے دبدبہ و حشمت کے ساتھ کہیں سے گزرتا ہوتا اور اس کو معلوم ہو جاتا کہ پاس ہی مسجد میں وعظ ہو رہا ہے تو اتر جاتا، اور عام لوگوں کے ساتھ بیٹھکر وعظ سنتا، وعظ سنتے وقت اس پر رقت اور گریہ بھی طاری ہو جاتا، وہ اپنے لشکر کے قاضیوں کی بھی بڑی عزت کرتا، جو اپنے تقویٰ اور دینداری کے لیے ممتاز ہوتے، اور وہ سلطان سے جس بات کی سفارش کرتے، اس کو وہ ضرور قبول کرتا۔[1]

لیکن اس زہد و عبادت اور سلامت روی کے باوجود وہ ایک مسلمان حکمران کے فرائض سے غافل نہیں رہنا چاہتا تھا، چنانچہ اپنے لڑکوں اور خاص خاص لوگوں سے سید نور الدین کے اس وعظ کا ذکر بار بار کرتا جو انھوں نے سلطان شمس الدین التمش کے سامنے کہا تھا، یہ وعظ طویل ہے، لیکن اس کا ایک حصہ یہ ہے کہ اگر ایک بادشاہ روزانہ ہزار رکعتیں نماز پڑھتا رہے، تمام عمر روزے رکھتا رہے، گناہوں سے بچتا رہے، خزانے کو راہِ حق میں خرچ کرتا رہے لیکن وہ دین کی حمایت نہ کرتا ہو، اپنی سطوت کو خدا اور رسول کے دشمنوں کے قلع قمع کرنے میں صرف نہ کرتا ہو، شریعت کے احکام کو جاری نہ کراتا ہو، اپنے ملک میں امر معروف کو جاری کرانے اور نہی منکر کو مٹانے میں کوشاں نہ رہتا ہو،

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۷۴ — ۷۶

اور عدل وانصاف سے کام نہ لینا ہو تو اس کی جگہ دوزخ کے سوا اور کوئی نہ ہوگی، مولانا ضیاءالدین برنی کا بیان ہے کہ بلبن جب وعظ کے اس حصے کو بیان کرتا تو زار زار رونے لگتا۔[1]

حضرت شمس الدین ترک اور حضرت بو علی قلندر

جب حضرت شمس الدین ترکؒ کا نزول اجلال پانی پت میں ہوا، تو دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ اپنے خادم کے ہاتھ شیخ بو علی قلندرؒ کی خدمت میں بھیجا، شیخ بو علی قلندرؒ خادم کو دیکھ کر مسکرائے، گلاب کے چند پھول ان کے سامنے پڑے تھے، ان کی پنکھڑیاں دودھ میں ڈال کر اسے حضرت شمس الدین ترکؒ کے پاس واپس کر دیا، وہ پیالے میں گلاب کی پتیاں دیکھکر متبسم ہوئے، حاضرین مجلس نے تبسم کی وجہ پوچھی، فرمایا شیخ بو علی قلندرؒ کے پاس دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھیجنے سے مراد یہ تھی کہ یہ ملک میرے شیخ نے مجھکو عطا کیا ہے، جو مجھ سے پُر ہو گیا ہے، شیخ بو علی قلندرؒ نے گلاب کی پنکھڑیاں ڈال کر دودھ کا پیالہ جو واپس کر دیا، تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے ملک سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے، اور یہاں اسی طرح رہیں گے جس طرح دودھ میں گلاب کی پنکھڑیاں ہیں، شیخ بو علی قلندرؒ سے پوچھا گیا تو انھوں نے بھی یہی فرمایا، چنانچہ دونوں میں آخر وقت تک اخلاص و محبت قائم رہی۔[2]

شیخ بو علی قلندر کا فیض

کبیر الاولیاء حضرت شیخ جلال الدین محمود پانی پتیؒ، شیخ بو علی قلندرؒ ہی کے فیض نظر سے راہ طریقت پر گامزن ہوئے، ایک دن شیخ بو علی قلندرؒ سر راہ بیٹھے ہوئے تھے، کمسنی کے زمانہ میں شیخ جلال الدین گھوڑے پر سوار ادھر سے گذرے، انکو دیکھ کر شیخ بو علی قلندر نے فرمایا،

زہے اسپ و زہے سوار

---

[1] تاریخ فیروز شاہی از ضیاءالدین برنی ص ۴۴ [2] سیر الاقطاب ص ۱۸۹

کانون مین یہ آواز پڑتے ہی شیخ جلال الدین بے خود ہو گئے، گھوڑے سے اتر پڑے، اور اسی وقت گریبان چاک کر کے جنگل کی راہ لی، اور چالیس سال تک جنگل مین پھرتے رہے، اور اس درمیان مین مختلف درویشون اور فقیرون کی صحبت اختیار کی، پھر جب وطن واپس آئے، تو شیخ بو علی قلندرؒ سے بیعت کے لیے مصر ہوئے، شیخ نے فرمایا:

"اے فرزند عزیز کشایش تو موقوف بر مرد دیگر است"

چنانچہ جب حضرت شمس الدین ترکؒ پانی پتی کا ورود مسعود پانی پت مین ہوا، تو شیخ بو علی قلندرؒ نے شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے پاس ارادت کے لیے بھیجا، جو آگے چل کر ان کے خلیفہ ہوئے۔[1]

سلطان جلال الدین خلجی کی عقیدت | سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت خواجہ بو علی قلندرؒ سے بڑی عقیدت تھی، وہ ان کے حلقہ ارادت مین بھی شامل ہو گیا تھا، اور بزرگان دین ہی کی صحبت کا شاید یہ اثر تھا کہ اس مین حلم، نرمی اور خداترسی کے اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہین:-

"این چنین بادشاہ حلیم وکریم واین چنین فرمان روایان وکارگزاران مہربان وخداترس بہ بندگان خدا نخواند دیدہ"

حضرت سیدی مولہ | مگر ان خوبیون کے باوجود حضرت سیدی مولہ کا خون اس کے سر ہے، گو اس واقعہ کی تفصیل ہمارے موضوع سے متعلق نہین لیکن ناظرین کو اس سے دلچسپی ہو گی اس لیے اس کو مجملاً مولانا ضیاء الدین برنی کی زبانی ہم بیان کرتے ہین:-

"سیدی مولہ ایک درویش تھے، جو سلطان بلبن کے عہد مین ولایت ملک بالا

---

[1] سیر الاقطاب ص ۲۰۱، ۲۰۶

سے شہر (یعنی دہلی) میں آئے، وہ عجیب طریقے رکھتے تھے، خرچ کرنے اور کھانا کھلانے میں بے نظیر تھے، لیکن جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتے تھے، گو وہ نماز کے پابند تھے، مگر جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کرتے تھے، جس کی پابندی تمام بزرگان دین نے کی ہے، وہ مجاہدہ و ریاضت بہت کرتے تھے، جامہ اور چادر پہنتے، اور چاول کی روٹی معمولی سالن سے کھاتے تھے، ان کے پاس کوئی عورت، کنیز اور خدمت گار نہ تھا، اور نہ وہ کسی نفسانی خواہش میں مبتلا تھے، کوئی کچھ دیتا تو اس کو قبول نہ کرتے، لیکن ان کے اخراجات اتنے تھے کہ لوگوں کو حیرت ہوتی تھی، اور ان کا خیال تھا کہ وہ علم کیمیا جانتے تھے، اپنے دروازہ کے سامنے میدان میں انھوں نے ایک خانقاہ بنوائی تھی، اس کی تعمیر میں ہزاروں روپے خرچ کیے تھے، اس خانقاہ میں بڑی مقدار میں کھانا پکتا تھا، بری و بحری سفر کرنے والے مسافر یہاں آکر مقیم ہوتے تھے، اور ان کو دو وقت کھانا ملتا تھا، اور کھانا ایسا ہوتا تھا کہ اس زمانہ کے خوانین و ملوک کو میسر نہ تھا، خانقاہ میں ہزاروں من میدہ خرچ ہوتا تھا، پانچ سو جانور ذبح کیے جاتے تھے، دو تین سو من شکر اور سو دو سو من نبات خریدی جاتی تھی، خانقاہ کے سامنے آدمیوں کا ایک ہجوم رہتا تھا، ان کے پاس (یعنی حضرت سیدی مولہ) نہ کوئی گاؤں تھا اور نہ ان کو شاہی وظیفہ ملتا تھا، اور نہ وہ کسی سے فتوح قبول کرتے تھے، جب کسی سے کوئی چیز خریدتے، یا کسی کو کچھ رقم دینا چاہتے تو کہتے، کہ جاؤ، فلاں پتھر یا اینٹ کے نیچے جا کر اتنے نقرئی ٹنکے لیلو، وہ جاتا، تو واقعی اینٹ یا پتھر کے نیچے یا طاق میں طلائی اور نقرئی سکے مل جاتے، یہ سکے ایسے ہوتے جیسے دار الضرب سے بالکل نئے نکلے ہوں"

آگے چل کر مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں:۔

"حضرت سیدی مولہ کی خانقاہ کے اخراجات سلطان جلال الدین خلجی کے عہد میں اور بھی زیادہ بڑھ گئے تھے، سلطان جلال الدین کا بڑا لڑکا خانخانان ان کا معتقد ہو گیا تھا، اور اپنے کو حضرت سیدی مولہ کا بیٹا کہتا تھا، امرا، اور حکام کی آمد و رفت ان کے پاس بڑھ گئی تھی، قاضی جلال کاشانی نے جو اس زمانہ کا قاضی القضاۃ تھا، لیکن فتنہ انگیز تھا، سیدی سے تعلقات پیدا کیے، دو دو تین تین راتیں خانقاہ میں بسر کرتا، اور وہاں کے لوگوں سے گفتگو کرتا، بلبن کے عہد کے مولانا زادے جو امرا، اور ملوک کی اولاد سے تھے، اس گفتگو میں شریک رہتے، یہ سب عہد جلالی میں بالکل بے سر و سامان، بے اقطاع اور بے حشم ہو گئے تھے، برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال جو آزادوں اور پہلوانوں کے گروہ میں تھے، اور بلبنی عہد میں ایک لاکھ جیتل وظیفہ پاتے تھے، بے وظیفہ ہو گئے تھے، اور بعض دوسرے اکا جو عہدوں سے معزول کر دیے گئے تھے، سیدی کی خانقاہ میں آکر رات کو سوتے اور ان سے کچھ چیزیں پاتے، لوگ سمجھتے کہ ان اکابر کی آمد و رفت محض حصول برکت کے لیے ہوتی ہے، لیکن معلوم ہوا کہ قاضی جلال کاشانی، خان زادے، ملک زادے، برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال نے رات کو سیدی کے پاس بیٹھکر فتنہ انگیزی کا مشورہ کرتے ہیں چنانچہ برنج تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال نے ارادہ کیا کہ جمعہ کے روز جب نماز کیلیے سلطان جلال الدین کی سواری نکلے تو اس پر حملہ کر دیا جائے، اور سیدی کو خلیفہ بناکر انکا نکاح سلطان ناصر الدین کی لڑکی سے کر دیا جائے، اور قاضی جلال کو قاضی خان کا عہدہ اور ملتان کا اقطاع دار مقرر کیا جائے، اسی طرح اور اقطاعات ملک زادوں اور خان زادوں میں تقسیم کر دیجائیں، ان بیکار لوگوں میں سے ایک شخص نے جو مشورے میں شریک تھا، ان سے منحرف ہو کر یہ تمام خبریں سلطان جلال الدین تک پہنچادیں،

سیدی اور ان کے ساتھی متہم کر کے سلطان کے سامنے لائے گئے، سلطان نے تفتیش کرنی چاہی تو سب نے انکار کر دیا، اس زمانہ میں یہ رواج نہ تھا کہ انکار کرنے والوں سے لات اور ڈنڈے کے ذریعہ اقرار کرایا جاتا، چنانچہ دبس کے لیے حکم جاری کیا گیا، سلطان اور دوسرے لوگوں کو سازش کا پورا یقین تھا، لیکن سازش کرنے والے منکر تھے، دوسرا کوئی ثبوت نہ تھا، اور ان پر کوئی حکم نافذ نہ کیا جا سکتا تھا، اس لیے بہارپور کے میدان میں آگ روشن کی گئی، سلطان ملوک اور خوانین کے ساتھ وہاں پہنچا، ایک کوشک خاص نصب کیا گیا، سلطان نے شہر کے تمام اکابر علماء و مشائخ کا محضر طلب کیا، اس میدان میں شہر کے خواص و عوام جمع ہوئے، سلطان نے حکم دیا، کہ سازش کرنے والوں کو آگ میں ڈال دیا جائے تا کہ جھوٹ اور سچ روشن ہو جائے، لیکن اس بارے میں جب علماء سے استفتا کیا گیا تو متدین علماء نے کہا، کہ دبس نامشروع ہے، اور آگ کے ذریعہ سے جھوٹ اور سچ کی تمیز نہیں کی جا سکتی ہے، سازش کی خبر صرف ایک شخص نے دی ہے، اور ایسے جرم میں صرف ایک شخص کی شہادت قابل سماعت نہیں، اس لیے سلطان نے دبس کا ارادہ ترک کر دیا، اور قاضی جلال کو جو فتنہ کا سرغنہ تھا، بدایوں کا قاضی بنا کر وہاں بھیج دیا، خان زادوں اور ملک زادوں کو جلا وطن کر دیا، اور ان کی املاک ضبط کر لی، برنجتن اور ہتیا پایک کے کوتوال کو سزا دی، اس کے بعد سیدی مولہ کو باندھ کر سلطان کے کوشک کے پاس لایا گیا، سلطان نے ان سے خود مباحثہ کیا، اس مجمع میں شیخ ابوبکر طوسی حیدری بھی اپنی حیدری جماعت کے ساتھ موجود تھے، سلطان نے ان سے خطاب کر کے کہا اے درویشان! انصاف من از ین مولہ بستانید، بحری

نامی ایک حیدری نے بڑھکر سیدی کو استرے سے زخمی کردیا، ارکلی خان نے کوشک کے اوپر سے فیلبانوں کو اشارہ کیا، ایک ہاتھی سیدی کی طرف دوڑا، اور ان کو پاؤں تلے مسل ڈالا[1]

اس کے بعد مولانا ضیاء الدین برنی اپنے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"ایسا حلیم و بردبار بادشاہ اس معاملہ میں مشورہ دن کو سننے کی طاقت نہ پیدا کرسکا اور ایسا حکم صادر کردیا جس سے درویشی کی عزت جاتی رہی، مجھکو یاد ہے کہ جس روز سیدی مولا کا قتل ہوا، ایک سیاہ طوفان آیا، اور تاریکی چھاگئی، سیدی مولہ کے قتل کے بعد ملک میں طرح طرح کے فتور پیدا ہو گئے، بزرگوں نے کہا ہے کہ کسی درویش کو قتل کرنا نحس ہے، اور کسی بادشاہ کو راس نہیں آتا، سیدی مولہ کے قتل کے بعد اس سال بارش نہیں ہوئی، دہلی میں قحط پڑ گیا، اور غلہ ایک جیتل میں ایک سیر ملنے لگا، سوالک کے علاقہ میں ایک قطرہ بھی بارش نہیں ہوئی، اس سرزمین کے ہندو عورتوں اور بچوں کے ساتھ دہلی چلے آئے، بیس بیس اور تیس تیس آدمی ایک جگہ رہتے، اور بھوک سے بے تاب ہو کر اپنے کو جمنا میں غرق کر دیتے تھے، اور لوگ سلطان اور امرا کے صدقات پر زندگی بسر کرتے تھے"[1]

اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے:۔

"جس روز سیدی مولہ کا قتل ہوا بے اندازہ باد و غبار فضا میں اٹھا، دنیا تاریک ہو گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت آگئی ہے، سلطان جلال الدین نے یہ حال دیکھا تو سیدی مولہ سے اس کو اعتقاد پیدا ہو گیا، جو پہلے نہ تھا"[2]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۱۲۔۲۰۸، [2] اخبار الاخیار ص ۶۹

شیخ بو علی قلندر سے علاء الدین خلجی کی عقیدت

علاء الدین خلجی بھی حضرت شیخ بو علی قلندر رح کے حلقۂ ارادت مین تھا، خزینۃ الاصفیا مین ہے :-

"جلال الدین و علاء الدین بادشاہان دہلی ہم حلقۂ ارادت آنحضرت بگردن خود داشتند" (ج ۱ ص ۳۲۷)

ایک بار سلطان علاء الدین خلجی نے حضرت بو علی قلندر رح کے پاس کچھ نذر بھیجنی چاہی، لیکن یہ معلوم تھا کہ وہ کوئی نذر قبول نہین کرتے ہین، امرا نے رائے دی کہ اگر تحفہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی وساطت سے بھیجا جائے تو وہ ضرور قبول کرلین گے، سلطان علاء الدین نے امیر خسرو کو حضرت نظام الدین اولیاء کے پاس اپنی خواہش کے اظہار کرنے کے لیے بھیجا، حضرت نظام الدین اولیاء نے پہلے تو تامل فرمایا، پھر اپنے محبوب مرید کو نذر لے جانے کی اجازت دے دی لیکن یہ بھی نصیحت فرمائی کہ جو کچھ قلندر عاشق اللہ کہین اس کو تسلیم کرنا، معترض نہ ہونا، امیر خسرو دہلی سے پانی پت تین روز مین پہنچے، اور جب وہ حضرت بو علی قلندر کی قیام گاہ پر آئے تو خدام سے کہلا بھیجا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا بھیجا ہوا خسرو خدمت مین حاضر ہوا ہے حضرت بو علی قلندر نے ان کو اپنے پاس بلایا، اور جب وہ جا کر بیٹھے، تو فرمایا کہ کچھ سناؤ[1]، امیر خسرو نے اپنی ایک غزل شروع کی، جو حسب ذیل ہے :-

اے کہ گوئی ہیچ سختی چون فراق یار نیست
گر امید وصل باشد آنچنان دشوار نیست

عاشقان را در جہان یکسان نباشد روزگار
زانکہ این انگشتہا بر دست من ہموار نیست

خلق را بیدار باید بود از آب چشم من
این عجب کان وقت میگریم کہ کس بیدار نیست

یکقدم بر نفس خود نہ وآن دگر در کوے دوست
ہر چہ بینی دوست بین با این دانت کار نیست

[1] اصلی الفاظ یہ ہین " از ہیرے ہائے خود چیزے بگو"

چند می گوئی بروز نار بند اے بت پرست — پر تن خسرو کدامی رگ کہ آن زنار نیست،

غزل سنکر حضرت بو علی خوش ہوئے اور امیر خسرو کو مخاطب کرکے فرمایا کہ خسرو ناخوش رہو گے اور خوش جاؤ گے، پھر خود ہی یہ غزل پڑھی،

ماہیم خسروان بہ تسلسل اشتر است — خسرو کہ بندۂ [illegible] پیمبر است

گفتم بعلم و عقل بہ ملک دگر شدم — گفتم بہ عقل و دین چو دہم [illegible] ترا

سیمرغ وار روی نہفتم بقاف عشق — کو عارفی کہ منتظر او عرش اکبر است

عقل کل است علم لدنی بعارفان — این عقل و علم [illegible] مقدر است

درس شرف نبود ز الواح ابجدی — لوح جمال دوست مرا ورد ابجد است

حضرت امیر خسرو حضرت بو علی کی زبانی اس غزل کو سنکر بہت روئے، حضرت ابو علی نے پوچھا کہ کچھ سمجھے بھی، عرض کیا رونا اسی کا ہے کہ کچھ نہ سمجھا، اس جواب سے حضرت بو علی خوش ہوئے اور بادشاہ کی بھی نذر قبول کر لی، نذر قبول کرتے وقت فرمایا اگر حضرت خواجہ نظام الدین کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو میں ہرگز قبول نہ کرتا، پھر خدام کو حکم دیا کہ خسرو کو اعزاز و اکرام سے خانقاہ میں رکھو، تین دن ٹھہر کر حضرت امیر خسرو نے واپس ہونے کی اجازت مانگی، رخصت کرتے وقت حضرت بو علی نے ایک خط تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں تحریر فرمایا، اور ایک خط بادشاہ کو اس طرح لکھا،

"علاء الدین قطب دار دہلی مقرر داند کہ [illegible] تعالیٰ [illegible]"

جب یہ خط سلطان علاء الدین خلجی کو ملا تو [illegible] بادشاہ کو [illegible]

ہے، لیکن سلطان نے کہا غنیمت ہے کہ اس فقیر نے مجھ کو قطب دار لکھا [illegible]

دہلی تحریر فرمایا تھا، ایسا قطب دار جو فرمایا اس کے لیے میں [illegible]

سلہ بحوالہ مرآۃ الکونین [illegible]

کی طرف اشارہ تھا، جو حضرت بوعلی نے ملک نائب کے خلاف سلطان علاء الدین کو لکھا تھا۔ ملک نائب نے ایک درویش کو ایذا پہنچائی تھی، حضرت بوعلی نے سلطان کی توجہ اس کی طرف دلائی اور ایک رقعہ میں تحریر فرمایا،

"علاء الدین شحنہ دہلی[۵۱] را اعلام آنکہ خواجہ سرائے .... یکے از درویشان را رنجانید و عرش الرحمن را بلرزہ آورد اگر او را بسزا رسانیدی بہتر والا بجائے تو شحنہ دیگر بدہلی نشانیدہ خواہد شد۔"

سلطان غیاث الدین تغلق بھی حضرت شیخ بوعلی قلندر کا معتقد تھا، ایک بار اپنے لڑکے شہزادہ جونا خان اور اپنے پوتے شہزادہ کمال الدین کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا، حضرت شیخ نے خادموں کو حکم دیا کہ تینوں کے لیے کھانا لائیں، خدام ایک پیالے میں کھانا لائے بادشاہ اور شہزادوں نے ایک ہی پیالہ میں کھانا شروع کیا، اس وقت حضرت شیخ نے فرمایا تین بادشاہ ایک ساتھ کھا رہے ہیں، یہ گویا شہزادہ جونا خان اور شہزادہ کمال الدین کے لیے بشارت تھی،[۵۲] دونوں آگے چل کر سلطان محمد تغلق اور سلطان فیروز شاہ کے نام سے ہندوستان کے بادشاہ ہوئے،

وصال | ۱۳ رمضان المبارک ۷۲۴ھ میں شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا، تاریخ وفات "یا شرف الدین ابدال" سے نکلتی ہے، کرنال میں مدفون ہوئے، لیکن کہا جاتا ہے کہ اعزہ واقربا نے ایک رات پوشیدہ طور پر نعش مبارک کو پانی پت میں لے جا کر دفن کر دیا،[۵۳] چنانچہ کرنال، پانی پت، بڈھا کھیڑہ اور باگھوتی میں آج بھی ان کے معتقدین کا ہجوم رہتا ہے،

---

۵۱ مراۃ الکونین میں "قوطہ دہلی" مرقوم ہے، جو صحیح نہیں معلوم ہوتا، (ص ۳۰۳) ۵۲ تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۲۸ ۵۳ خزینۃ الاصفیا ج ۱ ص ۳۲۳

اشاعت اسلام | پانی پت کے علاقے میں جو مسلمان راجپوت ہیں وہ حضرت بو علی قلندرؒ ہی کے رشد و ہدایت سے مشرف بہ اسلام ہوئے، ایک ممتاز راجپوت امیر سنگھ ان کے ہاتھوں پر ایمان لایا، اسی کے خاندان سے مسلمان راجپوت پھیل کر اسلام کی قوت بازو بنے[۱]

تصانیف | حضرت بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے حسب ذیل تصانیف منسوب ہیں:-

(۱) مکتوبات بنام اختیار الدین (۲) حکم نامۂ شرف الدین (۳) مثنوی کنز الاسرار (۴) رسالہ عشقیہ،

مکتوبات کے بارے میں مولانا عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

"او را مکتوب است بزبان عشق و محبت مشتمل بر معارف و حقائق توحید و ترک دنیا و طلب آخرت و محبت مولیٰ جملۂ آن بنام اختیار الدین می گوید"[۲]

خزینۃ الاصفیا میں ہے:-

"مکتوبات وی کہ بنام اختیار الدین مرید خود تحریر کردہ است، کتابے است جامع علوم توحید"[۳]

سلطان شمس الدین التمش کے شاہی حاجب کا نام بھی اختیار الدین تھا، لیکن خلجی امراء میں بھی شاید کوئی اختیار الدین ہو، یہ مکتوبات غالباً اسی کے نام ہیں، بعض مکتوبات کے نمونے ملاحظہ ہوں:-

"اے برادر! جب تم پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی عنایت شروع ہو جائے، تم میں جذبہ پیدا ہونے لگے، اور تم کو تم سے دور کیا جائے، تو گویا تم میں عشق کا آغاز اور تم پر حسن کا جلوہ ظاہر ہو گیا، اور جب تم پر حسن کا مشاہدہ ہو جائے تو معشوق کو پہچانو، اور عاشق بنکر

---

[۱] دعوت اسلام ترجمہ جناب عنایت اللہ صاحب ص ۱۰۱، [۲] اخبار الاخیار ص ۱۲۱ [۳] خزینۃ الاصفیا جلد ۱ ص ۳۲۳

معشوق ہو جاؤ، اور جب عاشق بنکر معشوق ہو گئے، تو اسی طرح کام کرو، معشوق کی
صفت اور عاشق کے فریضہ کو قائم رکھو، اس وقت معشوق کو عاشق کے ذریعے سے
پہچان لو گے، اے برادر! معشوق کو تمھاری ہی صورت مین پیدا کر کے تمھارے درمیان
بھیجا گیا ہے تاکہ راہ راست تم کو وہ دعوت دے، اے برادر! خدائے عزوجل نے
بہشت و دوزخ پیدا کیا، اور اس کا حکم ہے کہ دونون پر کیے جائین گے، معشوق کو عاشقون
کے ساتھ بہشت مین جگہ دی جائے گی، اور شیطان اپنے ساتھیون کے ساتھ دوزخ
کو پر کرے گا، بہشت و دوزخ مین عاشقون کے سوا کوئی نہین ہو گا، دونون عاشق
ہی کے حسن سے پیدا ہوئے ہین، اور دونون مقام غیرت ہون گے، بہشت دوستون
سے وصال کا مقام ہے، دوزخ دشمنون کے لیے جائے فراق ہے یہ فراق کافرون
اور منافقون کو حاصل ہو گا، اور وصال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقون
اور دوستون کو نصیب ہو گا، اے برادر! چشم دل کو کھولو، اور اچھی طرح سے دیکھو،
اور یہ جانو کہ عاشق نے اپنے عشق سے تمھارے لیے کیا کیا چیزین اور کیا کیا تماشے پیدا
کیے ہین، اپنا حسن ایک درخت مین منتقل کر دیا ہے، اور گوناگون میوے پیدا کیے،
ہر میوے مین مزہ رکھا، اور اس درخت کو نہ اپنی ذات کی خبر اور نہ اپنے پھول
کی خبر اور نہ اپنے میوہ کی خبر ہے، گنّا تمھارے لیے پیدا کیا، اور اس کو شکر کی خبر نہین،
مشک کو ہرن کی ناف مین رکھا، جو تمھارے لیے ہے، ہرن کو مشک کی کوئی خبر نہین،
گائے سے عنبر کو تمھارے لیے پیدا کیا، اور گائے کو عنبر کی خبر نہین، زباد کو بلی سے
تمھارے لیے پیدا کیا، اور بلی کو زباد کی خبر نہین، کافور کو تمھارے لیے درخت سے پیدا
کیا، اور درخت کو کافور کی خبر نہین، صندل کو تمھارے لیے پیدا کیا، اور صندل کو اپنی

خبر نہین ، اے برادر! عاشق ہو جاؤ، اور دونون عالم کو معشوق کا حسن جانو، اور اپنے
آپ کو معشوق کا حسن کہو، عاشق نے اپنے عشق سے تمھارے وجود کا ملک بنایا،
تاکہ اپنے حسن وجمال کو تمھارے آئینہ مین دیکھے ، اور تم کو محرم اسرار جانے ، اور
الانسان سرّی (انسان میرا بھید ہے) تمھاری شان مین آیا ہے ، عاشق ہو جاؤ
تاکہ حسن کو ہمیشہ دیکھو، اور دنیا و عقبیٰ کو پہچانو، عقبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک ہے،
اور دنیا شیطان کی ملکیت ہے ، دونون مین معلوم کرو کہ تمھارے لیے کس کو پیدا
کیا ہے ، اے برادر! نفس کو اچھی طرح پہچانو جب تم نفس کو پہچان لوگے ، تو دنیا
کو بھی پہچان سکوگے ، اور اگر روح کو پہچان لوگے ، تو عقبیٰ کو بھی پہچان لوگے ،
اے برادر دنیا! کفر مین جو حسن رکھا گیا ہے ، عاشق جانتے ہین کہ اس نے (یعنی
حسن نے) کفر کو اپنے عاشقون کے سامنے کس قدر آراستہ کردیا ہے ، جو دنیا کا عاشق
اس کا معشوق کفر کا حسن ہے ، اے برادر! تم جانتے ہو کہ حسن کا جو غمزہ کفر مین رکھا
گیا ہے ، اس نے کس قدر پر لطف تیر دنیا والون پر مارا ہے ، اور ان کو اپنا عاشق
بنالیا ہے ، اے برادر! اپنی جستجو مین رہو ، اور اپنے کو پہچانو جب تم اپنے نفس
کو پہچان لوگے ، تو عشق کو بھی جان سکوگے ، اور جب عشق کو اپنے حسن پر دیکھوگے
تو کل اللسان کی کیفیت اپنے مین پاؤگے ، عاشق ہو جاؤ ، اور معشوق کو اپنی گود
مین دیکھو ، اور حسن کو اپنے دل کے آئینہ مین معائنہ کرو ،

آن شاہد معنی کہ ہمہ طالب اویند ۔۔۔ ہم اوست کہ از جادر تو ساختہ سرپوش
دربادیۂ ہجر چرا بستہ بمانیم ۔۔۔ در عین وصالیم نگار است در آغوش

اے برادر! قند کا ایک گولا لاؤ ، اور اس سے سو گولے بنالو ، اور ہر گولے سے ایک

صورت بناؤ، اور ہر صورت کا نام رکھو، بعض کو گھوڑا، اور بعض کو ہاتھی کہو تو قند کا نام جاتا رہے گا، اور صرف وہ صورت باقی رہے گی، جب کل صورتوں کو توڑ کر قند کا گولہ بنالو تو قند کا نام پھر ظاہر ہو جائے گا۔"

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:-

"اے برادر! یہ نہیں معلوم کہ ہم لوگوں کو کس لیے پیدا کیا گیا، اور ہم لوگوں کے ساتھ کیا ہوگا، لیکن خیال ہمیشہ فکر کے ساتھ وابستہ رہتا ہے، کبھی فکر ہمارے دل کے آئینہ کو آراستہ کر دیتی ہے، اور عاشق کے سامنے معشوق کو ظاہر کرتی ہے، اور عاشق کا وہ حکم جس کو معشوق نے پہنچایا ہے، عاشق کے فرض اور معشوق کی سنت کے مطابق میں بجا لاتی ہے، عاشق کے عشق اور معشوق کے حسن سے باطن کو معمور کرتی ہے، اور حسن کے تماشہ سے عاشق اپنے ظاہر کو بھلا دیتا ہے، اور اپنے باطن کے تماشہ میں مصروف ہو جاتا ہے، تاکہ عاشق کا حکم جس کو معشوق نے پہنچایا ہے، نافذ ہو جائے، اسے برادر! کبھی خیال نفس کا دوست ہو جاتا ہے، اور حال خیال کے ساتھ متحد ہو کر دنیا کی زندگی کی طرف لے آتا ہے، خیال دنیا کی آرایش نفس کو دکھاتا ہے، اور اس کے شوق میں اسکو پریشان کرتا ہے، اور اس کو یعنی نفس کو معشوق کے دروازے پر پھراتا ہے، ہر دروازہ پر ذلیل کرتا ہے، اور (نفس) شوق اور آرایش کی آسایش کی وجہ سے اس ذلت سے واقف نہیں ہوتا، اور باز نہیں آتا، اور یہ نہیں سوچتا کہ دنیا نے کسی کے ساتھ نہ وفا کی، اور نہ وفا کرے گی، نہ اس کو (نفس کو) موت کی فکر ہوتی ہے، کہ وہ دفعتۃً آکر اس کو فنا کر دے گی، دنیا کی آرایش کا حسن دنیا کے عاشقوں کو اپنے عشق میں ایسا بے خبر کر دیتا ہے کہ نہ اس کو اس دنیا کی خبر ہوتی ہے جس کو انھوں نے معشوق بنایا ہے، اس کی بھی ان کو خبر نہیں ہوتی

کہ اگر دنیا ختم ہو جائے گی، تو کیا واقعات ظہور پذیر ہوں گے، اور نہ عقبیٰ کی خبر ان کو ہوتی کہ ان کے سامنے کیا مہم درپیش ہے، اے برادر! سوچو کہ تمھارے سامنے ایک مہم درپیش ہے، اور تم نے خیال اور فکر کو اپنا مونس بنایا ہے، خیال کی نسبت ہوش رکھو، کہ وہ نفس کا دوست ہو گیا ہے، اے برادر! کچھ معلوم نہیں کہ خیال اور فکر کیا حال پیدا کریں جب وہ (حال) تم کو نظر آئے گا، اس وقت تم کو معلوم ہوگا، کہ قسمت میں لکھا تھا کہ تمھارے سامنے آیا، اے برادر! میں نہیں جانتا ہوں کہ میں کیا کروں، اور مجھ سے کونسا کام بن پڑے گا، اور کیا میری زبان سے نکلے گا، زبان خدا کی قدرت میں ہے، اگر تم پر خدا کا فضل ہوا تو تمھاری زبان سے وہ بات نکلے گی، جو دونوں جہان کو پسند ہوگی، اے برادر! اس قدر معلوم ہوا کہ خدا نے اپنی مشیت سے تم کو پیدا کیا، اور اپنی مشیت سے باقی رکھتا ہے، یفعل اللہ مایشاء ویحکم مایرید (یعنی جو کچھ اس نے چاہا اس کو کیا، اور جو کچھ چاہتا ہے، کرتا ہے، کسی کو اس کی مشیت میں دخل نہیں ہے[1])

حکم نامۂ شرف الدین کے بارے میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی رقمطراز ہیں :-

"ورسالہ دیگر درعوام الناس شہرت دارد کہ اورا حکم نامۂ شیخ شرف الدین می گویند ظاہر آنست کہ آن از مخترعات عوام است[2]"

اس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے، (دیکھو کیٹلاگ فارسی مخطوطات ص ۵۰، نمبر ۱۱۹۶)

حضرت شیخ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے دو مثنویاں منسوب ہیں، مثنوی کنز الاسرار اور رسالہ عشقیہ، خزینۃ الاصفیاء کے مولف نے صرف اتنا لکھا ہے :-

---

[1] یہ دونوں مکتوب اخبار الاخیار سے لیے گئے ہیں، ص ۱۲۱ و ۱۲۳ [2] اخبار الاخیار، ص ۱۲۱

"وسوائے ازین مثنوی است مختصر کہ مخزن رموز توحید و معارف است۔" (ج ۱ ص ۳۲۷)

۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں مطبع نامی لکھنؤ سے ایک منظوم رسالہ مثنوی شاہ بوعلی قلندرؒ کے نام سے شائع ہوا تھا، اگر یہ رسالہ واقعی حضرت شاہ بوعلی قلندر کا ہے، تو ہم اس کو رسالہ عشقیہ کہہ سکتے ہیں، کیونکہ اس میں عشق پر بہت سے اشعار ہیں، مثلاً

عشق کو بے بال و پر طیران کند | عشق کو در لامکان جولان کند
عشق کو تا تاج سلطانی نہد | عشق کو ملک سلیمانی دہد
عشق کو تا چشم دل بینا کند | عشق کو تا سینہ پر سودا کند
عشق کو تا عقل را زائل کند | عشق کو تا عقل را حاصل کند
عشق کو تا جام مدہوشی دہد | عشق باید تا فراموشی دہد
عشق وہ تا بے خبر سازد مرا | بادہ کو بے پا و سر سازد مرا
عشق باید تا دہد جام شراب | عشق سازد ساغرے آفتاب

اس میں قریب ۲۲۳ اشعار ہیں، مثنوی کا آغاز ان اشعار سے کیا گیا ہے:۔

مرحبا اے بلبل باغ کہن | از گل رعنا بگو با ما سخن
مرحبا اے قاصد طیار ما | می دہی ہر دم خبر از یار ما
مرحبا اے ہدہد فرخندہ فال | مرحبا اے طوطی شکر مقال
در زمان ہفت آسمان را طے کنی | مرکب حرص و ہوا را پے کنی
دمبدم روشن کنی در دل چراغ | ہر نفس از عشق سازی سینہ داغ
از تو روشن گشت فانوس تنم | از تو حاصل شد وصال صنم
مرحبا اے رہنمائے راہ حق | از تو روشن شد چراغ چشم یقین

یافت قالب طینتِ پاکی زتو شد پریشان آدم خاکی زتو

مرحبا اے فیض بخش کائنات

یافت ترکیب از وجود تو حیات

آگے چل کر ایک شیخ کے زہد و تقوی کی تصریح کی گئی ہے۔

زہد و تقوی چیست اے مردِ فقیر لاطمع بودن ز سلطان و امیر

زہد و تقوی نیست این کز بہر خلق صوفی باشی و پوشی کہنہ دلق

شانہ و مسواک و تسبیح ریا جبہ و دستار و قلبِ بے صفا

پیش و پس گرد و مریدنا خلف چون خر ابلہ پئے آب و علف

چون ببینی چند کس بیہودہ گرد خویش را گوئی منم مردانہ مرد

دام اندازی برائے مرد و زن خویش را گوئی منم شیخ زمن

وعظ گوئی خود نیاری در عمل چشم پوشی ہمچو شیطان و غل

مکر و تلبیس و ریا کارت بود ہر نفس شیطان ترا یارت بود

چون شوی استادہ از بہر نماز دل بود درگاو خراے حیلہ ساز

آن نماز تو شود آخر تباہ فکر باطل ہا کند رویت سیاہ

چون در ایمانت فتد آخر قصور ہان چرا خوانی نماز بے قصور

بر مصلا چون نشینی قبلہ رو چشم پوشی دل بود جائے گرو

خادمان گویند این شیخ زمان چشم پوشیدہ ست از خلق و جہان

شیخ را لاہوت باشد منزلش شد فنا ذات بقا شد حاصلش

این خوشامد گوی چندین ابلہان رہزنا نند رہزنا نند رہزنان

از ستایش خویشتن را گم مکن　　عیب خود بین عیب مردم مکن

اے گرفتار آمدی در بند نفس　　نفس کافر را بکش بشکن قفس

تا کنی پرواز سوے اصل خویش　　جا کنی در آشیانِ وصلِ خویش

اس کے بعد دنیا کی حرص و ہوا سے پرہیز کی تعلیم ہے :-

دل چو آلودہ ست از حرص و ہوا　　کے شود مکشوف اسرارِ خدا

صد تمنا در دلست اے بوالفضول　　کے کند نورِ خدا در دل نزول

دین و دنیا ہر دو کے آید بدست　　این فضولیہا مکن اے خود پرست

بر تو قسمت میرسد اے بے خبر　　پس چرا قانع نہٖ بر خشک و تر

حرصِ تو دلقِ قناعت پارہ کرد　　نفسِ امارہ ترا آوارہ کرد

ہست دنیا پیرزال پُر فریب　　می کند پیر و جوان را بے شکیب

عارفان دادند او را صد طلاق　　ہر کہ عاشق شد برو او گشت عاق

این سخن در گوش دار ای جوان　　مولوی گفتہ ز روے امتحان

"ہم خدا خواہی و ہم دنیاے دون　　این خیال است و محال است و جنون"

نفس کشی کی تلقین اس طرح کی گئی ہے :-

مرد باید تا نہد بر نفس پا　　بگذرد از شہوت و حرص و ہوا

دستِ ہمت را بر افراز د بلند　　نفس را چون صید آرد در کمند

دست را کوتاہ سازد از ہوس　　بشکند با چنگِ ہمت این قفس

گر خوری یک لقمہ از وجہ حلال　　نور تابد بر دل از ہر کمال

گر شوی از لقمۂ شبہ نفیر　　نفس را سازی بفضلِ حق اسیر

دل شود روشن ز نورِ آئینہ دار　　پرتو اندازد در آئینہ نگار

چون کشائی چشم ما اہل یقین　　ہر طرف تابان جمال یار بین

اسی کے بعد توحید و معرفت کی مصوری کی گئی ہے:۔

یار را می بین تو در ہر آئینہ　　سوز و ساز او ست در ہر طنطنہ

ہر چہ آید در نظر از خیر و شر　　جلوہ ذاتِ حق بود اے بے خبر

اوست در ارض و سما و لامکان　　اوست در ہر ذرہ پیدا و نہان

پاس دار انفاس اے اہل خرد　　تا ترا این فاصلہ منزل برد

اوست پیدا و نہان و آشکار　　جلوہ ہا کردست در ہر شئے نگار

ہوش در دم دار اے مردِ خدا　　یک نفس یک دم مباش از حق جدا

نفی گردان از دلِ خود ما سوا　　تا نہ گنجد در دلت غیر از خدا

زنگِ دل از صیقلِ لا پاک کن　　سینہ با تیغِ محبت چاک کن

اسم ذاتِ او چو بر دل نقش بست　　سکۂ ضرب محبت خوش نشست

گشت چون نقشِ دل نقشِ الٰہ　　غیر نقش اللہ را اے دل مخواہ

چون شوی فانی تو از ذکر خدا　　راہ یابی در حریم کبریا

چون بہ الّا با خدا یابی وصال　　خویش را گم بسازی صاحب کمال

ہر کہ شد در بحر عرفان آشنا　　ذرہ ذرہ قطرہ داند از خدا

عرفان کے لیے چشم بینا اور دل مصفا ضروری ہے:۔

چشم دل بکشا جمال یار بین　　ہر طرف ہر سو رخ دلدار بین

چشم باز تا بہ بیند روے یار　　جلوۂ کردست در ہر شئے نگار

نیست پوشیدہ رخِ دلدارِ تو | لیک این نقص ست در ابصارِ تو

عشق الٰہی میں جو مدہوشی اور خود فراموشی ہونی چاہیے، اس کی تصویر ان اشعار سے نمایاں ہو جاتی ہے، جو شروع میں نقل کیے گئے ہیں، اس سلسلہ کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں،

ہیچ میدانی کہ اصل عشق چیست | عشق را از حسن جانان زندگیست

عشق چون جبرئیل و معراج حسن | بر سر عاشق نہد صد تاج حسن

عاشق و معشوق گر وند ہر دو یک | ہم توئی معشوق و عاشق نیست شک

اے کہ گشتی واقف از اسرار عشق | نہ قدم مردانہ اندر کار عشق

سر بہ آور زیر پاے عشق نہ | بعد از ان سر در ہواے عشق نہ

عشقبازی نیست کار بوالہوس | خام طبعان حاضراند ہیچون مگس

گر کنی جان را تو بر جانان نثار | در عوض یک جان دہد صد جانگار

کشتگان عشق را جانِ دگر | ہر زمان از غیب احسانِ دگر

مثنوی کا خاتمہ حسب ذیل طریقہ پر ہوتا ہے:-

یا الٰہی چشم بینائی بدہ | در سرم از عشق سودائی بدہ

آتش افگن در دلم مانند طور | شعلہ برخیزد وگردد زنگ دور

سالہا شد از تو می خواہم ترا | حاجتم را چون نمی سازی روا

از لسان الغیب این گردد نوید | از در تو کس نہ گشتہ نا امید

ہر کہ بر درست امیدوار | شاہد مقصود یابد در کنار

اے خداے من بہ حق مصطفےٰ | از طفیل حرمت آل عبا

روز محشر وار ما آل رسول | از طفیل مقبلان گردد قبول

حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدینؒ

خاندان حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین حضرت شیخ صدر الدین کے لڑکے اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے، والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی تھا، جو اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے رابعۂ عصر کہلاتی تھیں، انھوں نے اپنے خسر حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے زیر سایہ باطنی و روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی، ان کو کلام مجید کی تلاوت سے خاص شغف تھا، روزانہ ایک بار کلام مجید ختم کرتی تھیں حضرت شیخ رکن الدین کی ولادت سے پہلے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے یہ بشارت دی تھی کہ ان کی وجہ سے خاندان کا چراغ روشن ہوگا، ایک دن جب کہ شیخ رکن الدین چار سال کے تھے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا چارپائی پر بیٹھے تھے، اور دستار مبارک سر سے اتار کر چارپائی کے پایہ پر رکھدی تھی، حضرت شیخ صدر الدین بھی پاس ہی مودب بیٹھے تھے کہ شیخ رکن الدین کھیلتے ہوئے آئے اور دادا کی دستار مبارک اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی، والد ماجد نے ڈانٹا کہ یہ بے ادبی ہے، مگر دادا نے فرمایا کہ صدر الدین پگڑی پہننے سے اس کو نہ روکو، .... وہ اس کا مستحق ہے، اور میں یہ پگڑی اس کو عطا کرتا ہوں چنانچہ وہ پگڑی محفوظ کر دی گئی، اور جب حضرت شیخ رکن الدین اپنے والد بزرگوار کے بعد مسند خلافت پر متمکن ہوئے، تو وہ ان کے سر پر رکھی گئی، [1]

تعلیم ظاہری تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی اور روحانی تربیت میں جد امجد سے فیضیاب

---

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۲ و فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۱ و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین۔

ہوئے، دونوں ان کو بہت محبوب رکھتے تھے، شیخ رکن الدین دونوں بزرگوں کا اتنا احترام کرتے تھے کہ کبھی ان سے آنکھیں چار نہ کرتے اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولتے، اس خردسالی میں ان کے اس ادب سے متاثر ہو کر حضرت خواجہ شمس الدین تبریزی نے ان کو "رکن الدین عالم" کا لقب عطا فرمایا، اور وہ "رکن عالم" کے نام سے مشہور ہوئے[1]، انہی دونوں بزرگوں کی صحبت میں انھوں نے صوری و معنوی کمالات حاصل کیے، علم، تواضع، شفقت، حلم، موافقت، بشاشت، مروت، عفو، حیا، وقار، حسن ظن، اور تصفیر نفس جملہ صفات ان میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں، اور انھوں نے مکاشفہ و محاسبہ سے اتنے مدارج طے کر لیے تھے، کہ انکو "مخزن مشہود الہی"، "منبع جود نامتناہی، ادریس خلوت وحدت، برجیس برج معرفت، گوہر معدن صفات لاریب، لولوے سبحۂ دریاے غیب، زبدۃ المشائخ، مفتاح قفل حق الیقین[2]" کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، سیر العارفین کے مولف نے ان کے روحانی مرتبہ کی مدح ان الفاظ میں کی ہے،

جہان معرفت سلطان معنی	وجودش آیتے در شان معنی
دلش از طلعت اسرار مسرور	ہمیشہ جانش از انوار معمور
بباطن در حقیقت رفتہ بیباک	بظاہر در شریعت چست و چالاک
بریدہ گردن شیطان خناس	خریدانش ز تیغ پاس انفاس
بملک فقر از کشف و کرامات	زدہ بر عرش کوس استقامات
گذشتہ پاک از طامات و از شطح	یگانہ شیخ رکن الدین ابو الفتح
بملک فقر چون شست بنوبتش	جہانی ریزہ چین خوان جودش

---

[1] مراۃ الاسرار قلمی، [2] سیر العارفین ص ۱۴۲

ریاضت حضرت شیخ رکن الدین کے خلیفہ حضرت جہانیاں جہاں گشت اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ جب شیخ رکن الدین قدس سرہ کا کام کمال کو پہنچ گیا تھا تو بھی وہ تہجد کے وقت سے دوپہر تک ریاضت وعبادت میں مشغول رہتے[1]،

خلافت چھتیس سال کی عمر میں جب اپنے والد بزرگوار کی مسند خلافت پر بیٹھے، تو ہر گوشہ کے لوگ خدمت میں حاضر ہو کر فیضیاب ہوئے، جو بھی اہل حاجت حاضر ہوتا، اس کی حاجت ضرور فرماتے، اسی لیے "قبلۂ حاجات" بھی کہلاتے تھے مجلس میں جس کے دل میں کوئی بات آتی تو اس کا ان کو کشف حاصل ہو جاتا، اور اس کی دلجوئی کرتے،

سلاطین ومشائخ سے تعلقات سلاطین ومشائخ دونوں سے ملتے، مگر ان کے مراتب کے حدود کو ملحوظ رکھ کر تعلقات قائم کرتے، سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ میں ایک بار ملتان سے دہلی تشریف لائے، تو سلطان نے شاہی کروفر کے ساتھ دہلی سے باہر ان کا استقبال کیا، اور بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ ان کو دہلی لایا، اور دو لاکھ ٹنکے نذر پیش کیے، پھر رخصت کے وقت پانچ لاکھ نذر کیے، حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی چھوڑنے سے پہلے یہ کل رقم فقراء ومساکین میں تقسیم کر دی، اور اپنے ساتھ ایک حبہ بھی نہ لے گئے، سلطان وقت کی طرف سے اس اعزاز واکرام کے باوجود فرماتے تھے کہ میں ملتان سے دہلی صرف حضرت نظام الدین اولیاء کی محبت اور شوق ملاقات میں آتا ہوں، حضرت نظام الدین اولیاء کو بھی ان سے قلبی لگاؤ تھا، چنانچہ جب وہ سلطان علاء الدین کی دعوت پر دہلی آئے تو اگر ایک طرف ان کے استقبال کے لیے سلطان وقت اپنے خدم وحشم کے ساتھ تھا، تو دوسری طرف حوض علائی کے پاس سلطان الاولیاء بھی اپنی جلالت وعظمت کے ساتھ ان

---

[1] الدر المنظوم ملفوظ مخدوم اردو ترجمہ ص ۵۴۴،

کے لیے چشم براہ تھے،

حضرت محبوب الٰہی سے محبت

حضرت شیخ رکن الدین کو دہلی میں شاہی مہمان ہوتے تھے، مگر زیادہ وقت حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا ہی کی صحبت میں بسر کرتے تھے، دونوں ایک دوسرے کا غیر معمولی احترام کرتے، ایک مرتبہ جب حضرت شیخ رکن الدین دہلی آئے تو جمعہ کی نماز ادا کرنے جامع مسجد تشریف لائے، حضرت محبوب الٰہی پہلے سے موجود تھے، جمعہ کی نماز ہو چکی تو حضرت محبوب الٰہی اپنی جگہ سے اٹھے اور ایک وسیع صحن طے کرکے حضرت رکن الدین کے پاس آئے، جو اس وقت تک نماز سے فارغ نہ ہوئے تھے حضرت محبوب الٰہی ان کی پیٹھ کے پیچھے بیٹھ گئے، اور جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے اٹھ کر بڑی گرم جوشی سے معانقہ کیا، اور پھر حضرت رکن الدین حضرت محبوب الٰہی کا دست مبارک پکڑے ہوئے اس جگہ پر آئے جہاں وہ (یعنی حضرت محبوب الٰہی) پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے، اور جب دونوں مسجد سے روانہ ہوکر اپنے اپنے ڈولے کے پاس پہنچے تو دونوں ایک دوسرے سے اصرار کرنے لگے کہ پہلے وہ اپنے ڈولے پر جلوہ فرما ہوں، بالآخر حضرت محبوب الٰہی کا اصرار غالب رہا اور حضرت رکن الدین پہلے اپنے ڈولے میں سوار ہوئے[1]

اسی قیام کے زمانہ میں حضرت شیخ رکن الدین حضرت محبوب الٰہی کی زیارت کے لیے ان کی خانقاہ بھی تشریف لائے، ان کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، ڈولے سے باہر نکلنے کی کوشش کی تو حضرت محبوب الٰہی نے بضد ہوکر روک دیا، اور خود اور درویشوں کے ساتھ ڈولے ہی کے پاس بیٹھے رہے، اس قران السعدین کے وقت حضرت شیخ رکن الدین کے بھائی شیخ عماد الدین اسمٰعیل کے دل میں بعض علمی نکات حل کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۳۶ و ۱۳۷

دونوں بزرگوں سے اجازت لے کر عرض کیا کہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا مصلحت تھی،
حضرت شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعض کمالات
کی تکمیل مدینہ منورہ کی ہجرت ہی پر موقوف و منحصر تھی، اس لیے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ
کی جانب جلوہ فرما ہوئے، حضرت محبوب الٰہی نے ارشاد فرمایا کہ اس مسئلہ میں میری سمجھ
میں یہ بات آتی ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے محبوب کو مدینہ طیبہ اس لیے بھیجا کہ وہ
اصحاب مدینہ جو اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے مکہ معظمہ حاضر ہونے کی استطاعت نہیں
رکھتے تھے، وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے مستفیض و مستفید
ہو کر ظاہری و باطنی کمالات میں مکمل ہو جائیں، اس گفتگو کے بعد حضرت محبوب الٰہی
نے ڈولے ہی کے پاس کھانا منگوایا، اور کھانے کے بعد اعلیٰ درجہ کا کپڑا اور سو اشرفیاں
حضرت شیخ رکن الدین کی خدمت میں بطور نذر پیش کیں، اشرفیوں کو دیکھ کر حضرت
رکن الدین نے حضرت نظام الدین اولیاء کو مخاطب کرکے فرمایا استر ذھبک[1] لیکن
حضرت محبوب الٰہی نے برجستہ جواب دیا استر ذَہَبَکَ وَذِہَابَکَ وَمَذْہَبَکَ[2]
حضرت شیخ رکن الدین نے ان [illegible] کو قبول کرنے میں تامل کیا تو حضرت محبوب الٰہی
نے ان کے بھائی شیخ عماد الدین اسمٰعیل کے حوالے کر دیا،[3]

غالباً حضرت شیخ رکن الدین دہلی کے پہلے ہی قیام کے زمانہ میں حضرت بابا گنج شکر
کے عرس کا زمانہ آگیا، چنانچہ پاک پٹن کی طرح دہلی میں بھی عرس کی تقریب منائی گئی،
عرس کی محفل میں حضرت شیخ رکن الدین بھی شریک ہوئے، مجلس سماع میں حضرت

---

[1] یعنی آپ اپنا سونا چھپائیے [2] یعنی اپنے سونے کو جانے کو (مراد راہ سلوک) اور جانے کی جگہ
کو چھپائیے، اس میں تجنیس لفظی بھی قابل غور ہے [3] سیر الاولیاء ص ۱۴۰-۱۳۹

محبوب الٰہی پر وجد طاری ہو گیا، اور غایت اضطراب میں کھڑا ہو جانا چاہا، لیکن شیخ رکن الدین نے ان کا دامن پکڑ کر بٹھا دیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر وجد کی کیفیت شروع ہوئی، تو پھر کھڑے ہو گئے، اس مرتبہ شیخ رکن الدین نے ان کو بٹھانے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اور مشائخ کی طرح خود دست بستہ مؤدب کھڑے ہو گئے، مجلس ختم ہوئی تو مولانا علم الدین نے حضرت شیخ رکن الدین سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب تھا کہ پہلی بار تو آپ نے محبوب الٰہی کو کھڑے ہونے نہ دیا، لیکن دوسری بار نہیں روکا، حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا کہ پہلی بار شیخ نظام الدین کی رسائی عالم ملکوت تک ہوئی تھی، وہاں تک میری گذر ممکن تھی، اس لیے میرا ہاتھ پہنچ گیا، اور ان کو بٹھا دیا، دوسری بار ان کی رسائی عالم جبروت میں ہوئی، وہاں تک میں نہیں پہنچ سکتا تھا، اس لیے مزاحم نہ ہوا[1]

سیر الاولیاء (ص ۱۴۰) میں ہے کہ ایک اور موقع پر حضرت رکن الدین ملتان سے دہلی تشریف لائے، تو حضرت محبوب الٰہی سے بھی ملنے آئے، یہ زمانہ عشرۂ ذی الحجہ کا تھا، اس لیے جب حضرت رکن الدین سلطان المشائخ سے ملے تو فرمایا کہ یہ زمانہ حج کا ہے، میں حج کی سعادت تو حاصل نہ کر سکا، لیکن آپ کی زیارت سے مجھے حج کا ثواب ضرور ملیگا، یہ سنکر حضرت محبوب الٰہی کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اور اظہار شرمندگی کیا،

دونوں بزرگ غائبانہ طور پر بھی ایک دوسرے کا بڑا احترام کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک خراسانی عالم نے حضرت محبوب الٰہی سے کہا کہ میں آپ کے پاس آتا ہوں تو ہر بار مجھکو کچھ نہ کچھ کھلاتے ہیں، لیکن میں حضرت شیخ رکن الدین کے پاس کئی بار گیا، انھوں نے مجھکو کوئی چیز نہیں کھلائی، حضرت محبوب الٰہی نے جواب دیا کہ میں اس حدیث پر عمل کرتا

---

[1] سیر العارفین ص ۱۱ و ۶۴ و فرشتہ جلد دوم ص ۱۲۴

ہوں من لم یزر حیا ولم یذق منه شیئاً فکانما زار میتا یعنی جو شخص زندہ کی زیارت کرے اور اس کے یہاں کچھ نہ چکھے تو گویا اس نے مردے کی زیارت کی، خراسانی عالم نے پوچھا کیا شیخ رکن الدین تک یہ حدیث نہیں پہنچی، حضرت مخدوم جہانیاں نے فرمایا شیخ رکن الدین عمل معنوی کرتے ہیں اور وہ ذوق روحانی چکھاتے ہیں، خراسانی عالم نے کسی موقع پر حضرت شیخ رکن الدین سے یہ عرض کیا کہ شیخ نظام الدین کہتے ہیں کہ شیخ رکن الدین ذوق روحانی دیتے ہیں اور میں ذوق جسمانی دیتا ہوں، شیخ رکن الدین نے فرمایا برادرم نظام نے تواضع کی ہے، ان میں دونوں وصف ہے، وہ ذوق روحانی بھی عطا کرتے ہیں، اور ذوق جسمانی بھی،[1]

حضرت محبوب الٰہی سے حضرت شیخ رکن الدین کی محبت و عقیدت کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے محبوب خلیفہ حضرت شیخ وجیہ الدین عثمان سیاح سنامی کو محبوب الٰہی کی قربت کی خاطر دہلی ہی میں قیام کرنے کا حکم دیا، شیخ عثمان جن کا مزار شریف دہلی میں ہے جب سنام سے سیر و سیاحت کرتے ہوئے دہلی پہنچے تو ایک دن کیلوکھیری میں نہر کے پاس حضرت شیخ رکن الدین کو نماز پڑھتے دیکھا چہرۂ اقدس پر نظر پڑتے ہی تو دل انوار روحانی سے منور ہو گیا، اور وہیں باضابطہ ارادت حاصل کر لی، حضرت شیخ رکن الدین ان کو اپنے ساتھ ملتان لے گئے، اور دو سال تک اپنی معیت میں رکھا، اسی مدت میں کلام پاک حفظ کیا، اور مرشد سے حضرت شیخ شہاب الدین کی تصنیف عوارف پڑھتے رہے، خود حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ جس دن سے شیخ عثمان

---

[1] الدر المنظوم فی ترجمہ ملفوظ المخدوم، یعنی ملفوظات حضرت جہانیاں جہاں گشت اردو ترجمہ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی، ص ۲۹-۲۸،

مرید ہوئے، ترک دنیا اور تجرد کلی اختیار کرلیا، ایک تہبند کے علاوہ ان کے پاس کوئی چیز نہین رہتی تھی، اسی بے سروسامانی کی حالت مین حج کے لیے تشریف لے گئے، مدینہ منورہ مین ایک سال رہ کر دو مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، طواف کے دوران مین چشم بینا سے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام ان کے سر پر سایہ کیے ہوئے ہین، یہ دیکھکر بیچین ہوگئے، اور اسی وقت دوسرے ممالک کی سیاحت کو روانہ ہوگئے، سات برس کے بعد ملتان لوٹے، تو مرشد نے گلے سے لگایا، اور سر کو بوسہ دیکر فرمایا، تم نے یہ بہت اچھا کیا کہ جس روز اپنے سر پر حضرت خضر علیہ السلام کا سایہ دیکھا، اسی وقت مسافرت اختیار کرلی، ورنہ مخلوق کے فتنہ مین پڑ جاتے، یہ کہکر اپنا پیراہن محبوب مرید کو پہنایا، اور اپنی دستار ان کے سر پر باندھی، اور پھر چندروز اپنے ساتھ ٹھہرا کر دہلی روانہ کردیا، رخصت کرتے وقت فرمایا، تم وہین قیام کرنا جہان حضرت شیخ نظام الدین مقیم ہین، وہان جاکر پہلے حضرت شیخ نظام الدین کو میرا سلام پہنچانا، اور وہ جہان رہنے کا حکم دین، وہین سکونت اختیار کرلینا، چنانچہ حضرت شیخ عثمان نے دہلی پہنچ کر محبوب الٰہی کی خدمت مین مرشد کا سلام پہنچایا، انھون نے کھڑے ہوکر علیک وعلیہ السلام فرمایا، حضرت شیخ عثمان کو محبوب الٰہی کی صحبت مین ان سے ایسی محبت و شیفتگی پیدا ہوگئی کہ ہر جگہ اس کا چرچا پھیل گیا، حضرت شیخ عثمان کو سماع کا ذوق پہلے سے تھا، محبوب الٰہی کی مجلسون مین شرکت سے یہ ذوق اور بھی بڑھ گیا، ایک بار اپنی قیام گاہ پر ہم جلیسون کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، کہ سامنے امیر حسن قوال اپنے ساتھیون سمیت گذرا، امیر حسن کو حضرت محبوب الٰہی بہت عزیز رکھتے تھے، اور اس کے گانے پر بہت فریفتہ تھے، امیر حسن بھی حضرت محبوب الٰہی اور شیخ عثمان کے گھر سے مراسم سے واقف تھا، ان کو بیٹھا دیکھکر ان کی خدمت مین حاضر ہوا، حضرت شیخ عثمان محبوب الٰہی کے ہمراہ مجلس...

اور محرم صحبت قوال کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے، اور اس سے کچھ سنانے کی فرمائش
کی، اس زمانہ مین سلطان غیاث الدین تغلق کی طرف سے محفل سماع پر قدغن تھی، اس لیے
امیر حسن کو اس فرمائش کی تعمیل مین تامل ہوا حضرت شیخ عثمان کواڑ مین زنجیر لگا کر گانے کیلیے
مصر ہوئے، امیر حسن نے سلطان وقت کے خوف سے دھیمی آواز مین یہ بیت گانی
شروع کی:

زاہد زدین برآمد وصوفی زاعتقاد　　　ترسا محمدی شد و عاشق ہمان کہ ہست

امیر حسن نے جب تکرار کے ساتھ اس کو گایا تو حضرت شیخ عثمان بے خود اور بے قابو
ہوگئے، اور امیر حسن سے زور سے گانے کو فرمایا، وہ بھی شیخ کے جذب و بے خودی کو
دیکھکر بے اختیار ہوگیا، اور دل کھول کر گانے لگا حضرت شیخ عثمان نے اس بیخودی مین
دروازہ کھول دینے کا حکم دیا، بائیس قوال اور آگئے، اور یہ محفل سماع جذب وکیف کی
ایسی مجلس بن گئی کہ شہر کے تمام صوفیہ آکر جمع ہوگئے اور کئی ہزار تماشائیون پر وجد
طاری ہوگیا، اور حضرت شیخ عثمان مذکورہ بالا شعر پڑھتے ہوئے بے خودی کی حالت
مین جماعت خانہ سے نکل آئے، اور تغلق آباد کی طرف چل کھڑے ہوئے، قوال بھی ساتھ
ساتھ گاتے جاتے تھے پیچھے لوگون کا مجمع تھا، اور سب کے سب شیخ کے جذب بیخودی
کے اثر سے سرشار تھے، اسی حال مین شیخ تغلق آباد شاہی محل کے پاس پہنچے، سلطان غیاث الدین
تغلق نے سمجھا کہ کوئی فتنہ اٹھا ہے، ملک شادی خان کو تحقیقات کے لیے بھیجا، اس نے واپس
آکر اطلاع دی کہ حضرت شیخ عثمان صوفیون اور قوالون کی ایک کھلی ہوئی محفل سماع
منعقد کیے ہوئے ہین، سلطان پر برہمی کے آثار ظاہر ہوئے، مگر پھر اس نے اس فہرست
کو منگا کر دیکھا جس مین ان درویشون اور فقرا کے نام درج تھے جنھون نے اس کے

حریف اور شاہی تخت کے دعویدار خسرو خان سے رشوتیں قبول کی تھیں، مگر اس میں حضرت شیخ عثمان کا نام نہ تھا، اس لیے سلطان کی برہمی نرمی میں بدل گئی، اور وہ حضرت شیخ عثمان کو مست الست دیکھکر خود بہت متاثر ہوا، اور حکم دیا کہ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو لاکر محل کے اندر ٹھہرایا جائے، اور شاہی باورچی خانہ سے ان کی ضیافت کا سامان کیا جائے، چنانچہ پوری جماعت تین روز تک شاہی باورچی خانہ کے الوان نعمت سے متمتع ہوتی رہی، اور جب حضرت شیخ عثمان رخصت ہونے لگے، تو سلطان نے نذر پیش کی مگر انھوں نے اس کو قبول نہیں کیا، اور غیاث پور کی طرف چل کھڑے ہوئے،[1] یہ واقعہ اس محضر سے پہلے کا ہے، جس کا ذکر حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے حال میں آچکا ہے،

خدمت خلق اللہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین کے تعلقات سلاطین وقت سے بھی تھے، مگر یہ تعلقات محض خدمت خلق اللہ کی خاطر تھے، علاء الدین خلجی کے بعد جب اس کا لڑکا قطب الدین خلجی تخت نشین ہوا، تو اس کو محبوب الٰہی سے ذاتی مخاصمت پیدا ہو گئی، جس کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے، اس مخالفت و عناد کی وجہ سے سلطان نے دوسرے مشائخ سے مراسم پیدا کیے، اس سلسلہ میں اس نے حضرت شیخ رکن الدین سے بھی اپنی گرویدگی اور شیفتگی کا اظہار کیا، اور ان کو ملتان سے دہلی آنے کی دعوت دی، جب وہ دلی تشریف لائے، اور سلطان سے ملنے گئے، تو اس نے پوچھا کہ دلی میں سب سے پہلے کس شخص نے آپ کا استقبال کیا تھا، گو ان کو حضرت محبوب الٰہی سے سلطان کے عناد کا حال معلوم تھا، تاہم انھوں نے جواب دیا کہ اس نے جو اس شہر

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۱۰۹

کا سب سے اچھا آدمی ہے، یعنی حضرت نظام الدین اولیا نے[1]

حضرت شیخ رکن الدین کا معمول تھا کہ جب وہ سلطان قطب الدین کے پاس تشریف لے جاتے، تو راستہ میں اپنی سواری تخت روان کو ٹھہراتے چلتے، تاکہ اہل ضرورت اپنی درخواستیں سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے ان کی سواری میں ڈالدیں، بعض ضرورت مندوں کی معروضات زبانی بھی سنتے تھے، شاہی محل کے پاس پہنچکر دو دروازوں تک تخت روان پر سوار رہتے، تیسرے دروازہ کے قریب جہاں سلطان ان کی تعظیم و استقبال کے لیے کھڑا انتظار کرتا، وہ اتر جاتے، سلطان بڑے ادب و تکریم سے دربار میں لے جاکر بٹھاتا، اور خود مودب دوزانو ہوکر ان کے سامنے بیٹھتا، اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین شہر کے لوگوں کی درخواستیں سلطان کے سامنے پیش کرتے، وہ ہر ایک درخواست کو بغور پڑھتا، اور اس کی پشت پر اسی وقت حکم صادر کر دیتا، حضرت شیخ رکن الدین واپسی کے وقت تمام درخواستوں کو ساتھ لیتے آتے[2]

سلطان غیاث الدین تغلق سے بھی حضرت رکن الدین کے مراسم خوشگوار رہے، ۷۲۵ھ میں جب وہ بنگالہ کی مہم سے دہلی واپس آرہا تھا، تو حضرت شیخ رکن الدین دہلی سے افغان پور تک اس کے استقبال کو گئے تھے، شب کو سلطان کے ساتھ ما حضر تناول فرمارہے تھے کہ نور باطن سے کشف ہوا کہ جس عمارت میں وہ بیٹھے کھانا کھارہے ہیں وہ اچانک گرجائے گی، اس لیے کھانا چھوڑکر باہر چلے آئے، اور سلطان کو بھی باہر نکلنے کے لیے فرمایا، مگر اس نے نکلنے میں دیر کی، اتنے میں عمارت گر پڑی اور سلطان

[1] سیر الاولیا، ص ۱۳۶، اخبار الاخیار ص ۶۳ [2] سیر العارفین ص ۵

اس کے نیچے دب کر ختم ہو گیا [۱]

حضرت محبوب الٰہی سے آخری ملاقات

غیاث الدین تغلق کے بعد سلطان محمد تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا، اس سے بھی حضرت رکن الدین کے تعلقات قائم رہے، اور اس کے یہاں آکر مہمان ہوئے، یہ زمانہ حضرت محبوب الٰہی کے مرض الموت کا تھا، حضرت شیخ رکن الدین ان کی عیادت کے لیے آئے، تو وہ عالم تحیر میں تھے، مریدین پریشان ہوئے کہ اس عالم تحیر میں دونوں کی ملاقات کیسے ہو گی، لیکن حضرت محبوب الٰہی کا تحیر جاتا رہا، حضرت شیخ رکن الدین کو دیکھ کر تعظیم کے لیے چارپائی سے نیچے اترنا چاہتے تھے، مگر غایت ضعف کی وجہ سے نیچے نہ اتر سکے، اس لیے حضرت شیخ رکن الدین کو چارپائی ہی پر بیٹھنے کو کہا، لیکن شیخ رکن الدین نے تعظیماً چارپائی پر بیٹھنا پسند نہیں فرمایا، ایک کرسی لائی گئی، تو وہ اسی پر بیٹھے، حضرت شیخ رکن الدین نے سلسلۂ کلام شروع کرتے ہوئے فرمایا کہ انبیاء کو موت اور زندگی کا اختیار دیا جاتا ہے اولیاء انبیاء کے جانشین ہوتے ہیں، اس لیے ان کو بھی موت اور زندگی کا اختیار ملتا ہے آپ کی حیات کچھ دنوں اور ہوتی کہ ناقصوں کو آپ کمال تک پہنچا سکتے، محبوب الٰہی نے یہ سنا تو ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، اور فرمایا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرما رہے ہیں کہ نظام! تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے، حضرت شیخ رکن الدین نے یہ سنا تو ان پر گریہ طاری ہو گیا، اور ان کے ساتھ اور حاضرین بھی رونے لگے [۲]

اس ملاقات کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے رحلت فرمائی، ان کے جنازہ کی نماز حضرت شیخ رکن الدین نے پڑھائی، اور اس سعادت پر وہ ہمیشہ فخر کرتے تھے،

---

[۱] فرشتہ ج ۲ ص ۱۱م [۲] سیر الاولیاء ص ۱۴۱

وصال | حضرت محبوب الٰہیؒ کی وفات کے دس سال بعد حضرت شیخ رکن الدین اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، وفات سے تین مہینے پہلے لوگوں سے ملنا جلنا اور بولنا چالنا بالکل ترک کر دیا تھا، صرف نماز جماعت کے لیے حجرہ سے باہر آتے تھے، اور پھر لوٹ جاتے تھے ۷۳۵ھ کے رجب کی سولھویں تاریخ جمعرات کے دن نماز مغرب کے بعد اوابین پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں سجدہ میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی[۱]، مرقد مبارک ملتان میں انکے جد امجد اور والد ماجد کے مزار کے پاس ہی ہے،

نور باطن | حضرت شیخ رکن الدین کا ایک بڑا وصف یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ان کو نور باطن سے اپنے ملنے والوں اور مریدوں کے دلوں کی باتوں کا کشف ہو جاتا تھا، اسی لیے ابو الفتح کے لقب سے ملقب تھے، ان کے ایک مرید نے اس سلسلہ میں اپنی تصنیف مجمع الاخبار[۲] میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بار سلطان غیاث الدین تغلق نے مولانا ظہیر الدین بیگ سے پوچھا کہ شیخ رکن الدین کی کوئی کرامت آپ نے دیکھی ہے، مولانا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن جب لوگ ان کی قدم بوسی کے لیے جمع تھے، میں نے دل میں خیال کیا کہ شاید شیخ کے پاس تسخیر کا کوئی عمل ہے، میں بھی عالم ہوں لیکن میری طرف کوئی توجہ نہیں کرتا، میں نے سوچا کہ دوسرے دن صبح کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھوں گا کہ وضو میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں کیا حکمت ہے، رات کو جب سویا، تو خواب میں دیکھا کہ شیخ مجھکو حلوا کھلا رہے ہیں، جس کی شیرینی دن تک زبان پر قائم رہی، میں نے خیال کیا کہ اگر یہی کرامت ہے تو شیطان بھی عوام کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے، صبح کو جب

---

[۱] سیر العارفین جلد ۲ ص ۱۱، فرشتہ جلد ۲ ص ۴۱۲، مرآۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین [۲] اس تصنیف کا ذکر اخبار الاخیار ص ۶۲ پر ہے،

مین شیخ کی خدمت مین حاضر ہوا، تو مجھکو دیکھتے ہی فرمایا، مین تمہارا ہی منتظر تھا، پھر گفتگو شروع کی، اور فرمایا، جنابت دو قسم کی ہوتی ہے، جنابت جسم اور جنابت دل، جنابت جسم کا سبب تو بالکل ظاہر ہے، مگر دل کی جنابت نا ہموار آدمیون کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے، جسم تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے، مگر دل کی جنابت آنکھون کے پانی سے دور ہوتی ہے، اس کے بعد فرمایا کہ پانی مین تین صفتین ہین، رنگ، مزہ اور بو، اسی لیے شریعت نے وضو مین کلی کرنے اور ناک مین پانی ڈالنے کو مقدم رکھا ہے، کلی سے مزہ معلوم ہوتا ہے، اور ناک مین پانی ڈالنے سے اس کی بو معلوم ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ جس طرح نبی کی صورت مین شیطان ظاہر نہین ہو سکتا، اسی طرح شیخ حقیقی کی صورت مین بھی شیطان نمودار نہین ہو سکتا، کیونکہ شیخ حقیقی کو نبی کی کامل متابعت حاصل ہوتی ہے، مولانا ظہیر الدین کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت شیخ رکن الدین کی زبان مبارک سے یہ باتین نکل رہی تھین، اس وقت میرے تمام جسم سے پسینہ جاری تھا؛[1]

تواضع ایک بار ایک عرب درویش خانقاہ مین فروکش ہوا، حضرت شیخ رکن الدین نے خادم خاص سے اس کے پاس کھانا بھجوایا، خادم نے درویش سے پوچھا تم حضرت شیخ کو دیکھو گے، درویش نے کہا کہ میری کیا مجال ہے کہ مین شیخ کو دیکھون، خادم نے لوٹ کر یہ واقعہ حضرت شیخ رکن الدین سے بیان کیا تو انھون نے فرمایا، مین خود اس کے پاس جاؤن گا، جب معلوم ہوا کہ درویش اوراد سے فارغ ہو چکا ہے تو اس کے پاس تشریف لے گئے، اور اس کو اس کے مقصود تک پہنچا کر سرفراز فرمایا،[2]

تعظیم اولاد استاد ایک بار ایک شخص حضرت رکن الدین کی خدمت مین حاضر ہوا، اور کہنے لگا کہ

---

[1] بحوالہ اخبار الاخیار ص ۶۲ [2] الدر المنظوم اردو ترجمہ ص ۴۴

ہین آپ کے استاد کے لڑکون مین سے ایک لڑکا ہون، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس کے باپ سے سورہ اخلاص پڑھی تھی، فرمایا تم میرے خداوندزادہ ہو، مجھ کو اسی طرح حکم دو جس طرح ایک آقا اپنے غلام کو دیتا ہے، اس نے کہا مجھکو دنیا کا مال ومتاع چاہیے، حضرت شیخ رکن الدین نے اس کو اسی وقت دس ہزار ٹنکے مرحمت فرمائے[1]

غذا | غذا بہت ہی قلیل تھی، ایک پیالہ دودھ مین کچھ میوے ڈال دیے جاتے، اسی سے چند لقمے تناول فرما لیتے، گھر والون نے ایک طبیب سے قلت غذا کی شکایت کی، طبیب نے غذا منگوا کر دیکھی، اور اس مین سے چند لقمے خود کھائے، کھانے کے بعد اس نے گرانی محسوس کی اور کہا کہ اب سات دن کھانے کی حاجت نہ ہوگی، کیونکہ بزرگون کے کھانے مین کمیت سے زیادہ کیفیت ہوتی ہے[2]

خیال دنیا و آخرت | وضو فرماتے تو اس کے بعد کی دعا پڑھتے، ایک روز وضو سے فارغ ہوئے تو دعا نہین پڑھی، بلکہ صرف الحمد للہ کہا، خادم خاص نے ان کے نانا سے جا کر عرض کیا کہ آج حضرت نے صرف الحمد للہ کہا، اور کوئی دعا نہین پڑھی، وہ حضرت شیخ رکن الدین کے پاس آئے، اور واقعہ دریافت کیا حضرت شیخ رکن الدین نے فرمایا آج وضو مین دنیا اور آخرت کا خیال دل مین نہیں گذرا تو مین سمجھا کر آج میرا وصال ہے، اسی لئے صرف الحمد للہ کہا[3]

وصایا | حضرت شیخ رکن الدین کی کسی تصنیف کا کہین کوئی ذکر نہین، مگر مجمع الاخبار مین ان کے وصایا و ملفوظات درج ہین، جن کے کچھ اقتباسات اخبار الاخیار مین نقل کیے گئے ہین، موخر الذکر کتاب کی مدد سے حضرت شیخ رکن الدین کی صوفیانہ تعلیمات ہدیۂ ناظرین

---

[1] سراج الہدایہ ملفوظات حضرت جلال الدین بخاری قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رامپور ص ۱۵۳ [2] ایضاً المنشم ص ۲۰ - ۵۱۹ [3] ایضاً ص ۳۱۰ - ۳۰۹

کی جاتی ہین، اپنے ایک مرید کو لکھتے ہین کہ

آدمی دو چیزون سے عبارت ہے، صورت اور صفت، ان مین سے قابل اعتنا آدمی کی صفت ہے، خدائے عزوجل صورتون کو نہین بلکہ قلوب کو دیکھتا ہے، اگر کسی کا قلب اوصاف ذمیمہ سے پُر ہے تو اس کا شمار بہائم مین ہے، اوصاف ذمیمہ کو دور کرنے کے لیے تزکیۂ نفس کی ضرورت ہے، اور تزکیۂ نفس اس وقت تک حاصل نہین ہو سکتا جب تک بندہ خدائے عزوجل سے التجا و استعانت نہ کرے، یعنی اس کی بارگاہ مین گڑگڑائے، اور اس سے مدد طلب کرے، التجا و استعانت سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے فضل اور رحمت حاصل ہوتی ہے، فضل و رحمت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی چشم بینا مین اس کے عیوب ظاہر ہو جاتے ہین، اور عظمت الٰہی کے انوار کے پرتو سے ساری کائنات اس کی نظر مین ہیچ ہو جاتی ہے، دنیا کے بھیدون مین پھنسے رہنے والون کی وقعت اس کے دل سے بالکل جاتی رہتی ہے، اور جب اس کے قلب پر یہ کیفیت مستولی ہو جاتی ہے تو اس کے اوصاف فرشتون کے اوصاف مین تبدیل ہو جاتے ہین، اور اس مین ظلم کے بجائے عفو، غضب کے بجائے حلم، کبر کے بجائے تواضع، بخل کے بجائے سخاوت، اور حرص کے بجائے ایثار کی خوبیان پیدا ہو جاتی ہین، مگر یہ خوبیان عقبیٰ کے طلب کرنے والون کے لیے ہین، طالبان حق کے اوصاف اور بھی بلند تر ہین، وہان تک پہنچنے کے لیے ہر شخص کی عقل کام نہین دیتی،

عہدیست مرا کہ ننگرم بجز تو دوست   شرطیست مرا کہ نخواہم بجز تو ہیچ

ایک دوسرے موقع پر اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا کہ مین نے آج تک کسی کے ساتھ نہ نیکی کی اور نہ بدی، حاضرین نے استعجاب سے پوچھا کہ امیر المومنین! بدی تو خیر آپ سے نہین ہو سکتی، مگر نیکی کے متعلق آپ کیا

فرمارہے ہین، ارشاد فرمایا کہ حق جل علاکا قول ہے کہ جس نے اچھے کام کیے، اپنے نفس کے لیے کیے، اور برے کام کیے وہ بھی اپنے نفس کے لیے کیے، پس جو کچھ نیکی یا بدی مجھ سے صادر ہوئی وہ درحقیقت میرے لیے تھی، نہ کہ دوسرون کے لیے، اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین لکھتے ہین کہ

ایک عاقل کو دنیا و آخرت کے لیے اتنی نصیحت کافی ہے، بزرگون نے کہا

سلاح این کس صلاح اولین است

یعنی ایک شخص کا ہتھیار اس کی نیکی ہے،

چہ می دانی ہر انچہ کاری درو ے — آخر بہمہ حال نکوکاری بہ

فرماتے تھے کہ اعضا و جوارح کو شرعی ممنوعات سے قولاً وعملاً باز رکھنا چاہیئے لا یعنی مجلس سے بھی پرہیز لازم ہے۔ اس سے مراد ایسی مجلس ہے جو حق تعالیٰ سے برگشتہ کرکے دنیا کی طرف مائل کرتی ہے، بطالون سے بھی احتراز ضروری ہے۔ بطال وہ لوگ ہین جو طالب حق نہین۔[1]

---

[1] اخبار الاخیار ص ۶۱ - ۶۲

حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ

نام و نسب اسم گرامی برہان الدین تھا، اور عام طور پر شیخ برہان الدین غریب کہلاتے تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے:

برہان الدین غریب بن شیخ محمد محمود بن ناصر ہانسوی بن سلطان مظفر بن سلطان ابراہیم ابن شیخ ابوبکر بن شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالرشید بن شیخ عبدالصمد بن شیخ عبدالسلام بن امام اعظم حضرت ابوحنیفہ کوفی،[1]

وطن خاندان شہر ہانسی میں آباد تھا، اسی جگہ ۶۵۴ھ میں شیخ برہان الدین کی ولادت باسعادت ہوئی،

خاندان حضرت برہان الدین غریب کا خاندان مذہبی اور روحانی حیثیت سے ممتاز تھا، والد بزرگوار مقبول خاص و عام تھے، وہ جب مجلس میں ہوتے لوگوں کی خواہش ہوتی کہ وہ تمام دن باتیں کرتے رہیں، حضرت برہان الدین نے اپنے والد ماجد کی اس مقبولیت کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ ہر قبرستان پر روزانہ سو بار فاتحہ پڑھا کرتے تھے، حضرت شیخ کے حقیقی

---

[1] مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے روضۃ الاولیاء میں حضرت شیخ برہان الدین غریب کے حالات لکھے ہیں، اس کا اردو ترجمہ جناب عبدالمجید صاحب خلد آبادی نے کیا ہے، اردو ترجمہ میں جابجا مفید حواشی ہیں جو حضرت شیخ برہان الدین کے ملفوظات سے مرتب کیے گئے ہیں، ہم نے ان حواشی سے بھی استفادہ کیا ہے، روضۃ الاولیاء کا جابجا جو حوالہ دیا جائے گا اس سے مراد بھی اردو ترجمہ ہے،

بھائی حضرت شیخ منتخب الدین بھی حضرت محبوب الٰہی یعنی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے ممتاز خلفا میں تھے، اہل دکن ان کے فیوض و برکات سے متمتع ہوئے، ان کا مزار اقدس خلد آباد میں ہے، جہاں ہر سال بڑے تزک و احتشام سے ان کا عرس ہوتا ہے حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کے جلیل القدر خلیفہ حضرت خواجہ جمال الدین ہانسوی میں سے جمالیہ سلسلہ جاری ہوا، حضرت شیخ کے ماموں تھے، اور حضرت محبوب الٰہی کے عظیم المرتبت خلیفہ مولانا قطب الدین منور ماموں زاد بھائی تھے،

تعلیم | والد بزرگوار کی نگرانی میں اپنے چچا سے قدوری پڑھی، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کے روضۃ الاولیا میں ہے کہ حضرت شیخ نے فقہ نافع کو حفظ کر لیا تھا، فقہ، معانی، تفسیر حدیث کی بھی تعلیم پائی، ہم عصروں میں ایک جید عالم کا مرتبہ رکھتے تھے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا جب مخاطب فرماتے تو مولانا برہان الدین کہتے۔

عبادت | ایام طفلی ہی میں عبادت کا ذوق و شوق پیدا ہوا، جب عمر شریف چھ سات سال کی تھی تو تنہائی میں جاکر کلمہ طیبہ کے ذکر پر مواظبت کرتے، تیرہ سال کی عمر میں ازدواجی علائق سے آزاد رہنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ تمام زندگی تجرد میں گذاری، کچھ دنوں کیمیا بنانے کا شوق رہا، لیکن حضرت محبوب الٰہی کی صحبت کیمیا اثر میں یہ شوق زائل ہو گیا،

قیام دہلی | اس زمانہ میں حضرت محبوب الٰہی کے فیوض و برکات کے سرچشمہ سے تمام ہندوستان سیراب ہو رہا تھا، اس لیے حضرت شیخ برہان الدین نے بھی دہلی میں کشش پائی، اور ہانسی سے دہلی کھنچ کر چلے آئے، دہلی آکر ایک مسجد میں قیام فرمایا، وہاں کے لوگوں نے حضرت شیخ میں بڑی جاذبیت پائی، اور مسجد میں ہجوم

رہنے لگا، لیکن لوگوں کے اس میلان کے باوجود حضرت شیخ اس مسجد میں اس طرح رہتے جیسے کوئی اجنبی اور غریب الوطن رہتا ہے،

ارادت ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ ایک خندق میں گر پڑے ہیں، اور اس سے باہر نکلنا چاہتے ہیں، لیکن نکل نہیں سکتے، یکایک حضرت محبوب الٰہیؒ نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیکر باہر نکالا، اس خواب کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ میں تشریف لے گئے، حضرت محبوب الٰہی کے خادم خاص اقبال نے خدمت میں جاکر عرض کیا کہ برہان الدین غریب آئے ہیں، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا اب تو ان سے تمام لوگ آشنا ہو گئے ہیں، ابھی تک وہ غریب (اجنبی) ہیں! اسی کے بعد سے وہ غریب کے لقب سے مشہور ہوئے، ارادت کے بعد حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں بڑا تقرب حاصل کیا، اور باورچی خانہ کے نگران مقرر ہوئے[۱]،

مقبولیت تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت شیخ کو اپنے ہم چشموں میں بھی بڑی مقبولیت حاصل ہو گئی، حضرت محبوب الٰہی کے مریدوں میں امیر خسرو، امیر حسن سنجری، مولانا ابراہیم طشت دار، سید خاموش، خواجہ مبشر، سید حسین، اقبال خادم برابر ان کی صحبت میں رہتے، اور ان کی شیرین کلامی اور بذلہ سنجی سے بہت لطف وحظ اٹھاتے، لطائف اشرفی میں ہے:

"در وادیہ خلت از ہمہ سبقت کردند، در ظرافت و لطافت طبع آیتی بود کہ در شان او نزول یافتہ، چنانکہ میر حسن امیر خسرو و خوش طبعان دیگر بوسیلہ لطافت طبع او فریفتہ بودند" (ص ۳۵۷)

---

[۱] روضۃ الاولیاء اردو ترجمہ ص ۱۰۔۷

حضرت شیخ نصیر الدین محمود جب اودھ سے دہلی تشریف لاتے تو حضرت شیخ ہی کے ساتھ قیام فرماتے، اور کبھی کبھی درس بھی لیتے ہے[1]

عتاب مرشد | ایک موقع پر مرشد کو کچھ باتیں ناگوار گزریں، جس سے شیخ کو ابتلاء وآزمائش کی کٹھن گھڑیاں گذارنی پڑیں، علی زنبلی اور ملک نصرت نے جو سلطان علاء الدین خلجی کے رشتہ دار تھے، حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہو کر اثنائے گفتگو میں یہ بیان کیا کہ مولانا برہان الدین مشائخ کی طرح سجادے پر بیٹھتے ہیں وہ جسمانی حیثیت سے نحیف ونحنی تھے، کبر سنی کی وجہ سے دونوں زانوؤں میں درد رہا کرتا تھا، اس لیے کمبل کو دوتہ کرکے اس پر بیٹھتے تھے، اسی کی طرف علی زنبلی اور ملک نصرت نے اشارہ کیا، لیکن نشست کا یہ طریقہ حضرت محبوب الٰہی کو ناگوار گذرا، اس لیے جب حضرت شیخ خدمت میں حاضر ہوئے تو ان سے مخاطب ہونا پسند نہیں فرمایا، اور جب جماعت خانہ میں تشریف لائے تو اپنے خادم اقبال سے ان کو یہ کہلا بھیجا کہ وہ جماعت خانہ میں نہ بیٹھیں، حضرت شیخ یہ سنکر پریشان اور سراسیمہ ہوئے، گھر جاکر سوگ میں بیٹھ گئے، اور برابر روتے رہتے، لوگ ان کو دیکھنے کیلئے آتے، اور ان کو روتا دیکھکر خود بھی رونے لگتے، چند روز کے بعد حضرت امیر خسرو اپنی دستار گردن میں اٹھا کر حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت محبوب الٰہی نے ان کو اس طرح دیکھ کر پوچھا "ترک! کیا ہے"، عرض کیا، "مولانا برہان الدین کی معافی چاہتا ہوں"، متبسم ہوکر پوچھا "وہ کہاں ہیں"، مولانا برہان الدین بھی اپنی دستار گردن میں ڈال کر حاضر ہوئے، اور صف نعال میں کھڑے ہو گئے، حضرت محبوب الٰہی نے تقصیر معاف کی اور تجدید بیعت سے مشرف کیا[2]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۷۸-۷۹ [2] ایضاً ص ۲۸۱-۲۸۰-۲۷۹

خلافت رفتہ رفتہ حضرت شیخ درجۂ کمال کو پہنچے تو مرشد کی طرف سے خلافت ملی،[1] خلافت کے بعد مرشد نے کئی بار اپنے بلند مرتبہ مرید کے کمالات کا اظہار کیا،

ایک موقع پر حضرت محبوب الٰہی کی مجلس مین حضرت بایزید بسطامی کی بزرگی کا ذکر آیا، محبوب الٰہی نے فرمایا ہم بھی ایک بایزید رکھتے ہین، کسی نے پوچھا وہ کہاں ہین، فرمایا "جماعت خانہ مین"، اقبال خادم نے جماعت خانہ مین جاکر دیکھا تو وہاں اس وقت حضرت شیخ برہان الدین بیٹھے تھے،

ایک اور موقع پر حضرت محبوب الٰہی نے حضرت شیخ کو اپنا فرزند شائستہ بنایا اور فرمایا جو شخص مولانا برہان الدین کے ساتھ رہیگا وہ بھی صاحب حشمت ہوگا، ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا مولانا برہان الدین اخلاق، نعمتون اور علوم لدنی کے مجموعہ ہین،[2]

احترام مرشد حضرت شیخ کو بھی اپنے مرشد سے بڑی محبت وعقیدت رہی، مرشد کی وفات کے بعد کبھی اپنی پشت غیاث پور کی طرف نہین کی، جہاں ان کا مرقد مبارک ہے،[3] سیر الاولیا مین ہے کہ

"در اعتقاد و محبت پیر راہ نمونۂ بہتر از دکسے نمود"۔ (ص ۲۷۹)

دکن کو روانگی حضرت شیخ کے بھائی حضرت منتخب الدین کی وفات کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے اسلام کی تبلیغ واشاعت اور مسلمانون کے رشد وہدایت کی غرض سے حضرت شیخ کو دکن جانے کا حکم دیا، حضرت شیخ کو مرشد کی مفارقت پسند نہ تھی، اس لیے یہ حکم سنکر عرض کیا کہ نعلین مبارک

[1] جس طرح سے خلافت ملی، اس کی روایتین سیر الاولیا، تاریخ فرشتہ اور دوسرے تذکرون مین مختلف ہین، جن کی تفصیل لکھنا تحصیل حاصل ہے [2] روضۃ الاولیا، ص ۱۱، وحواشی، [3] سیر الاولیا، ص ۲۷۸،

سے جدا ہو جاؤں گا، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا نعلین بھی ہمراہ لے جاؤ، پھر عرض کیا مجلس سے دور رہو جاؤں گا، مرشد نے فرمایا اس وقت مجلس میں جتنے لوگ بیٹھے ہیں، ان کو بھی ساتھ لے جاؤ، کہا جاتا ہے کہ مجلس میں سات سو مریدین بیٹھے تھے، جن میں حضرت امیر حسن سجزی، شیخ کمال خجندی، شیخ جام، اور شیخ فخرالدین وغیرہ بھی تھے، حضرت شیخ کو مرشد کا حکم بجالانا پڑا، اور سات سو ہمراہیوں کے ساتھ دولت آباد روانہ ہو گئے، یہ گویا دکن میں روحانی سپاہیوں کی فوج کشی تھی، رخصت کرتے وقت مرشد نے کچھ نصیحتیں کیں جن میں دو یہ تھیں کہ جمعہ کی نماز ترک نہ کرنا، اور اپنی والدہ کی خوشی ہر کام پر مقدم رکھنے کو رحمت حق تصور کرنا،

دولت آباد پہنچکر یہاں تقریباً اٹھائیس انتیس سال قیام فرمایا، اور یہیں واصل بحق ہوئے، اس مدت میں اپنے عادات واطوار، معاملات وعبادات اور کشف وکرامات کی بنا پر عوام وخواص، امراء وسلاطین کے قلوب پر فرمانروائی کرتے رہے،

اشاعت اسلام حضرت شیخ اور ان کے ہمراہیوں کی مساعی جمیلہ سے بہت سے غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے، حضرت شیخ کے ذکر میں سفینۃ الاولیاء میں ہے،

"از مریدان سلطان المشائخ اند و حضرت شیخ ایشانرا بہ طرف برہان پور و دولت آباد بہت رواج اسلام وارشاد ساکنان الحدود فرستادند، و شیخ حسن دہلی را با بعضی از مریدان خود با ایشان ہمراہ کردند، واز برکت قدوم ایشان اکثرے ازاں جماعہ بشرف اسلام مشرف گشتہ ومرید ومعتقد گشتند" (ص ۱۷۲)

رشد وہدایت عام مسلمانوں نے بھی ہر طرح کا استفادہ کیا، اور جوق درجوق حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، صرف حضرت رکن الدین کاشانی کی وساطت سے ایک ہزار آدمیوں نے بیعت کی، ان مریدوں کو جو مذہبی اور روحانی تعلیمات دیں ان کی تفصیل تو آگے آئیگی،

جب ہم حضرت شیخ کے مریدون کی ایسی تصانیف کا ذکر کرین گے جو خاص ان کی فرمایش سے لکھی گئین، یہان پر اجمالی طور سے ہم ان تعلیمات کو پیش کرتے ہین جن سے حضرت شیخ نے اپنے مریدون کی اخلاقی اور معاشرتی حالت سنوارنے کی کوشش کی،

طلب حق | ایک مسافر حضرت شیخ کی خدمت مین آیا، اور عرض کیا کہ مین آپ کے پاس دو چیزون کے واسطے آیا ہون، ایک تو دین حاصل کرنے کے لیے کیونکہ آپ پیشواے دین، سرمہ ولایت اور صاحب کشف و کرامت ہین، دوسرے دنیا حاصل کرنے کے لیے، کیونکہ سلاطین اور امرا آپ کے مطیع و فرمانبردار ہین، حضرت شیخ نے فرمایا، ایک خدا تم کو دونون چیزین پہنچا دیگا، خدا کو حاصل کرلو، ساری چیزین خود بخود حاصل ہوجائے گی،

کمال انسان | مولانا وجیہ الدین یوسف نے حضرت شیخ کی خدمت مین عرض کیا کہ مین جس قدر نفس کے عیوب کو دور کرتا ہون اسی قدر زیادہ عیوب نظر آتے ہین، حضرت شیخ نے فرمایا، یہ ایک انسان کا کمال ہے، کیونکہ انسان جب کمال کو پہنچتا ہے تو اس کی نظر اپنے عیوب پر زیادہ پڑتی ہے.

دنیا کی حقیقت | ایک موقع پر مریدون کو مخاطب کرکے فرمایا، دنیا سایہ کے مانند ہے، جب آدمی سایہ کی طرف منہ کرتا ہے تو وہ آگے آگے چلتا ہے، اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو پیچھے پیچھے آتا ہے، ایک اور موقع پر فرمایا کہ مجھکو مشرق سے مغرب تک تمام عالم ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہتھیلی پر مرغی کا انڈا ہو،

فضیلت محبت | دل کی ماہیت یہ بتائی کہ یہ ایک ظرف کی مانند ہے جب تک ظرف خالی ہے، ہوا سے پر رہتا ہے، اور جب اس مین کوئی چیز رکھ دی جاتی ہے تو ہوا سے خالی ہوجاتا ہے، اسی طرح دل دنیا کی خواہش سے پر ہوتا ہے لیکن جب اس مین محبت بھر جاتی ہے

تو خواہش نفسانی دور ہو جاتی ہے، اور پھر اللہ کی محبت بھر جاتی ہے،

راحت رسانی | متقدون کو تلقین کی کہ لوگون کی راحت رسانی مین کوشان رہین، اس سلسلہ مین فرمایا، ایک درخت خود تو دھوپ مین کھڑا رہتا ہے، لیکن دوسرون کو سایہ دیتا ہے، لکڑی خود تو جلتی ہے لیکن اورون کو آرام پہنچاتی ہے، اسی طرح انسان خود تکلیف اٹھائے اور اپنی تکلیف کا خیال نہ کرے لیکن دوسرون کو فائدہ اور آرام پہنچائے،

عیب جوئی | لوگون کی عیب جوئی کے سلسلہ مین مریدون کو بتایا کہ اگر تمھارا کوئی عیب ظاہر کرے تو یہ دیکھو کہ تم مین وہ عیب ہے یا نہین، اگر ہے تو اس سے باز آؤ، اور عیب ظاہر کرنے والے سے کہو تم نے مجھ پر کرم کیا کہ میرا عیب مجھکو بتا دیا، اور اگر تم مین یہ عیب نہین ہے تو دعا کرو کہ الٰہی اس عیب ظاہر کرنے والے کو عیب جوئی سے بچائے، اور مجھکو بھی بدکلامی سے محفوظ رکھے،

بخل و سخاوت | فرمایا ایک سخی ہوتا ہے اور ایک بخیل، سخی وہ ہے جو مہمان کو دوست رکھتا ہے، اور بخیل وہ ہے جو دولت کو مہمان رکھتا ہے۔

مہمان نوازی | مہمان نوازی کے متعلق یہ تعلیم دی کہ جب کوئی مسافر مقیم کے پاس پہنچے تو مقیم کو مسافر کے سامنے دو قسم کا گرم پانی پیش کرنا چاہیے، ایک گرم پانی ہاتھ اور منہ دھونے کیلیے اور دوسرا گرم شوربا،

عدل و احسان | عدل و احسان کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگون کو ایک دوسرے کے ساتھ عدل بھی کرنا چاہیے اور احسان بھی، عدل تو یہ ہے کہ کھانے کے وقت ہم پیالے کے ساتھ لقمہ کا انصاف کرے، یعنی برابر برابر کھائے، اور احسان یہ ہے کہ ہم پیالے کے ساتھ اپنا لقمہ چھوٹا اٹھائے، اور جو چیز لذیذ اور اچھی ہو اس سے ایثار کرے،

طہارت باطن | ایک موقع پر مریدوں کو بتایا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہوتی ہے وہاں فرشتہ رحمت داخل نہیں ہوتا، اسی سلسلہ میں یہ صوفیانہ نکتہ بتایا کہ نفس کتا ہے اور خدا کے علاوہ کسی اور کی محبت گویا تصویر ہے، ایسے آدمی کے دل میں خدا کی محبت نہیں ہو سکتی، خدا کی محبت کے لیے نفس کو پاک اور دل کو ماسوا اللہ کی محبت سے دور رکھنا ضروری ہے،

اہل وعیال کے حقوق | بیوی اور بچوں کے حقوق کے بجا لانے کی بھی تاکید کی، اور فرمایا بیوی بچے باغ اور بوستان ہیں، جب خداوند تعالیٰ کی عبادت سے کوئی ملول ہو تو اس کو اپنا دل بیوی بچوں ہی سے بہلانا چاہیے، کیونکہ یہ بھی عبادت ہے[۱]

شیخ کے اقوال کی مقبولیت | حضرت شیخ کی زبان مبارک سے جو کوئی بات نکل جاتی، اس کو عام طور سے لوگ بہت ہی حسن عقیدت سے سنتے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے، ایک نوجوان سپاہی میدان جنگ میں گیا تو وہ بالکل نڈر ہو کر معرکہ کارزار میں پیش پیش رہتا، لوگوں نے اس سے احتیاط کرنے کو کہا تو اس نے کہا، میں جوانی میں مر نہیں سکتا، کیونکہ حضرت شیخ برہان الدین نے فرمایا ہے کہ جب تک تو بڈھا نہ ہو گا نہ مرے گا،[۲]

شیخ کی شیریں کلامی | حضرت شیخ اپنی مجلسوں میں تعلیم وتربیت کے سلسلے میں جو کچھ فرماتے اس میں بڑی شیرینی، فصاحت، بلاغت اور تاثیر ہوتی، اس لیے سامعین مجلسوں سے اٹھتے تو اپنے قلب کو پاکیزہ اور ذہن کو مصفا پاتے، سیر الاولیا میں ہے:-

ہر کہ یک ساعت بخدمت ایں بزرگ بودے از ذوق کلام عشق آمیز وصفائی محاورۂ دلفریب او عاشق جمال ولایت گشتے۔" (ص ۲۷۹)

---

۱ یہ تعلیمات روضۃ الاولیاء اور نفائس الانفاس کے ملفوظات سے جمع کی گئی ہیں،

۲ روضۃ الاولیاء، ص ۱۰۸،

مستفیدین | حضرت شیخ کی صحبت کیمیا اثر سے جن بزرگوں نے روحانی کمالات حاصل کیے ان میں بعض کے مختصر حالات حسب ذیل ہیں،

۱۔ حضرت سید زین الدین، نام سید داؤد حسین القب سید زین الدین اور وطن شیراز تھا، شیراز سے دہلی آئے، اور دہلی سے دولت آباد منتقل ہوئے، بڑے جید عالم تھے اس لیے دولت آباد میں علماء اور طلبہ کا ہجوم ان کے گرد رہتا تھا، ایک مسجد میں تفسیر اور حدیث کا درس دیتے تھے، اپنے علم کے غرور میں صوفیہ اور مشائخ کی صحبت سے احتراز کرتے، اور ان کے متعلق طنز و تشنیع فرماتے، ایک روز مولانا سید زین الدین کا ایک شاگرد حضرت شیخ برہان الدین کے پاس مشکوٰۃ المصابیح پڑھنے گیا، درس کے بعد محفل سماع تھی، اس میں بھی شریک ہو گیا، مولانا سید زین الدین کو معلوم ہوا تو اس پر برہم ہوئے کہ ناچ گانے کی محفل میں کیوں شرکت کی، اسی برہمی میں شاگرد سے کہا کہ اگر شیخ برہان الدین صاحب فضیلت اور صاحب علم ہیں تو ان سے میرے چند سوالوں کو حل کرا کے لا، اس کے بعد ان سوالوں کو کاغذ پر لکھ کر شاگرد کے حوالہ کیا، یہ بعض علمی سوالات تھے، جنکا جواب مولانا کے اساتذہ بھی نہ دے سکے تھے، اور اپنی غیر معمولی قابلیت کے باوجود خود ان کے حل کرنے سے قاصر اور معذور تھے، ان کو لکھ رکھا تھا کہ بیت اللہ جا کر حرمین کے علماء سے حل کرائیں گے، جب شاگرد یہ سوالات حضرت شیخ برہان الدین کے پاس لے کر پہنچا، تو شیخ نے ان کے کئی کئی جوابات لکھے، اور جب ان کو مولانا زین الدین نے پڑھا تو ان کے علم کا سارا غرور اور پندار جاتا رہا، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور حضرت شیخ کی طرف غیر معمولی کشش محسوس کی، مولانا رکن الدین کاشانی کو لے کر حضرت شیخ کی قیامگاہ پر پہنچے اور جب سامنا ہوا تو دوڑ کر پیشانی قدموں پر جھکا دی، شیخ نے فرمایا ہاں ہاں داؤد حسین

یہ رسم شریعت میں جائز نہیں، مولانا نے کہا، جب تک میں اس رسم کو شریعت کے خلاف جانتا تھا، نعمتِ باطنی سے محروم تھا، اور پھر یہ شعر پڑھا:

دست از طلب ندارم تا کارِ من برآید یا جاں رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

اور اسی وقت بیعت کی، اس کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ ختم کر دیا، اور مرشد کی صحبت بابرکت میں رہنے لگے، ایک روز مرشد نے کہا، داؤد صلاحیت پیدا کرنے کے لیے کوئی کتاب پڑھو، عرض کیا، جس کتاب کا حکم ہو وہی پڑھوں، مرشد نے فرمایا، مرصاد العباد پڑھو، مولانا زین الدین مرصاد العباد پڑھ چکے تھے، اور شاگردوں کو بھی پڑھا چکے تھے، لیکن مرشد کے حکم سے اسکو از سر نو پڑھنا شروع کیا، تین بار اس کو ختم کیا، اور ہر بار کہتے، واللہ یہ وہ مرصاد نہیں جو میں نے پہلے پڑھی تھی،[1] رفتہ رفتہ مولانا زین الدین نے درویشی میں بڑی فضیلت حاصل کی، خواص و عوام و سلاطین ان کے بہت معتقد رہے، سلطان محمد شاہ بہمنی ان ہی کے ہاتھوں پر اپنے اعمالِ قبیحہ سے تائب ہوا، اور ان ہی کے رشد و ہدایت سے اپنی مملکت میں شریعت کو رواج دیا، شراب فروشی کی دوکانیں بند کرائیں، چوروں اور رہزنوں کا استیصال کیا،[2] خاندیس کے والی نصیر خان فاروقی نے بھی حضرت سید زین الدین سے فیوض و برکات حاصل کیے، اور ان کے نام پر ایک شہر زین آباد آباد کیا،

ایک بار حضرت شیخ زین الدین دہلی تشریف لے گئے، تو سلطان فیروز شاہ تغلق نے دہلی میں مستقل اقامت کے لیے اصرار کیا، لیکن ارشاد فرمایا کہ میں اپنے شیخ کے آستانہ ہی پر مرنا چاہتا ہوں،[3] مزار اقدس خلدآباد میں ہے، جہاں ہر سال عرس ہوتا ہے، اور

---

[1] روضۃ الاولیا، مؤلفہ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی اور روضۃ الاقطاب مؤلفہ محمد رفیق علی میں مولانا زین الدین کے مفصل حالات ملیں گے، [2] ایضاً ص ۳۴۲ [3] روضۃ الاولیا، ص ۱۰۰، ۱۰۶

اہل دکن ان کو جلیل القدر اولیاء اللہ میں شمار کرتے ہیں حضرت شیخ برہان الدین نے ان کو زین الدین کا لقب عطا کیا تھا،

حضرت شیخ برہان الدین کی صحبت میں حضرت فرید الدین ادیب بھی روحانی طور پر درجۂ کمال کو پہنچے، جب اٹھارہ سال کے تھے تو بیعت کی، اور رفتہ رفتہ مرشد کی نظر عنایت سے تمام ظاہری و باطنی نعمتوں سے مالامال ہوئے، مشہور تھا کہ ان کا گھر انوار الٰہی سے منور رہتا ہے، جب نماز پڑھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ان کی گردن کی ہر رگ سے اللہ اللہ کی صدا بلند ہو رہی ہے، حضرت شیخ برہان الدین فرماتے، اگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھیگا کہ کیا لائے تو کہونگا کہ فرید کو لایا ہوں، حضرت فرید الدین بھی مرشد کا بڑا ادب کرتے، اور اسی ادب کے لیے فرید الدین ادیب مشہور ہوئے، وفات سے کچھ دنوں پہلے ایک روز روتے دکھائی دیئے رونے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا، شیخ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میری وفات کے بعد فرید میری جگہ پر بیٹھے گا لیکن یہ کس کی طاقت ہے کہ شیخ کی جگہ پر بیٹھے، اس لیے میں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی ہے کہ شیخ سے پہلے مجھے دنیا سے اٹھالے، آخر ایسا ہی ہوا، اپنے مرشد سے تیرہ دن پہلے ۲۹ محرم ۷۳۸ھ میں وفات پائی، مزار شریف خلد آباد میں ہے،[1]

حضرت فخر الدین دولت آباد کے جلیل القدر امراء میں تھے، حضرت شیخ دولت آباد تشریف لائے تو کچھ دنوں ان ہی کے یہاں قیام فرمایا، حضرت فخر الدین نے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر امارت میں درویشی کی شان پیدا کی، اور عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے، شاہی دربار کی طلب پر دہلی گئے، اور وہاں سے مرشد کے حکم سے حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، وہاں سے واپسی کے بعد حضرت شیخ نے ان کو خرقۂ خلافت

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو روضۃ الاولیاء ص ۹۲-۹۱

اور ارادت کا اجازت نامہ بھیجا، لیکن قاصد اس وقت دہلی پہنچا جب حضرت شیخ کا وصال ہوچکا تھا، حضرت فخر الدین اجازت نامہ پڑھ کر روتے اور کہتے کہ افسوس میری عمر دنیا وارون میں گذری، اب یہ شب ہجر کیسے تمام ہوگی، اور صبح مراد کیونکر حاصل ہوگی، اسی وقت تمام املاک چھوڑ کر دولت آباد آئے، اور بقیہ عمر شیخ کے طریقہ پر گذاری، حضرت فخر الدین پہلے خلیفہ ہیں جن کو حضرت شیخ نے مرید کرنے کی اجازت دی، شیخ کے حکم کے بموجب بہت سے سالکانِ طریقت کو داخل بیعت کیا[۱]

حضرت کاکا سعد بخت (یا شاد بخت) شیراز کے رہنے والے تھے، وطن مالوف سے دہلی اور وہاں سے دولت آباد آئے، حضرت شیخ جب دولت آباد پہنچے تو انہی کے دولت کدہ پر قیام فرمایا، اس کے بعد حضرت فخر الدین کے یہاں منتقل ہو گئے، حضرت کاکا ارادت کے بعد اپنی تمام زندگی مرشد کی خدمت گذاری اور غمخواری میں گذار دی، حضرت شیخ کے باورچی خانہ کے وہی نگران رہے، حضرت شیخ بھی ان سے بہت خوش رہتے، اور فرماتے کہ کاکا نیک اور پاک لوگوں میں ہیں، اسی لیے وہ منظور الاولیا، اور مقبول الاتقیا کہلائے، مرشد کی وفات کے بعد بھی نو سال تک مزار مبارک کی تولیت کی، شیخ کے پائین میں مدفون ہیں[۲]

حضرت رکن الدین کاشانی حضرت حماد کاشانی اور حضرت مجد الدین تینوں بھائی تھے حضرت شیخ کی نظر کیمیا اثر سے سلوک کے اعلیٰ مدارج کو پہنچے، اور ممتاز خلیفہ ہوئے، ان کی تصانیف کا ذکر آگے آئے گا،

قتلغ خان دبیر اور رفیع الدین...... دولت آباد کے یکے بعد دیگرے صوبہ دار ہوئے اور دونوں حضرت شیخ کی صحبت سے فیضیاب ہوا کرتے تھے،

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھو روضۃ الاقطاب ص ۶۵-۶۷، [۲] روضۃ الاولیا، ص ۴۳-۴۲

حضرت شیخ سے سلاطین کی عقیدت — نصیر الدین فاروقی نے دریائے تاپتی کے کنارے حضرت شیخ ہی کے اسم مبارک پر ایک شہر برہان پور آباد کیا۔[1] روضۃ الاولیا، میں ہے، کہ ملوک زمانہ میں سے کسی نے حضرت شیخ سے درخواست کی کہ اس کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو فرزند عطا فرمائے حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس کو ایک نہیں چار فرزند عطا ہوں گے لیکن وہ چاروں اس کے کام کے نہ ہوں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس کے چار لڑکے خواجہ خیر الدین، خواجہ فضول، خواجہ عبدالرحمٰن اور خواجہ جلد ک ہوئے، اور چاروں نے حضرت شیخ کی خدمت میں زندگی گزاری حضرت شیخ فرماتے یہ میرے غلام بھی ہیں اور فرزند بھی ہیں[2]

سلطان محمد تغلق کو بھی حضرت شیخ سے عقیدت تھی، ایک روز دولت آباد میں جامع قطبی میں جمعہ کی نماز پڑھ کر ان کی ملاقات کے لیے روانہ ہوا حضرت شیخ اپنے مرشد کی طرح بادشاہوں کی ملاقات وصحبت کو پسند نہیں کرتے تھے، جب اپنی قیامگاہ کی طرف شاہی سواری کے آنے کی خبر سنی تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے کہ بادشاہ سے ملاقات نہ ہو معلوم نہیں سلطان کے دل میں کیا بات آئی کہ راستے سے واپس چلا گیا، سلطان نے ایک موقع پر تین ہزار سونے کے ٹنکے حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجے، ملک نائب باربک یہ رقم لے کر پہنچا، تو انھوں نے اس رقم کے لینے سے انکار کیا کہ اس کی ضرورت نہیں لیکن سلطان نے ملک نائب باربک کو یہ کہکر پھر بھیجا کہ یہ رقم ان کے لیے نہیں، بلکہ ان کے خدمت گزاروں کے لیے ہے، حضرت شیخ نے یہ رقم لے لی، اور خادم خاص کو بلایا کہ گھر میں جو کچھ موجود ہو لاؤ، خادم نے بیس ٹنکے لاکر پیش کیے، فرمایا، ان کو سلطان کے تین ہزار ٹنکے میں ملاکر فقراء میں تقسیم کردو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا،[3]

---

[1] روضۃ الاولیا، ص ۱۰۸ [2] ایضاً ص ۴۴ [3] ایضاً ص ۲۷

ذوق سماع سماع سے بڑا شغف رکھتے تھے، اور جب وجد میں آتے تو ان پر غیر معمولی کیفیت طاری ہو جاتی، سیر الاولیا، میں ہے:

"در سماع غلو تمام بود و ذوق بسیار داو را و یارانے او را در رقص طرزے علاحدہ بود چنانکہ اصحاب این بزرگ میان یاران برہائی گفتندے" (ص ۲۷۹)

ریاضت رشد و ہدایت کی مشغولیت کے باوجود عبادت و مجاہدہ میں کسی قسم کی کمی نہیں کی، تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرماتے، اور یہ معمول پچیس سال تک رہا، مصلی ہی اوڑھنا بچھونا ہوتا، تیس سال تک داؤدی روزے رکھے، صبح کی نماز کے بعد اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، اشراق کی نماز کے بعد صلوٰۃ التحفہ اور اس کے بعد چاشت کی نماز پڑھتے، پھر کلام پاک کے تین پارہ کی تلاوت فرماتے، جس کے بعد قبرستان کی زیارت کو تشریف لے جاتے، وہاں کبھی پانچ سو اور کبھی ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھتے، زیارت کے بعد قیلولہ کرتے، اس ریاضت کے باوجود فرماتے، یہ کیا نماز اور سجدہ ہے جو ہم کرتے ہیں، سجدہ وہ ہے جو نباتات کرتے ہیں کہ جیسے اگتے ہیں، ان کا سر سجدہ میں ہوتا ہے، یہانتک کہ خشک ہو جاتے ہیں، کبھی فرماتے اے نفس میں کہتا تھا کہ تجھکو خوب پامال کروں گا، ایک مدت ہو گئی لیکن کچھ نہ کر سکا۔[1]

غذا اوپر ذکر آیا ہے کہ تیس سال تک داؤدی روزے رکھے، افطار کبھی صرف پانی کبھی صرف سرکہ اور کبھی صرف دہی سے فرماتے، ہفتہ میں صرف دو دن آدھا پیٹ کھاتے تھے، لوبیا اور نان جو پسند تھی، ایک دفعہ حضرت کا کا سعد بخت نے مغز بادام اور مصری پیش کی، چند دانے کھا کر فرمایا، کا کا اس میں کسی قسم کی لذت محسوس نہیں ہوتی، حضرت کا کا بولے

[1] روضۃ الاولیا، ص ۱۰

ایک وہ وقت تھا کہ شوق سے لوبیا اور جو کی روٹی تناول فرماتے، اب مصری کے ساتھ مغز بادام پسند نہیں، فرمایا سچ کہتا ہوں، جو لذت وحلاوت جو کی روٹی اور لوبیا میں پاتا تھا، اب کسی کھانے میں نہیں پاتا، وہ مجاہدے کا وقت اور محبوب سے فراق کا دور تھا، اب وصال الٰہی کا زمانہ ہے، اس بادام اور اس مصری میں کیا لذت مل سکتی ہے۔[۱]

لباس و اسباب عمامہ، کرتہ، عبا اور تہ بند زیب تن فرماتے، وفات کے وقت ذاتی ملک میں کوئی چیز نہیں چھوڑی، گھر میں جو کچھ ہوتا راہ خدا میں دیدیتے، ایک مصلّیٰ پر چھ سال نماز پڑھی کبھی اس پر سو رہتے، اور کبھی اسی کو اوڑھ لیتے۔[۲]

علالت وفات سے پہلے تین سال تک مسلسل علیل رہے لیکن علالت کے زمانے میں بھی رشد وہدایت اور عبادت وریاضت کا سلسلہ جاری رکھا، علاج کرانے کے قائل نہ تھے فرماتے طبیبی ذکر حبیبی، یعنی میرے دوست کی یاد میرا طبیب ہے، کبھی رویا کرتے لیکن مریدوں سے کہتے کہ یہ نہ سمجھنا کہ میں بیماری کی تکلیف سے روتا ہوں، ایک لمحہ بھی خدا کی یاد سے باز رہتا ہوں تو روتا ہوں، آخر زمانہ میں مریدوں نے دہلی لے جانا چاہا، لیکن جہاں مرقد مبارک ہے، اس کی طرف اشارہ کرکے فرمایا، میں اس مقام سے جا نہیں سکتا۔

وفات آخر وقت میں ایک روز مریدین کو بلا کر نصیحتیں کیں، اور ان میں سے ہر ایک کو دست مبارک سے کچھ کپڑے عنایت کئے، وفات کے روز اپنے مرشد حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی تسبیح منگوائی، اسکو سامنے رکھا، اور اپنی دستار گلے میں ڈال کر کہنے لگے مسلمان ہوں، امت رسول ہوں، شیخ کا مرید ہوں، میں نیک تھا، نیک زندگی بھی بسر نہیں کی، اپنا انصاف خود کرتا ہوں، پھر مرشد کی تسبیح سے تجدید بیعت کی اور زار زار رونے لگے، چاشت کے وقت خادم خاص سے کہا کہ باورچی خانہ میں دو سستون کو لے جا کر کھانا کھلا

[۱] روضۃ الاولیاء ص ۲۵، [۲] ایضاً ص ۱۰ نیز دیکھو روضۃ الاقطاب ص ۱۶۹-۱۶۷،

وہاں کچھ باقی نہ رہے، اور جب یاران طریقت کھانا کھا رہے تھے تو حضرت شیخ نے مرشد کا خرقہ اور تبرکات لانے کو کہا، اور اسی وقت روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔[1] نفائس الانفاس میں وفات کی تاریخ صفر ۷۳۸ھ لکھی ہوئی ہے، مرقد مبارک خلد آباد میں ہے۔

درجہ و مقام | تذکروں میں حضرت شیخ کے اسم مبارک کے ساتھ اسد الاولیاء و العارفین، قطب عالم، مظہر الوہیت، طیر لامکان، قطب المدار، بایزید ثانی وغیرہ القاب لکھے جاتے ہیں

ملفوظات | حضرت شیخ برہان الدین غریب کے ملفوظات کے تین مجموعوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں

(۱) حصول الوصول اسکو حضرت شیخ کے مرید خواجہ حماد کاشانی نے جمع کیا،

(۲) ہدایت القلوب۔ اس کو ایک دوسرے مرید شیخ حسین نے قلمبند کیا،

(۳) نفائس الانفاس۔ اس کو ایک تیسرے مرید خواجہ رکن الدین بن عماد الدین کاشانی نے مرتب کیا،

(۴) مولانا حمید شاعر قلندر نے بھی غالباً ـــ ملفوظات کا کوئی مجموعہ تیار کیا تھا،

راقم کو ان ملفوظات میں صرف نفائس الانفاس کا ایک کرم خوردہ اور بد خط قلمی نسخہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانہ سے دستیاب ہوا ہے، اس کی ابتدا رمضان المبارک ۷۳۲ھ سے کی گئی ہے اور صفر ۷۳۸ھ تک کے ملفوظات درج کر کے ختم کر دیا گیا ہے، یہی تاریخ حضرت شیخ برہان الدین کی وفات کی ہے، ان ملفوظات کو فوائد الفواد کے طرز پر جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مرتب خواجہ رکن عماد کاشانی کو اپنے مرشد سے بڑی عقیدت تھی، اسلیے نفائس الانفاس کے دیباچہ میں مرشد کے لیے القاب استعمال کرتے ہیں: (ص ۳)

ختم المشائخ و العاشقین، ملجأ الا دنا و المجتہدین، برہان الحق و الشرع و الدین،

---

[1] روضۃ الاولیاء، ص ۲۹-۲۸

حجۃ الاسلام والدین، زبدۃ الاتقیا زین الاولیا کاشف اسرار المعانی، شارح رموز السبع المثانی، علم الہدیٰ علامت الوریٰ غوث الثقلین ..... الخ فضنین الجنید فی زمانہ والفضل فی اوانہ الشبلی فی عبادتہ والنوری فی زہادتہ کہف الصدق والیقین ملاذ الاقطاب والمحققین محمد محمود ناصر المدعو بالغریب بیت

غریب است این محب حق بدنیا حبیب اللہ فی الدنیا غریب

نفائس الانفاس کا پیش نظر قلمی نسخہ ۱۶۸ صفحے پر مشتمل ہے، اس میں تصوف کی تمام تر وہی تعلیمات ہیں جن کو ہم گذشتہ صفحات میں بزرگان چشت کے ملفوظات سے پیش کر چکے ہیں، اور جستہ جستہ حضرت شیخ برہان الدین غریب کے رشد و ہدایت کے سلسلہ میں بھی ہدیۂ ناظرین کیا جا چکا ہے، لیکن یہاں پر ہم حضرت شیخ کی کچھ روحانی تعلیمات کو ان کے خلفاء کی تصانیف کی مدد سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

شمائل الاتقیا | نفائس الانفاس کے مرتب خواجہ رکن الدین بن عماد الدین دبیر کاشانی نے اپنے مرشد کی فرمائش سے شمائل الاتقیا لکھی، جو اب تک فن تصوف میں ایک اہم تصنیف سمجھی جاتی ہے، یہ کتاب چار قسموں میں تقسیم ہے، پہلی قسم اصحاب طریقت کے افعال، دوسری قسم ارباب حقیقت کے احوال، تیسری قسم وجود باری تعالیٰ کے اوصاف اور چوتھی قسم بندوں کے فضائل پر ہے، کل ۱۰۹ بیانات (یعنی ابواب) ہیں، اس کتاب کی تالیف میں فاضل مولف نے تقریباً دو سو کتابوں سے استفادہ کیا ہے جس سے ان کے علمی تبحر اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے، دیباچہ میں ان تمام کتابوں کے نام درج ہیں، تصوف کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو اس کتاب میں موجود نہ ہو، لیکن مولف نے ان مسائل پر کوئی مرتب اور مدلل بحث نہیں کی ہے، بلکہ ہر مسئلہ پر شروع میں اپنی رائے کا اظہار کرکے کلام پاک کی آیات

تفاسیر کی تشریحات، احادیث نبوی، صحابہ کرام، تابعین عظام، بزرگان علم طریقت وحقیقت کے اقوال اور مختلف ارباب تصانیف کی رائین نقل کروی ہین، اس کا سبب خود بتایا ہے کہ

اگر کسے را در رد اسے نزاع افتد ودر مقدمہ و کلمہ شبہہ بر خاطر گذرد، درکتب ونسخ مذکورہ نظر فرماید تا بہ تحقق وتیقن انجامد،

شمائل الاتقیا، کے اس طرز تالیف سے رہروان سلوک کو تصوف کے تمام مسائل کو مختلف مصنفون کے خیالات کی روشنی مین علمی نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنے مین بڑی آسانی اور سہولت پیدا ہو جاتی ہے، اہل نظر نے اس کو جامع مفصل اور دلچسپ تصنیف بتایا ہے[1]

خواجہ رکن الدین بن عماد الدین کاشانی کی کچھ اور تصانیف رسائل کے نام یہ ہین رسالہ غریب، رموز الوالہین، اذکار المذکور، تفسیر رموز، لیکن یہ سب ناپید ہین البتہ ان کے اقتباسات کثرت سے شمائل الاتقیا مین ملتے ہین،

رسالہ غریب رسالہ غریب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے حضرت خواجہ برہان الدین غریب کے نام سے موسوم ہے، اس مین وہی تعلیمات دی گئی ہین، جو حضرت خواجہ غریب نے بزرگان چشت سے پائی تھین، ان تعلیمات کو خاص خاص عنوانات کے تحت ہم قلمبند کرتے ہین،

نماز ظاہری نماز کا تعلق شریعت کے مطابق اعضا سے ہے، اور باطن کی نماز طریقت کے رو سے دل کا تفکر ہے اور قلب و روح کی نماز فیض سے حاصل ہوتی ہے، اور وہ حقیقت کی نماز ہے، خواص ظاہر مین تو کعبہ کی طرف رخ کرتے ہین، لیکن انکی توجہ رب کعبہ کی طرف ہوتی ہے، سجدۂ جسم تو خضوع ہے، اور سجدۂ دل خشوع، سجدہ

[1] کیٹلاگ انڈیا آفس ص ۴۰۰، وفہرست کتبخانہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ

ہیں پیشانی اگر زمین پر ہے اور دل ہر طرف دوڑ رہا ہے تو ایسا سجدہ مسجود تک نہیں پہنچتا بلکہ مردود ہو جاتا ہے، حضورِ دل کے ساتھ تھوڑی سی نماز بے حضوری کی بہت سی نمازوں سے افضل ہے، نماز پڑھنے والے اگر اپنی نماز کی بربادی سے واقف ہو جاتے ہیں یعنی ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی نماز قبول نہیں ہوئی تو پھر ان کو دعا مانگنے میں شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔[۱]

تلاوت کلام پاک | تلاوتِ قرآن مجید کے وقت اگر عذاب و رحمت کی آیت آئے تو اس وقت تلاوت کرنے والے تامل اور تفکر کریں۔ اگر حق تعالیٰ کی صفات کی آیات آئیں تو وہ تواضع و عزت کریں، اور جب حق تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کی جسارت کا ذکر ہو تو ... اس کو آہستہ اور شرم کے ساتھ پڑھیں، تلاوت کے وقت یہ خیال رہے کہ خود خداوند تعالیٰ ان سے کچھ کہہ رہا ہے، خداوند تعالیٰ کی تجلی کلام پاک کے حروف میں تبدیل کر دی گئی ہے، اسی وجہ سے آنکھ اور دل اس تجلی کی تاب لا سکتے ہیں، ورنہ زمین اور آسمان بھی اس کی تجلی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔[۲]

روزہ | روزہ حق تعالیٰ کی صفت ہے، روزے سے حیوانی صفات دور ہوتی ہیں اور خداوند تعالیٰ کی صفتیں پیدا ہوتی ہیں، ہر عبادت و اطاعت کی جزا تو بہشت ہے لیکن روزے کی جزا خود حق تعالیٰ ہے، روزہ داروں کی مخصوص جگہ ریان میں ہے۔[۳]

زکوٰۃ | اللہ تعالیٰ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے خاص اور عام بندوں کو سفر میں چار رکعت کے بجائے دو ہی رکعت پڑھنے کو کہتا ہے، وہ اپنی غفاری سے بخش دیتا ہے، اور اپنی رحمانی سے رحمت نازل کرتا ہے، انبیاء کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنی نعمت نبوت کی وجہ سے خلق اللہ

---

[۱] رسالہ غریب در شمائل الاتقیاء ص ۷۹، ۷۷، [۲] یہ باتیں رسالہ غریب اور رموز الوالہین دونوں سے لی گئی ہیں، دیکھو شمائل الاتقیاء ص ۹۶-۹۵ [۳] ایضاً ص ۹۳

کو اوامر و نواہی سے آگاہ کرتے ہیں، برگزیدہ اولیاء اللہ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ تصفیۂ دل و تجلیۂ روح کے ذریعے عشق، محبت اور معرفت حاصل کرتے ہیں، مشائخ کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو علم سلوک کی تلقین کرتے ہیں، علماء کی زکوٰۃ یہ ہے کہ کلام پاک، احادیث نبوی، اور فقہ کی تعلیم دیتے ہیں، اور اغنیاء کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دو سو دینار میں پانچ دینار غربا کو دیدیتے ہیں۔[۱]

حج | عام حاجیوں کا حج دینی و دنیاوی مقاصد کے لیے ہوتا ہے، وہ خانۂ کعبہ کا طواف اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے گناہ معاف کر دیے جائیں لیکن عاشقانِ خدا کا حج ربِ کعبہ سے قربت حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے، وہ احرام اس لیے باندھتے ہیں کہ اسرار الوہیت معلوم کریں، ایک حاجی حج میں اپنی مغفرت کے خیال سے خوش ہوتا ہے، لیکن ایک عاشق خدا حج میں اپنی جان نذر کرنے میں فرحت و مسرت محسوس کرتا ہے، کیونکہ کعبہ ہی میں اس کو مقصودِ اصلی و مطلوبِ کلی نظر آتا ہے۔[۲]

عبادت | بلا عذر عبادت کا ترک کرنا فسق ہے، اور عبادت سے منہ موڑنا کفر ہے۔[۳]

شریعت، طریقت و حقیقت | اوامر و نواہی کا پابند ہونا شریعت ہے، دل کی صفائی کرنا اور برائیوں کو اچھائیوں سے بدل دینا طریقت ہے، اور ماسوا اللہ کی باتوں کو دفع کر کے روح میں تجلی پیدا کرنا حقیقت ہے۔[۴]

سلوک ملکوتی | سلوک ملکوتی یہ ہے کہ اخلاق نبوی اور اعمال نبوی کی متابعت کی جائے، اخلاق و اعمال نبوی کے اتباع کے بعد احوال مصطفوی کی متابعت ضروری ہے، اور اسی

۱؎ رموز الواصلین در شمائل الاتقیاء ص ۹۲ ۲؎ ایضاً ص ۸۰ ۳؎ رسالہ غوثیہ در شمائل الاتقیاء

۴؎ ایضاً ص ۹۰

سے انوارِ الٰہی ظاہر ہوتے ہیں جن کے بعد سالک عالمِ جبروت میں پہونچکر صفاتِ خداوندی سے حظ اٹھاتا ہے[1]

ذکر ذکر چار قسم کا ہوتا ہے (۱) لسانی جس سے دل پر اثر ہوتا ہے (۲) قلبی جس سے تمام اعضا متاثر ہوتے ہیں (۳) طبعی یعنی اٹھنے، بیٹھنے، چلنے پھرنے میں بھی ہر عضو سے ذکر ہو، اور کان میں جو آواز پہونچے وہ بھی ذکر ہو (۴) مستولی یعنی ذکر کا ایسا استیلاء ہو کہ نہ ذکر رہے، نہ ذاکر، بلکہ صرف مذکور رہے،

جمع و تفرقہ تفرقہ فصل پیدا کرتا ہے اور جمع سے وصل ہوتا ہے، مجنون کے باطن کی جمعیت لیلیٰ سے تھی، اس لئے وہ جملہ موجودات کو لیلیٰ کی صورت میں دیکھتا تھا، اسی طرح جو دل حق تعالیٰ میں جمع ہے وہ تمام مخلوقات کے اندیشہ سے متفرق یعنی علیحدہ رہتا ہے، اور جب وہ تمام تکوینی قوتوں سے رخ پھیر لیتا ہے، تو اس کا رخ حق کی طرف ہو جاتا ہے تفرقہ کسب سے حاصل ہوتا ہے، اور جمع عطیۂ الٰہی ہے، اولیاء اللہ اسرار باطن کو جمع رکھتے ہیں، اور معاملاتِ ظاہر سے متفرق یعنی علیحدہ رہتے ہیں،[2]

علم الیقین و عین الیقین دنیا میں علم الیقین کی تمیز حضورِ قلب کی حالت میں ہوتی ہے، اور جب ایک سالک حضور سے غیبت میں ہوتا ہے تو حالت تمیز سکر میں بدل جاتی ہے، اور عین الیقین ظاہر ہوتا ہے، ایک سالک کو پہلے علم الیقین حاصل ہوتا ہے، علم الیقین سے عین الیقین اور عین الیقین سے حق الیقین حاصل ہوتا ہے، اہل یقین دوزخ کی آگ سے محفوظ رہتے ہیں، اور اسی یقین کی بدولت پانی کو زمین، زمین کو پانی، سرد کو گرم اور گرم کو سرد بنا سکتے ہیں،[3]

---

[1] رسالۂ ترتیب و تسہیل الالقیاء ص ۱۱۳، ۱۱۴ [2] ایضاً ص ۱۷۰ [3] ایضاً ص ۱۶۹، اور معدن الجواہر ص ۱۸۰

موت | موت تین قسم کی ہوتی ہے، صوری، معنوی اور حقیقی، صوری تو یہ ہے کہ جسم سے روح نکل جاتی ہے، اور یہ شرعی موت ہے، جس کو موت صغری کہتے ہیں، معنوی یہ کہ ایک مرید کسی غیر شیخ سے کچھ التجا کرے، یہ موت طریقت اور موت کبری ہے، اور موت حقیقی یہ ہے کہ کوئی غیر حق سے کچھ التجا کرے اور یہ موت اکبر ہے[۱]

رضا و صبر | رضا یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت آئے تو اس سے کراہت پیدا نہ ہو، لیکن اگر اس سے کراہت پیدا ہو، اور اس کا اظہار نہ کرے تو یہ صبر ہے، یعنی مصیبت کو شوق سے برداشت کرنا رضا ہے، اور کراہت کے ساتھ برداشت کرنا صبر ہے[۲]

حضور | حضور سے مراد حق تعالیٰ کو دیکھنا ہے، نہ کہ اس سے گفتگو کرنا ہے حضور میں گفتگو کرنا بے ادبی ہے، اور بے ادب اس مقام تک پہنچ نہیں سکتا، اگر گفتگو ہو تو صرف سننے کے لیے ہو، اور سننا صرف جاننے کے لیے ہو، اور جاننا تمام چیزوں سے فارغ ہونے کے لیے ہو، اس کا طالب اگر سو سال تک مشغول رہے، اور ایک لحظ کے لیے بھی غائب ہو جائے تو اس سے جو چیز کھو جاتی ہے وہ پھر واپس نہیں ہو سکتی، حضور دل کے لیے مراقبہ لازمی ہے، اور مراقبہ بغیر حضور کے ممکن نہیں، اسی طرح مراقبہ کے بغیر مشاہدہ نہیں ہو سکتا[۳]

رویت | رویت خدا تین قسم کی ہوتی ہے، یقینی، مشاہدہ اور عیانی، یقینی تو یہ ہے کہ عوام میں سے ہر مومن یہ یقین رکھتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ایک حقیقت ہے جو نظر آئے گی، خواص کا مشاہدہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں دل کی آنکھ سے حق تعالیٰ کو دیکھ لیتے ہیں، اور عیانی یہ ہے کہ قیامت کے روز آنکھوں سے دیکھیں گے[۴]

رموز الوالہین | حضرت خواجہ رکن الدین کی ایک تصنیف رموز الوالہین میں بھی اس کی تعلیمات یہ ہیں،

---

[۱] رسالہ غریب در شمائل الاتقیا ص ۱۸۲ [۲] ایضاً ص ۲۱۰ [۳] ایضاً ص ۲۷۷، ۲۷۸ [۴] ایضاً ص ۳۲۶

فقر | فقر عشق ہے، فقیر راہ طریقت وحقیقت کا عاشق یعنی عاشق لقاء اللہ ہے، اس عشق میں اس کو کسی اور چیز کی آرزو نہیں ہوتی، اور جب لقاء اللہ میں اس کو استغراق ہو جاتا ہے، تو صفت بقاء سے موصوف ہوتا ہے، اور وہ جمال اللہ کے انوار کی تجلی پاتا ہے، اور "ہویت" کی صفت سے مخصوص ہو جاتا ہے، اسی کے بعد فقر کا درجہ ختم ہو جاتا ہے[1]،

صحو و سکر | ہر صحو میں سکر اور ہر سکر میں صحو ہے، جب سالک صحو میں ہوتا ہے تو ایک ایسے مقام میں پہنچتا ہے جہاں وہ حیران رہتا ہے، اسی کے بعد وہ سکر میں آجاتا ہے، اور جب اس مقام میں اس کی حیرانی دور ہو جاتی ہے تو صحو میں چلا آتا ہے، اس کے بعد پھر کوئی بلند تر مقام پر اس کی نظر پڑتی ہے تو پھر سکر میں ہو جاتا ہے، اس مقام خاص میں کبھی سکر میں کبھی صحو میں ہوتا ہے، یہ احوال ذوق سے پیدا ہوتے ہیں[2]،

تلوین و تمکین | سالک جب ذکر کرتا ہے تو دو مقام آتے ہیں، تلوین اور تمکین، مقام تلوین میں صفات سلبی اور مقام تمکین میں صفات ثبوتی پیدا ہوتی ہیں، جس کے بعد نفسانی خواہشات بالکل نہیں رہتی ہیں[3]،

جلال و جمال | حق تعالیٰ جب کسی پر عنایت کرتا ہے تو پہلے اس پر اپنے جلال کا قہر نازل کرتا ہے، اگر وہ اس جلال کا متحمل ہوتا ہے اور اس جلال میں لطف محسوس کر کے اس کی زیادتی کے لیے دعا کرتا ہے تو گویا اس میں اصلی محبت و حقیقی عشق کا جذبہ پیدا ہونے لگتا ہے، اور جب جلال میں اس کو لذت محسوس ہوتی رہتی ہے تو وہ جمال حق تعالیٰ سے سرفراز کیا جاتا ہے، انبیاء جمال سے جلال کی طرف آتے ہیں، لیکن اولیاء جلال سے جمال کی طرف جاتے ہیں[4]،

---

[1] رموز الوالہین در شمائل الاتقیاء ص ۱۷ [2] ایضاً ص ۱۵۵ [3] ایضاً ص ۲۸۳ [4] ایضاً ص ۳۷۶

در مذہب محققان جلال و جمال واحد و صمد نیز از صفات ذاتی است و تا ابد برقرار است اسماً لا تاثیراً

حضرت غریب کے مریدوں کی تصانیف | خواجہ رکن الدین کے دو بھائی خواجہ حماد الدین اور خواجہ مجد الدین بھی صاحب تصانیف تھے، اول الذکر کی تصنیفات کے نام یہ ہیں،

(۱) حصول الوصول، (۲) اسرار الطریقت (۳) احسن الاقوال (ملفوظات حضرت خواجہ برہان الدین غریب)

موخر الذکر کی دو کتابوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں غرائب الکرامت و بقیۃ الغرائب، ان دونوں میں حضرت برہان الغریب کے خوارق عادات و کرامات کا ذکر ہے،

حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی

نام و وطن | اسم گرامی ضیاء الدین اور تخلص نخشبی تھا، بدایوں کے رہنے والے تھے، گو زندگی گوشۂ تنہائی میں گذاری لیکن اپنی استعداد کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی،

ارادت | اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ مولانا ضیاء الدین نخشبی کی ارادت سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری کے پوتے حضرت شیخ فرید سے تھی[1]، اخبار الاخیار میں ہے:

چنین شنیدہ شدہ است کہ وی مرید شیخ فرید است کہ نبیرہ و خلیفہ سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری است واللہ اعلم:

خزینۃ الاصفیاء میں ہے:

"از عظمای مشائخ و کبرای خلفائے شیخ فرید الدین نبیرہ حضرت سلطان التارکین حمید الدین صوفی است، از مشاہیر اولیای ہندوستان است در شہر بداؤن بزاویۂ خمول بکار خود مشغول بودی و از صحبت خلق متنفر و باتقاد و دانشگار کسے کارے نداد"

بعض تذکرہ نویس نے لکھا ہے کہ وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے، لیکن اخبار الاخیار میں ہے:

حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے زمانہ میں تین شخص ضیاء نام کے تھے (۱) ضیاء سنائی جو منکر شیخ تھے (۲) ضیاء برنی جو شیخ کے معتقد اور مرید تھے (۳) ضیاء نخشبی جو

لہ اخبار الاخیار ص ۹۸، خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۵۱

شیخ کے نہ منکر تھے اور نہ معتقد (ص ۹۸)

عزلت نشینی | حضرت ضیاء الدین نخشبی نے لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر زندگی زاویہ خمول میں گذاری، اور اس گوشۂ عافیت میں زیادہ تر تصنیف و تالیف کا مشغلہ رکھا، اس لیے ان کے حالات زندگی کی کوئی زیادہ تفصیل نہیں ملتی۔

سال وفات | اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیاء میں سال وفات ۷۵۱ھ درج ہے،

تصانیف | متعدد تصانیف چھوڑیں، خزینۃ الاصفیاء میں ان کے نام یہ ہیں (۱) سلک السلوک (۲) عشرہ مبشرہ (۳) کلیات و جزئیات (۴) شرح دعاے سریانی (۵) طوطی نامہ[1] انڈیا آفس کے کتب خانے کے فارسی مخطوطات میں حضرت نخشبی کی ایک تصنیف گلریز کا بھی ذکر ہے[2] ان کی ایک تالیف ناموس اکبر بھی بتائی جاتی ہے، جس میں صوفیانہ طرز پر اعضاے جسم یعنی آنکھ، ناک، کان، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ کے اوصاف بتائے گئے ہیں، ان تمام تصانیف پر خزینۃ الاصفیاء کے مصنف اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ایں ہمہ کتب مملو از قطعات رنگین و دلچسپ کہ بیک طریق دیگر طرز واقع شدہ اند۔ (ص ۳۵۱)

ان میں سے طوطی نامہ اور سلک السلوک بہت مقبول ہوئیں، طوطی نامہ میں جس کا سال تالیف ۷۳۰ھ ہے، ۵۲ عبرت آموز کہانیاں ہیں، ۱۷۹۲ء میں، ام، جیرالس نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا، ترکی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہوا[3]

سلک السلوک پر ایک نظر | سلک السلوک فن معرفت و سلوک میں ایک اہم تصنیف ہے۔

[1] خزینۃ الاصفیاء، ص ۳۵۱ [2] انڈیا آفس کیٹلاگ فارسی مخطوطات ج ۲ مرتبہ اے، جی آربری ص ۳۷۱ [3] فہرست انڈیا آفس لائبریری ص ۵۰۶،

اس میں تصوف کے مختلف مسائل کو الگ الگ عنوانات مین بیان کیا گیا ہے، ہر مسئلہ ایک علیحدہ سلک یعنی باب مین ہے، کل ۱۵ اسلاک ہین، شروع مین تصوف کی اصطلاحات کی تشریح ہے، پھر صوفیانہ رموز و نکات کی تصریح و توضیح حکایتون کے پیرایہ مین کی گئی ہے، مثلاً یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رات کے وقت یاد حق ضرور کرنی چاہیے تو لکھتے ہیں:

"ایک دن ایک خواجہ نے ایک لونڈی خریدی جب رات ہوئی، لونڈی سے کہا اے کنیزک، میرا بچھونا درست کر دے کہ مین سو رہون، لونڈی نے کہا، اے مولیٰ! کیا تمھارے بھی مولےٰ ہے، خواجہ نے کہا ہان، لونڈی نے پوچھا، کیا وہ بھی سوتا ہے، خواجہ نے کہا نہین، لونڈی نے کہا تمھین شرم نہین آتی، تمھارا مولےٰ تو جاگے اور تم سو رہو"

اسی طرح یہ تلقین کرنی چاہتے ہین کہ کسی کا محکوم ہونا نفس کے محکوم ہونے سے بہتر ہے، تو رقمطراز ہین:

"ایک سجادہ نشین ہر جمعہ کو اپنی خانقاہ سے مسجد جانے کے لیے باہر نکلتے تھے جس کسی کو دیکھتے پوچھتے کہ مسجد کا راستہ کونسا ہے، ایک بار ایک شخص نے کہا تم کو برسون مسجد جاتے ہو گئے لیکن راستہ یاد نہین، انھون نے کہا مین جانتا ہون، مگر محکوم ہو کے چلنا حاکم ہونے سے بہتر ہے، چاہیے کہ اپنی ذات کو دوسرون کے طفیل مین سمجھے،

یہ انداز بیان اور بھی دلپذیر اور موثر ہو جاتا ہے جب ناصحانہ طریقہ پر ایک حکایت بشنو بشنو سے شروع کی جاتی ہے، مثلاً

سنو سنو ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تمھاری قوم مین جتنے نیک ہین، ان کو بدون سے الگ کر دو، موسیٰ علیہ السلام نے آواز دی، بہت سے لوگ باہر آئے، حکم ہوا، ان مین سے نیکون کو چن لو، موسیٰ علیہ السلام نے ان مین سے ستر آدمی نکالے، فرمان ہوا،

موسیٰ ان مین سے بھی چنو، چنانچہ ستر مین سے سات چنے، پھر حکم ہوا کہ ان مین سے بھی چنو،
تب ان مین سے تین چنے، حکم آیا، اے موسیٰ میرے نزدیک یہ تینون سب سے برے ہین،
کیونکہ جب انھون نے سنا کہ تم نیکون کو پکارتے ہو تو یہ اپنے کو نیک سمجھکر باہر آئے......
اے عزیز! اگر کوئی عبادت نہ کرے تو اس سے بہتر ہے کہ عبادت کرے اور فخر کرے،
شریعت مین مدعا علیہ کو قید کرتے ہین لیکن طریقت مین مدعی کو قید خانہ بھیجا جاتا ہے"

ایک حکایت اور ملاحظہ ہو:-

"سنو سنو، ایک بقال نے ایک شخص کو شیر پر سوار اور سانپ کو کوڑا بنائے ہوئے دیکھا،
دیکھ کر کہا یہ آسان ہے لیکن ترازو کے دونون پلڑون مین بیٹھنا مشکل ہے،

ایک اور حکایت ہدیۂ ناظرین ہے:-

"سنو سنو، ایک بزرگ نے چاہا کہ بازار جا کر کچھ خریدین، دینار کو گھر مین تولا جب بازار
لے گئے تو دینار گھر کے وزن سے کم نکلا، رونے لگے، لوگون نے پوچھا کیون روتے ہین،
فرمایا جب گھر کی چیز یہان ٹھیک نہین ہوئی تو قیامت مین دنیا کی باتون کا کیا حال ہوگا"

ان دلچسپ حکایتون مین اور بھی زیادہ تاثیر پیدا کرنے کے لیے جا بجا ان کو اپنے اشعار
سے بھی مزین کرتے ہین، مثلاً

"سنو سنو وہب بن منبہ کہتے ہین کہ کعب احبار مسجد مین سب صفون کے پیچھے کھڑے
ہوتے، ان سے پوچھا گیا کہ اس مین کیا بھید ہے، فرمایا مین نے توریت مین دیکھا ہے کہ
امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مین ایسے لوگ ہون گے، کہ جب وہ مسجد مین سجدے کرین گے،
اور انھون نے سر بھی نہ اٹھایا ہوگا کہ ان سے پیچھے والون کو خدا بخش دے گا، مین اسی سبب
سے سب کے پیچھے کھڑا ہوتا ہون تاکہ ان کے پیچھے سے میرا کام بن جائے، قطعہ

بخشی درمیان ببین خود را　　　قطرہ را چہ سیلے می خوانی

ہمہ کس در طفیل تو گردد　　　گر تو خود را طفیل کس دانی

ایک بار ایک خلیفہ نے ایک بوڑھی عورت کے لڑکے کو قید کر دیا، بوڑھی عورت نے خلیفہ کے پاس پہنچکر فریاد کی، اور کہا کہ میرے لڑکے کو رہا کر دیجئے، خلیفہ نے کہا کہ میں نے حکم دیا ہے کہ جب تک میں خلیفہ ہوں تیرا لڑکا قید سے رہا نہیں کیا جائے گا۔ بوڑھی عورت نے یہ سنکر آسمان کی طرف دیکھا، اور درد بھری آواز سے بولی، اے سلطان عالم! دنیا کی قید و رہائی تیری قدرت میں ہے، لیکن تیرے خلیفہ نے جو حکم دیا ہے، کیا تو نے اس کو سنا، نہیں معلوم کہ اب تو کیا حکم دے گا، بوڑھی عورت کی یہ بات خلیفہ نے سنی تو اس کے دل میں بڑی نرمی پیدا ہوئی، اور اس کے لڑکے کو قید خانہ سے باہر لانے کا حکم دیا، اس کو ایک خلعت دیا، اور گھوڑے پر سوار کر کے بغداد کی گلیوں میں پھرایا، اور ساتھ ساتھ یہ منادی کی جاتی تھی کہ ھٰذا عطاء اللہ تعالیٰ علی رغم خلیفہ ومقامہ ومحلہ (یہ خلیفہ، اس کے درجے اور مرتبے کے علی الرغم اللہ تعالیٰ کی عطا ہے) قطعہ

بخشی حکم خلق چیزے نیست　　　مرد اینجا رہ کجا ست در عالم

در جہان گفت ہیچکس نشود　　　حکم حکم خدا ست در عالم

سنو سنو! بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا، ستر سال عبادت کی، ایک دن کسی حاجت روائی کے لیے دعا مانگی، لیکن دعا قبول نہیں ہوئی، اپنے نفس سے برہم ہوا، کہ اے نفس! اگر تیری عبادت میں اخلاص ہوتا تو میری دعا ضرور قبول ہوتی، حق تعالےٰ کے یہاں سے اس زمانہ کے پیغمبر کے پاس فرمان آیا کہ اس زاہد سے کہو نفس پر ایک ساعت

کا عتاب ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے"۔ قطعہ

تخبشی در عتاب خود می باش — ورنہ خود باطن تو خون گردد

ہر کہ با نفس خود عتابے کرد — از عتاب ہمہ مضمون گردد[1]

مولانا عبد الحق محدث دہلوی سلک السلوک کو بڑی شیرین و رنگین کتاب بتاتے ہیں، اخبار الاخیار میں رقم طراز ہیں :-

"سلک السلوک او نہایت کتاب شیرین و رنگین است بزبانی لطیف موثر مشتمل بر حکایات مشائخ و کلمات ایشان و اکثر تصنیفات وی مملوست بقطعہائے کہ ہمہ بیک طریقہ یک نہج واقعند" (ص ۹۸-۹۷)

[1] یہ تمام حکایتیں دار المصنفین اعظم گڈھ کے قلمی نسخہ سلک السلوک سے لی گئی ہیں، اخبار الاخیار صفحہ ۱۰۰-۹۸ میں ان حکایتوں کے بہت سے اقتباسات ملیں گے۔

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی

نام و نسب | اسم مبارک محمود، نصیر الدین محمود گنج اور چراغ دہلی القاب تھے، جد بزرگوار شیخ عبد اللطیف یزدی خراسان سے لاہور آئے، والد ماجد شیخ محمود یحیٰی اسی شہر میں پیدا ہوئے اور سن شعور میں اودھ منتقل ہو گئے تھے[1] یہاں وہ پشمینہ کی تجارت کرتے تھے جس میں ان کو بڑا فروغ حاصل ہوا، ان کے پاس بہت سے غلام تھے[2]

حضرت نصیر الدین محمود کی ولادت باسعادت اسی خطہ میں ہوئی، بعض تذکرہ نگاروں نے مقام پیدائش اجودھیا، اور بعض نے بارہ بنکی لکھا ہے، اسی لیے نام کے ساتھ اودھی لکھا جاتا ہے، خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ نسباً سادات حسنی میں سے تھے[3]

ابتدائی تعلیم | نو سال کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا تعلیم و تربیت کا فرض والدۂ ماجدہ نے انجام دیا، ان کے زہد و تقویٰ کے اثر سے بچپن ہی میں نماز باجماعت کے پابند ہو گئے تھے جو کسی حال میں بھی فوت نہیں ہوتی تھی، خیر المجالس کے ایک ملفوظ میں ہے کہ فقہ کی مشہور کتاب بزدوی قاضی محی الدین کاشانی سے پڑھی[4] لیکن سیر العارفین میں ہے کہ ابتدا میں

[1] سیر العارفین ص ۰۹ [2] سیر الاولیا ص ۲۳۰ [3] خزینۃ الاصفیا ص ۳۵۳ [4] مجلس چہل و ششم میں ہے، (اردو ترجمہ)

جناب خواجہ ذکرہ اللہ تعالیٰ بالخیر قاضی محی الدین کاشانی کے ذکر میں تھے، فرمایا میں نے بزدوی انہی سے پڑھی ہے، پھر ان کے طبع رسا اور دقت نظر کا بیان کیا کہ بڑے محقق تھے،

اس مجلس میں ایک امیر، جناب سلطان المشائخ کا حاضر تھا، اس نے یہ قصہ بیان کیا کہ (باقی حاشیہ ص ۳۱۰ پر)

مولانا عبد الکریم شیروانی علامۂ زمان سے ہدایہ اور بزدوی کو پڑھا، بعد وفات مولانا افتخار الدین محمد گیلانی سے جمیع علوم حاصل کیے" (جلد ۳ ص ۴۰)

ترک و تجرید | پچیس سال کی عمر میں ترک و تجرید اختیار فرمائی، اور محاسبۂ نفس میں مشغول ہوئے، گرد و نواح کے جنگل و بیابان میں ایک درویش کے ہمراہ آٹھ سال تک گھومتے رہے، اس صحرا نوردی میں بھی نماز با جماعت کے پابند رہے، روزے بھی ترک نہیں ہوئے، برگ سنبھالو سے افطار کیا کرتے تھے، (سیر العارفین جلد دوم ص ۴۰)

بیعت | سیر العارفین اور مراۃ الاسرار میں ہے کہ ۳۴ سال کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا، بیعت کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ محمود حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی قیام گاہ کے پاس ایک درخت کے نیچے متحیر کھڑے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین بالاخانہ سے نیچے اتر رہے تھے کہ شیخ محمود پر ان کی نظر پڑی، خادم خاص کے ذریعہ خلوت میں بلا کر دل کی کیفیت پوچھی، عرض کیا درویشوں کی جوتیاں سیدھی کرنے آیا ہوں، اس جواب سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے شیخ محمود میں سچی طلب محسوس کر کے ان کی جانب توجہ فرمائی، اثنائے گفتگو میں فرمایا جب میں اپنے مرشد کی خدمت میں رہتا تھا، تو اجودھن میں میرے ایک ہم سبق نے میرے پھٹے کپڑے دیکھکر کہا تمھارا یہ کیا حال ہے، اگر تم اس شہر میں لڑکوں ہی کو پڑھایا کرتے تو بھی تمھیں فارغ البالی

لہ (بقیہ حاشیہ ص ۳۰۹) ایک بار قاضی محی الدین کاشانی سخت بیمار ہوئے کہ یار دوستوں نے انکی صحت دشوار جانی، حضرت سلطان الاولیاء ان کی عیادت کو تشریف لائے وہ دیکھکر اٹھے، اور اپنے آپ کو سنبھال کر شیخ کی تعظیم کی، اسی وقت سے مرض میں تخفیف ہو گئی، جب حضرت شیخ لوٹ گئے تو کہا شیخ نظام میری عیادت کو آئے تھے، مگر دیکھو کس طرح در پردہ سلب مرض کر گئے،

ہوجاتی، میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے دیکھکر
فرمایا نظام الدین! اگر تمہارا کوئی دوست تمہارا یہ حال دیکھ کر تم سے پوچھے کہ آخر یہ کیا حالت ہے؟
تعلیم دینے سے تم کو فارغ البالی حاصل ہوجاتی، اس کو کیوں ترک کردیا، تو اس کا کیا جواب
دوگے، میں نے عرض کیا جو ارشاد ہو، فرمایا یہ شعر جواب میں پڑھ دینا،

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برو
ترا سعادتے باد امرا نگون ساری

اس کے بعد ایک خوان طلب فرمایا، اور مجھ سے کہا اس کو سر پر رکھ کر جہاں تمہارا دوست
ہے وہاں لے جاؤ، میں نے ایسا ہی کیا، دوست نے میرا یہ حال دیکھ کر کہا تمہیں یہ صحبت اور
یہ حالت مبارک ہو[1]

حضرت شیخ محمود نے یہ واقعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی زبانی سنا تو دل میں
عشق الہی کی آگ شعلہ زن ہونے کے ساتھ مرشد کی محبت بھی پیوست ہوگئی، اور بیعت کے
بعد بڑی دل سوزی سے مرشد کی خدمت شب و روز کرتے رہے، اسی لیے تمام درویش ان کو
نصیر الدین محمود گنج کہا کرتے، اور محبوب رکھتے تھے،[2]

حضرت نصیر الدین محمود کو اپنے مرشد سے جو والہانہ شیفتگی تھی، اس کا ایک واقعہ یہ بھی
بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت محبوب الہی کی خانقاہ میں حضرت خواجہ بہاء الدین
زکریا ملتانی کے ایک مرید خواجہ محمد گازرونی آکر مقیم ہوئے، وہ تہجد کی نماز کے لیے اٹھے
تو جماعت خانہ میں کپڑے رکھکر وضو کرنے لگے، واپس ہوئے تو کپڑے غائب تھے، ان کی
تلاش میں شور و شغب کرنے لگے، حضرت شیخ نصیر الدین محمود خانقاہ کے ایک گوشہ میں

---

[1] سیر الاولیا ص ۱۰۴ - ۲۲۸، [2] سیر العارفین جلد ۲ ص ۱۴۰،

عبادت مین مشغول تھے، خیال ہوا کہ اس شور و شغب سے مرشد کی عبادت مین خلل پڑیگا، اس لیے خواجہ محمد گاذرونی کے پاس پہنچے اور کپڑے اتار کر ان کو دیدیئے، صبح کو جب یہ واقعہ حضرت محبوب الٰہی کو معلوم ہوا تو حضرت نصیر الدین محمود کو بالاخانہ پر طلب کر کے اپنی خاص پوشاک عطا کی، اور ان کے لیے دعاے خیر کی[۱]

ریاضت بیعت کے بعد مرشد کی ہدایت کے بموجب ریاضت و مجاہدہ جاری رکھا، دس دس روز گذر جاتے اور کچھ نہ تناول فرماتے، اور جب خواہشات کا غلبہ ہوتا تو لیمون کا عرق پی لیتے[۲]

سیر العارفین میں ہے کہ کچھ دنون مرشد کی خدمت مین رہنے کے بعد واپس اودھ کے پاس چلے گئے[۳] لیکن یہان خلق اللہ کے ہجوم سے یاد الٰہی مین سکون میسر نہین ہوتا، اس لیے حضرت امیر خسرو کے ذریعہ مرشد کی خدمت مین عرض حال کر کے جنگل مین جا کر عبادت کرنے کی اجازت مانگی، حکم ملا کہ وہ خلق اللہ کے درمیان ہی مین رہین، اور خلق کی جفاؤن کو برداشت کرین، اس ایثار کا بدلہ ان کو ملے گا، اسی سلسلہ مین حضرت محبوب الٰہی نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مختلف افراد مختلف کامون کے لیے موزون ہوتے ہین، اسی لیے مین کسی سے تو یہ کہتا ہون کہ اپنے لب کو بھی بند رکھے، اور اپنے دروازے کو بھی، کسی سے ہدایت کرتا ہون کہ وہ مریدون کی تعداد بڑھائے، اور کسی کو یہ حکم دیتا ہون کہ خلق اللہ کے درمیان ہی مین رہے، اور ان کی جفاؤن

[۱] سیر الاولیاء ص ۲۳۶، بعض تذکرون مین یہ روایت کسی اور موقع پر درج ہے، لیکن سیر الاولیاء مین یہ روایت ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے "در ابتداے بنظر خاص سلطان المشائخ ملحوظ گشتہ بود......" اور روایتون مین بھی کہین کہین تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے، اگر عاجز راقم سے بھی روایتون کی ترتیب مین تقدیم و تاخیر ہوگئی ہو تو وہ ناظرین سے معذرت کا خواہان ہے [۲] سیر الاولیاء ص ۲۴۱، اخبار الاخیار ص ۷۵ [۳] سیر العارفین ص ۸۴،

کو برداشت کرتے ہوئے ان سے حسن سلوک سے پیش آئے، یہی مقام انبیاء و اولیاء ہے،[1]

حضرت شیخ نصیر الدین نے مرشد کے حکم کی تعمیل کی اور آبادی میں رہ کر عبادت و ریاضت

کو جاری رکھا، ملفوظات خیر المجالس (مرتبہ حمید شاعر معروف بہ قلندر) میں ہے:-

"سالہا سال مجھ کو یہ آرزو رہی کہ ایک تہبند و کرتہ پہن کر کلاہ سر پہ رکھ کر کوہ و بیابان یا کسی مسجد

و مزار میں جا بیٹھوں، پھر شہر کو یاد کر کے فرمایا کہ وہاں بہت حظیرے دلپسند ہیں، وہاں مجھ کو خلوت

سے بہت راحت و تسکین ہوتی تھی، ان دنوں وہ مزار اور حظیرے نہیں رہے، سنتا ہوں کہ

وہ سب مقامات دلکش خراب و برباد ہو گئے ہیں پھر فرمایا کہ خواجہ محمود والد معین الدین

جو بھانجا مولانا کمال الدین کا ہے، میرے ہمراہ ہوا کرتا، ہمیشہ نماز صبح مسجد میں پڑھ کر ہم نکلتے

اور وظیفہ پڑھتے جاتے، راہ میں جب کسی مزار پر پہنچے، تو میں محمود سے کہتا اب تم جاہو مکان

جاؤ، چاہو کسی اور مزار پر تنہا مشغول ہو، وہ میرا کہنا قبول کر کے جدا کسی مزار پر ظہر تک جا کر

مشغول ہو جاتا، پھر ہم نماز کے وقت طہارت کو نکلتے، اذان کہتے، دس بارہ درویش اپنے

مقام مشغولی سے آکر جمع ہو جاتے، نماز با جماعت پڑھتے، اور مجھ کو امام بناتے، پھر باقی روز

ذکر و شغل میں گذرتا، یہاں تک کہ نماز مغرب و عشاء زمین صحرا میں ہوتی پھر وظیفہ پڑھتے

ہوئے گھر آتے، اور جب جنگل میں دن کو قیلولہ کرتے، تو گرد چند درختوں کے رسی

گھیر دیتے، اور وہ بیابان میں سو رہتے، نہ خدمت کا ڈر ہوتا، نہ چور کا کہ ہمارا بدھنا یا لوٹا

لے جاوے گا، شب کو گھر والیں ایک جگہ مقرر تھی، وہاں مشغول رہتے، اسی ذات

و آرام میں چند سال گذر گئے، جناب خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کا ذکر بڑے ذوق و

شوق سے بیان فرماتے تھے، پھر کہا کہ اگر حکم حضرت پیر و مرشد کا نہ ہوتا کہ تو مخلوق کے درمیان

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۳۸

رہنا، جفا و قفائے خلق گوارا کرنا"، تو کہاں میں تھا، اور کہاں یہ شہر کسی کوہ و بیابان میں رو پوش رہتا، میں نے عرض کی کہ حق وہی ہے، جو حضور ارشاد فرماتے ہیں، مگر آپ کو یہاں رہنے کی تاکید اس واسطے فرمایا کہ ہم لوگ سعادت حاصل کریں"[۱]

حضرت شیخ نصیر الدینؒ مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً وطن سے دہلی آتے رہتے تھے، یہاں ہر جگہ ان کی بڑی پذیرائی ہوتی، یاران طریقت جس لطف و کرم سے ان کے ساتھ پیش آتے، اس کو اپنی زندگی کے آخری ایام میں بڑے ذوق و لذت سے یاد فرماتے ہیں،

"جب میں اودھ سے آیا کرتا، تو اکثر یار میری دعوت کیا کرتے، مولانا برہان الدین غریب طاب ثراہ اور امیر خسرو اور امیر حسن وغیرہ احباب جب میرا آنا سنتے، تو دعا گو کی چند روز تک متواتر دعوت کیا کرتے، اور شیخ سے استدعا کرتے، فلانے کو اجازت دعوت کھانے کی ہو، اور ایک دن پہلے مجھ سے کہہ دیتے کہ کل ہمارے یہاں دعوت ہے کہ اگر اسی دن غیاث پور سے شہر کو جاؤں تو تھک جاؤں تو اس روز مولانا برہان الدین کے گھر میں رہا کرتا، دوسرے دن ان کے ہمراہ جاتا، اور دعوت ظہر تک ہوا کرتی، کبھی عصر تک بھی رہنا ہوتا جب لوٹتا تو بے وقت ہو جاتا تھا، غیاث پور تک پہنچنا نہ ہوتا، اس رات بھی مولانا برہان الدین کے گھر میں رہنا ہوتا، کبھی تیسرے دن بھی صبح کو کوئی یار آ جاتا، اور کہتا ذرا توقف کیجیے ناشتہ لاتا ہوں، غرض چاشت تک ٹھہرنا ہوتا، غرض دوپہر کو غیاث پور پہنچتا، پھر اس دن بھی شیخ کی زیارت

---

[۱] دیکھو مجلس پنجاہ خیر المجالس کا اردو ترجمہ سراج المجالس کے نام سے مولانا احمد علی صاحب ٹونکی نے کیا ہے جو مسلم پریس دہلی میں چھپا تھا، یہ ترجمہ اگرچہ پرانے طرز کا ہے، لیکن عاجز راقم کو اس میں بڑی کیفیت و تاثیر نظر آئی، اس لیے اس کو بغیر کسی ترمیم کے ہر جگہ نقل کر دیا ہے،

کو نہ جا سکتا؛"

جب مرشد کی زیارت نہ ہوتی، تو بڑی تکلیف محسوس کرتے، فرماتے ہین :-

"ان دنون مین ایسا ہی ہوا کہ متواتر تین دعوتین ہوئین، اور ہر دعوت مین تین تین دن شہرون مین رہنا پڑا، اور تو روز تک زیارت شیخ میسر نہ ہوتی، ہر جگہ سے پیام دعوت آتا، اور شیخ سے واسطے اجازت کے عرض کرتے، شاید ان دنون یاد ہوتا ہے کہ خادم نصیر نامی تھا، فرمان شیخ پہنچا کہ فلان جا دعوت مین بہا، مین نے عرض کی کہ مجھ کو کچھ خدمت مین عرض ہے، اس پر مجھکو طلب فرمایا، مین خدمت مین حاضر ہوا، تو فرمایا کیا کہتا ہے، مین نے عرض واشت کی کہ غلام اودھ سے اس اشتیاق مین آتا ہے کہ چند روز زیر قدم خواجہ رہے، اور ہر روز آپ کو دیکھون، یہان ہر کوئی دعوت کرتا ہے، اور حضرت شیخ کی خدمت مین عرض کرتا ہے، مجھکو حکم آتا ہے کہ دعوت مین جا، صبح سے جاتا ہون، اور مولانا برہان الدین غریب کے گھر مین شب بھی رہتا ہون، دوسرا دن دعوت کا ہوتا ہے، اس دن بھی حضرت کی خدمت مین آ نہین سکتا، تیسرے دن بھی لوگ روکتے ہین کہ ذرا ٹھہرو، ناشتہ کر لو، دوپہر کو یہان آنا ہوتا ہے، اس دن بھی زیارت نصیب نہین ہوتی، تین دن مفت جاتے ہین، یہ سن کر شیخ نے خادم سے فرمایا کہ جو کوئی مولانا کو بلانے آیا ہے اُسے لوٹا دو، اور کہدو کہ یاران شہر کی دعوت کرین، اور ان کو معذور رکھین"[1]

خود مرشد کو اپنے مرید کی راحت اور خاطر داری کا بہت خیال رہتا تھا، فرماتے ہین :-

"ایک بار مین اودھ سے آیا تھا، اور بھائی یعنی پدر خواجہ یوسف بھی ہمراہ تھے، اور ان دنون مین نے تقلیل طعام کی تھی، بھائی نے مبشر سے کہدیا کہ فلان نے کھانا چھوڑ دیا ہے"

---

[1] مجلس پنجاہ و پنجم ص ۱۴۱-۱۴۲۔

اور معرض تلف مین پڑا ہے، خدمت شیخ مین عرض کر دے، بشیر نے خدمت شیخ مین او
پڑھ کر عرض کی کہ حبیب رکابی بھر کر فلانے کے واسطے لیجاتا ہون تو بلا کم و کاست ویسے ہی
لوٹ آتی ہے، جناب شیخ نے افطار کے وقت ایک قرص قریب دو سیر کا بخش دیا. اور بہت سا
حلوا اس پر رکھا تھا، جن یارون کا صوم دوام ہوتا، ان کو حضرت شیخ کے یہان سے روزے
رمضان شریف سحری ملا کرتی، چنانچہ مولانا فخر الدین زرادی اور مولانا حسام الدین ملتانی
اور مولانا شہاب الدین کو یہ ہمیشہ روزہ دار ہوتے تھے، مگر مولانا برہان الدین غریب کو بسبب
ضعف جسم کے روزے سے معذور تھے، ان کو ماہ رمضان مین سحری ملتی اور سحری کو کچھڑی
روغن پڑی ہوئی آیا کرتی، یار جمع ہوتے اور ہاتھ دھو کر کھچڑی کھاتے، غرض جب شیخ نے مجھکو
وہ قرص دیا تو مین حیران ہوا کہ اس کو کس طرح کھاؤن گا، بیمار نہ ہو جاؤن، یہ قرص تو میرے
بیس دن بلکہ زائد کو کافی ہے، بعد عشا وہ قرص مین نے روبرو رکھا، اور کچھ کچھ کھانا شروع کیا،
بعد آدھی رات کے تھوڑی آنکھ لگی تھی، کہ فی الفور اٹھ کر وضو کیا، اور تہجد کی نماز پڑھی، پھر وہ
قرص لے کر کھانے بیٹھا، برکت ولایت شیخ سے صبح تک سب کھالیا، اور کوئی زحمت
نہین ہوئی"[1]

قیام دہلی والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد وطن چھوڑ کر مستقل طور پر دہلی تشریف لے آئے، اور
مرشد کے خاص حجرہ مین سکونت اختیار فرمائی، یہ حجرہ جماعت خانہ مین تھا، مرشد کی صحبت مین
فقر، صبر، تسلیم و رضا کی تمام درویشانہ صفتین پایۂ تکمیل کو پہنچ گئین، چنانچہ جیسا کہ سیر العارفین
کے مولف کا بیان ہے

"حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے خلفاء اپنے مرشد اور شیخ نصیر الدین کی ذات پر فخر

---

[1] خیر المجالس مجلس پنجاہ و پنجم ص ۱۴۲-۱۴۱ [2] سیر العارفین ج ۲ ص ۴۰

کیا کرتے تھے" (ص ٢٤٩، ج ٢)

مرشد کی جانشینی | جب حضرت محبوب الٰہی نے حضرت شیخ نصیر الدین میں وہ تمام باتیں بدرجۂ کمال پائیں جو جانشینی کے لیے موزوں تھیں، تو ان کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا، اور وفات کے وقت ان کو خواجگان سے جو خرقہ، عصا، کاسہ اور نعلین ملی تھیں، ان کو عطا کر کے دہلی کے لوگوں کی جفاؤں کو صبر و سکون سے تحمل کرنے کی تلقین فرمائی[1]، حضرت محبوب الٰہی کی وفات کے بعد جماعت خانہ ان کی بہن کی اولاد کو ترکہ میں ملا، اس لیے حضرت نصیر الدین نے اپنی قیام گاہ کے لیے وہ جگہ منتخب کی، جہاں ان کی ابدی خوابگاہ ہے،

تنگی معاش | جانشینی کا ابتدائی زمانہ بہت ہی تکلیف اور عسرت میں گذرا، اپنے ملفوظات میں ان ایام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار روزہ رکھا، دو دن گذر گئے لیکن کچھ کھانے کو نہ ملا، میرا ایک آشنا نتھو نامی تھا، وہ دو روٹیاں اور ترکاری دسترخوان میں لپیٹ کر میرے پاس لایا، اس حال میں اس کھانے نے جو مزہ دیا کہ بیان نہیں ہو سکتا، اکثر راتوں کو میرے گھر میں چراغ روشن نہ ہوتا تھا، دن میں تو چولہا نہ سلگتا، میرے اعزہ سامان معاش کرنا چاہتے، لیکن میں ان کو کرنے نہ دیتا، وہ میرا مزاج پہچان گئے تھے، کہ میں مشقت اور بے سروسامانی ہی میں خوش رہتا ہوں، اس لیے میرا خیال چھوڑ دیا، اگر کوئی دنیا دار مجھ سے ملنے آتا تو میں شیخ کا جبہ پہن کر بیٹھ جاتا، جب وہ چلا جاتا، تو کھاروے کا لباس پہن لیتا، جامۂ شیخ پہن کر وضو کرنا پسند نہ کرتا، لیکن اس کو پہن کر لوگوں سے اپنا فقر پوشیدہ رکھتا تھا[2]،

فارغ البالی | کچھ دنوں کے بعد تنگی باقی رہی، اور اچھے دن آئے، مگر حضرت خواجہ نصیر الدین ان عسرت بھرے دنوں کو یاد کیا کرتے تھے، دو دن کے فاقے کے بعد ان کو جو روٹی اور

١؎ سیر العارفین ج ٢ ص ٢٤٩ - ٢٥٠ ٢؎ خیر المجالس مجلس [illegible]

ترکاری ملی تھی، اس کے مزے کو یاد کرکے سر ہلاتے، اور فرماتے، سبحان اللہ یہ نفر بھی کیا نعمت ہے، اس کے اول اور آخر دونوں خوب ہیں، وہ کیا عمدہ دن اور پُر ذوق زمانہ تھا، یہ کہکر یہ دتے گویا وہ ذوق پھر حاصل کر لیتے،[۱]

فارغ البالی کے زمانہ میں مہمان اور مریدوں کے لیے دسترخوان پر اچھے اچھے کھانے ہوتے خود تو صائم الدہر ہوتے، لیکن مہمانوں کو بڑے لطف و کرم سے لذیذ کھانے کھلاتے، کبھی کبھی کسی مہمان کی خاطر افطار کر لیتے، ایک بار دسترخوان پر حلوے کی کئی قسمیں تھیں، ایک حاجی نے عرب کے کھانے بھی اس موقع پر پیش کیے، حاضرین میں ایک صاحب نفل روزہ رکھے ہوئے تھے، حضرت خواجہ نصیر الدین نے ان کی خاطر افطار کر لیا، اور یاروں کو خوب کھانے کی تاکید فرمائی،[۲]

تلقین | مہمانوں کو لذیذ کھانا کھلاتے وقت پند و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھتے، ایک بار دسترخوان پر عمدہ پلاؤ تھا، حاضرین کو بڑی شفقت و محبت سے کھلا رہے تھے، دست مبارک سے پلاؤ برتنوں میں ڈالتے جاتے، اور تاکید فرماتے یارو خوب کھاؤ، جب لوگ کھا چکے تو فرمایا طعام حلال و طیب وہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت یہ خیال رہے کہ خدا ے تعالیٰ دیکھتا ہے، خدا کے واسطے کھائے اور نیت کرے کہ جو قوت اس سے پیدا ہوگی، وہ طاعت و عبادت میں صرف ہوگی، تو وہ شخص عین عبادت و نماز میں ہوگا، فرمایا ایک دن صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! ہم کھانا کھاتے ہیں مگر ہمارا پیٹ نہیں بھرتا، آپ نے فرمایا شاید تم تنہا کھاتے ہو، عرض کیا، ہاں، ہر شخص الگ الگ کھاتا ہے، آپ نے فرمایا، اب اکٹھا ہو کر کھایا کرو اور پہلے بسم اللہ کہا کرو، اللہ تعالیٰ برکت دے گا،[۳]

---

[۱] خیر المجالس مجلس شصت و سیوم [۲] ایضاً مجلس بیست و دوم [۳] ایضاً مجلس نہم و نہم

ایک بار عید اضحیٰ کے دن بہت سے لوگ ملنے آئے، ان کی خاطر دسترخوان بچھایا گیا جس پر اچھے کھانے اور اچھے حلوے تھے، حضرت خواجہ نصیر الدین نے اس موقع پر یہ حکایت سنائی کہ ایک بار ایک درویش شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے سامان امارت میں بارگاہ شاہی، طنابہائے ریشمی اور میخ ہائے زرین دیکھ کر سوچنے لگا کہ یہ کیسی درویشی ہے، یہ تو کسی بادشاہ کو بھی میسر نہیں، حضرت ابو سعیدؒ نے اس کے خیال کو نور باطن سے معلوم کر لیا، اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے درویش ہم نے خیمہ کی میخ دل میں نہیں نصب کی ہے، زمین میں گاڑی ہے، یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی مثال تیرے سایہ کی ہے، اگر اس کی طرف تو رخ کرے، تو تیرے پیچھے ہوگا، اور اس کی طرف پشت کرے تو تیرے آگے ہوگا، (مجلس ۹۴)

ایک اور موقع پر کچھ معتقدین حضرت خواجہ نصیر الدین کے سامنے پالودہ (فالودہ) نوش کر رہے تھے، حسب دستور پند و موعظت شروع کی، اور فرمایا، ایک بار حضرت خواجہ ابراہیم ابن ادہم قدس سرہ العزیز ایک بادشاہ کے حضور میں پیش کئے گئے[1]، بادشاہ نے ان کیلئے کھانا منگوایا، ایک آراستہ دسترخوان پر پہلے ان کے سامنے پالودہ کا پیالہ رکھا گیا، حضرت خواجہ ابراہیم نے پیالہ کو غور سے دیکھا، مگر اس میں سے کچھ کھانا پسند نہ کیا، بادشاہ نے پوچھا، پالودہ کو آپ دیکھتے ہیں لیکن کھاتے نہیں ہیں، حضرت خواجہ ابراہیم نے فرمایا، پالودہ سے قیامت یاد آتی ہے، بادشاہ نے پوچھا کس طرح، فرمایا، اس دن دو گروہ ہوں گے، ایک پالودہ اور ایک آلودہ، "فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر" کا اشارہ اسی طرف ہے، جس نے اپنے آپ کو دنیا میں مجاہدہ، طاعت و عبادت میں پالودہ کیا، وہ تو بہشت میں جائیں گے اور

---

[1] حضرت ابراہیم بن ادہم ایک شہر کی مسجد میں مقیم تھے، رات کو دروازہ کھول کر باہر نکلے، چوکیداروں نے چور سمجھ کر پکڑ لیا، اور کوتوال نے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا،

جو آلودۂ معصیت ہیں، ان کو آتش دوزخ میں پاک صاف کرکے بہشت لے جائیں گے، بادشاہ نے یہ سن کر کہا کہ اس درویش آپ کی باتوں سے میرا دل پاک ہو گیا۔[1]

چراغ دہلی کا لقب

رفتہ رفتہ حضرت خواجہ نصیر الدین کے رشد و ہدایت کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی، جب حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری مکہ معظمہ تشریف لے گئے، تو وہاں کے شیخ امام عبداللہ یافعی سے ایک مدت تک تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے، ایک موقع پر شیخ مکہ نے حضرت جلال الدین سے فرمایا، اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے، تاہم ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود کے اندر موجود ہے، ان کی ذات بابرکات بہت غنیمت ہے، وہ چراغ دہلی ہیں اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں، حضرت سید جلال الدین بخاری نے جب یہ سنا تو ان کو حضرت خواجہ نصیر الدین محمود سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اور وہ مکہ معظمہ سے دہلی آئے، اور حضرت خواجہ نصیر الدین کی قدم بوسی کرکے شیخ مکہ نے جو کچھ کہا تھا اس کو بیان کیا، اس کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا لقب چراغ دہلی بھی ہو گیا، اور اسی لقب سے مشہور ہو گئے۔

رشد و ہدایت

مذہبی و روحانی استفادہ کے لیے ہند و بیرون ہند کے مختلف مقامات سے مرشد کے افراد آتے، اور حضرت چراغ دہلی صاحب ان کی تربیت فرماتے،

ایک مرتبہ ایک صاحب علم [illegible] کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، [illegible] اور کشادہ [illegible] بیٹھے تھے، بیعت کے وقت حضرت چراغ دہلی نے [illegible] فرمایا، جب کوئی طریقت میں داخل ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنا [illegible] سر منڈائے، آستین چھوٹی کرلے، [illegible] سے یہ مراد ہے کہ اس نے اپنا ہاتھ [illegible] ماسوا اللہ [illegible] کو خلق کے سامنے نہ پھیلائے

[1] مجالس [illegible]

دامن اونچا کرنے سے یہ مطلب ہے کہ اس نے اپنا پاؤں قطع کر لیا ہے تاکہ کسی ایسی جگہ نہ جا سکے جو بری ہو، اور جہاں معصیت ہوتی ہو، سر منڈانے کے معنی ہیں کہ راہ حق میں اس نے اپنا سر کاٹ لیا ہے، اور اس سے کوئی بات خلاف شرع ظہور میں نہ آئے[1]

ایک بزرگ بیعت کے لیے آئے، جو نسباً سید اور جوہری تھے، ڈاڑھی کے [illegible] حضرت چراغ دہلی نے کلاہ منگائی، دست مبارک بیعت کے لیے آگے بڑھایا، اقرار لیا، دوگانہ نماز پڑھوائی، نماز کے بعد مخاطب کر کے فرمایا، ہر بات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرنی چاہیے، اور تمہارے لیے اور ضروری ہے کہ تم آل رسول سے ہو، رسول کی متابعت دو چیزوں میں ہے، جو کچھ خدا اور رسول نے کہا، اس کو کرنا، اور جس سے خدا اور رسول نے منع کیا اس سے بچنا، پھر فرمایا خرید و فروخت میں ہرگز جھوٹ بات زبان پر نہ آنی چاہیے مثلاً ایک چیز پانچ درم کی خریدی ہوئی ہے، جب کسی خریدار کو اس کے لینے پر آمادہ دیکھے تو یہ نہ کہے کہ میں نے چھ درم میں لی ہے، سات درم لیں تو دوں گا، اس سے کچھ برکت نہیں ہوتی ہے، بلکہ نقصان ہوتا ہے، ہاں اگر یہ کہے کہ پانچ درم اور ایک دانگ میں دوں گا تو ایک دانگ میں برکت ہوگی، اور اس کا مال اس طرح بڑھے گا کہ اس کو خود خبر نہ ہوگی، کہ کہاں سے بڑھا،[2]

ایک مرتبہ ایک عالم موضع سہالے سے آئے، حضرت چراغ دہلی نے پوچھا کہ کہاں سے آتے ہو، عالم نے کہا سہالے سے، جہاں کے اکثر لوگ آپ کے مرید ہیں، اور وہاں کی عورتیں بھی آپ سے بیعت رکھتی ہیں، اور وہ مردوں سے زیادہ صالح ہیں، پھر پوچھا کیا شغل رکھتے ہو، عالم نے کہا لڑکوں کو پڑھاتا ہوں، فرمایا یہ عمدہ کام ہے، مطالعہ کتب میں مشغول رہنا اور

---

[1] خیر المجالس مجلس پانزدہم [2] ایضاً بست و ششم

دوسرون کو قرآن مجید پڑھانا اچھی بات ہے، لیکن جو دوسرون کو کلام پاک پڑھائے اُس کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہیے۱؎

ایک درویش یمن سے آیا، حضرت چراغ دہلی نے اس کو اپنا پیراہن عطا کیا، اور اپنے پاس بٹھایا، درویش نے کہا آج مین نے خواب مین دیکھا تھا، کہ کوئی مجھکو پیراہن پہناتا ہے، اور کہتا ہے یہ جامہ شیخ محمود کا ہے، اس موقع پر چراغ دہلی نے مریدون کو مہمان نوازی کی تلقین کی، اور فرمایا مہمانون کی تعظیم و تکریم سے ان کے دلون مین یگانگت اور محبت پیدا ہوتی ہے۲؎

ایک مرتبہ ایک خاتون نے اور ایک شخص کی معرفت مرید ہونے کا پیام کہلا بھیجا، حضرت چراغ دہلی نے پانی کا ایک کوزہ منگوایا، اس کو اپنے سامنے رکھ کر کچھ پڑھا، پھر اس مین اپنی انگشت شہادت ڈبوئی، اور اس شخص کو کوزہ دیکر کہا کہ اس کو خاتون کے پاس لے جاؤ، ان سے سلام کہنا، اور کہنا کہ اپنی شہادت کی انگلی پانی میں ڈال کر کہیں کہ میں فلان کی مرید ہوئی، اسی کے ساتھ خاتون کو یہ بھی کہلا بھیجا کہ وہ برابر نماز پڑھتی رہیں، اور ایام بیض کے روزے رکھیں، غلام و لونڈی کو نہ ستائیں، مار پیٹ نہ کریں، اور پڑوسیون اور بیگانون سے اخلاق سے ملتی رہیں۳؎

ایک مرتبہ ایک کاشتکار آیا، تو اس سے پوچھا کیا کرتے ہو، اس نے عرض کیا زراعت کرتا ہون، فرمایا لقمۂ زراعت اچھا لقمہ ہے، اور بہت سے کاشتکار صاحب حال گذرے ہین، اس کے بعد ایک کاشتکار کی حکایت بیان فرمائی جس مین یہ نصیحت تھی کہ تخم ریزی کے وقت دل شاکر اور زبان ذاکر رہنی چاہیے، اسی سلسلہ مین فرمایا کوئی کام بغیر نیک نیت کے کرنا درست نہین، اگر کوئی اس نیت سے نماز پڑھے کہ لوگ اس کو دیکھ کر نمازی کہین تو اس کی نماز روا نہین، ابو حنیفہ کے نزدیک وہ کافر ہو جاتا ہے، کہ اس نے عبادت خدا مین

۱؎ مجلس سی و دوم ص ۵، ۲؎ مجلس سی و ششم ص ۸، ۳؎ [illegible]

اور کو بھی شریک کیا۔[1]

ایک مرتبہ شاہ پور سے ایک بزرگ آئے، حال پوچھنے پر عرض کیا، کہ قناعت و توکل کی زندگی بسر کرتے ہیں، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا ایک درویش کو چاہیے کہ اگر اس پر فاقہ گذرے تو بھی اپنی حاجت غیروں سے نہ بیان کرے، اور اگر کوئی اس کے پاس آئے تو اپنے منہ پر طمانچہ مار کر گالوں کو سرخ کرلے، کہ دیکھنے والا اس کے فقر و فاقہ سے مطلع نہ ہو، پھر بیان کیا کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیٹھے تھے، فرمایا ہے کوئی جو ایک بات کی ذمہ داری لے، تاکہ میں اس کے لیے جنت کی ذمہ داری لوں، ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا، یا رسول اللہ! وہ میں ہوں، رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کسی سے کچھ سوال نہ کرنا، ثوبانؓ نے اس حکم کو قبول کر کے کسی سے کوئی سوال نہ کرنے کا عہد کر لیا، ایک روز وہ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے، کہ چابک ہاتھ سے گر پڑا، دوسرے سے اٹھا کر نہ مانگا، خود اتر کر اٹھایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے سوال کرنے سے منع فرمایا تھا، اس موقع پر حضرت چراغ دہلی کی مجلس میں ایک درویش نے پوچھا جس چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو منع کیا ہو، وہ امر کیا اوروں کے لیے بھی لازم ہو جاتا ہے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا، ہاں سب کے حق میں حکم ممانعت ہوتا ہے۔[2]

ایک درویش آیا، اور کسی کے ظلم کی شکایت کی، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا تحمل سے کام لو اگر اور جفا کرے تو بھی معاف کردو، کیونکہ ایک درویش کا یہی شیوہ ہوتا ہے۔[3]

ایک جوان عرب آیا، اس نے ایک کنگھی نذر کی، حضرت چراغ دہلی نے دستِ مبارک سے شانہ والی اٹھا کر اپنی کنگھی نکالی، اور اس میں نئی رکھی، اور جیب میں رکھ لی، تو حاضرین نے پوچھا کہ

[1] مجلس چہل و ہشتم، [2] مجلس چہل و نہم [3] مجلس پنجاہ و دوم

کنگھی پہلے کس طرف سے کرنی چاہیے، فرمایا دندانوں کی طرف سے پہلے رکھنا چاہیے، کیونکہ وہ بالوں کی تفریق کا باعث ہے، پس جو چیز باعث تفریق ہو اس کو دور رکھنا مناسب ہے۔[1]

ایک مرتبہ ایک عالم آئے، حضرت چراغ دہلی نے پوچھا کیا کام کرتے ہو، عرض کیا مقنع بافی کرتا ہوں، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا شیخ احمد نہروالہ رحمۃ اللہ علیہ بھی نوربافی کیا کرتے تھے، کبھی کبھی کرگہ پر کام کرتے ہوئے ان پر ایسا حال طاری ہو جاتا کہ غائب ہو جاتے، اور جب موجود ہوتے تو کپڑا بنا ہوا تیار پاتے، اس کے بعد کچھ حکایتیں بیان کیں اور فرمایا کسب و ہنر کا لقمہ پاکیزہ ہے، ابدال اللہ جو کوہستان میں رہتے ہیں، پہاڑ سے لکڑی، گھاس، جنگلی دانیں، پہاڑی میوے وغیرہ لا کر شہر میں بیچتے ہیں، اور کھانا مول لے کر واپس جاتے ہیں،[2]

حضرت چراغ دہلی اپنی مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک اور احادیث نبوی کی تعلیمات پر گفتگو فرماتے، ایک موقع پر فرمایا کہ لوگوں نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا ہے، اس پر عمل نہیں کرتے، اس لیے خراب و پریشان ہوئے،[3] اور اس کا اعادہ بار بار کیا، کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قول و فعل صادر ہوا وہ سزاوار متابعت ہے، فرمایا ایک مسلمان کے ایمان کی بنا یہ ہے کہ وہ چیز جس کی بابت خدا اور رسول نے فرمایا ہے، اس کی متابعت کرے اور جس سے منع کیا ہے، اس کو ترک کر دے۔[4]

تارک نماز کے متعلق مریدوں کو ہدایت کی کہ اگر وہ محفل میں آکر بیٹھے تو اس کی تعظیم نہ کریں اور سلام کے جواب میں وعلیک نہ کہیں، تاکہ اس کی اہانت ہو اور وہ شرمائے،[5] دوسروں کو نماز با جماعت کی بھی سخت تاکید فرماتے تھے، خود بھی تمام عمر نماز با جماعت

---

[1] مجلس بیست و دوم [2] مجلس نود و ششم [3] مجلس سی ام [4] مجلس ہشتاد و دوم، نیز دیکھو مجلس ہشتاد و ششم

[5] مجلس پنجاہ و نہم

کے پابند رہے، ایک مجلس میں یہ حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ بڑے اچھے واعظ تھے، ان کے وعظ سے لوگ بکثرت تائب ہوتے، اور کپڑے پھاڑ کر بیہوش ہو جاتے، وہ بزرگ زیارت کعبہ کو تشریف لے گئے، وہاں سے واپسی پر ان کا وعظ سننے کے لیے لوگ اور بھی ذوق و شوق سے جمع ہوئے، لیکن ان کے وعظ مین پہلی سی تاثیر مطلق نہ تھی، لوگون نے ان سے کہا کہ زیارت کعبہ کے بعد ہم تو متوقع تھے کہ وعظ مین صد گونہ تاثیر اور بھی بڑھ گئی ہوگی، وہ بولے، سفر حج مین مجھ سے ایک قصور ہو گیا تھا، جب ہی جان لیا تھا، کہ مجھ سے یہ نعمت چھین لی جائے گی، وہ قصور یہ تھا کہ راستے مین مجھ سے ایک بار نماز باجماعت فوت ہو گئی، یہ محرومی اسی ندامت کی بنا پر ہے، اس حکایت کو بیان کر کے حضرت چراغ دہلی اس قدر روئے کہ حاضرین بھی رونے لگے، اور جب آنسو رُکے تو فرمایا، جو لوگ جماعت مین بالکل نہین جاتے، ان کا کیا حال ہوگا وہ کتنی نعمتون سے محروم رہتے ہون گے، اور پھر ایک اور حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ کے پاس لوگون کا ہجوم رہا کرتا تھا، بزرگ نے دل مین خیال کیا کہ خداوندا! مجھ مین نہ کچھ طاعت ہے، اور نہ عبادت ہے، پھر میرے پاس لوگون کا اژدحام کیون رہتا ہے، آواز آئی کہ اسکا یہ سبب ہے کہ تو جماعت مین شریک ہونے کی کوشش کرتا ہے، اور اس خیال سے پریشان رہتا ہے کہ مبادا فوت نہ ہو جائے، یہ بات ہم کو پسند آئی، اور اسی لیے تجھکو یہ مقبولیت عطا کی[1]

نماز کے متعلق فرمایا، یہ حضور قلب کے ساتھ پڑھی جائے، نماز کے وقت اعضاء کا قبلہ کعبہ شریف ہوتا ہے، اگر اعضا اس طرف نہ ہون تو نماز درست نہین ہوتی، اس طرح دل کا کعبہ ذات پاک حق تعالے ہے، اگر دل اپنے قبلہ سے پھر جائے، تو پھر یہ کیسی نماز ہوگی[2]

---

[1] مجلس شستم. [2] مجلس ہشتاد و ششم

شاہی ملازموں کی اصلاح | حضرت چراغ دہلی شاہی ملازمت کو روحانیت کے منافی سمجھتے تھے، لیکن شاہی ملازموں میں سے جس کسی کو بھی طلب ہوتی، اس کی خلاقی مذہبی اور روحانی حالت کو سنوارنے میں دریغ بھی نہیں فرماتے تھے،

خیر المجالس مجلس ہفتاد و ہشتم میں ہے کہ ایک سید مرید ہونے آیا، وہ شاہی اہل قلم کے زمرہ میں شامل تھا، حضرت چراغ نے اس کو مرید کیا، اور فرمایا، نماز با جماعت پڑھا کرو جمعہ کی نماز فوت نہ ہو، ایام بیض کے روزوں کو لازم جانو، جو شخص ایام بیض کے روزے رکھتا ہے اس کی روزی بڑھتی ہے، میرے اور مریدوں کو بھی یہ وصیت ہے، کہ جو کام خدا اور رسول نے منع کیا ہے، وہ نہ کریں، پھر فرمایا دنیا کی دولت میں بے ثباتی ہے، تم یہ خیال کرلو کہ تمھارے پائگاہ کے گھوڑے تمھارے خدمت گار، تمھارے دینار و درم، یہ ساری چیزیں ایک روز تم سے چھوٹ جائیں گی، پھر چھوٹنے والی چیزوں کا فکر اور غم کرنا بے فائدہ ہے، فکر اور غم اس چیز کے لیے کرنا چاہیے جو ہمیشہ باقی رہے گی، غور سے دیکھو، ہمارے سامنے کتنے تھے، اور کتنے چلے گئے، آخر ہم سے پہلے تھے، اور ہم سے پہلے چل دیے، پھر اس سید سے پوچھا کہ کیا کرتے ہو، جواب دیا، قرآن مجید پڑھتا ہوں، سید کے ایک ہمراہی نے کہا یہ حافظ ہیں، اور ان کے والد بھی حافظ اور صالح بزرگ تھے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا، اگر کوئی گھر بار میں شب و روز قرآن پڑھتا رہے اور ذکر خدا میں مشغول رہے، تو اس کے لیے نوکری حجاب نہیں، وہ صوفی ہے، اور اسی کے بعد حضرت سعدی کا یہ شعر پڑھا،

مراد اہل طریقت لباس ظاہر نیست   کمر بخدمت سلطان بہ بند صوفی باش

ایک بار ایک عالم نے آکر عرض کیا، کہ فلاں شاہی سردار (ملک) نے سلام بوقت کیا ہے، حضرت چراغ دہلی نے پوچھا، اس کا کیا حال ہے، عالم نے کہا کہ زر سرکاری کے مطالبہ میں

اس کو قید کر دیا گیا ہے، اور اس کو زد و کوب کی جاتی ہے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا شغل دنیا یہی پھل دیتا ہے، اگلے زمانہ مین کام کرنے والے صرف خدا تعالیٰ کے لیے کام انجام دیا کرتے تھے، اور وہ معاملات مین جنید و شبلی ہوتے تھے[۱]

ایک لشکری آیا تو اس کو مخاطب کرکے فرمایا، اگر طلب دنیا مین نیت اچھی ہو تو وہ فی الحقیقت طلب آخرت ہے[۲]

سیر الاولیاء (ص ۲۴۴) مین ہے کہ خواجہ قوام الدین حضرت شیخ نصیر الدین کے مرید صادق تھے، شاہی ملازمت مین داخل ہوئے تو کچھ دنون کے بعد کسی الزام مین موقوف کر دیے گئے، ان پر سخت وقت پڑا، عزیزون اور دوستون کی نظرین ان سے بدل گئین، ضرورت کے وقت اپنی کوئی چیز فروخت کرنے کے لیے بازار جاتے، تو کوئی خریدنے کے لیے تیار نہ ہوتا، اسی پریشانی مین مرشد یاد آئے، چنانچہ وہ حضرت چراغ دہلی کی خدمت مین پہنچے، لیکن وہ اپنا مدعا کہنے بھی نہ پائے تھے کہ حضرت چراغ دہلی نے یہ قطعہ پڑھا،

دنیا چو مقدر است، مخروشی بہ ۔۔۔ رزقے تو رسد بوقت کم کوشی بہ

چیزے کہ نمی خرند، نفروشی بہ ۔۔۔ گفتت تو نمی کنند، خاموشی بہ

خواجہ قوام الدین کا خود بیان ہے کہ میرے دل مین جو بات تھی اس کو حضرت خواجہ نے اپنے نور باطن سے اس قطعہ مین ظاہر کر دیا، اور مین نے سر جھکا کر عرض کیا کہ حضرت مخدوم نے جو کچھ فرمایا ہے وہی بندہ کے دل مین ہے، خواجہ قوام الدین کا یہی بیان ہے کہ حضرت مخدوم کی اس کرامت سے میرے دل کو بڑی تقویت پہنچی،

رجوع خلق سے ریاضت مین خلل | رشد و ہدایت کا سلسلہ اتنا بڑھتا گیا کہ حضرت چراغ دہلی کو ریاضت

---

[۱] مجلس بست و پنجم [۲] مجلس ہشتاد و پنجم،

مجاہدہ میں اگلی سی محنت شاقہ کرنے کے لیے وقت نہ ملتا تھا، خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید شاعر کو ایک روز مخاطب کرکے فرمایا، اب مجھ کو خلوت میں عبادت کرنے کی فرصت نہیں ملتی، دن بھر اللہ کی مخلوق کے ساتھ رہتا ہوں، اکثر قیلولہ بھی میسر نہیں آتا، قیلولہ کرنا چاہتا ہوں تو لوگ آکر جگا دیتے ہیں، کہ فلاں آیا ہے، تم لوگوں کو فرصت ہے عبادت میں مشغول رہو، مولانا حمید شاعر نے یہ سن کر عرض کیا کہ ہر چند جناب کا ظاہر خلق اللہ سے مشغول معلوم ہوتا ہے لیکن باطن شریف ہمیشہ حق سے مشغول رہتا ہے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا رات کو البتہ کچھ ذکر یا وظیفہ ہو جاتا ہے لیکن دن میں کچھ نہیں ہوتا، پھر بھی عنایت ربانی سے ناامید نہیں ہوں، مولانا حمید شاعر کا بیان ہے کہ یہ بات فرما کر حضرت خواجہ نہایت شکستہ دلی سے رونے لگے، اور پھر یہ شعر پڑھا،

این دلو تہی کہ در چہ انداختہ ام   نو امید نیم کہ پر بر آید روزے[1]

حضرت چراغ دہلی کی ذات اقدس سے فیوض و برکات کا چشمہ برابر بہتا رہا، پھر بھی وہ فرماتے ہیں کہ میں کس لائق ہوں کہ شیخ بنوں، اب یہ کام بچوں کا کھیل ہو گیا ہے۔ اور اسی کے ساتھ حضرت ثنائی کا یہ شعر پڑھتے،

مسلمانان مسلمانان مسلمانی مسلمانی   ازین آئین بے دینا پشیمانی پشیمانی[2]

شاہی دربار سے تعلقات | معاصر تاریخوں میں تو نہیں لیکن بعض تذکروں میں ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت چراغ دہلی کو ایذا پہنچانے کی کوشش کی، سیر العارفین میں ہے[3]:

ایک روز سلطان محمد تغلق نے ابتدائے زمانہ سلطنت میں حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو اپنے گھر بلا کر اپنی داہنی جانب بٹھلایا، اور التماس کیا میں خراسان کی طرف جانے والا ہوں، مجھے منظور ہے کہ تم بھی میرے ہمراہ چلو، یہ سن کر شیخ نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ تب بادشاہ

۱؎ خیر المجالس مجلس دوازدہم ۔ ۲؎ اخبار الاخیار ص ۸۰ ۳؎ یہ عبارت سیر العارفین کے ترجمہ کی نقل ہے، جلد ۲

نے کہا یہ لفظ انشاء اللہ تعالیٰ کا واسطے تبعید کے واقع ہوا ہے، شیخ نے فرمایا، ہرگز یہ کلمہ کہنے
کسی کام میں تبعید واقع نہیں ہوتی، بلکہ یہ لفظ واسطے تاکید کے ہے، اس درمیان میں سلطان
نے طعام طلب فرمایا، اور یہ قصد کیا کہ اگر شیخ کھاویں تو ان کو ایذا پہنچاؤں جب دسترخوان
بچھایا گیا، حضرت شیخ نے بکراہت تمام کھانا شروع کیا، اس کے بعد سلطان نے کہا یا شیخ
مجھے کوئی نصیحت ایسی کیجیے جس پر میں عمل کروں شیخ نے فرمایا کہ یہ زندوں کا سا غصہ جو
تمھاری عادت اور طبیعت میں داخل ہے، اس کو چھوڑ دو، بعد اس کے سلطان نے ایک
بدرہ زر سفید کا اور دو قطعہ صوف سبز اور سیاہ کے شیخ کے پیش نظر کیے، مقصود اس کا یہ
تھا کہ شیخ یہ عطیہ خود اٹھاویں لیکن شیخ بالکل متوجہ نہ ہوئے، اسی اثنا میں خواجہ نظام الدین
دبیر مقرب خاص سلطانی جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کا مرید تھا، اس نے
حضرت شیخ کے آگے سے وہ صوف اور زر نقد اٹھا لیا، اور کفش شیخ درست کر کے سامنے
رکھ دیں حضرت شیخ سلطان کی مجلس سے باہر آئے، مقرب سلطانی نے وہ صوف اور
زر نقد خادم کے سپرد کیا، اور پیشانی اپنی شیخ کے خاک پا پر مل کر رخصت حاصل کی، بادشاہ
مقرب نظام الدین پر از حد غیظ و غضب میں ہوا، یہاں تک نوبت پہنچی کہ تلوار پر ہاتھ
لے گیا، اور لال ہو کر کہا، اے بیباک تیری کیا مجال اور قدرت تھی جو تو نے بدرہ اور صوف
شیخ کے سامنے اٹھا کر ان کی کفشیں میرے سامنے لا کر درست کر کے رکھ دیں، خواجہ
نظام الدین مذکور مرد ذی قدر تھا، اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کا منظور نظر
تھا، اور شعر گوئی میں حضرت خواجہ امیر خسرو علیہ الرحمۃ کا شاگرد تھا، فی الفور بادشاہ کو
جواب دیا کہ اگر میں اس صوف اور زر نقد کو نہ اٹھاتا تو وہ آپ کے ڈر سے بھی میں پڑا رہتا،
اور شیخ ہرگز اپنا ہاتھ اس پر نہ بڑھاتے، اور کفشوں کا درست کر کے رکھنا یہ میرا عین فخر تھا،

واللہ اگر اس وقت سلطان عالم مجھ کو قتل بھی فرما دین گے تو مین نہایت خوشنود

اور راضی ہون گا، اس واسطے کہ آپ کی ننگ صحبت سے مجھکو قیامت تک کے واسطے خلاصی

ہو جائے گی، یہ سب کچھ کہہ گیا اور شیخ کی برکت سے بادشاہ اس کا کچھ نہ کر سکا۔"

حضرت خواجہ نصیر الدین کی طبیعت بڑی نرم اور میٹھی تھی، اس لیے سلطان کو ان کا جواب

جو اوپر نقل کیا گیا ہے، ان کی طبیعت اور فطرت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، یہ روایت اس لیے

بھی مشکوک معلوم ہوتی ہے کہ یہ تمام باتین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ایک دوسرے

خلیفہ حضرت مولانا فخر الدین زرادی کے حالات مین بھی بیان کی جاتی ہین۔ اخبار الاخیار مین ہے،

جب محمد تغلق نے دہلی کے لوگون کو دیوگیر بھیجا تو ان ہی دنون یہ چاہا کہ ملک ترکستان

اور خراسان کو تسخیر کر کے وہان سے چنگیز خانیون کو نکال دے، شہر کے صدور اکابر

کو حکم دیا کہ جمع ہون، اور ایک بڑا خیمہ نصب کر کے اس کے نیچے اپنے بیٹھنے کے لیے

ایک منبر رکھا، تاکہ اس منبر پر لوگون کو جہاد کی ترغیب دے، اسی دن مولانا فخر الدین

زرادی، شیخ شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیر الدین محمود کو بھی بلایا، خواجہ قطب الدین دبیر

جو شیخ نظام الدین اولیاء کے مریدون مین اور مولانا فخر الدین زرادی کے شاگرد تھے،

مولانا کو سب سے آگے سلطان کے دربار مین لے گئے، مولانا بارہا فرماتے تھے، مین اپنے

سر کو اس مرد کے سامنے پڑا ہوا دیکھتا ہون، مین اس کی موافقت کرنی نہین چاہتا،

جب سلطان سے مولانا کی ملاقات ہوئی، تو خواجہ قطب الدین دبیر نے مولانا کی جوتیان

اٹھا کر بغل مین لے لین، اور کھڑے ہو گئے، سلطان نے یہ دیکھ کر کچھ نہ کہا، اور مولانا فخر الدین

زرادی سے باتون مین مشغول ہوا، اس نے کہا مین یہ چاہتا ہون کہ چنگیز خانیون کو

نکال دون، آپ اس کام مین میرا ساتھ دین گے، مولانا نے فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ سلطان

نے کہا یہ تو کلمۂ شک ہے، مولانا نے کہا آنے والی بات کے لیے یہی کہا جاتا ہے، سلطان نے
پیچ و تاب کھایا، اور کہا آپ مجھکو نصیحت کیجیے تاکہ میں اس پر عمل کروں، مولانا نے فرمایا،
اپنا غیظ و غضب روکو، سلطان نے کہا کونسا غیظ و غضب، مولانا نے کہا وحشیانہ، سلطان
کو بڑا غصہ آیا، لیکن اس نے حکم دیا کہ کھانا لاؤ، جب کھانا لایا گیا تو مولانا نے کراہت کے ساتھ
تھوڑا سا کھانا کھایا، جب کھانا ختم ہو چکا تو ان بزرگوں کو جو وہاں موجود تھے، ایک ایک
جامۂ صوف اور ایک ایک بدرۂ سیم پیش کیا گیا، شیخ نصیر الدین محمود اور مولانا شمس الدین
یحییٰ اور دوسرے بزرگ جیسا کہ مشہور ہے، ان چیزوں کو ہاتھوں میں لے کر باہر نکلے لیکن
مولانا فخر الدین کے جامہ و بدرۂ سیم کو خواجہ قطب الدین دبیر نے خود لے لیا، وہ جانتے تھے
کہ مولانا نہیں لیں گے، اور ان کی ہتک ہوگی، جب یہ تمام بزرگ واپس گئے، تو سلطان
محمد نے خواجہ قطب الدین دبیر سے کہا اے فریبی، بدبخت! تو نے یہ کیا حرکت کی کہ فخر الدین
زرادی کو میری تلوار سے خلاصی دلا دی، خواجہ قطب الدین نے کہا وہ میرے استاد ہیں،
اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں، مجھ پر لازم تھا کہ میں ان کا ادب کرتا، سلطان نے کہا، ایسے
کفر آمیز عقیدہ دن کو چھوڑ دو، ورنہ تجھ کو مار ڈالوں گا، خواجہ قطب الدین نے کہا یہ قسمت ہے
کہ میں اپنے مخدوم کی خاطر مارا جاؤں" (ص ۸۶-۸۵)

اسی اخبار الاخیار میں سلطان محمد تغلق اور حضرت خواجہ نصیر الدین کے ناخوشگوار تعلقات کا
جو ذکر ہے، وہ سیر العارفین کے بیانات سے مختلف ہے، ملاحظہ ہو:-

"بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمد تغلق حضرت شیخ نصیر الدین محمود کو ان کے کمالات کے
باوجود ایذائیں دیتا، اور اپنے ساتھ سفر میں لے جاتا، کہتے ہیں کہ سلطان نے ان کا اپنا جامہ دار
مقرر کیا تھا، وہ ان تمام باتوں کو اپنے پیر کی وصیت کے مطابق برداشت کرتے، اور دوسم

گذارتے تھے۔ ایک دفعہ سلطان محمد تغلق نے شیخ نصیر الدین محمود کے لیے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا بھیجا، مقصد صرف تکلیف پہنچانا تھا، کہ اگر وہ کھانا نہ کھائیں گے تو ان سے پوچھا جائے گا کہ کیوں نہیں کھایا، اور اگر کھا لیا تو سوال کیا جائے گا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھا کر خلاف شرع کام کیوں کیا۔ جب کھانا شیخ کے سامنے پیش کیا گیا تو کچھ نہ بولے لیکن سونے کے پیالے سے کچھ یخنی نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھی، اور پھر اس کو چکھا، دشمن ناکام واپس ہوئے" (ص ۷۵)

تاریخ فرشتہ میں تو بعض ایسی عجیب وغریب باتیں ہیں، جو اور تذکروں میں نہیں ملتیں، چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"بادشاہ محمد تغلق شاہ اپنے قتل وخون کی وجہ سے خونی کہلاتا تھا، اس کو درویشوں سے بھی سوءظن تھا، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ تمام درویش خدمت گاروں کی طرح اس کی خدمت کریں، ایک اس کو پان کھلائیں، ایک اس کی دستار باندھیں، اسی طرح بہت سے مشائخ کو مختلف کاموں کے لیے مقرر کیا، شیخ نصیر الدین اودھی المشہور بہ چراغ دہلی کو کپڑا پہنانے پر مامور کیا، لیکن انھوں نے اس خدمت کو انجام دینے سے انکار کیا، سلطان کو غصہ آیا، اور ان کو قید کر دیا، شیخ کو اپنے پیر شیخ نظام الدین اولیاء کی بات یاد آئی، اور وہ مجبوراً سلطان کی خدمت کرنے پر راضی ہو گئے، قید سے ان کو نجات ملی، اسی مدت میں سلطان کو طرح طرح کے جھگڑے پیش آئے، اور اس کی موت جلد ہو گئی، جس سے خدا کے بندوں کو نجات ہوئی" (تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۹)

حضرت چراغ دہلی کے پیر بھائی خواجہ سید مبارک امیر خورد اپنی تصنیف سیر الاولیاء میں حضرت چراغ دہلی اور سلطان کے تعلقات کا ذکر اس مختصر طریقہ پر کرتے ہیں:۔

"سلطان محمد تغلق نے جس نے مملکت ہندوستان کے طول و عرض کو اپنے قبضہ میں لیا تھا، شیخ نصیر الدین محمود رحمہ اللہ کو جن کو تمام عالم بالاتفاق شیخ عصر تسلیم کرتا تھا، اور جن کے بہت سے لوگ مرید تھے، ایذائیں پہنچائیں لیکن شیخ نصیر الدین محمود نے اپنے پیروں کے اتباع میں تمام باتوں کو برداشت کیا، اور بدلہ لینے کی کوشش نہیں کی، بادشاہ اپنی عمر کے آخری زمانہ میں ٹھٹھ کی مہم پر گیا، جو شہر دہلی سے ہزار کروہ پر واقع تھا، وہاں پہنچ کر شیخ نصیر الدین محمود کو علماء اور بزرگان دین کے ساتھ طلب کیا، اور بجا طور پر ان کا احترام نہیں کیا، ان لوگوں نے تحمل سے کام لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو تخت سلطنت سے اتار کر تختہ تابوت پر شہر لائے، شیخ نصیر الدین محمود رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ آپ کو اس بادشاہ نے ایذا کیوں پہنچائی، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ معاملہ میرے اور حق جل و علیٰ کے درمیان تھا، اس کو اسی طرح میں نے برداشت کیا (ص ۲۴۵-۲۴۶)

تعجب ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت شیخ نصیر الدین کو ایذائیں دیں، کیونکہ اس کو خود سلسلۂ چشتیہ میں حضرت شیخ علاء الدین نبیرۂ حضرت شیخ فرید الدینؒ سے ارادت تھی، اس کے علاوہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا بھی معتقد رہا، ایک روایت کے مطابق ان کے جنازہ کو کاندھا بھی دیا، ان کے روضۂ مبارک کی عمارت اسی نے بنوائی (سیر الاولیاء ص ۱۵۱)، ایسی حالت میں ان کے جانشین کو ایذا دینا موجب حیرت ہے، اس کو اولیاء اللہ سے عقیدت بھی تھی، چنانچہ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری کے لیے زبردستی خانقاہ بنوائی، اور ان کو جاگیر دی، اسی طرح حضرت شیخ رکن الدین کی وفات کے بعد ان کے مزار کے پاس ایک خانقاہ تعمیر کی، اور اس کے لیے کچھ گاؤں وقف کیے[1]

---

[1] الدر المنظوم ملفوظات حضرت جہانیاں جہاں گشت اردو ترجمہ ص ۵۲۵،

اوپر کے اقتباسات سے بھی ظاہر ہوگا کہ دربار میں بزرگان دین آتے تو ان کو خلعت اور نذرانے بھی دیتا۔ حضرت برہان الدین غریب سے اس کی خوش عقیدگی کا ذکر گزر چکا ہے۔ اسی طرح اس نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے ایک دوسرے خلیفہ شیخ قطب الدین منور سے بھی اپنی عقیدت کا اظہار کیا، ان کے پاس چند گاؤں کا فرمان قاضی کمال الدین صدر جہاں کی معرفت بھیجا، لیکن انھوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا میرے خواجگان ایسی چیزوں کو قبول نہیں کرتے تھے، ان گاؤں کے جو طالب ہوں ان ہی کو دو۔ سلطان محمد تغلق ایک موقع پر ہانسی گیا، یہاں حضرت قطب الدین کی خانقاہ تھی لیکن سلطان ان سے مل نہ سکا تو ان کو دہلی آنے کی دعوت دی، چنانچہ وہ بادل ناخواستہ دہلی تشریف لے گئے، اور جب دربار میں پہنچے، تو اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے:-

"چوں سلطان ...... شیخ را دید طاقت نیاورد، بہ تعظیم تمام پیش آمد و مصافحہ کرد،

سلطان پر شیخ کا ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ ان کا بیحد معتقد ہو گیا، اور عرض کیا کہ میں جب آپ کے شہر میں حاضر ہوا تو آپ نے کچھ تربیت نہیں فرمائی، اور نہ ملاقات کا شرف بخشا، شیخ نے فرمایا، پہلے ہانسی کو دیکھو، پھر درویش بچہ ہانسی کو، یہ درویش اپنے کو اس لائق نہیں سمجھتا ہے کہ بادشاہوں سے ملاقات کرے، ایک گوشہ میں بیٹھا بادشاہوں اور تمام اہل اسلام کے لیے دعائیں کرتا رہتا ہے، اس کو معذور رکھنا چاہیے، سلطان اس بات سے متاثر ہوا، اور شہزادہ فیروز سے جو اس وقت موجود تھا، کہا:

"آنچناں کہ مقصود شیخ است ہمچناں کنید"

شیخ نے فرمایا مقصود فقر اور باپ دادا کا گوشہ ہے، جب شیخ سلطان کے یہاں سے واپس تشریف لے گئے، تو اس نے شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکہ

دیکر ان کے پاس بھیجا، شیخ نے اتنی بڑی رقم دیکھکر فرمایا، یہ درویش ایک لاکھ ٹنکہ لیکر کیا کرے گا'
شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی سلطان کے پاس واپس گئے، سلطان نے پچاس
ہزار ٹنکے دیکر پھر دونوں کو بھیجا، شیخ نے ان کو بھی قبول نہیں کیا، بالآخر دو ہزار ٹنکے بھیجے
گئے لیکن ان کو بھی قبول نہیں کیا، اور فرمایا درویش کے لیے دو سیر کھچڑی اور ایک سیر روغن
کافی ہے لیکن جب شہزادہ فیروز اور مولانا ضیاء الدین برنی نے بہت اصرار کیا تو دو ہزار
کی رقم لے لی، کچھ تو مرشد کے مزار کے لیے محفوظ رکھی، اور بقیہ فقراء میں تقسیم کردی،

مذکورۂ بالا واقعات کا ذکر کرتے ہوئے تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ سلطان نے یہ تمام باتیں
حضرت شیخ قطب الدین منور کو ایذا دینے کے لیے کیں،[1] جو بظاہر قرین قیاس نہیں ہے، عام طور
سے تذکرہ نگار جب بوریا نشینوں اور تخت نشینوں کے تعلقات کا ذکر کرتے ہیں، تو کچھ نہ کچھ ایسی
باتیں ضرور قلمبند کر دیتے ہیں، جن سے ان کے خیال میں درویشی کی شان عظمت و جلالت بڑھ
جاتی ہے، اس لیے کیا عجب ہے کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود اور سلطان محمد تغلق کے تعلقات کے
دکھانے میں بھی یہی صورت اختیار کی ہو، اس قسم کے واقعات مغلیہ دور کی تصانیف میں زیادہ
پائے جاتے ہیں، جن کے مصنفین کو تیموریوں سے پہلے کے سلاطین کو کسی نہ کسی حیثیت سے
مجروح کرنے میں لطف حاصل ہوتا تھا،

شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان محمد تغلق
نے حضرت نصیر الدین کو ایذا دینے کے لیے ٹھٹھ نہیں بلایا تھا، بلکہ وہاں اپنے ساتھ لے گیا تھا،

"چون سلطان محمد دنبال طغی در ٹھٹھ رفت خدمت شیخ نصیر الدین را برابر خود ببرد"[2]

آگے چل کر مقدمۂ دوازدہم میں ہے،

---

[1] اخبار الاخیار ص ۸۰ - ۸۱ [2] تاریخ فیروز شاہی ص ۹۶،

خدمت شیخ نصیر الدین محمود علیہ الرحمۃ والغفران را سلطان محمد در ٹھٹھ با خود بردہ بود و اندران ایام کہ سلطان محمد در زمین ٹھٹھ بحضرت الٰہی پیوستند و حضرت فیروز شاہ بعون اللہ بپادشاہی نشست خدمت شیخ نصیر الدین محمود را بہ سلطان فیروز گشتہ[5]

حضرت چراغ دہلی اور سلطان فیروز شاہ

مولانا ضیاء الدین برنی کی تاریخ فیروز شاہی (ص ۵۳۳) سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت شیخ نصیر الدین محمود ان علماء و مشائخ و اکابر کے ساتھ شریک تھے جنھوں نے ٹھٹھہ میں بالاتفاق فیروز شاہ کو سلطان محمد کا جانشین بنایا لیکن شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی کے بیانات نسبتہً زیادہ واضح ہیں، فیروز شاہ کی تخت نشینی کے سلسلہ میں ہے:

جب سلطان محمد تغلق طغی کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے ٹھٹھہ گیا، تو وہ حضرت شیخ نصیر الدین کو اپنے ساتھ لے گیا، سلطان محمد نے ٹھٹھہ میں وفات پائی، اور سلطان فیروز شاہ بادشاہ ہوا، حضرت شیخ نصیر الدین نے سلطان فیروز شاہ کو پیغام دیا کہ آپ وعدہ کریں کہ خلق کے ساتھ عدل و انصاف کریں گے، ورنہ ان نیک بندوں کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دوسرا فرمانروا طلب کیا جائے، سلطان فیروز نے جواب کہلا بھیجا کہ میں خداوند تعالیٰ کے بندوں سے حلم و بردباری کے ساتھ پیش آؤں گا، اور ان پر انصاف و محبت سے حکومت کروں گا، حضرت شیخ نے یہ جواب سنا تو کہا، کہ اگر آپ خلق کے ساتھ خلق و مروت سے پیش آئیں گے تو ہم بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے آپ کے لیے چالیس سال کی حکومت کے لیے دعا کریں گے، اور آخر کار وہی ہوا، جو حضرت شیخ نے فرمایا تھا، سلطان فیروز نے چالیس سال تک حکومت کی، ایک روایت یہ بھی ہے کہ شیخ نصیر الدین محمود نے

[5] تاریخ فیروز شاہی ص ۱۰۶،

سلطان فیروز شاہ کو انتالیس خرمے بھیجے، جو بشارت پر بشارت خیال کی گئی، (ص ۴۹)

حضرت چراغ دہلی اور خانجہان

سلطان فیروز شاہ کا لائق وزیر خانجہان حضرت چراغ دہلی کا مرید تھا، یہ نسباً تلنگی ہندو تھا، سلطان محمد تغلق کے پاس حاضر ہو کر ایمان لایا، اور اپنی غیر معمولی استعداد اور صلاحیت کی بنا پر ترقی کر کے محمد تغلق ہی کے زمانہ میں وزارت کے عہدہ پر مامور ہوا، فیروز شاہ کے عہد میں بھی وزارت کی باگ اسی کے ہاتھ میں رہی، جب وہ حضرت چراغ دہلی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا تو مرشد سے اپنے لیے عبادت و ریاضت کی تفصیل پوچھی، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا تم وزیر مملکت ہو، تمھاری عبادت یہی ہے کہ حاجتمندوں کی حاجت برآری میں انتہائی کوشش کرو، خانجہان نے اوراد و وظائف کے لیے اصرار کیا تو فرمایا اگر تم ہمیشہ باوضو رہو تو تمھارے لیے یہی بہتر ہے، چنانچہ خانجہان مرشد کی ہدایت کے مطابق ہمیشہ باوضو رہنے لگا، شمس سراج عفیف مصنف تاریخ فیروز شاہی کا بیان ہے کہ اس امر میں خانجہان اتنی احتیاط کرتا تھا کہ اگر دربار میں مسند وزارت پر اس کو وضو کی حاجت ہو جاتی تو فوراً اٹھ کر وضو کر لیتا، اور رات کو جب اپنے بستر حریر پر سونے کے لیے جاتا تو پلنگ کے پاس ایک آفتابہ اور ایک طشت رکھوا لیتا، اور جب آنکھ کھلتی فوراً پلنگ سے اتر کر وضو کر لیتا، وفات کے بعد حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے قریب دفن ہوا، تمام خلقت خدا نے اس کے لیے ماتم کیا، اور جیسا کہ شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ ہر شخص تعزیت میں مسجدوں اور مقبروں میں جا بیٹھا، یہ کہنا غالباً صحیح ہوگا کہ خانجہان کی خدا ترسی اور عدل پروری کی جلا حضرت چراغ دہلی ہی کی صحبت میں ہوئی، اس کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے شمس سراج عفیف رقمطراز ہے،

"خانجہان وزیر صاحب تدبیر اور خدا ترس تھا، ہر وقت رعایا کی بہتری و فلاح کی کوشش میں لگا رہتا، کسی شخص پر ذرہ برابر بھی ظلم روا نہ رکھتا، اگر کوئی مقطع ظلم کرتا

اور مال لے کر آتا، تو خانجہان مال کے اس اضافہ کو پسند نہ کرتا، ہر وقت رعیت کی راحت رسانی میں سرگرم رہتا، کام کرنے والے گروہ کی حمایت کرتا، اور دل وجان سے اس کے قصور کی پردہ پوشی کرتا، اور اگر کسی والی سے کوئی جرم سرزد ہو جاتا تو نہایت عمدہ طریقہ پر اس کا حال بادشاہ سے عرض کر کے اس کو شاہی بازپرس سے بری کرا دیتا، خانجہان کی وفات پر تمام خلقتِ خدا نے ماتم کیا حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام آثار اس کی مغفرت کی دلیل ہیں،[۵]

حضرت چراغ دہلی اور حضرت قطب الدین منور کی ملاقات

جب حضرت چراغ دہلی سلطان فیروز کے ساتھ ٹھٹھ سے واپس ہو رہے تھے تو انھوں نے حضرت قطب الدین منور کی ملاقات کے لیے ہانسی کا رخ کیا، حضرت قطب الدین منور کو جب معلوم ہوا کہ حضرت چراغ ان کی خانقاہ کے قریب پہنچ گئے ہیں، تو پا برہنہ باہر دوڑے، اور دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے، حضرت منور نے حضرت چراغ کے قدموں کی جانب ہاتھ بڑھایا، اور حضرت چراغ نے شیخ منور کے قدم لینے کا ارادہ کیا، اس تواضع کے بعد دونوں بڑی محبت و یگانگت کے ساتھ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے خانقاہ تشریف لے گئے، اور اپنے پیر و مرشد کو یاد کر کے بہت روئے، اس کے بعد محفل سماع منعقد ہوئی جس میں دونوں بزرگوں پر سکر کا عالم طاری ہوا، سماع کے بعد عصر کی نماز کا وقت آیا، تو حضرت شیخ منور نے حضرت چراغ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ آپ امامت کریں حضرت چراغ نے حضرت منور کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا، امامت آپ کے لیے زیبا ہے، یہ بھی فرمایا کہ اگرچہ پیر و مرشد نے ہم دونوں مہجوروں کو ایک ہی روز خرقۂ خلافت عطا کیا تھا، لیکن آپ کو بیاشت کے وقت خلافت ملی اور

[۵] تاریخ فیروز شاہی شمس سراج عفیف ص ۳۹۷-۴۰۰

مجھ کو ظہر کی نماز کے وقت اس سے مشرف فرمایا، اس لیے امامت کے لیے بھی آپ ہی کا حق مقدم ہے، مرشد کے ذکر پر حضرت شیخ منور امامت کے لیے آگے بڑھے، شمس سراج عفیف کا بیان ہے کہ جب دونوں عارفان حق نماز ادا کر رہے تھے، تو معلوم ہوتا تھا کہ فرش زمین پر قران السعدین ہے[1]،

دونوں بندگان دین میں شروع سے آخر تک غیر معمولی محبت رہی، حضرت شیخ منور کے یہاں جب حضرت چراغ دہلی کا کوئی مرید آتا، تو فرماتے آؤ میرے قریب بیٹھو تم میرے برادر زادہ ہو، پھر اس پر بے حد کرم فرماتے، اسی طرح اگر کوئی شخص ہانسی سے حضرت چراغ کی قدمبوسی کیلئے آتا تو آپ اس کو اپنی آغوش شفقت میں لیتے، اور اپنی خانقاہ میں اعزاز و اکرام کے ساتھ مہمان رکھتے[2]،

ذوق سماع خواجگان چشت کی طرح حضرت چراغ بھی سماع کا ذوق رکھتے تھے، ایک مرتبہ خانقاہ کی ایک مجلس میں حسب ذیل شعر پر وجد آیا،

جفا بر عاشقان گفتی نخواہم کرد ہم کردی … قلم بر بیدلان گفتی نخواہم راند ہم راندی

مولانا غیث شاعر نے ایک رسالہ میں اس محفل کا پورا حال بیان کرکے یہ اعتراض کیا کہ اس شعر میں کوئی بات نہیں ہے، اگر جور و جفا کی نسبت خداوند تعالیٰ کی جانب کی جائے، تو یہ کفر ہے، اس قسم کے اور اعتراضات بھی تھے، مولانا مغیث نے یہ رسالہ مولانا معین الدین عمرانی کو دیا، انھوں نے حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے اس کو پڑھا، لیکن کچھ ارشاد نہیں فرمایا، اور رسالہ واپس کر دیا، کچھ دنوں کے بعد ایک مجلس میں حضرت چراغ کو ان شعروں پر بڑی بے قراری ہوئی،

ما طبل مغانہ دوش بے باک زدیم … عالی علمش بر سر افلاک زدیم

---

[1] تاریخ فیروز شاہی، ص ۸۷-۸۱ [2] ایضاً ص ۸۳

از بہر یکے مرغ بچہ می خوارہ   صد بار کلاہ تو بعید خاک ندیم

اور اسی بے قراری کے عالم میں چھت پر تشریف لے گئے، اور مولانا معنیث کو بلایا جب وہ سامنے آئے تو فرمایا:

"ہاں مولانا بنویس این جا چہ حمل بود"[1]

جب کبھی سماع کی وجہ سے سکر کا عالم طاری ہوتا تو بھی نماز قضا نہ ہونے پاتی، ایک بار ظہر کے وقت وجد آیا جو تہجد کی نماز تک قائم رہا، لیکن اس اثنا میں جب نماز کا وقت آتا، تو ہر بار وضو کر کے نماز ادا فرماتے،[2]

سماع کے ساتھ مزامیر پسند نہیں فرماتے تھے، ایک روز حضرت محبوب الٰہی کے مریدوں نے مجلس سماع منعقد کی، قوالوں نے دف کے ساتھ گانا شروع کیا، تو حضرت چراغ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، لوگوں کے بیٹھنے کی درخواست کی تو فرمایا یہ خلاف سنت ہے حضرت محبوب الٰہی کو یہ واقعہ سنایا گیا، تو آپ نے فرمایا، وہ سچ کہتے ہیں، اور حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں،[3]

ایک بار کسی نے مجلس سماع میں حضرت شیخ چراغ دہلی سے مزامیر دف، رباب اور رقص سے متعلق استفسار کیا، تو فرمایا مزامیر بالاجماع مباح نہیں ہیں، اگر کوئی طریقت سے گرے، تو کم از کم شریعت میں رہے، اور اگر شریعت کا بھی نہ ہوگا، تو پھر کہاں کا رہے گا، اور نجات کی کیا صورت ہوگی، اول تو سماع ہی میں علما کا اختلاف ہے، اگرچہ کچھ شرائط کے ساتھ اس کو مباح کہا گیا ہے، لیکن مزامیر تو بالاتفاق حرام ہیں،[4]

سماع کے متعلق فرمایا:

---

[1] جوامع الکلم ملفوظات حضرت گیسو دراز و اخبار الاخیار ص ۸۰ [2] مفتاح العاشقین ص ۳۵ [3] اخبار الاخیار ص ۷۶

[4] خیر المجالس مجلس ہشتم و اخبار الاخیار ص ۷۶

"داروے درد مندان است"

اور سماع میں ذوق دردِ دل سے ہوتا ہے، نہ کہ مزامیر سے[1]

قاتلانہ حملہ | ایک روز حضرت چراغ دہلی نماز ظہر کے بعد جماعت خانہ سے آکر اپنے حجرۂ خاص میں مراقبہ میں مشغول تھے، کہ ایک قلندر مستی تراب وہاں پہنچا، اور چھری سے پے در پے حملے کیے، خون حجرے کے باہر بہنے لگا، لیکن حضرت کے استغراق میں فرق نہیں آیا، خون دیکھ کر مریدین حجرے میں گئے، اور قلندر کو سزا دینی چاہی لیکن حضرت چراغ نے روکا، اور اپنے مریدین خاص عبد المقتدر، شیخ صدر الدین طبیب اور شیخ زین الدین علی کو پاس بلا کر قسم دی، کہ کوئی شخص قلندر کو ایذا نہ پہنچائے، پھر قلندر سے معذرت کی کہ اگر چھریاں مارتے وقت تمھارے ہاتھ کو تکلیف پہنچی ہو تو معاف کرنا، اور بیس تنکہ زر دے کر اس کو رخصت کیا[2]، ان ہی اوصاف کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ چشتیہ سلسلہ میں صبر، رضا و تسلیم کا خاتمہ ان پر ہو گیا،

وصال | اس قاتلانہ حملہ کے بعد تین سال تک اور خلق اللہ کے رشد و ہدایت میں مشغول رہے ۱۸ رمضان المبارک شب جمعہ ۷۵۷ھ میں رحلت فرمائی،

وفات سے پہلے مولانا زین الدین علی نے عرض کیا، کہ آپ کے اکثر مرید اہل کمال ہیں، کسی کو سجادہ نشین مقرر فرما دیں، تاکہ سلسلہ جاری رہے، فرمایا ان درویشوں کے نام لکھ کر لاؤ، جن کو تم اس لائق سمجھتے ہو، مولانا زین الدین نے تین قسم کے درویشوں کا انتخاب کیا، اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ، حضرت خواجہ نے ان کے نام دیکھ کر فرمایا، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے دین کا غم کھائیں گے لیکن دوسروں کا بار نہ اٹھا سکیں گے، اس کے بعد وصیت فرمائی کہ دفن کرتے وقت حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کا خرقۂ مبارک میرے سینہ پر، ان کا عصا میرے پہلو میں، ان کی

---

[1] پوری مجلس کے لیے دیکھو مفتاح العاشقین مجلس ہشتم، [2] سیر العارفین ج ۲ ص ۱۴۴،

تسبیح میری شہادت کی انگلی میں، ان کا کاسہ خشت کے بجائے میرے سر کے نیچے اور ان کی چوبین نعلین میرے بغل میں رکھ دی جائیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز نے غسل دیا، اور جس پلنگ پر غسل دیا گیا اس کی ڈوریان پلنگ سے جدا کر کے اپنی گردن میں ڈالیں کہ میرے لیے یہی خرقہ ہے، اور یہی کافی ہے[1]، مزار اقدس دہلی میں ہے،

لطافت طبع | طبیعت میں بہت پاکیزگی اور مزاج میں بڑی نظافت تھی، حضرت سید گیسو دراز اپنے ملفوظات جوامع الکلم (ص ۱۱۲) میں فرماتے ہیں کہ جس جگہ آپ بیٹھتے وہ بہت ہی پاک صاف اور روشن ہوتی، وہاں ایک تنکہ بھی دکھائی نہیں دیتا، کسی وقت یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جسم مبارک پر جو کپڑا ہے، وہ کل زیب تن فرمایا ہے، یا آج پہنا ہے، دامن اور آستینوں کی شکن سے کچھ اندازہ ہوتا کہ دو دن کا پہنا ہوا ہے، دائیں بائیں پھولوں کا انبار لگا رہتا تھا،

تجرد | مرشد کی سنت کی پیروی میں تمام عمر ازدواجی تعلق سے آزاد رہے،

بزرگی | خیر المجالس کے مرتب مولانا حمید قلندر رقمطراز ہیں کہ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود علم میں ابو حنیفۂ وقت اور زہد و ورع میں حضرت شیخ نظام الدین کی جگہ پر تھے[2]، مفتاح العاشقین کے مرتب مولانا محب اللہ حضرت خواجہ کو عمدۃ الابرار، قدوۃ الاخیار، ملک السالکین، برہان العاشقین اور ختم المشائخ کے القاب سے یاد کیا ہے[3]،

لطائف اشرفی میں ہے :- (حصہ ۲، ص ۲۳۲)

"حضرت قدوۃ الکبری می فرمودند کہ ہر چند کہ خلفاء حضرت سلطان المشائخ ہمہ بر مسند شیخ شیخ شیخت ارشاد و ہدایۂ شریعت را تقیا دبودند، اما حضرت شیخ نصیر الدین محمود را حق تعالیٰ ولایتے کرامت کردہ بود کہ بدان رتبہ ہیچ کس از خلفا نتوانند رسید وآن مندار

[1] سیر العارفین ص ۹۰ [2] خیر المجالس مجلس دوم [3] مفتاح العاشقین، تمہید

آثار ولایت وکرامت وانوار ہدایت وعظامت کہ از حضرت شیخ نصیر الدین ظہور پیوست از ہیچکس ظاہر نشد، بلکہ در ہمہ ہندوستان ہیچ عقاۃ ولایتے مقاومت ایشان نتوانست"

سیر العارفین میں ہے کہ

"وہ مبارز زہد وجہاد اکبر، وہ شاہد شہود اطہر اظہر، وہ منسوبہ ریاض ریاضت، وہ نیلوفر فیوض افادت، وہ مثال تنزیہ وتشبیہ، وہ عامل تنقیح وتوضیح، وہ برگزیدہ معبود تھے۔۔۔

وہ مشائخ کبار میں ممتاز ومنتخب مجردان روزگار میں اولی الابصار تھے"[1]

مولانا عبد الحق نے اخبار الاخیار میں حضرت خواجہ کو مستغرق بحر شہود کے لقب سے یاد کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اپنے شیخ کا بہت اتباع کرتے تھے، ان کا طریقہ فقر، صبر، رضا اور تسلیم تھا[2]

سفینۃ الاولیاء (ص ۱۰۱) میں ہے کہ حضرت خواجہ سے اتنی کرامتیں صادر ہوئیں کہ سلطان المشائخ کے کسی مرید سے اتنی ظاہر نہ ہوئی ہوں گی، خزینۃ الاصفیاء میں ہے:

"صاحب الاسرار نبہ نقا الابرار وعاید ظلمیم وزاہد کریم بود" (ص ۳۵۳)

ملفوظات حضرت چراغ کے ملفوظات کے دو مجموعے مشہور ہوئے (۱) خیر المجالس مرتبہ مولانا حمید قلندر شاعر (۲) مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ۔ ان دونوں میں خیر المجالس زیادہ مقبول ہوئی، اس میں ۶۵۵ھ سے ۷۵۶ھ تک کی سو مجلسوں کے ملفوظات ہیں، تمام صوفیانہ رموز ونکات لذیذ حکایتوں کے پیرایہ میں واضح کیے گئے ہیں، اس لیے پوری کتاب شروع سے آخر تک دلچسپ ہے، گزشتہ صفحات میں اس کی تعلیمات کا ذکر جستہ جستہ آچکا ہے، جگہ کی قلت کی وجہ سے ہم اس کے اور مسائل کو تفصیل کے ساتھ قلم بند کرنے سے معذور ہیں، پھر بھی کچھ مباحث ہدیۂ ناظرین ہیں:

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۰۰۴ [2] اخبار الاخیار ص ۸۰

جذب وسلوک | فرمایا سلوک مین ارادت ضروری شرط ہے، تاکہ مرشد طریقۂ ذکر و فکر کی تعلیم دیتے رہیں اور جہان ایک سالک کو دقت عارض ہو، وہان مرشد دستگیری کرے، ایک سالک متدارک بجذبہ اور ایک مجذوب متدارک بہ سلوک ہوتا ہے، سالک متدارک بجذبہ وہ ہے، جو علم عمل اور ارادت کی قوت سے پہلے ایک پھر بعد مین جذبہ حاصل کرتا ہے، وہ اپنے اعمال مین خون جگر پیتا ہے، رنج و تعب اٹھاتا ہے، اس کو نفس اور شیطان معصیت مین آلودہ کرنا چاہتے ہین، لیکن وہ تائب ہو کر عابد و زاہد رہتا ہے اور مجذوب متدارک بہ سلوک وہ ہے، جو پہلے جذبہ اور آخر مین سلوک حاصل کرتا ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے، جذبہ کی قوت سے کرتا ہے، شیطان اور نفس دونون کو اس کے یہان دخل نہین، حضرت چراغ کی رائے ہے کہ سالک متدارک بجذبہ اور متدارک بہ سلوک دونون کی متابعت کی جا سکتی ہے لیکن لیکن مجذوب مطلق اور سالک نا متدارک جذبہ اتباع کے لائق نہین ہوتے، حضرت چراغ کے نزدیک سالک متدارک بجذبہ مجذوب متدارک بہ سلوک سے افضل تر ہے، سالک کی ایک قسم واقف بھی ہوتی ہے جو علم اور مجاہدہ کے زور سے سلوک حاصل کر لیتا ہے، لیکن کسی لغزش کی وجہ سے آگے نہین بڑھنے پاتا، ایسی حالت مین مرشد مدد کرتا ہے، ورنہ اس کو شیطان طمانچے مارتا رہتا ہے،[۱]

حال وقال | فرمایا ایک مبتدی تلاوت کلام پاک، نماز اور ذکر مین وقت صرف کرتا ہے، اور جب وہ اپنے اوقات کو عبادت و ریاضت سے معمور کر لیتا ہے، تو وہ صاحب وقت کہلاتا ہے، اس کے بعد ایک حال قائم ہوتا ہے جس مین انوار نازل ہوتے ہین، اس کا اثر دل پر پہنچتا ہے اور دل سے اعضا مین سرایت کرتا ہے، لیکن اس حال مین دوام نہین ہوتا،

[۱] خیر المجالس مجلس دہم و مجلس سی و نہم

اگر اس کو دوام حاصل ہو جاتا ہے، تو یہ مقام ہے، اور جب مقام کو دوام حاصل ہوتا ہے، تو تب ہی منتہی کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے، وہ صاحب انفاس کہلاتا ہے[1] اس کی ہر سانس پاکیزہ ہوتی ہے، اور وہ غیر حق کے تمام خیالات دل سے محو کر دیتا ہے،

صحت نفس | حضرت چراغ نے نفس کی تربیت پر بڑا زور دیا، فرمایا محافظت نفس کے لیے مخالفت نفس ضروری ہے، چنانچہ ایک موقع پر اپنی ساری تعلیم کا لب لباب اس شعر میں پیش کیا،

صحتِ نفس و قوتِ یک روزہ   بہتر از تاج و تختِ فیروزہ[2]

مفتاح العاشقین مرتبہ مولانا محب اللہ اٹھائیس صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے جو مطبع مجتبائی دہلی میں چھپ گیا ہے، اس کے مطبوعہ نسخہ کے آخر میں ہے :-

" تمام شد ملفوظ حضرت سلطان المشائخ شیخ نصیر الحق والشرع والدین قدس اللہ سرہ العزیز تاریخ سیزدہم ماہ صفر سنہ ۸۸۸ھ ہجری نبوی روز پنجشنبہ وقت نماز ظہر "

سنہ ۸۸۸ھ کتابت و یا خدمت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حضرت چراغ کا وصال ۷۵۷ھ میں ہوا،

مفتاح العاشقین میں حضرت کی دس مجلسوں کے ملفوظات ہیں، ان میں سے بھی کچھ باتیں پیش کی جاتی ہیں،

غسل کی قسمیں | فرمایا ایک مرید کے لیے تین قسموں کا غسل ضروری ہے (۱) غسل شریعت یعنی جسم سے ناپاکی کو دور کرنا، (۲) غسل طریقت، یعنی تجرد اختیار کرنا (۳) غسل حقیقت یعنی باطن کا توبہ کرنا (ص ۱۴)

چار عالم | فرمایا ایک مرید کو راہ سلوک میں حسب ذیل چار عالم سے واقف ہونا ضروری ہے،

---

[1] خیر المجالس مجلس دہم مجلس سی نہم،

اور اگر وہ واقف نہیں ہے تو وہ دروغ گو ہے،

(۱) ناسوت (۲) ملکوت (۳) جبروت (۴) لاہوت،

عالمِ ناسوت حیوانات اور نفس کی دنیا ہے، اس میں حواس خمسہ سے افعال صادر ہوتے ہیں، سالک اپنی ریاضت اور مجاہدہ سے اس عالم سے گذر کر عالم ملکوت میں پہنچتا ہے، جہاں اس کے افعال صرف تسبیح تہلیل، قیام، رکوع اور سجود تک محدود ہوتے ہیں، اس عالم کو طے کر کے وہ عالم جبروت میں آتا ہے، جہاں صرف شوق، ذوق، محبت، اشتیاق، طلب وجد، سکر، سہو، محو اور محو کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا، اس کے بعد وہ عالم لاہوت میں داخل ہوتا ہے جو بالکل لامکان ہے، یہاں نہ گفتگو ہے اور نہ جستجو، عالم ناسوت نفس کی صفت، عالم ملکوت دل کی صفت، عالم جبروت روح کی صفت اور عالم لاہوت "نظرِ رحمان" کی صفت ہے،

تجلیہ روح | ایک دوسری جگہ فرمایا کہ سالک جب تک تزکیہ، تصفیہ اور تجلیہ حاصل نہیں کرتا، اس میں درویشی کا جوہر پیدا نہیں ہوتا، ان ہی کے ذریعہ سے شریعت، طریقت اور حقیقت کے مراتب حاصل ہوتے ہیں، حصولِ شریعت سے تزکیہ نفس ہوتا ہے، اور اس کے لیے کم کھانا، اور رات کو نوافل پڑھنا ضروری ہے، حصول طریقت سے تصفیہ دل ہوتا ہے، اس کے لیے نماز پڑھنا، روزہ رکھنا اور ذکر جلی کرنا لازمی ہے حصول حقیقت سے تجلیۂ روح ہوتا ہے، اس کے لیے روزے رکھنا اور ذکر خفی کرنا ضروری ہے، تجلیۂ روح سے مراد دل کے سات گوہر کا روشن ہونا ہے، وہ سات گوہر یہ ہیں:

(۱) گوہر ذکر (۲) گوہر عشق (۳) گوہر محبت (۴) گوہر سر (۵) گوہر روح (۶) گوہر معرفت (۷) گوہر فقر،

گوہر ذکر کی روشنی سے سالک موجودات کی کل چیزوں میں منفرد ہو جاتا ہے جس کے بعد

گوہرِ عشق روشن ہوجاتا ہے، اس میں شوق واشتیاق، درد، اندوہ، حیرانی اور بیخودی رہتی ہے، اس کے بعد گوہرِ محبت میں روشنی پیدا ہوتی ہے، جس سے سالک کے دل میں خدا کے سوا کسی اور کی محبت نہیں رہتی ہے، اور وہ ہر حال میں راضی برضا ہوتا ہے، اسی اثنا میں وہ واردات اور مواہبِ الٰہی سے آگاہ و سرفراز کیا جاتا ہے جس سے گوہرِ سر روشن ہوتا ہے، اس کے بعد روح کا گوہر چمکتا ہے جب کہ سالک کا کوئی لمحہ خدا کی طاعت سے خالی نہیں رہتا، پھر گوہرِ معرفت اور آخر میں گوہرِ فقر روشن ہوتے ہیں، گوہرِ معرفت کے روشن ہونے پر سالک جو کچھ سنتا ہے، خدا سے سنتا ہے، جو کچھ کہتا ہے خدا سے کہتا ہے، جب کبھی چلتا ہے تو خدا کے لیے چلتا ہے، اور جب فقر کا گوہر روشن ہوتا ہے، تو سالک دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے مستغنی ہوجاتا ہے،

اور جب سالک ان مراتب کو پہنچتا ہے تو انوارِ تجلی سے متصف ہو کر اٹھارہ ہزار دنیا کو اپنی دو انگلیوں کے درمیان پاتا ہے، اور وہاں خدا کی قدرت سے چون اور چگون کا تماشا دیکھتا ہے اور قدرت خداوندی میں جو چیزیں ہیں، وہ اس کی "روزی" ہوتی ہے، مگر سالک کو احتیاط رکھنا چاہیے کہ اس سعادت سے محروم (بے نصیب) نہ ہوجائے (ص ۱۲)

محبت کی قسمیں | ایک مجلس میں خالصۃً محبت پر ارشادات ہیں، فرمایا کہ محبت کی دو قسمیں ہیں، محبت ذات، محبت صفات، محبت ذات وہبی، اور محبت صفات کسبی ہے، ابتدا میں سالک کو خلق، دنیا، نفس اور شیطان جادۂ محبت سے گمراہ کرتے ہیں، مگر خلق سے پرہیز کے لیے عزلت نشینی، دنیا کو نظر انداز کرنے کے لیے قناعت پسندی، اور نفس شیطان سے بچنے کے لیے عبادت گذاری ضروری ہے،

خاص محبت یہ ہے کہ دوست کے لیے دنیا کی ہر چیز ایثار کر دے، اور محبت میں صادق وہی ہے کہ اگر اس کو کاٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے، یا آگ میں جلا دیا جائے تو بھی وہ ثابت قدم

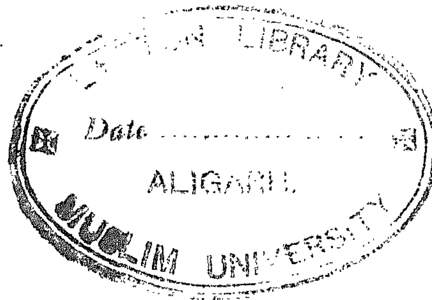
خلفا حضرت چراغ دہلی کے جلیل القدر خلفا میں حضرت سید محمد بن جعفر المکی الحسینی بھی تھے، ان کے متعلق اخبار الاخیار میں ہے،

حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی نور اللہ مرقدہ کے جلیل القدر خلفا میں سے ہیں، توحید و تفرید میں مقام عالی رکھتے تھے، ان کا شمار منفرد اولیاء میں کیا گیا ہے، انھوں نے اپنے ظاہری و باطنی کچھ احوال لکھے ہیں، ان کو پڑھ کر عقل حیران رہتی ہے، اگر بغیر کسی تاویل کے صرف ان کا ظاہر مراد ہے تو اپنے زمانہ کے یکتا کامل تھے، ان کی تصنیف بحر المعانی ہے جس میں حقائق توحید، علوم قوم اور اسرار معرفت بیان کیے گئے ہیں، طرز بیان ممتاز ہے، اسی کتاب میں دو اور کتابوں دقائق المعانی اور حقائق المعانی کے لکھنے کا وعدہ کیا گیا ہے، خدا ہی جانتا ہے کہ دونوں کتابیں لکھی گئیں یا نہیں، ان کے علاوہ اور بھی تصانیف ہیں، ایک رسالہ دورہ کے بیان میں لکھا ہے، اس کا نام پنج نکات ہے، بحر الانساب نام کی بھی ایک تصنیف ہے، اس میں اہل بیت رسالت کا نسب نامہ ہے جس میں اپنے نسب کو بھی ملایا ہے، وہ صاحب دعوی کثیر ہیں، اور ان کے بیانات سے ان کے دعوی کی تصدیق ہوتی ہے، بڑی عمر پائی، محمد تغلق کے زمانہ سے سلطان بہلول لودی کے زمانہ تک زندہ تھے، اس حساب سے ان کا سن سو سال سے زیادہ ہوتا ہے، آباء و اجداد مکہ معظمہ کے اشراف میں سے تھے، وہاں سے دہلی آئے، پھر سرہند میں اقامت گزیں ہوئے اور یہیں مدفون ہے، (ص ۱۳۸)

حضرت سید محمد کے مزید حالات اور ان کی تصنیف بحر المعانی کے کچھ اقتباسات مذکورۂ بالا تذکرہ میں ملیں گے، (دیکھو اخبار الاخیار ص ۱۳۳-۱۳۸)

حضرت چراغ کے بعض اور خلفا کے اسمائے گرامی یہ ہیں :-

حضرت میر سید محمد گیسو دراز (گلبرگہ شریف)، خواجہ کمال الدین (احمد آباد) گجرات بھیجے گئے،
یہاں اطراف وجوانب کے لوگوں کو اسلامی تعلیمات کے ذریعہ اپنا معتقد بنایا، مزار دہلی ہی میں
ہے، شیخ دانیال (ستر کھ)، شیخ صدر الدین علم طب میں ان کی ایک تصنیف فصیح و متین مشہور ہے
دہلی میں مدفون ہیں، خواجہ معین الدین خورد (مرگھا)، شیخ سراج الدین (پاک پٹن)، شیخ یوسف حسینی
(علم دین میں ان کی ایک کتاب فیض اقتباس تحفۃ النصائح مشہور ہے)، حضرت شیخ عبد المقتدر
(مناقب الصدیقین میں اپنے مرشد کے فضائل تحریر کئے ہیں، مزار جونپور میں ہے)، حضرت شیخ سعد اللہ
کیسہ دار، حضرت مولانا خواجگی (کالپی)، شیخ احمد تھا نیسری (کالپی)، شیخ محمد متوکل کنتوری (بہرائچ)
شیخ قوام الدین (لکھنؤ)۔



حضرت شرف الدین احمد منیریؒ

ولادت ونسب | حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد بن یحییٰ قدس سرہ العزیز کی ولادت باسعادت ۲۹ شعبان المعظم ۶۶۱ھ میں بمقام منیر شریف (ضلع پٹنہ) ہوئی، پیدایش کی تاریخ شرف آگین ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے شرف الدین احمد بن شیخ یحییٰ بن اسرائیل بن مولانا محمد تاج فقیہ بن ابی بکر بن ابی الفتح ابن ابی القاسم، بن ابی الصائم بن ابی دہر بن ابی لیث بن ابی سہمہ بن ابی الدین، بن ابی سعید ابن ابی ذر بن زبیر المکنی بابی الصعب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف والدہ ماجدہ کا نسب نامہ چودھویں پشت میں حضرت امام جعفر صادق سے ملتا ہے،

خاندان | حضرت شرف الدین احمد کا خاندان بیت المقدس سے آکر منیر ضلع پٹنہ میں آباد ہوا، یہ خاندان اپنے زہد و تقویٰ میں شروع ہی سے ممتاز تھا، منیر کے آس پاس کے علاقہ میں اسی خاندان کی بدولت اسلام کی اشاعت ہوئی، حضرت شرف الدین احمد کی والدہ ان کو بغیر وضو کے دودھ نہ پلاتی تھیں[1]،

تعلیم | بچپن میں گھر ہی پر تعلیم پائی، اس زمانہ میں مصادر، مفتاح اللغات اور دوسری کتابیں درس میں رہیں، مفتاح اللغات کو حفظ کیا تھا[2]، سن شعور کو پہنچے تو والد بزرگوار نے ان کو مولانا شرف الدین

[1] مناقب الاصفیا اور مونس القلوب (ملفوظات حضرت مخدوم احمد لنگر دریا) میں حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد کے کچھ حالات درج ہیں ... میرے سامنے یہ دونوں کتابیں نہیں ہیں، مگر ان سے ضروری معلومات سیرۃ الشرف مرتبہ سید ضمیر الدین احمد میں نے لیے گئے ہیں، یہ کتاب میرے پیش نظر ہے،

[2] معدن المعانی ص ۹۰ مطبوعہ شرف الاخبار، بہار، اسی سلسلہ میں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ کاش ان کتابوں کے بجائے کلام پاک حفظ کرتا،

ابو توامہ کی صحبت میں مزید تعلیم کیلیے سنار گانون بھیجا، مولانا ابو توامہ اپنے عہد کے بڑے ممتاز عالم تھے بعض اسباب کی بنا پر دہلی چھوڑ کر بنگالہ کی طرف رخ کیا، اثنائے سفر میں منیر میں بھی قیام کیا، اور یہیں حضرت شیخ یحیی انکے علمی تبحر سے متاثر ہوئے

مولانا شرف الدین ابو توامہ کے اوصاف کا ذکر خود حضرت مخدوم الملک خوان پر نعمت میں فرماتے ہیں:

مولانا شرف الدین توامہ ہندوستان کے علما میں اس قدر مشہور تھے کہ ان کے علم میں کسی کو شبہہ نہ تھا، آپ ریشمی سربند اور ازاربند استعمال کرتے تھے، آپ نے ایسی چیزیں لکھیں کہ دوسرے علما کو بھی اس کی تقلید کرنی چاہیے، اگر سبق پڑھانے میں مشکل پیش آتی تو غور کرتے اور غور کرتے وقت سربند کاندھے پر لٹکاتے، اور اس کو ہاتھ میں لے کر مشغول رہتے، یہاں تک کہ مشکل حل ہو جاتی، اس کے بعد سربند کو چھوڑ کر مشکل کو بیان فرماتے۔"

(ص ۱۵، مطبوعہ مطبع احمدی)

حضرت شرف الدین نے اپنے شفیق استاد سے کلام پاک، تفسیر، حدیث اور فقہ کے علاوہ علوم عقلی مثلاً منطق، فلسفہ اور ریاضی کی بھی تعلیم پائی، اس تعلیم کے زمانہ میں ریاضت و مجاہدہ میں بھی مشغول رہے، مناقب الاصفیاء میں ہے:

"در تحصیل علوم دین باقصی الغایۃ کوشید، شب و روز در علم مشغول بود، و دران مشغولی ریاضت و مجاہدہ داشت روزہا ے داشتے،"[1]

ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ علم تصوف کی بھی کتابیں پڑھیں، اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

احکام مذہب این طائفہ (صوفیہ) در کتب و تصانیف ایشان سالہا بازمطالعہ

---

[1] مناقب الاصفیاء بحوالہ سیرۃ اشرف، ص ۹۴

کردہ شدہ است[۱]"

تعلیم ہی کے زمانہ میں استاد کی دختر نیک اختر سے عقد مناکحت کی رسم ادا ہوئی جن سے تین اولاد ہوئی، ان میں سے صرف حضرت شاہ ذکی الدین زندہ رہے اور ان ہی سے نسل چلی۔

تلاش مرشد

سنارگاؤں کے قیام کی مدت میں حضرت مخدوم الملک گھر کے خطوط نہیں کھولا کرتے تھے، تعلیم ختم کرنے کے بعد ایک دن ان کو کھولا، تو ان میں والد کی بیماری کی خبر پڑھی، اور والد کی یاد میں بے چین ہو کر وطن کی طرف مراجعت کی۔ گھر میں کچھ ہی دنوں قیام فرمایا تھا کہ طلب الٰہی کی آگ اتنی شعلہ زن ہوئی کہ گھر بار چھوڑ کر مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، چھوٹے بھائی کی محبت میں بڑے بھائی شیخ جلیل الدین بھی ہمراہ ہو گئے، اس وقت دہلی اور نواح دہلی بزرگان دین کا مرکز ہو رہے تھے دہلی پہنچکر حضرت مخدوم الملک وہاں کے تمام عابدوں، زاہدوں اور سجادہ نشینوں سے ملے، حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں بھی پہنچے، لطائف اشرفی میں ہے:

> جب حضرت شیخ شرف الدین علوم شرعیہ کی تحصیل اور ریاضت و مجاہدہ کی تکمیل کر چکے تو حضرت سلطان المشائخ کے شرف ملازمت کے لیے دہلی تشریف لے گئے، اور ارادت و ارشاد کے لیے استدعا کی (حضرت سلطان المشائخ نے) نوالہ پان اور قضا رالیچی ... پیش فرمایا اور استغراق میں سر جھکایا، پھر فرمایا برادر شرف الدین! تمہاری ارادت اور تعلیم سلوک برادرم نجیب الدین[۲] سے متعلق ہے، تم ان ہی کے پاس جاؤ وہ تمہارے منتظر ہیں، اور جب وہ (یعنی حضرت شرف الدین) شیخ نجیب الدین فردوسی کے پاس جانے لگے

---

[۱] مکتوبات دو صدی مکتوب ۸۱ ص ۱۶۱ (۲) لطائف اشرفی مطبوعہ نصرت المطابع دہلی (ص ...) میں نجیب الدین کے بجائے نجم الدین صغری مرقوم ہے، یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

تو (حضرت سلطان المشائخ نے) فرمایا کہ فقیروں کے یہاں سے خالی نہ جاؤ، تم کو اس خاندان سے صفائی اور سماع مبارک ہو (حضرت شرف الدین) تعظیم بجا لائے، ان کے خاندان میں سماع اور صفائی اسی وجہ سے ہے"

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب حضرت مخدوم الملک سلطان الاولیا کی خدمت میں گئے، تو ان کو دیکھ کر فرمایا:

سیمرغ نیست، نصیب دام مانیست"

اور بیعت نہیں لی، بلکہ اعزاز و اکرام سے رخصت کر دیا،

جب سلطان المشائخ کی ہدایت کے مطابق حضرت مخدوم الملک حضرت شیخ نجیب الدین کے حضور میں پہنچے، تو ان پر بڑی دہشت طاری تھی، اور جسم پسینہ پسینہ ہو رہا تھا لیکن حضرت شیخ نجیب الدین نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا، "درویش! برسوں سے تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں، تاکہ تمہاری امانت تمہارے سپرد کر دوں" (اخبار الاخیار ص ۱۱۹) اور فوراً بیعت لی، کچھ نصیحتیں لکھ کر رخصت کیا، رخصت کرتے وقت فرمایا کہ تم کو راستہ میں کوئی خبر ملے تو واپس نہ آنا، حضرت مخدوم الملک نے مرشد سے فیوض نیز برکات حاصل کرنے کے لیے کچھ دنوں پاس رہنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن اس کی اجازت نہیں ملی، مرشد کی ساری تعلیمات ان نصائح میں پائی جاتی ہیں جو انھوں نے ارادت کے وقت لکھ کر دی تھیں،

وصایا مرشد وہ وصیتیں یہ ہیں:

"اے عزیز! یہ بات بڑے غور و فکر کے بعد ظاہر ہوتی ہے کہ ترک خودی میں مشغولیت کے علاوہ دنیا کی کسی چیز میں مشغول رہنا غلطی ہے، انسانی حرکات، سکنات، اقوال اور افعال ہی سے خودی پیدا ہوتی ہے، کھانا، سونا، بولنا، میل جول پیدا کرنا، سننا

دیکھنا وغیرہ انسانی طبیعت کا اقتضاء ہے لیکن یہ تمام باتین بقدر ضرورت ہونی چاہئین،
اگر ضرورت سے زیادہ ہون تو حق سے دوری ہو جاتی ہے، اس لیے دن رات
اسی فکر مین رہنا چاہیے کہ خودی مین سے کیا چیز باقی رہ گئی ہے، یہان تک کہ اللہ
کے فضل سے خودی سے بالکل چھٹکارا ہو جائے، اگر بال برابر بھی خودی باقی رہ گئی
ہے تو حجاب باقی ہے جب تک اس سے فراغت حاصل نہ ہو جائے دوسرے
کام مین مشغول ہونا صحیح نہین، کیونکہ خودی سے چھٹکارا پانے سے پہلے کسی کام مین
مشغول ہونا شیطنت ہے، اس لیے کسی حال مین دوسرے کام کی طرف مشغول
نہین ہونا چاہیئے، مجاہدہ اور ریاضت نفس اس طرح ہونی چاہیے کہ خودی بالکل
جاتی رہے، اور انتہائی درجہ کا تقوی حاصل ہو، اور بشریت کی پوری صفائی ہو جائے،
کسی وقت بے وضو رہنا مناسب نہین، اگرچہ آدھی رات، جاڑے کا موسم اور
ٹھنڈا پانی ہی کیون نہ ہو، وضو کے بعد دو رکعت نماز کسی حال مین فوت نہ ہونی
چاہیے، کھانا کھانے اور پانی پینے سے صرف تین چیزون کی بقا ہوتی ہے، حیات، عقل
اور قوت، کھانا اس وقت تک ترک کرتے رہنا چاہیے جب تک حیات اور عقل مین
خلل پیدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو، خشک روٹی، خشک چاول یا خشک کھچڑی
جو کچھ بھی مل جائے ضرورت کے مطابق کھا لیا جائے، نان خورش (جیسے سالن وغیرہ)
کی فکر نہ کرے، اسی طرح پانی پینا بھی ترک کر دے، یہان تک کہ جب اس کو
معلوم ہو کہ زندگی یا عقل مین خلل پڑے گا، اس وقت ٹھنڈا سا پانی جو صرف اسقدر
ہو جس سے حلق تر ہو سکے پی لے تاکہ پیاس بجھ جائے لیکن قوت کے کم ہونے کی
وجہ سے ہرگز نہ کھائے نہ پیے، اور قوت کے زائل ہونے کی طرف ہرگز توجہ نہ کرے،

اور یہ بات تجربہ سے معلوم ہو سکے گی کہ کھانے کی وجہ سے کتنے دنوں میں زندگی اور عقل میں خلل پڑنے کا خوف پیدا ہوگا، اور جب یہ تجربہ سے معلوم ہو تو اس کا لحاظ رکھے، رات اور دن میں کسی وقت نہ سوئے، اور نماز، قرآن کی تلاوت اور کتابوں کے مطالعہ سے نیند کو دور کرے، اس کام کا تمام تر دارومدار اس پر ہے کہ رات اور دن میں کسی وقت نہ لیٹے، بلکہ بیٹھکر یا کھڑے ہوکر رات دن گذارے کسی شخص سے بات چیت نہ کرے، البتہ سائل کا جواب دے سکتا ہے لیکن سائل اگر عالم ہو تو اس کا جواب نہ دے بلکہ کبھی علمی جواب میں مشغول نہ ہو کیونکہ اس میں بہت سی آفتیں ہیں لیکن اگر جواب علمی نہ ہو تو اس کے متعلق مختصر گفتگو کرے، اور صرف ضروری بات کہے، اور وہ بھی اس وقت جب بجز بولنے کے کوئی اور چارہ نہ ہو، تو جو کچھ ہو سکے گفتگو کرے لیکن خود کوئی بات نہ کہے کسی کے ساتھ بالکل ملاقات اور میل جول نہ کرے، اور ایک خالی گوشے میں بیٹھا رہے، اور جو چیز موجود ہو اس کو باقی رہنے دے، اپنے کام کے لیے اپنے گوشے سے باہر نہ نکلے اور کسی کو اپنے پہلو میں آنے کی اجازت نہ دے، ہمیشہ نظر نیچی زمین کی طرف رکھے، بے ضرورت دائیں بائیں نہ دیکھے کسی کی بات نہ سنے، اور نہ اس کی کوشش کرے کہ دوسرا کیا کہتا ہے، دل کو عمداً اور قصداً کسی چیز میں نہ لگائے، کوئی بات کان میں پڑے اور سمجھ میں نہ آئے تو اس کی فکر بھی نہ کرے ضرورت کے وقت سوکھی روٹی کھائے اور پانی پی لے، کوئی چیز اس لیے نہ کھائے کہ وہ موجود ہے، کیونکہ اس طرح محض خودی کا پابند ہونا ہے، دوپہر کے وقت روزانہ قضائے حاجت کے لیے جائے، اور اگر قلتِ طعام کی وجہ سے اس کی حاجت نہ ہو تو بہتر ہے، لیکن اس سے زیادہ نہ جائے، اور وقت ضائع نہ کرے، اگرچہ اسکی

ضرورت محسوس ہو اور وضو مشکوک ہو، یہان تک کہ اس کی عادت ہو جائے، اور تمام وقت ایک کمبل کے سوا اور کچھ نہ اوڑھے لیکن جاڑے کے دن لبابچہ گُمینہ (شاید آستین والا لبادہ مراد ہو) خرقہ کے اوپر پہننے، اور اس پر دن رات مین کسی چیز کا اضافہ نہ کرے، کسی کے آنے جانے، بولنے اور کام کرنے پر ناخوش نہ ہو، اور نہ کوئی اعتراض کرے، یہ معلوم نہ ہونے دے کہ اس کو ظاہراً و باطناً کسی چیز سے انکار ہے، خواہ سر پر آگ ہی کیون نہ برسے لیکن چون و چرا نہ کرے، اور نہ اپنی کیفیت و کیفیت ظاہر ہونے دے، یہان تک کہ اس کو مقام وحدت اور حال و ذوق حاصل ہو جائے، سماع کے وقت جہانتک ممکن ہو آبدیدہ نہ ہو، اور جسم کو حرکت نہ دے، یہانتک کہ مغلوب ہو جائے، اور اپنی حفاظت آپ نہ کر سکے لیکن سماع مین احوال کے ظاہر ہونے سے بڑی آفتین ہین، ان کا چھپانا بہت اہم باتون مین سے ہے، قلب اور دل پر جتنی بھی آگ برسے اس کی خبر نہ ہو، اور یہی وہ مقام عظیم ہے، جو بڑی مشقت بڑے مجاہدے اور بے انتہا ریاضت کے بعد حاصل ہوتا ہے، تم اپنی طرف سے کوشش کرو، خدا عطا کرے گا، برسون کے بعد مشقت اٹھانے والے کو راستہ ملتا ہے، اور اگر یہ سعادت حاصل نہین ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر دیتا ہے،

کار نازک تنانِ رعنا نیست سنگ زیرین آسیا بودن[1]

شجرۂ شیوخ حضرت نجیب الدین فردوسی سے حضرت مخدوم الملک کے بیعت ہونے کے بعد شجرۂ بیعت یہ قرار پاتا ہے:

شیخ شرف الدین احمد یحیٰی منیری، خواجہ نجیب الدین فردوسی، خواجہ رکن الدین فردوسی،

[1] وصیت نامہ حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی، مطبوعہ مطبع مفید عام، آگرہ، ۱۳۲۱ھ

خواجہ نجم الدین کبری، خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب، خواجہ وجیہ الدین ابو حفص، خواجہ محمد بن عبد اللہ المعروف بعمویہ، خواجہ احمد سیاہ دینوری، خواجہ ممشاد علو دینوری، خواجہ ابو القاسم جنید بغدادی، خواجہ سری سقطی، خواجہ معروف کرخی، سیدنا امام علی رضا، سیدنا امام موسیٰ کاظم، سیدنا امام جعفر صادق، سیدنا امام محمد باقر، سیدنا امام زین العابدین، سیدنا امام حسین، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ،

خواجہ نجم الدین کبری سے خواجہ ضیاء الدین ابو نجیب نے خلافت دیتے وقت فرمایا کہ تم مشائخ فردوس ہو (شما مشائخ فردوس اید) اسی وقت سے اس سلسلہ کا نام فردوسیہ ہوگیا،

صحرانوردی | بیعت کے بعد کی کیفیت حضرت مخدوم الملک خود تحریر فرماتے ہیں،

من چون بخواجہ نجیب الدین فردوسی پیوستم حزنے در دل من نہادہ شد کہ ہر روز آن حزن زیادہ می شد"

بیعت کے بعد دہلی سے رخصت ہوئے تھے کہ راستے ہی میں مرشد کے وصال کی خبر ملی، لیکن مرشد کی ہدایت تھی کہ وہ کسی حال میں نہ لوٹیں، اس لیے واپس نہ ہوئے، جب بہیا (ضلع آرہ) کے جنگل میں پہنچے تو مور کی چنگھاڑ سے دل میں ہوک اٹھی، جذب کی کیفیت طاری ہوگئی، اور گریبان چاک کرکے جنگل ہی میں غائب ہوگئے، بڑے بھائی شیخ جلیل الدینؒ ساتھ تھے ہر طرف ان کو تلاش کیا لیکن ان کا کہیں پتہ نہ چلا،

مناقب الاصفیا کے مؤلف رقمطراز ہیں کہ حضرت مخدوم بہیا کے جنگل میں بارہ سال رہے، اس کے بعد راجگیر (ضلع پٹنہ) کے جنگلوں میں بھی ایک بڑی مدت گذاری، عام روایت ہے کہ ۳۰ سال تک جنگلوں میں عبادت کی، ایک بار ایک درخت کی شاخ پکڑے ہوئے عالم حیرت میں کھڑے ہوئے دکھائی دیے، چیونٹیاں حلق میں آتی اور جاتی تھیں لیکن ان کو

اس کی مطلق خبر نہ ہوتی تھی ،

نفس کشی — اس ریاضت کے زمانہ میں کھانے پینے سے پرہیز کرتے ،جب کبھی اشتہا کا غلبہ ہوتا ، تو درخت کی پتیاں کھا کر بھوک کی شدت رفع کر لیتے ،ایک بار علی الصباح نہانے کی ضرورت پیش آگئی ،غسل فرمانے کے لیے پانی کے قریب گئے ،جاڑے کا موسم تھا ،غیر معمولی سردی تھی ، پانی بہت ٹھنڈا تھا ،دل میں خیال آیا کہ تیمم کرکے نماز ادا کر لیں لیکن پھر خیال ہوا کہ شرعی رخصت کی آڑ میں پناہ کیوں لی جائے ،چنانچہ پانی میں اتر گئے لیکن سردی کی وجہ سے بیہوش ہو گئے ، آفتاب طلوع ہوا ،تو اس کی تمازت سے ہوش آیا لیکن اس وقت فجر کی نماز قضا ہو چکی تھی ، بڑا رنج ہوا ،اور فرمایا" میں نے جو ریاضتیں کی ہیں ،اگر پہاڑ کرتا تو پانی ہو جاتا لیکن شرف الدین کچھ نہ ہوا[1] ،کثرت ریاضت سے بدن میں خون باقی نہ رہا تھا ،ایک بار حجام کے استرہ سے سر مبارک مجروح ہو گیا تو خون کے بجائے پانی بہنے لگا[2] ،

راجگیر کی صحرا نوردی کے زمانہ میں دامن کوہ کے پاس ایک شخص کھانا کھا رہا تھا ، اس کے ملازمین مورچھل ہلا رہے تھے ،حضرت مخدوم الملک کی نظر پڑی تو اس کے کھانے کو مباح سمجھ کر اس سے اجازت لی ،اور اس کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھ گئے ،اس کے ملازموں نے اس کو حضرت مخدوم الملک کے ساتھ کھانے پر ملامت کی ،حضرت مخدوم الملک فرماتے ہیں ،مجھکو اس ملامت میں مزہ ملا ،میں پہاڑ پر چڑھ گیا ،اور تین دن اور رات مجھ پر وجد طاری رہا ،

اسی زمانہ میں ایک گنگو سالہ کے پاس سے گذر ہوا ،ایک گائے بھلی معلوم ہوئی ، اس کو دیکھنے لگے ،کسی سبب سے وہ گر کر مر گئی ،چرواہے نے بڑھکر غصہ میں حضرت مخدوم الملک

[1] اجوبہ کاکوریہ رسالہ حضرت مخدوم الملک ،نیز دیکھو سیرۃ الشرف ص ۷۷ ۔ [2] مونس القلوب ،بحوالہ سیرۃ الشرف

کو ایک لاٹھی مار دی، فرماتے ہین اس لاٹھی کی مار مین مجھے عجیب ذوق اور مزہ ملا[۱]

اسی زمانہ مین بعض ہندوون اور جوگیون سے روحانی معرکے بھی ہوئے، جنھون نے مغلوب ہوکر حضرت مخدوم الملک کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا[۲]،

بہار شریف کی اقامت | جب انوار الٰہی سے دل روشن ہوگیا تو آبادی کی طرف رخ فرمایا، بعض طالبان حق جنگل ہی مین آکر مستفید ہونے لگے تھے، جب لوگون کا اشتیاق زیادہ بڑھ گیا، تو جمعہ کی نماز کے لیے بہار شریف کی جامع مسجد مین تشریف لانے لگے، رفتہ رفتہ لوگون کے اصرار سے اسی قصبہ مین مستقل سکونت اختیار کرلی، جہان تقریباً ۵۰ سال تک اپنے سرچشمۂ فیض سے عوام و خواص کو سیراب کرتے رہے،

سلطان محمد تغلق نے جب حضرت مخدوم الملک کی درویشی اور بزرگی کی شہرت سنی تو مجد الملک مقطع بہار کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ حضرت مخدوم الملک کے لیے ایک خانقاہ تعمیر کرادی جائے، اور اس کے اخراجات کے لیے پرگنہ راجگیر ان کے حوالہ کیا جائے، اگر وہ قبول نہ کرین تو زبردستی دیا جائے، مجد الملک نے اس کی تعمیل کی، اور حضرت مخدوم الملک کو خانقاہ کی تعمیر اور راجگیر کی جاگیر جبر و اکراہ کے ساتھ قبول کرنی پڑی، خانقاہ کی تعمیر کے بعد اس مین سلطان کا بھیجا ہوا مصلا بلناری بچھایا گیا، اور اس پر حضرت مخدوم الملک کو جلوہ افروز کیا گیا، تو ارشاد فرمایا" مین تو اسلام ہی کے لائق نہین

---

[۱] اجوبہ کاکویہ بحوالہ سیرۃ الشرف ص ۷، [۲] حضرت مخدوم الملک کے خاندان والون سے اس عاجز راقم کو گہرا عزیزانہ لگاؤ رکھنے کا شرف حاصل ہے، اس لیے اس خانوادہ کے بزرگون سے حضرت مخدوم الملک کی . . . . . زندگی کے بہت سے واقعات سننے مین آئے، جنکو ہم جگہ کی قلت کی وجہ سے لکھنے سے معذور ہین،

ہو جائے کہ مصلے کے لائق ہوں" اس وقت مجلس کے ایک درویش نے کہا "مخدوم! آپ کو خانقاہ اور مصلے کی وجہ سے کون جانتا ہے، ہم لوگ تو یہاں صرف آپ کی قوت باطنی کی وجہ سے آئے ہیں، یہاں آپ کی برکت سے اسلام ظاہر ہوگا، اور قوت پکڑے گا"

چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور اس علاقے میں آپ ہی کے فیوض و برکات سے اسلام کی شمع ضوفگن رہی، لیکن جاگیر کو حضرت مخدوم الملک اپنے لیے بار سمجھتے رہے، آخر اس کی گرانی برداشت نہ فرما سکے اور جب سلطان محمد تغلق نے وفات پائی، اور فیروز شاہ تخت نشین ہوا تو بہ نفس نفیس دہلی تشریف لے گئے، درباریوں کو خیال ہوا کہ شاید حضرت مخدوم الملک جاگیر میں اضافہ چاہتے ہیں، فیروز شاہ کو جب اس کی خبر دی گئی تو اس نے کہا کہ اگر مخدوم الملک تمام اقطاع بہار مانگیں گے تو میں دوں گا، لیکن جب فیروز شاہ کے سامنے حضرت مخدوم الملک تشریف لے گئے تو اس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ایک غرض لے کر آیا ہوں، اگر قبول فرمانے کا وعدہ ہو تو عرض کروں، سلطان نے بسر و چشم منظور کیا، حضرت مخدوم الملک نے جاگیر کی سند آستین سے نکال کر سلطان کے ہاتھ میں دی، اور فرمایا، خدا کے لیے اس کو واپس لے لیجیے، یہ میرے کام کی نہیں، سلطان اور اس کے تمام امرا ششدر رہ گئے، سلطان نے پھر بھی کچھ خدمت کر کے سعادت حاصل کرنی چاہی، اور اصرار کے ساتھ اخراجات کے لیے ایک بڑی رقم پیش کی، اس کو قبول تو فرما لیا، لیکن شاہی دربار سے نکلتے ہی فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیا اور درویشانہ استغنا کے ساتھ خالی ہاتھوں وطن کی طرف مراجعت کی[1]

رشد و ہدایت | اور خانقاہ کے گوشہ میں بیٹھ کر تقریر و تحریر کے ذریعہ سے رشد و ہدایت کا سلسلہ برابر جاری رکھا، جس کا کچھ حصہ ملفوظات اور مکتوبات کی شکل میں محفوظ ہے، اور

---

[1] مونس القلوب بحوالہ السیرۃ الشرفیہ ص ۱۲۳-۱۲۶

آج تک معدن فیوض اور مخزن برکات ہے، خانقاہ میں سالکان راہ طریقت کی مجلسیں برابر منعقد ہوتی تھیں، بعض اوقات علما، فقہا، محدثین اور متکلمین بھی جمع ہوتے، اور مختلف مسائل پر بحث و گفتگو اور رد و قدح بھی ہوتی، حضرت مخدوم ہر مسئلہ کی وضاحت اس طرح فرماتے کہ سامعین اور حاضرین کو پوری تشفی ہو جاتی، معدن المعانی کے دیباچہ میں ہے:

"ہر مجلس میں مریدوں، نیک بندوں اور سچی طلب رکھنے والوں کا مجمع ہوتا، ان میں سے ہر ایک اپنے حال اور کام کے مطابق ایک سوال کرتا جس کا تعلق طریقت، شریعت، حقیقت اور معرفت سے ہوتا، حضرت مخدوم ہر سوال کا شافی جواب دیتے، ان کا بیان دلپذیر اور ان کے اشارے کنایے بے نظیر ہوتے، ہر بیان میں سینکڑوں معانی، ہر اشارہ میں ہزاروں لطیفے لا ریبی، اور ہر معنی میں بے انتہا مفہوم اور ہر لطیفہ میں لاتعداد ادراکات، اور ہر مفہوم میں بے شمار علائق اور ہر ادراک میں بہت سے مقامات، اور ہر حال میں ناقابل بیان ذوق اور ہر مقام میں اتنی خبریں ہوتیں جن کی گنجایش دنیا میں نہیں،

مولانا مظفر بلخی شروع میں جب حضرت مخدوم الملک کی مجلس میں شریک ہوئے، تو مختلف مسائل پر نہایت تیز اور تند لہجے میں مناظرے کرتے، مگر حضرت مخدوم الملک ٹھنڈے طریقے پر ان کی ہر بات کا جواب دیتے، یہاں تک کہ وہ حضرت مخدوم الملک کے ایسے گرویدہ اور شیفتہ ہوئے کہ زندگی بھر ادنی غلام بنے رہے، حضرت مخدوم الملک کو بھی ان سے بڑی محبت ہو گئی تھی، اور ان کو دو سو خطوط لکھے تھے، جن میں ایسے اسرار تھے کہ ان کے سوا کسی اور کو بتانا پسند نہیں فرمایا جیسا کہ آگے آئے گا،

مولانا نظام الدین بدخشانی کی ابتدائی زندگی رندی اور بادہ خواری میں گذری، لیکن حضرت

مخدوم الملک کی صحبت کیمیا اثر سے ان میں ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ وہ حضرت مخدوم الملک کے مقربین خاص میں ہو گئے، اور ان کے بہت سے ملفوظات مرتب کیے، جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے،

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کے تقریباً ایک لاکھ مرید تھے، جو مجلسوں میں شریک نہ ہو سکتے تھے، ان کو مکتوبات کے ذریعے تعلیم دی جاتی تھی، ان تعلیمات کا خلاصہ آئندہ صفحات میں پیش کیا جائے گا، حضرت مخدوم الملک نے خواص و عوام دونوں کو سدھارنے کی کوشش فرمائی،

سلطان وقت کو تلقین | سلطان فیروز شاہ تغلق کے زمانہ میں حضرت مخدوم الملک سے خواجہ عابد ظفر آبادی نے فریاد کی کہ ان کا مال ظلم و تعدی سے غصب کر دیا گیا ہے، حضرت مخدوم الملک نے سلطان فیروز شاہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی، اور بہت ہی بلیغ پیرایہ اور عالمانہ انداز میں عدل و انصاف کی تلقین کی، سلطان کو اس سلسلہ میں جو مکتوب تحریر فرمایا وہ حسب ذیل ہے،

شاید مرتب مکتوبات نے القاب حذف کر دیے ہیں، ابتدا یوں ہے:

حضرت بلال مؤذن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت رسالت مآب علیہ السلام کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر میں کہ بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا، پیغمبر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا، باہر جا کر دیکھو، تب میں باہر آیا، تو ایک نصرانی کو کھڑا دیکھا، اس نے پوچھا محمد یہاں ہیں، میں نے کہا ہاں، وہ گھر کے اندر آیا اور کہا یا محمد تم کہتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں، اور تمہارے پاس بھیجا گیا ہوں، مجھ کو اور لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دیتے ہو، اگر تم رسول برحق ہو تو اس کا حق دلاؤ کہ قوی ضعیف پر ظلم نہ کرے، پیغمبر علیہ السلام نے پوچھا تم پر کس نے ظلم کیا ہے، اس نے کہا ابوجہل نے میرا مال لے لیا ہے، یہ وقت

آپؐ کے قیلولہ کا تھا، اور بڑی گرمی پڑ رہی تھی لیکن آپ اسی وقت روانہ ہوئے تاکہ مظلوم کی مدد فرمائیں، میں نے (یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے) عرض کی، یا رسول اللہ! قیلولہ کا وقت ہے، گرمی پڑ رہی ہے، ابوجہل بھی قیلولہ کر رہا ہوگا، وہ برہم ہوگا لیکن آپؐ نہ رُکے اور اسی طرح خشمگین ابوجہل کے دروازہ پر پہنچکر اس کو کھٹکھٹایا، ابوجہل کو غصہ آیا، اس نے اپنے بتوں لات و عزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ جس نے دروازہ کھٹکھٹایا ہے اسی کو جاکر مار ڈالونگا، باہر آیا تو دیکھا کہ حضرت رسالتمآبؐ کھڑے ہیں، بولا "کیسے آئے، کسی آدمی کو کیوں نہ بھیجدیا" پیغمبر علیہ السلام نے غصہ میں فرمایا، اس نصرانی کا مال تم نے کیوں لے لیا ہے، اس کا مال واپس کر دو، ابوجہل نے کہا "اگر اسی کے لئے آئے ہو تو کسی آدمی کو کیوں نہ بھیجدیا، مال واپس کر دیتا، پیغمبرؐ نے فرمایا، باتیں نہ بناؤ، اس کا مال واپس کرو، ابوجہل اس کا تمام مال باہر لایا اور اس کے حوالے کیا، نصرانی سے پیغمبرؐ نے فرمایا اب تو تمھارا مال تمھارے پاس پہنچ گیا، اس نے کہا لیکن ایک اوقی تھیلا رہ گیا ہے، پیغمبرؐ نے (ابوجہل سے) فرمایا، تھیلا بھی دو، ابوجہل نے کہا کہ اے محمدؐ تم واپس جاؤ میں اس کو پہنچا دونگا، حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا، میں اس وقت تک واپس نہ جاؤنگا جب تک کہ تم تھیلا بھی واپس نہ کر دوگے، ابوجہل گھر کے اندر گیا اس کو وہ تھیلا نہ ملا لیکن اس سے بہتر تھیلا لایا، اور بولا "وہ تو مجھکو نہیں ملا مگر اس سے بہتر لایا ہوں، اور اسی کو اس کے بدلے میں دیتا ہوں" پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اے نصرانی یہ تھیلا بہتر ہے یا وہ بہتر تھا، اس نے کہا اے محمدؐ یہ بہتر ہے، پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا اگر تم یہ کہتے کہ وہ بہتر تھا تو میں اس وقت تک واپس نہ جاتا جب تک میں قیمت لے کر تمھارے حوالے نہ کر دیتا،

ایک دوسری روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے خدائے تعالیٰ قیامت کے روز پل صراط کو عبور کرنے میں اس کی مدد کرے گا اور بہشت میں جگہ دے گا، اور جو کوئی کسی مظلوم کو دیکھتا ہے، اور وہ مظلوم اس سے فریاد کرتا ہے لیکن وہ فریاد نہیں سنتا، تو قبر کے اندر اس کو آگ کے سو کوڑے مارے جائیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا، جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے، اس کے لیے تہتر مغفرت لکھی جاتی ہے، ان میں سے ایک تو اس کو دنیا میں مل جاتی ہے، اس سے اس کا کام سدھرتا ہے، اور بقیہ بہتر دن کے لیے عقبیٰ میں ملتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کاروان شہر سے باہر ٹھہرا، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا، کاروان شہر سے باہر ٹھہرا ہے چلو ہم اس کی پاسبانی کریں، ایسا نہ ہو کہ کاروان والے سو جائیں اور کوئی ان کا سامان اٹھالے جائے، چنانچہ وہ رات بھر پاسبانی کرتے رہے، حق تعالیٰ نے پیغمبر کے دوستوں کو یہ اوصاف عطا فرمائے تھے "رحماء بینہم" وہ تمام مسلمانوں پر مہربان تھے، اور ان کے لیے غم کھاتے رہے۔

الحمد للہ کہ آپ (یعنی سلطان فیروز شاہ) کی ذات معظم و مکرم مظلوموں اور درماندوں کی جائے پناہ ہے، اور آپ کی بارگاہ [illegible] ہو چکا ہے اور [illegible] حاصل ہوئی [illegible] پیغمبر علیہ السلام [illegible] فرمایا [illegible] کا عدل [illegible] سال کی عبادت [illegible]

[illegible]

[illegible]

داؤد ملک کے نام بڑی تواضع اور خاکساری کے ساتھ لکھا ہے، جس میں ان اوصاف کی عملی تعلیم بھی ہے، اور وہ یہ ہے:

لا الٰہ الا ہو، شرف منیری جو کہ علماء کے آستانہ کا کتا ہے، نہایت خجلت، شرمندگی، اور معذرت کے ساتھ آستانۂ صدر کی خدمت میں سلام و تحیت کے بعد عرض کرتا ہے کہ اس بیچارہ دل شکستہ کی ہستی کیا ہے، جو صدر نے اس کی خدمات کا ذکر اس تواضع کے ساتھ کیا ہے، البتہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک سے کہا گیا کہ تجھ میں ایک برائی ہے، پوچھا وہ کیا، کہا گیا تو سب کو خوشبو دیتا ہے، جواب دیا میں یہ نہیں دیکھتا کہ کون خوشبو پاتا ہے، میں دیکھتا ہوں کہ میں کیا ہوں، یہی حال میرا ہے، میری کیا حیثیت کہ صدر میرے معتقد ہوں اور مجھکو مالک المشائخ قطب الاولیاء لکھیں، افسوس ہے کہ اس بدبخت کا کام خاکساری نگوں ساری، بت پرستی اور زنارداری میں اہل شقاوت و لعنت سے زیادہ نہیں بڑھا، پھر بھی اس بدبخت اور منافق کے متعلق لوگوں کا خیال اچھا ہے، کہتے ہیں کہ ایک بزرگ نے ایک شخص کے جنازہ کی نماز پڑھائی، نماز کے بعد کسی کی زبان سے سنا کہ وہ شخص شہر میں نیک نام تھا، بزرگ نے کہا کہ اگر مجھکو پہلے سے معلوم ہوتا تو میں اسکے جنازہ کی نماز نہ پڑھاتا، لوگوں نے پوچھا کیوں، تو انھوں نے کہا کہ جب تک کوئی شخص منافق نہیں ہوتا، لوگوں میں نیک نام نہیں ہوتا، اگر آپ کی تواضع میری شہرت کی وجہ سے ہے تو دنیا میں اس بدبخت سے زیادہ مشہور شیطان ہے، اے صدر بزرگوار اسلام ایسا دین نہیں ہے جو ہر کس و ناکس اور ناپاک شخص کو اپنا جمال دکھائے، لا یمسہ الا المطہرون (یعنی اس کو نہیں چھو سکتے مگر پاکیزہ لوگ) میرا یہ ایک دنیا کی حال ہے، وما یؤمن اکثرہم باللہ الا وہم مشرکون (ان میں سے اکثر لوگ [illegible]

ایمان نہیں لاتے، مگر بحالت شرک)، اس آیت نے ایک جہان کو توحید سے ہٹا دیا ہے، دین کا کام اتنا آسان نہیں جتنا لوگوں کو معلوم ہوتا ہے، جو لوگ کہ دین پناہ ہیں، اور اس کی ہر چیز کی حقیقت سے واقف ہو گئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ خدایا ہم کو عدم بنا دے جس کا کوئی وجود نہیں ہے، بعض لوگ زنار باندھ کر آتش خانہ میں آتے ہیں اور علم و عقل کو ایک طرف رکھ کر کہتے ہیں

از علم نبی شنیدہ لب بربستم   از عقل نبی خرید دیوانہ شدم

اور جس شخص نے یہ کہا ہے کہ

با خدا دیوانہ باش و با شریعت ہوشیار

تو اس کا مطلب یہی ہے، اگر آج کوئی اپنی رسم و عادت کو اسلام کہتا ہے تو یہ بالکل الگ چیز ہے، اس کا جواب یہ ہے

فردات کنار غبار کاشف ستی

اور جب موت کے دروازہ پر فکشفنا عنک غطائک (پس آج کے دن ہم نے تمہاری آنکھوں کا پردہ اٹھا دیا) کا کشف ہوتا ہے، تو پھر پتہ چلتا ہے کہ کوئی دستار رکھتا تھا یا زنار، اخلاص یا نفاق، خانقاہ میں تھا یا خرابات میں، اسی لیے کہا گیا ہے،

سوف تری اذا انجلی الغبار   افرس تحتک ام حمار

یعنی جب غبار دور ہو گا تو تم دیکھو گے کہ تم گھوڑے پر سوار ہو یا گدھے پر (سہ صدی مکتوبات ص ۹۴-۱۹۳)

حضرت مخدوم الملک نے ایک ملک زادہ کو نفس کے فریب کی جس طرح تعلیم دی اسکی تفصیل معدن المعانی (ص [illegible]) میں اس طرح درج ہے:

ایک ملک زادہ [illegible] شروع کیا کہ جب میں اپنے پیر کا مرید ہوا

تو مجھ سے فرمایا کہ اب تمھاری کیا خواہش ہے، تم ملک زادے ہو، تمھاری طبیعت چاکری
کی طرف مائل ہے یا خداوند تعالیٰ سے مشغولیت کی طرف، میں نے عرض کی، اب تو میں آپ
کی خدمت میں ہوں، جیسا فرمائیں ویسا کروں، فرمایا کہ اس راہ میں سب سے بہتر چیز یہ ہے
کہ ہر چیز کو ترک کر دیا جائے، میں نے بھی اس کو قبول کر لیا، اور میری طبیعت میں یہی بات
ہے، حضرت مخدوم نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا، اس میں شک نہیں کہ تمام چیزوں کو
ترک کر دینا بہتر ہے، اگر اس میں استقامت ہو، لیکن کچھ دنوں تمام چیزوں کو ترک کرنے اور
ان سے باز رہنے کے بعد پھر ان کی طرف التفات ہو جائے تو پشیمانی ہوتی ہے، اور اس قسم
کے ترک سے کوئی فائدہ نہیں، ترک اسی وقت بہتر ہے کہ پھر ترک کی ہوئی چیزوں کی جانب
التفات نہ ہو، ایسی حالت میں کام میں استقامت اور سچائی ہوتی ہے، تم ملک زادے
ہو، اپنے دوستوں کی مجلسوں میں بیٹھنے کے عادی ہو، ان کی صحبت میں جا کر تم میں پھر
تبدیلی پیدا ہوئی تو ایسے ترک سے کیا فائدہ؟ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم
نے تمام چیزوں کو ترک کر دیا، ہم زاہد اور عابد ہیں، لیکن جب وقت آتا ہے تو جھوٹے
ثابت ہوتے ہیں، نفس کے ایسے بہت سے دھوکے ہیں، دعویٰ بغیر امتحان کے قابل اعتماد
نہیں، مبارک نے عرض کی، حضرت مخدوم! میرے دل میں اب کوئی آرزو باقی نہیں
رہی ہے، حضرت نے فرمایا، یہ نفس کا فریب ہے، یہ اسی طرح دھوکا دیتا ہے جس سے
ایک شخص کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس نے تمام چیزوں کو ترک کر کے آخرت کی طرف رخ
کر لیا ہے، لیکن جو نفس کے فریب سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ سچ ہے یا جھوٹ،
نفس کی صفت کذب ہے، اور دل کی صفت صدق، نفس جو کچھ کہتا ہے جھوٹ ہوتا
ہے، دل جو کچھ کہتا ہے سچ ہوتا ہے، اب یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جو کام کیا جاتا ہے،

اگر اس کا فرمان دینے والا دل ہوتا ہے، اور اعضا اسی کو عمل میں لاتے ہیں جو دل کہتا ہے اور چونکہ دل کی صفت صدق ہے، تو عمل جھوٹا کیوں ہوتا ہے، کیوں پیدا ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ دل اور عمل میں جو ہم آہنگی نہیں ہوتی اس کی وجہ نفس ہے، نفس دل پر قابو پا لیتا ہے اور اسکی جگہ بیٹھ کر چوری کرتا ہے، پھر وہ جو کچھ کرتا ہے دل کی طرف منسوب ہو جاتا ہے، اسی لیے دل اور عمل میں ہم آہنگی نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے تخت پر ایک دیو بیٹھ گیا، اور وہ جو حکم دیتا تھا لوگ اس کو بجا لاتے تھے، کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ دیو ہے یا حضرت سلیمانؑ، حالانکہ دیو حضرت سلیمانؑ کی جگہ فریب سے بیٹھا تھا، نفس کی صفت کا یہی حال ہے،

ترا بر مملکت زان نیست فرمان	کہ دیوت ہست بر جای سلیمان
اگر آری بدست انگشتری باز	بفرمان آیدت دیو و پری باز

اہل معرفت نفس کی [illegible] سے واقف رہتے ہیں، دوسروں کو اس سے واقفیت نہیں ہوتی، اگر نفس کو کسی چیز کی خواہش ہوتی، اور اس کو نہ پایا تو کہتے ہیں کہ قبض ہے، اور اگر پا لیا اور خوشی ہوئی تو کہتے ہیں بسط حاصل ہوا، حالانکہ قبض و بسط دل کے احوال ہیں نہ کہ نفس ہی کا نتیجہ ہے، مراد کے حاصل نہ ہونے سے رنج ہوتا ہے، اور مراد کے پا لینے سے نشاط طاری ہوتا ہے، اہل ترک و تجرید تمام چیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں، ان کے سامنے جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کو خراب کر دیتے ہیں، اگر ان کا دل ان چیزوں کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا دل خراب ہو گیا، شیخ معزالدین نے پوچھا کہ کیا نفس کی تلبیس ہر مقام پر ہوتی ہے؟ تو حضرت مخدوم نے فرمایا جب تک نفس مغلوب نہ ہو جائے ہر مقام پر اس کی [illegible] طاری رہتی ہے [illegible] کسی مقام پر غافل

نہیں رہتے، خواہ نفس ان کا کتنا ہی مطیع اور فرماں بردار ہو گیا ہو، (معدن المعانی ص ۲۱۲-۲۱۰ مطبوعہ مطبع شرف الاخبار، بہار)۔

امراء میں قاضی شمس الدین حاکم چوسہ نے حضرت مخدوم الملک سے سب سے زیادہ استفادہ کیا، آپ کے مکتوب کا جو مجموعہ شائع ہوا ہے، اس میں زیادہ تر قاضی شمس الدین ہی کے نام مکاتیب ہیں، ان میں عرفان و تصوف کا شاید ہی کوئی ایسا مسئلہ ہو گا جس کی وضاحت نہ کی گئی ہو، باطنی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ظاہری اخلاق کو بھی سنوارنے کی تلقین ہے، مثلاً پاکیزہ اخلاق کی تعلیم کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

برادرم شمس الدین! خداوند تعالیٰ کی اطاعت میں مستقل مزاج رہو، کاتب حروف کے سلام و دعا کے بعد اے برادر! یہ ضروری ہے کہ تم اپنے اخلاق کی بری باتوں کو اچھی باتوں میں تبدیل کرنے میں روزانہ ہر ممکن کوشش کرو، اور اس کو ایک اہم کام سمجھو، اس کام کو تم نے چھوڑ دیا یا اس سے غافل ہو گئے تو پھر بلائیں پیش آئینگی، نعوذ باللہ منہا، اس دنیا کے جانوروں اور چوپایوں میں جو صفات ہیں، ان میں سے ہر ایک صفت انسان میں بھی پائی جاتی ہے، اور اس قسم کی جو صفت انسان میں غالب رہتی ہے، وہی قیامت کے روز صورت بنکر ظاہر ہوتی ہے... (مکتوبات سہ صدی)

ایک مکتوب میں قاضی شمس الدین ہی کو تحریر فرماتے ہیں:

یہ ضروری ہے کہ کپڑا، جسم اور لقمہ پاک اور حلال ہو، حواس خمسہ بھی معصیت سے پاک ہوں، دل بھی اوصاف ذمیمہ یعنی بخل اور حسد وغیرہ سے پاک ہو، پہلے کی پاکی سے مرید راہ دین میں دو قدم آگے بڑھ جاتا ہے، اور تیسرے کی (یعنی دل کی) پاکی حاصل ہوتی ہے تو مرید تین قدم آگے بڑھ جاتا ہے، اور مرید پر توبہ کی حقیقت واضح ہوتی ہے اور وہ

حقیقتاً تائب ہوتا ہے، (ایضاً ص ۸۷ - ۳۸۶)

ایک مکتوب مین طمع و نفاق سے بچنے کی تلقین روحانی طریقہ سے فرماتے ہین :

برادرم شمس الدین! معلوم ہو کہ نفاق سے ایک کام کرنا اور صوفیون کے رتبہ کی طمع رکھنا دینداروں کی پہچان نہین، تمہارا کوئی کام طمع سے خالی نہین ہے تا خالص نیت کا راز اظہار عبودیت مین ہے، نہ کہ طمع مین، طمع اور چیز ہے، اظہار عبودیت اور چیز، یہ بات کچھ غور کرنے کے بعد معلوم ہوئی ہے لیکن ہم تم ایسے ہین کہ کچھ رشوت ہی لے کر خدا کی بندگی کرتے ہین، ع زہے عشق از رہ رشوت دوست خواہی داشت جانان را.... (ایضاً ص ۲۰۵)

سعادت و شقاوت کے متعلق رقمطراز ہین :

برادرم شمس الدین! معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ کے دو خزانے ہین، سعادت اور شقاوت، ایک کی کنجی طاعت ہے اور دوسرے کی کنجی معصیت ہے، جو کہ ازل ہی سے السعید من سعد فی بطن امہ کے مصداق ہین (یعنی سعید وہ ہین جو ماں کے پیٹ ہی مین سعید تھے) ان کے ہاتھ مین سعادت کی کنجی یعنی طاعت دی گئی، اور جو ازل سے الشقی من شقی فی بطن امہ کے مصداق ہین (یعنی شقی وہ ہین جو ماں کے پیٹ ہی مین شقی ہوئے) ان کے ہاتھ مین شقاوت کی کنجی یعنی معصیت دی گئی، اور آج ہر شخص اپنے ہاتھون مین دیکھ سکتا ہے کہ کونسی کنجی اس کے پاس ہے، اور یہ بات سنت الٰہی کے مطابق ہے، سعید و شقی کو علمائے آخرت دیکھتے ہین، نہ کہ علمائے دنیا.... لیکن بندہ کی تمام عزت اور دولت اسی مین ہے کہ وہ طاعت و عبادت مین مشغول رہے..... (ایضاً ص ۲۱۵)

معاملات کی تعلیم دیتے ہین :

برادرم شمس الدین! ہر وہ معاملہ جس کا جواز قرآن مین نہین ہے بہت بجا ہے، ہر خیر جس کو شر

مین نہین باطل ہے، ہر دلیل جو دین کی تائید مین لائی جائے لیکن دینی نہین ہے محض باطل ہے،

اور ہر استعانت جو دین کی خاطر کی جائے لیکن دینی نہین ہے مردود ہے.... (ص ۲۵۵)

ایک مکتوب مین فرماتے ہین، امراء، ملوک، اصحاب منصب ارباب قدر و منزلت کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے کا سب سے نزدیک راستہ یہ ہے کہ وہ عاجزون کی دستگیری اور حاجتمندون کی حاجت روائی کرین، چنانچہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہان پہنچنے کی راہین تو بہت ہین، لیکن سب سے نزدیک راہ دلون کو راحت پہنچانا ہے، ان بزرگ سے یہ کہا گیا کہ جس شہر کے وہ رہنے والے ہین اس کا بادشاہ شب بیدار ہے، نفل نمازین بہت پڑھتا ہے، نفل روزے بھی رکھتا ہے، فرمایا، بے چارے نے اپنے کام کو تو کھو دیا ہے لیکن دوسرون کے کام مین لگا ہوا ہے، لوگون نے ان بزرگ سے پوچھا کہ آخر اس بادشاہ کا اپنا کام کیا ہے، تو فرمایا اس کا کام تو یہ ہے کہ طرح طرح کے کھانے پکوائے اور بھوکون کو پیٹ بھر کر کھلوائے، طرح طرح کے کپڑے سلوائے اور ننگون کو پہنوائے، اجڑے ہوئے دلون کو آباد کرے، حاجتمندون کی دستگیری کرے، نفل نماز اور نفل روزے تو درویشون کا کام ہے، (مکتوبات سہ صدی ص ۴۰۹)

اسی طرح اور بھی تعلیمات ہین، جن مین سے کچھ آیندہ صفحات مین پیش کی جائین گی ؛

اور دوسرے امرا جنھون نے حضرت مخدوم الملک سے تعلیم و تربیت پائی، ان مین سے بعض کے نام یہ ہین: قاضی صدر الدین، ملک مفرح، ملک معز الدین شمس الملک شمس الدین خوارزمی وغیرہ، ان امراء کے نام جو خطوط لکھے ہین، ان مین کہین درویشانہ عجز و انکسار ہے، کہین عالمانہ وقار و سنجیدگی، کہین بزرگانہ محبت و شفقت ہے، اور کہین مرشدانہ زجر و توبیخ ، یہ مکتوبات آج بھی فیوض و برکات کے سرچشمے ہین،

درویشانہ زندگی ارباب حکومت اور اصحاب دولت سے تعلقات کے باوجود حضرت مخدوم الملکؒ کی زندگی میں درویشانہ شان ہمیشہ قائم رہی، مرشد کی ہدایت کے مطابق خشک روٹی، خشک چاول یا خشک کھچڑی تناول فرماتے، دن کے وقت گھر میں چولہا نہ جلتا، اپنی والدۂ ماجدہ کو روزمرہ کے خرچ کے لیے ایک مقررہ رقم دیتے، لیکن ان سے یہ شرط تھی کہ دن کے وقت گھر میں دھواں نہ ہو، ایک بار گھر میں کوئی عزیز مہمان آیا، والدہ ماجدہ نے مہمان کی خاطر مرغ اور روٹی پکانی شروع کی، جس کی خبر حضرت مخدوم الملک کو نہیں ہوئی، گھر میں دھواں اٹھتے دیکھا تو خادم خاص کو بلا کر دریافت کیا، جب معلوم ہوا کہ مرغ اور روٹی پک رہی ہے تو والدہ ماجدہ کے پاس پہنچے، اور عرض کیا کہ میں نے اپنا منہ کالا کر کے آپسے شرط کی تھی، لیکن آپ اس کی پابند نہ ہو سکیں، ماں نے بیٹے کی خاطر ساری چیزیں مہمان کو دیدیں کہ کہیں اور جا کر پکوالو، ایک مرتبہ ایک شخص فالودہ لے آیا، حضرت مخدوم الملک نے اس کو سونگھ کر چھوڑ دیا، اور فرمایا کہ خیریت ہوئی، اگر کھالیتا تو اس فالودہ نے تو میرا کام ہی تمام کر دیا تھا،[1] حضرت مخدوم الملک کا عمل اس اصول پر تھا کہ کھانا اس طرح کھایا جائے جس طرح دوا کھائی جاتی ہے،

لباس میں بھی سادگی تھی، تہبند، مرزئی، کرتا اور چادر کے علاوہ عمامہ بھی سرمبارک پہ باندھتے تھے، لباس کا رنگ عموماً صندلی ہوتا، لباس کے کچھ تبرکات خانقاہ شریف میں موجود ہیں،

خشیت الٰہی وحب اللہ عذاب الٰہی کے خوف سے ہمیشہ روتے رہتے، لیکن اس خوف کے ساتھ حب اللہ میں عجیب وارفتگی پیدا ہو گئی تھی، ایک بار ایک مرید مولانا نظام الدین نے

---

[1] مونس القلوب بحوالہ سیرۃ الشرف ص ۱۱۶ – ۱۱۵

اپنے وعظ میں یہ دو شعر پڑھتے:

اے قوم بحج رفتہ کجا ئید کجا ئید	معشوق ہمین جاست بیا ئید بیا ئید
آنانکہ طلب گار خدا ئید خدا ئید	حاجت بطلب نیست شما ئید شما ئید

حضرت مخدوم الملک بھی مجلس وعظ میں تشریف فرما تھے، شعر سنکر ان پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی، سر مبارک کو ستون سے اتنا ٹکرایا کہ مجروح ہوگیا[1]،

اتباع سنت | لیکن جب اللہ میں اتباع سنت کا بھی ہر حال میں خیال رہتا تھا، فرماتے تھے کہ "باخدا دیوانہ باش و با شریعت ہوشیار"[2]

با شرع بہوش باش و باخدا دیوانہ	با عشق آشنا باش و با عقل بیگانہ

خدمت خلق اللہ | حق تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر حق العباد ادا کرنے میں برابر کوشاں رہے، خلق اللہ کی خدمت کو بہت بڑی دولت تصور فرماتے تھے، ارشاد ہے کہ

مسلمانوں کا کام انجام دینا اور ان کے کام میں لگے رہنا بڑی دولت ہے، یہ کام پیغمبروں کا ہے، انھوں نے مسلمانوں کے کام کیے، اور انکی بلائیں اپنے سر لیتے رہے"

ملک خضر کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

اس تاریک دنیا میں قلم، زبان، مال اور جاہ سے جہاں تک ممکن ہو محتاجوں کو راحت پہنچاؤ، صوم و صلوٰۃ و نوافل اپنی جگہ پر اچھی چیزیں ہیں لیکن دلوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ سود مند نہیں،

حضرت مخدوم الملک کا عمل بھی اس پر رہا، بہار شریف میں صرف اسی لیے اقامت کی کہ خواص و عوام کے ظاہری و باطنی اخلاق کو سنوارتے، اور اس کے لیے درس و تدریس

---

[1] مونس القلوب بحوالہ سیرۃ الشرف ص ۱۲۲ [2] مکتوبات سہ صدی ص ۷۰۴

پند و موعظت اور تقریر و تحریر وغیرہ تمام ذرائع اختیار فرمائے، اس سلسلہ میں جو تعلیمات دیں ان کی تفصیل آگے آئے گی،

دل جوئی و پردہ پوشی خلق اللہ کی دلجوئی اور ان کے عیوب کی پردہ پوشی کا خیال ہر حال میں رکھتے، اگر نفل کا روزہ رکھے ہوتے اور کوئی مدعو کرتا، تو فوراً افطار کر دیتے، اور فرماتے کہ نفل روزہ کی تو قضا ہے لیکن شکستگی دل کی قضا نہیں،

ایک روز ایک شخص امامت کے لیے آگے بڑھا، لوگوں نے حضرت مخدومؒ سے کہا، یہ شراب خوار ہے، فرمایا، ہر وقت نہ پیتا ہوگا، لوگوں نے کہا، ہر وقت پیتا ہے، فرمایا، ماہ رمضان المبارک میں نہیں پیتا ہوگا، اور اس کی اقتدا کر لی[1]

عجز و انکسار عالم تھے، لیکن اپنے کو سگ گرگین آستانہ علماء[2] سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے لیکن اپنے آپ کو نذیرہ (ذلیل) اور مخذول[3] (بدبخت) وغیرہ لکھتے تھے، اپنے متعلق فرماتے کہ "ہیچ نہ شد"، پہلے بھی ذکر آچکا ہے کہ ایک بار علی الصباح سرد پانی میں غسل کرتے وقت بیہوش ہوگئے، جب ہوش آیا تو فجر کی نماز کا وقت جا چکا تھا، انتہائی رنجیدہ ہو کر اپنے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جتنا مجاہدہ میں نے کیا ہے، اگر پہاڑ نے کیا ہوتا تو وہ پانی ہو جاتا لیکن افسوس شرف الدین کچھ نہ ہوا، تمام معاصر مشائخ کو اپنے سے بہتر اور برتر تصور فرماتے، ایک بار حضرت سید جلال بخاری کی خدمت میں ایک کفش بھیجی جس سے یہ مطلب تھا کہ میں آپ کا کفش پا ہوں، لیکن حضرت سید جلال بخاری نے اس کے بدلے میں اپنی دستار بھیجی جس سے یہ مراد تھی کہ آپ میرے سرتاج ہیں[4]

---

[1] مناقب الاصفیاء بحوالہ سیرۃ الشرف ص ۱۵۱-۱۵۲ [2] مکتوبات صدی ص ۳ و ۴ [3] ایضاً

[4] مونس القلوب بحوالہ سیرۃ الشرف ص ۱۵،

ذوق سماع | مرشد کی نصیحت تھی کہ سماع کے وقت باطنی احوال ظاہر نہ ہوں، اس لیے جب کبھی مجلس سماع ہوتی اور اس میں حضرت مخدوم الملک کو وجد آتا تو خلوت میں چلے جاتے، اور دروازہ بند کر لیتے، وہاں کسی کو آنے کی اجازت نہ ہوتی،

سماع کی حلت و حرمت پر معدن المعانی باب ہفتم (ص ۱۷۴ - ۱۶۱) اور مکتوبات سہ صدی (مکتوب نود و سوم ص ۷۱ - ۲۶۴) میں مستقل بحثیں ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سماع سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی تحریک ہو، اور احوال شریف یعنی مکاشفات اور ملاطفات ظہور پذیر ہوں تو یہ حلال ہے، اور اگر اس سے طبیعت فسق و فجور کی طرف مائل ہو تو یہ حرام ہے، سماع حلال بھی، حرام بھی اور مکروہ بھی ہے، اور مباح بھی، اگر سماع کے سننے سے دل صرف حق کی طرف مائل ہو تو یہ حلال ہے، اگر مجاز کی طرف مائل ہو تو یہ حرام ہے، اور اگر کچھ حق اور کچھ غیر حق کی طرف متوجہ ہو، تو یہ مکروہ ہے، اور حق و مجاز دونوں کی طرف مائل ہو، لیکن حق کی طرف زیادہ رجحان رکھے، تو یہ مباح ہے، (معدن المعانی ص ۲۶۳ - ۲۶۴)

سماع اہل حق کے لیے مستحب، اہل زہد کے لیے مباح اور اہل نفس کے لیے مکروہ ہے، (مکتوبات سہ صدی ص ۲۶۷)

سماع اگر طلب منفعت کے لیے ہے تو یہ مذموم ہے، اور اگر طلب حقیقت کے لیے ہو تو یہ محمود ہے، (معدن المعانی ص ۲۶۴)

مجلس سماع کے لیے تین شرطیں ضروری ہیں، مکان، اخوان اور زمان، مکان یعنی جہاں مجلس سماع ہوتی ہو وہ مشائخ کی جگہ ہو، اور پاکیزہ، کشادہ اور روشن ہو، اخوان یعنی مجلس سماع میں جو شریک ہوں، وہ درویش یا درویش کے دوست ہوں اہل تمیز، صحبت یافتہ اور متاخر ہوں، زمان یعنی سماع کے وقت دل تمام چیزوں

سے خالی ہو،

مجلس سماع کے آداب کی پابندی بھی ضروری ہے۔ مثلاً شرکاء دو زانو بیٹھیں، سر کو آگے جھکائے رکھیں، دائیں بائیں نہ دیکھیں، ہاتھ اور سر کو جنبش نہ دیں، پیاس معلوم ہو تو پانی نہ پئیں، آپس میں گفتگو نہ کریں، قوال کی خوش گلوئی کی داد نہ دیں، اشعار کو بہتر طریقے پر پڑھنے کی فرمائش نہ کریں، دل کو حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف مائل رکھیں۔ (ماخوذ از مکتوبات سہ صدی ص ۲۷۱ - ۲۷۰)

وصال | ۸۰۸ھ میں ۲۸ شوال شب پنجشنبہ کو بوقت نماز عشاء عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی، اس روز صبح کی نماز ہی کے وقت سے سفر آخرت کی تیاری شروع کر دی تھی، مریدوں کو پاس بلاتے کسی کو گلے لگاتے کسی سے مصافحہ فرماتے، کسی کی داڑھی کا بوسہ دیتے، کسی کو آغوش میں لیتے، کسی کو دعائیں دیتے، کسی کو خاص خاص وصیتیں کرتے، بار بار کلام پاک کی آیتیں اور کلمے پڑھتے، مغرب کے وقت وضو کر کے نماز ادا کی، نماز کے بعد کلمہ طیبہ پڑھتے رہے، پھر مناجات کی دعائیں پڑھیں، آخر میں امت محمدی کیلیے دعا کرتے رہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کر دی[1] تاریخ وصال "پرشرف" (۸۰۸ھ) ہے، وصیت کی تھی کہ جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جو نسباً سید ہو تارک مملکت ہو، اور حافظ قراءت سبعہ ہو ...... جنازہ رکھا ہوا تھا کہ عین اسی وقت حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ کا ورود ہوا، یہ تینوں شرطیں ان میں موجود تھیں اس لیے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت انہی کے حصہ میں آئی، مزار پر انوار بہار شریف میں مرجع خلائق ہے،

علوے مرتبت | صوفیۂ کرام میں مخدوم الملک، مخدوم عالم، سلطان العاشقین، سید المتکلمین، برہان المحققین، الشافعین، تاج الاولیاء، سراج الاولیاء، اور کیا کیا دوسرے گرانقدر القاب سے مشہور ہیں[2]

[1] تفصیل کیلیے دیکھو راحت القلوب وفات نامہ حضرت شیخ شرف الدین احمد منیری مطبع مفید عام آگرہ،

[2] مونس المعانی ص ۲، سیر العارفین ص ۹۶، اخبار الاخیار ص ۱۰۹،

تصانیف حضرت مخدوم الملک کے خاندان والے ان کی تصانیف کی تعداد سترہ سو بتاتے ہیں

لیکن ہم کو صرف حسب ذیل کتابوں کا پتہ چل سکا ہے،

(الف) مکتوبات ۱۔ مکتوبات صدی (۲) مکتوبات دو صدی (۳) مکتوبات بست وہشت۔

(ب) ملفوظات: (۱) معدن المعانی (۲) مخ المعانی (۳) راحت القلوب (۴) خوانِ

پُرنعمت (۵) کنز المعانی (۶) مغز المعانی (۷) گنج لایفنی (۸) مونس المریدین (۹) تحفۂ غیبی (۱۰)

ملفوظ الصفر (۱۱) برات المحققین،

(ج) تصانیف: (۱) فوائد رکنی (۲) شرح آداب المریدین (۳) عقائد شرفی (۴) ارشاد

السالکین (۵) ارشاد الطالبین (۶) اجوبہ (۷) اوراد خورد (۸) اوراد اوسط (۹) فوائد المریدین

(۱۰) اجوبہ زاہدیہ (۱۱) رسالہ اشارات (۱۲) رسالہ مکیہ (۱۳) اوراد کلان،

مکتوبات صدی۔ یہ حضرت مخدوم الملک کے مرید قاضی شمس الدین حاکم چوسہ کے نام ہیں، قاضی شمس الدین اپنے فرائض منصبی کی مشغولیت کے باعث حضرت مخدوم الملک کی خدمت میں حاضر ہونے سے معذور تھے، اس لیے ان کی تعلیم مکتوبات کے ذریعہ ہوتی تھی[۱]، حضرت مخدوم الملک ان کو بہت عزیز رکھتے تھے، وصال کے وقت ان کو اپنے پاس بلا کر فرمایا، قاضی شمس الدین کو کیا کہوں، قاضی شمس الدین میرے فرزند ہیں متعدد بار میں نے کبھی ان کو "فرزندم" اور کبھی "برادر" لکھا ہے، ان ہی کی وجہ سے میرا علم درویشی ظاہر ہوا، ان ہی کے لیے مجھکو کہنا اور لکھنا پڑا، ورنہ کون لکھتا[۲]، مکتوبات صدی میں تصوف کے تمام اہم مسائل پر مختصر مگر محققانہ مباحث ہیں، یہ مکتوبات ۷۴۷ھ میں لکھے گئے، ان کو حضرت مخدوم الملک کے کاتب مولانا زین بدر عربی نے جمع کرکے اپنے پاس رکھ لیا تھا، مکتوبات صدی کے نسخے چھپ گئے ہیں، ایک نسخہ

---

[۱] دیباچہ مکتوبات صدی ص ۲ مطبع اسلامی لاہور [۲] راحت القلوب وفات نامہ ص ۲۷-۲۶

مطبع نولکشور میں چھپا ہے، جو بے حد غلط ہے، ایک اور نسخہ مطبع علوی محمد علی بخش خان نقشبندی میں چھپا ہے۔

(۲) مکتوبات دو صدی۔ اس میں عام طور سے ۱۵۱ مکتوبات پائے جاتے ہیں،[5] اسکو مولانا زین بدر عربی نے مذکورۂ بالا مکتوبات کے بائیس سال کے بعد ۷۶۹ھ میں ترتیب دیا تھا، مگر خدا بخش خان لائبریری کے مخطوطہ میں مرتب کا نام محمد بن محمد بن عیسیٰ البلخی المدعو بہ اشرف بن رکن ہے[2] یہ مکتوبات بھی چھپ گئے ہیں، ایک نسخہ سہ صدی مکتوبات کے نام سے کتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور سے بھی شائع ہوا ہے جس میں مذکورۂ بالا تینوں مکتوبات ایک ہی ساتھ ہیں،

یہ مکتوبات کسی ایک شخص کے نام نہیں ہیں، بلکہ اس زمانہ میں حضرت مخدوم الملکؒ نے مختلف مریدوں کے نام جو خطوط لکھے ہیں، ان ہی کا مجموعہ ہے، اس لیے بعض مباحث میں توارد اور تکرار پیدا ہو گیا ہے،

(۳) انڈیا آفس میں حضرت مخدوم کے مکتوبات کا ایک اور مجموعہ ہے جس میں ۱۲۵ مکتوبات ہیں، اس میں بھی خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کے نام خطوط ہیں، ان دونوں کو حضرت مخدوم الملک فرزند کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں، جس سے انڈیا آفس کیٹلاگ کے مرتب کو دھوکہ ہوا ہے کہ وہ دونوں حضرت مخدوم الملک کے صاحبزادے تھے،

(۴) مکتوبات بست و ہشت۔ یہ مولانا امام مظفر قدس سرہٗ کے نام ہیں، بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک نے ان کے نام دو سو سے زیادہ خطوط لکھے تھے، مگر ان کو وہ (امام مظفر) عوام سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے، اس لیے انھوں نے وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ یہ خطوط ان کے ساتھ قبر میں دفن کردیے جائیں، مگر اتفاق سے یہ اٹھائیس خطوط کہیں

[1] دیکھو انڈیا آفس کیٹلاگ ص ۱۰۱۰، ۱۸۴۹ وبنز ایشیاٹک سوسائٹی کیٹلاگ ص ۴۷۵، [2] دیکھو کیٹلاگ ج ۱۶ ص

پڑے رہ گئے، جو رفتہ رفتہ بالکل عام ہو گئے، اور اب کتاب کی صورت میں شائع کر دیے گئے ہیں[۱]،

حضرت مخدوم الملک کی تمام تصانیف میں مکتوبات بہت ہی مقبول ہیں، ابو الفضل رقمطراز ہے:

"وفراوان تصنیف از و یادگار۔ از ان میان مکتوبات او در سرشکنی نفس آزمونی دارد[۲]"

مولانا عبد الحق لکھتے ہیں:

"او را تصانیف عالی است از جملہ تصانیف او مکتوبات مشہور و لطیفہ ترین تصانیف اوست، بسیاری از آداب طریقت و اسرار حقیقت در آنجا اندراج یافتہ[۳]"

حضرت مخدوم الملک کے ملفوظات کی تعداد بہت زیادہ ہے، جیسا کہ اوپر کی فہرست سے ظاہر ہوا ہوگا۔

(۱) معدن المعانی مرتبہ مولانا زین بدر عربی دو جلدوں میں ۷۴۷ھ سے ۷۵۲ھ تک کے ملفوظات ہیں، اس میں نہ صرف خالص صوفیانہ نکات ہیں، بلکہ مذہب، حدیث اور علم کلام پر بھی مباحث ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کی خانقاہ کی مجلسوں میں نہ صرف تصوف کے عقدۂ لاینحل حل کیے جاتے تھے، بلکہ وعظ و نصیحت، رشد و ہدایت، اوامر و نواہی، اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم بھی جاری تھی، ان ہی تعلیمات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت مذہب اور تصوف دو الگ الگ چیزیں نہ تھیں، بلکہ دونوں ایک ہی شمع کے دو پرتو تھے،

(۲) خوان پر نعمت (مرتبہ مولانا زین بدر عربی) کو معدن المعانی کی تیسری جلد سمجھنا چاہیے، اس میں زیادہ تر تصوف کے جزوی نکات اور فقہی و شرعی مسائل ہیں،

[۱] دیکھو دیباچہ مکتوبات بست و ہشت ص ۳۰۲ (مطبع اسلامی لاہور) [۲] آئین اکبری ج ۳ ص ۱۷۲ [۳] اخبار الاخیار ص ۱۰۹

(۳) مخ المعانی۔ اس کو شیخ شہاب الدین عماد نے مرتب کیا، اس میں مختلف مسائل مثلاً ماہ رجب کے روزے کی فضیلت، توبہ، لیلۃ الرغائب تلاوت کلام پاک، ادعیہ، کھانے کے آداب، شہیدوں کا مرتبہ، شب معراج، علم کسبی وغیر کسبی، شب برات، لبس نفل، نماز تراویح، پیر، مرد کامل، تعبیر خواب، توبہ موسیٰ، تصفیہ وتزکیۂ باطن، صلابت، امیر المومنین حضرت عمرؓ، جوع صادق، وقوف، رجوع، [illegible] بشرو غیرہ وغیرہ پر ارشادات گرامی ہیں، کل ۱۵ مجلسوں کے ملفوظات ہیں،

(۴) راحت القلوب (مرتبہ مولانا زین بدرعربی) ہیں دس مجلسوں کے ملفوظات ہیں، یہ چھوٹا سا رسالہ ہے جس کی ضخامت ۲۰ صفحے کی ہے (مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ) اس میں رضائے حق، مبدأ، معاد، خواجہ اویسؓ قرنی، سجدۂ آدم صفی اللہ تعظیم تلاوت کلام پاک، نماز جمعہ کی فضیلت، روزۂ عاشورہ پر مباحث کے علاوہ کلام پاک کی بعض آیتوں کی تفسیر بھی ہے۔

کنز المعانی، مغز المعانی، گنج لایفنی، مونس المریدین، تحفۂ غیبی، ملفوظ الصفر، اور ہدایت المحققین غیر مطبوعہ ہیں یہ میری نظر سے نہیں گذریں۔

تصانیف میں فوائد رکنی، ارشاد الطالبین، ارشاد السالکین، رسالہ مکیہ فردوسیہ، شرح آداب المریدین، فوائد المریدین، اجوبہ، عقائد اشرفی، لطائف المعانی، اوراد کلاں، اوراد اوسط، اوراد خورد چھپ گئی ہیں،

(۱) فوائد رکنی۔ ۴۴ صفحے کا ایک رسالہ ہے، جس میں حضرت مخدوم الملکؒ نے اپنے ایک مرید رکن الدین کو حج کعبہ کے وقت سفر و حضر میں مطالعہ کے لیے ہدایتیں دی تھیں، اسکو ان کی تعلیمات کا خلاصہ کہنا چاہیے۔

(۲) ارشاد الطالبین۔ یہ ۱۶ صفحے کا ایک مختصر رسالہ ہے، اسمیں حضرت مخدوم الملکؒ

نے طالب حق کو مختلف قسم کی ہدایتیں دی ہیں، انڈیا آفس کی فہرست میں اس کا نام

برہان العارفین ہے، (ص ۱۰۲۰)

(۳) ارشاد السالکین۔ یہ توحید پر ۴ صفحے کا رسالہ ہے جس میں حضرت مخدوم الملک

نے بتایا ہے کہ کائنات کی ساری چیزیں ایک ہی نور کی مختلف صورتیں ہیں، نور عالم لاہوت سے

جبروت میں آیا، تو روح ہوا، اور [illegible] سے ملکوت میں منتقل ہوا تو قالب کہلایا، اور ملکوت

سے ناسوت میں پہنچا تو جسم کے نام سے موسوم ہوا، اسی طرح نور عالم کثیف میں آیا تو نار

ہوا، نار کثیف ہوکر باد ہوئی، اور باد کثیف ہوکر آب ہوئی، اور آب کثیف ہوکر خاک ہوا،

پس انسان اور عناصر اربعہ ایک ہی چیز کی مختلف صورتیں ہیں،

(۴) رسالہ مکیہ و ذکر فردوسیہ۔ یہ سات صفحے کا ایک قلمی رسالہ ہے جس میں اذکار

کے اقسام اور طریقے بتائے گئے ہیں،

(۵) شرح آداب المریدین۔ یہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبدالقاہر سہروردی

کی مشہور عربی تصنیف آداب المریدین کی شرح ہے۔

(۶) فوائد المریدین۔ یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں مریدوں کے لیے کلمۂ طیبہ کی فضیلت

نماز باجماعت کی برکت، بعض آیتوں کے فیوض، گورستان، منکر نکیر، بہشت، دوزخ،

قیامت، ایمان، حقوق الوالدین، حقوق ہمسایہ، حقوق زوجین کے لیے کچھ ہدایتیں ہیں،

یہ بظاہر مذہب و اخلاق پر ایک رسالہ معلوم ہوتا ہے، مگر اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ

کا تصوف مذہب و اخلاق سے الگ ۔۔۔۔ نہ تھا، بلکہ ایک صوفی اپنی روحانیت کے ساتھ

اخلاق و مذہب کا بھی اعلیٰ نمونہ ہوتا تھا،

(۷) اجوبہ۔ یہ سوالات و جوابات کا ایک مجموعہ ہے جو زاہد بن محمد بن نظام اور دوسرے

معتقد ہیں حضرت مخدوم الملک سے وقتاً فوقتاً سوالات کیا کرتے تھے، اور وہ جو جوابات مرحمت فرماتے، ان کو اس رسالہ میں جمع کر لیا گیا ہے، تصوف کے بہت سے مسائل اس رسالہ میں پائے جاتے ہیں،

(۸) لطائف المعانی۔ یہ معدن المعانی کا خلاصہ ہے،

عقائد شرفی، اوراد کلان، اوراد وسط اور اوراد خورد کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہیں۔

تعلیمات | جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ حضرت مخدوم الملک کی تمام تصانیف میں مکتوبات سب سے زیادہ اہم ہیں، اور ان میں تصوف کے تمام رموز و نکات پر مدلل اور محققانہ مباحث ہیں۔

توحید | سہ صدی مکتوبات کا جو مجموعہ لاہور سے شائع ہوا ہے، اس کے پہلے مکتوب میں توحید پر بحث ہے، حضرت مخدوم الملک فرماتے ہیں کہ توحید کے چار درجے ہیں (۱) زبان سے لا الہ الا اللہ کہنا، مگر دل سے اس کا انکار کرنا، یہ منافقت ہے (۲) دل سے لا الہ الا اللہ کہنا اور اعتقاد بھی رکھنا جیسا کہ عام مسلمان رکھتے ہیں، ان مسلمانوں میں بعض اللہ کی وحدانیت پر سینکڑوں دلیلیں بھی پیش کرتے ہیں، ان کو متکلمین اور علمائے ظواہر کہا جاتا ہے (۳) مجاہدہ اور ریاضت سے مشاہدہ کرنا کہ فاعل حقیقی وہی ایک ذات ہے، یہ توحید عارفانہ ہے جسکو "مقام ہمہ از وست" کہتے ہیں (۴) مجاہدہ اور ریاضت کی کثرت سے سالک ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ عالم جو آئینہ حیرت ہے، اس کو نظر نہیں آتا ہے، ساری ہستیاں اس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ اور نہیں دیکھتا، اس پر فنائیت طاری رہتی ہے اس کو فنا فی التوحید (یعنی ہمہ اوست) کہتے ہیں، فنا فی التوحید کے بعد بھی ایک مرتبہ ہے، جس کا نام "الفناء عن الفناء" ہے، اس مرتبہ میں سالک کو کمال استغراق میں اپنی

فنائیت کی بھی خبر نہین ہوتی، اور وہ خدا کے جلال اور جمال مین کوئی فرق اور تمیز نہین کر سکتا،
کیونکہ یہ تمیز باقی رہ جاتی ہے تو یہ تفرقہ کی دلیل ہے، عین الجمع اور جمع الجمع کا مقام اسی وقت
حاصل ہوتا ہے، جب سالک اپنے کو اور کل کائنات کو خدا کے دریائے نور مین غرق کر دیتا ہے
اور اس کو خبر نہین ہوتی ہے کہ کون اور کیا غرق ہوا،

تو در و گم شو کہ توحید این بود   گم شدن گم کن کہ تفریق این بود

اس مقام تفرید مین پہنچکر سالک کو وحدت الوجود کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے،
اور وہ ایسا محو ہو جاتا ہے کہ اس کو اسم و رسم، وجود و عدم، عبارت و اشارت، عرش و فرش
اور اثر و خبر سے کوئی واقفیت نہین ہوتی، اس مقام کے سوا کہین اور جلوہ گر نہین ہوتا، یہان
کے سوا اس کا نشان کہین اور ظاہر نہین ہوتا۔

اس جگہ حضرت مخدوم الملک نے بطور انتباہ لکھا ہے کہ توحید وجودی علم کے درجہ مین
ہو یا شہود کے ابتدائی درجہ سے انتہائی درجہ مین ہو، ہر درجہ مین بندہ بندہ ہے، خدا خدا ہے،
اس لیے انا الحق سبحانی ما اعظم شانی (مین خدا ہون، مین پاک ہون، اور میری شان کسقدر
بڑی ہے) وغیرہ کہنا کلمات کفر ہین،

فنا فی التوحید کے سلسلہ مین یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سالک اپنی فنائیت، محویت
اور استغراق مین آخر کیا دیکھتا ہے، کیا محسوس کرتا ہے، کیا لطف اٹھاتا ہے،

وہ دل مین نور دیکھتا ہے، اور ان چیزون کا ادراک کرتا ہے جو اس کو پہلے معلوم نہین،
وہ خدا کی تجلی کا مشاہدہ کرتا ہے، اور خدا سے وصل کا لطف اٹھاتا ہے،

یہ نور، ادراک، تجلی اور وصل کیا ہے؟

نور سالک کے دل سے صفات بشریت کی سیاہیان اور تاریکیان دور ہوکر اس مین جو

صفائی پیدا ہوتی ہے، اسی کا نام نور ہے، صفائی میں جتنا زیادہ کمال ہوگا، اتنا ہی دل کا نور زیادہ درخشاں اور تابان ہوگا، اس درخشانی اور تابانی میں دل کے اندر ایک خاص قسم کی لذت، کیفیت اور ذوق محسوس ہوتا ہے جس کو تحریر میں لانا مشکل ہے، اسی لذت، کیفیت اور ذوق کو خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات کا نور کہتے ہیں،

ادراک | سالک کا دل اس نور خداوندی سے منور ہو جاتا ہے، تو اس کو کشف یعنی ادراک حاصل ہوتا ہے، پہلے معقولات کے اسرار و رموز سے واقف ہوتا ہے، جس کو کشف نظری کہتے ہیں، کشف نظری سے گذر کر سالک کو کشف دلی حاصل ہوتا ہے، جس کو کشف شہودی بھی کہتے ہیں اس میں مختلف قسم کے انوار کشف ہوتے ہیں، اس کشف کے بعد سالک کو کشف الہامی ہوتا ہے، جبکہ وہ تخلیق عالم کے اسرار، اور اس کی ہر چیز کے وجود کی حکمت سے واقف ہو جاتا ہے۔

کشف الہامی کے بعد کشف روحانی پیدا ہوتا ہے، جبکہ اس کی نظروں سے زمان و مکان کا حجاب اٹھ جاتا ہے، ازل اور ابد کا دائرہ اس کے سامنے ہوتا ہے، وہ بہشت، دوزخ اور ملائکہ کو دیکھ سکتا ہے، ملائکہ کی باتوں کو سن بھی سکتا ہے، ماضی، حال، اور مستقبل کے واقعات سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے، چنانچہ اسی مقام میں اس سے کرامت بھی صادر ہو سکتی ہے، مثلاً وہ پانی یا آگ پر چل سکتا ہے، ہوا میں اڑ سکتا ہے، ایک لمحہ میں دوری اور مسافت کو طے کر سکتا ہے، مگر کرامت کوئی قابلِ اعتماد چیز نہیں، اس کا اظہار جائز نہیں، بلکہ اس کو پوشیدہ رکھنا فرض ہے، کیونکہ اظہار سے فتنہ پیدا ہوتا ہے[۲]،

کشف روحی سے کشف خفی پیدا ہوتا ہے، کشف خفی صفاتِ خداوندی کا واسطہ ہوتا ہے،

---

[۱] مکتوبات سرہندی ص ۴۸، [۲] خوانِ پر نعمت ص ۷۲،

یعنی صفات خداوندی کا عکس روح پر پڑتا ہے، اس لیے اس کو کشف صفاتی بھی کہتے ہیں، چنانچہ
مکاشفات خفی میں سالک کو کسی صفت کا کشف ہوگا تو وہ اس پر خدا کا کلام ظاہر ہوگا، اگر بصری
صفت کا کشف ہوا تو اس کو مشاہدۂ حق حاصل ہوگا، اور صفت جمال مکشوف ہوئی تو اسکو
ذوق مشاہدہ نصیب ہوگا، اگر جلال کی صفت ظاہر ہوئی تو حقیقی فنا ظاہر ہوگی، اور اگر صفت
قیومی کا کشف ہوا تو حقیقی بقا نصیب ہوگی الخ[1]

تجلی | جب سالک کا دل آئینہ کی طرح صاف ہو جاتا ہے تو نور تجلی کی شان میں ظاہر ہوتا
ہے، تجلی کی دو قسمیں ہیں: (۱) تجلی روحانی (۲) تجلی ربانی، تجلی روحانی میں صفات بشری زائل
تو ہو جاتے ہیں لیکن بالکل فنا نہیں ہوتے، اس میں شک وشبہہ باقی رہتا ہے، جس سے بعض
اوقات غرور، پندار، عجب و خودی بڑھ جاتی ہے، مگر تجلی ربانی میں ہستی نیستی سے بدل جاتی
ہے، اور خداوند تعالیٰ جس صفت کے ساتھ چاہتا ہے اپنی تجلی سے سالک کو سرفراز کرتا ہے،
مثلاً سالک حیات کی صفت میں تجلی سے متصف ہوتا ہے، تو وہ حضرت خضرؑ و حضرت
الیاسؑ کی طرح حیات جاودانی پاتا ہے، اور اگر کلام کی صفت میں تجلی ہوتی ہے تو وہ حضرت
موسیٰؑ کی طرح خدا سے متکلم ہوتا ہے، اور اگر اخلاقی کی صفت میں تجلی پاتا ہے تو اس میں وہ بات
پیدا ہوگی جو حضرت عیسیٰؑ میں تھی،[2]

وصل | حق تعالیٰ سے وصل کے معنی اس سے ملنا اور پیوستہ ہونا ہے، مگر یہ ملنا ایسا نہیں ہے
جیسا کہ جسم کا جسم سے یا عرض کا عرض سے، یا جوہر کا جوہر سے، یا علم کا معلوم سے یا عقل کا معقول
سے یا شئے کا شئے سے ہے، بلکہ اس سے مراد دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے انقطاع اور دوری
ہوتی ہے، جس قدر غیر حق سے فراغت ہوگی، اسی قدر حق تعالیٰ کا تقرب ہوگا، اور حق تعالیٰ

۱؎ کشف کی تفصیلات کیلیے دیکھو مکتوبات صدی ص ۱۴۰ و ۱۴۱ ۲؎ ایضاً ص ۱۴۳ - ۱۴۴

سے جس قدر دوری ہوگی، اتنا ہی اس سے انفصال اور بعد ہوگا[1]

حضرت مخدوم الملک نے ان تمام ذرائع پر بھی بحث کی ہے، جن سے اللہ تعالیٰ کا نور، تجلی اور وصل حاصل ہوتا ہے، ہم ان ذرائع کو سہولت کے لیے حسب ذیل طریقہ سے پیش کرتے ہیں،

(۱) توبہ (۲) صدق ایمان (۳) معرفت (۴) تقوی (۵) مجاہدہ ور یاضت نفس (۶) ترک دنیا،

توبہ | توبہ کے تین مراتب ہیں (۱) عوام کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں، خدا سے نافرمانی کرتے ہیں، اس لیے گناہوں کے عذاب سے بچنے کے خواہاں ہوتے ہیں (۲) خاص لوگوں کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جس قدر ان کو نعمتیں عطا ہوئیں، اس اعتبار سے ان سے خدمت کا حق ادا نہ ہو سکا (۳) خاص الخاص لوگوں کی توبہ اس لیے ہوتی ہے کہ انھوں نے اپنے کو عاجز و نیست کیوں نہ ... خیال کیا، قوی اور موجود تو صرف خداوند تعالیٰ ہی ہے،

انسان کی ہلاکت گناہ سے زیادہ توبہ اور استغفار کے ترک سے ہوتی ہے،[2]

ایمان | ایمان کی سچائی خدا کو بڑا سمجھنے میں ہے، اور خدا کی بڑائی کے احساس سے خدا سے شرم پیدا ہوتی ہے، اس شرم سے باطن اور ظاہر کی تعظیم پیدا ہوتی ہے، اسی کے بعد سالک کا شاہد خدا ہو جاتا ہے، اور وہ اس کو مختلف صورتوں میں مشاہدہ کرتا ہے، جن کے اثرات بھی مختلف ہوتے ہیں، مثلاً وہ خدا کے غنا کے کمال کا مشاہدہ کرتا ہے، تو اس کے دل سے ساری طمع جاتی رہتی ہے، اور خدا کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے، تو پھر اس کے سوا کسی اور سے اسکو انس پیدا نہیں ہوتا، وہ خدا کے فضل کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ اپنے افعال اور احوال سے بھی

[1] مزید تفصیل کے لیے دیکھو سہ صدی مکتوبات ص ۴۲ و ۲۶۶ وغیرہ۔ [2] ایضاً ص ۳۵۸ و مکتوب دوم ص،

بے نیاز ہوجاتا ہے، وہ خدا کے کرم کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کو خدا سے ایسا انبساط حاصل ہوتا ہے کہ کون ومکان اسی کے حاجتمند ہوجاتے ہین، خدا کے قہر کا مشاہدہ کرتا ہے تو پھر اس کو اپنے کسی فعل پر اعتماد نہین رہتا، اور اگر خدا کے جلال کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس پر خدا کا خوف ایسا طاری رہتا ہے کہ اس کو کبھی آرام نہین ملتا (مکتوبات سہ صدی ص ۱۱۲)

معرفت ان ہی مشاہدات کے بعد سالک کو معرفت حاصل ہوتی ہے، جس کے بعد وہ جملہ کائنات کو مقہور اور عاجز تصور کرتا ہے، اور خدا ہی کی ذات وصفات کو تمام چیزون پر محیط سمجھتا ہے یہ درجہ نہ عقل اور نہ صرف علم سے، بلکہ خدا کی ہدایت سے حاصل ہوتا ہے، (مکتوبات سہ صدی ص ۱۲۲)

یہ ہدایت طلب حق سے پیدا ہوتی ہے، طلب حق مین معرفت نفس ضروری ہے، کبر، بخل، حسد اور خشم کو معتوب اور مقہور کرکے تمام خواہشون اور لذتون سے پاک ہوجانا معرفت نفس ہے

تقویٰ یہ پاکی تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے، تقویٰ سے مراد ان تمام چیزون سے پرہیز ہے جن سے دین کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو، یہ نقصان دو طرح سے ہوسکتا ہے، حرام چیزون اور معصیت کی طرف مائل ہونے یا حلال چیزون کی طرف زیادتی کے ساتھ رغبت رکھنے سے (مکتوبات سہ صدی ص ۲۳۴)

مجاہدۂ نفس وریاضت اس میلان اور رغبت کی زیادتی کو کچلنے کیلیے حضرت مخدوم الملک رح نے مجاہدۂ نفس پر زور دیا ہے، مجاهدة هو الغزاء عن النفس الشیطان (ارشاد الطالبین ص ۱۴)

مجاہدۂ نفس مین اولین درجہ گرسنگی کا ہے، شکم تمام گناہون کا منبع ومعدن ہے، (مکتوبات ص ۲۳۶ ومخ المعانی ص ۱۴۲)، شکم کی سیری ہی سے انسانی شہوت پیدا ہوتی ہے، اسی لیے گرسنگی آگ ہے، اور انسانی شہوت ایندھن، انسانی شہوت گرسنگی ہی سے جل کر خاک سیاہ ہوجاتی ہے، (مخ المعانی ص ۱۴۲)

چنانچہ جس شب کہ درویش فاقہ کرتا ہے وہ گویا اسکی شب معراج ہے، گرسنگی سے اس کا ذہن تیز اور فہم صاف ہوجاتی ہے، (مکتوبات ص ۲۳۶) اور اسی سے اس کو اپنی ذات سے بیزاری پیدا ہوتی ہے،

جو خدائے عزوجل سے آشنائی کا اولین درجہ ہے (مکتوبات سہ صدی ص ۲۴۸-۲۵۰)

ترک دنیا — اور جب اپنی ذات سے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے، تو سالک کے پاس جو چیز ہوتی ہے اس کو اپنے سے علحدہ کر دیتا ہے، اور جو چیز اس کے پاس نہین ہوتی اس کی طلب نہیں کرتا، اسی کا نام ترک دنیا ہے، (مکتوبات سہ صدی ص ۲۱۳)

ترک دنیا کا انحصار زہد پر ہے، زہد کی دو قسمین ہین، ایک تو وہ جس پر بندہ کا مقدور ہے، دوسرے وہ جس پر بندہ کا مقدور نہین، اول الذکر زہد تین چیزون پر مشتمل ہو (۱) اس چیز کی طلب نہ کرنا جو نہ ہو (۲) اس چیز کو دور کرنا جو ہو (۳) باطن مین دنیا کی تمام چیزون کی خواہش کو ترک کر دینا موخر الذکر زہد سے دنیا کی طرف سے دل سرد ہو جاتا ہے، جو اول الذکر زہد پر پابند ہونے سے خود بخود حاصل ہو جاتا ہے (مکتوبات سہ صدی ص ۳ (۲)

ترک دنیا کے سلسلہ مین حضرت مخدوم الملک نے جابجا اور بھی بحث کی ہے، ان کے نزدیک دنیا کی چیزون کی تین قسمین ہین، ایک تو وہ جو صورت اور معنی مین دنیا کی چیزین معلوم ہوتی ہین، یہ معصیت کا سرمایہ ہین، جو ہرگز خدا کے لیے نہین ہو سکتی ہین، (دوسری) وہ جو صورت اور معنی مین خدا کے لیے ہون لیکن ان سے دنیا کا کام لیا جاتا ہو، مثلاً فکر، ذکر، مخالفت شہوت، فکر کر کے کوئی دنیاوی جاہ و مرتبہ حاصل کرنا چاہتا ہو، یا ذکر کر کے دنیا کے لوگون کی نظرون مین پارسا بننا چاہتا ہو، یا مخالفت شہوت سے اپنے کو زاہد دکھانا چاہتا ہو، تو یہ بے حد مذموم ہے، (تیسری) وہ جو ظاہر مین دنیا کی چیزین ہون لیکن باطن مین خدا کے لیے ہون، مثلاً کوئی اس لیے کھاتا، پیتا اور سوتا ہو کہ خدا کی عبادت کے لیے اس کی جسمانی قوت برقرار رہے، یا کوئی مال اس لیے طلب کرتا ہو کہ وہ خلق سے بے نیاز ہو تو قیامت کے روز اس کا چہرہ چودھوین رات کی طرح چمکتا نظر آئیگا، (ایضاً ۳۰۹ نصف)

ترک دنیا کے سلسلہ مین ترک خلق اللہ کی بھی بحث آتی ہے حضرت مخدوم الملک کا خیال ہے کہ

طالب حق حتی الوسع دنیا کے لوگوں کی صحبت سے گریز کرے، وہ دنیا کے لوگون مین صرف جمعہ کی نماز یا نماز باجماعت اداکرنے کے لیے آئے، اگر اس سے بھی اس کو حق کی راہ مین خلل پیدا ہو تو وہ کسی پہاڑ یا جنگل مین چلا جائے جہان یہ چیزین اس کے لیے فرض باقی نہ رہتی ہون، مگر طالبانِ حق مین اگر کوئی ایسا شخص ہو جس کے رشد وہدایت، پند ونصیحت اور علمی رموز ونکات کے لیے دنیا کے لوگ محتاج ہو رہے ہون تو اس کے لیے اس کی عزلت نشینی کار ثواب نہین (مکتوبات سہ صدی ص ۲۶۵) ایسی حالت مین وہ لوگون کے درمیان مین رہ کر ان سے الگ رہے یعنی ان کی مدح وذم سے بیگانہ رہے، اور اپنی مضرت ومنفعت کو ان کے معیار کے مطابق نہ سمجھے (معدن المعانی ص ۲۲۲)،

سالک کی مشغولیت | ترک دنیا اور ترک خلق اللہ کے بعد ایک سالک کی مشغولیت کا سوال پیدا ہوتا ہے، کہ اس کی مصروفیتین کیا ہون، حضرت مخدوم الملک کے نزدیک ایک سالک کے اشتغال کی ترتیب یہ ہونی چاہیے، وہ نماز پڑھے، اگر نماز سے ملول ہو جائے تو تلاوت کلام پاک کرے اگر اس سے بھی ملول ہو جائے تو ذکر کرے، اگر اس سے بھی ملول ہو جائے تو فکر کرے، (ایضاً ص ۱۵۲)

ذکر | ذکر سے مراد خداوند تعالیٰ کی یاد ہے، اس کی چار قسمین ہین: (۱) زبان پر ہو لیکن دل مین نہ ہو (۲) زبان اور دل دونون مین ہو، مگر دل کسی وقت اس سے غافل ہو جاتا ہو، لیکن زبان پر جاری ہو (۳) زبان اور دل مین برابر ہو (۴) دل مین ہو اور زبان خاموش ہو (معدن المعانی ص ۱۶۹)

اصل ذاکر وہ ہے کہ اس کی زبان ذکر مین مشغول ہو، دل خدا کی طلب مین ہو، روح خدا کی تجلیات کو دیکھتی ہو، اور اس کا سارا اندرونی راز مذکور کے ساتھ مدغم ہو جاتا ہو تاکہ وہ کل "منظورات" کو سن سکے، اور اس کا ہر بال اور رُوان، زبان ہو جائے، اس کے بعد ذاکر فنا فی الذکر ہوتا ہے اور اس کو اپنی ذات کا مطلق احساس نہین ہوتا، وہ اپنے کو محض خداوند تعالیٰ کا مزدور، مشغول، مامور اور مخلوق سمجھتا ہے، اور اپنے حزن ومسرت، مرض وصحت اور تنگی وفراخی کو حکم الٰہی

کی محض مثیت تصور کرتا ہے، اور نہ صرف صابر، شاکر اور قانع بلکہ مسرور رہتا ہے، اور اس کے احوال، اقوال اور افعال میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو، اس طرح وہ غیر اللہ سے منقطع ہو کر مقام الا اللہ کو پہنچ جاتا ہے، اور خدا کے جلال اور جمال کو اپنے دل کے اندر محسوس کرتا ہے، اور اسکی ذات کو اپنی ذات میں دیکھتا ہے، اسی کے بعد اس پر اسرار غیبی مکشوف ہوتی ہے (ارشاد الطالبین ص ۵ و راحت القلوب ص ۳)

فکر فکر سے مراد خداوند تعالیٰ کی آفرینش، زمین، آسمان، ازل اور ابد کے متعلق غور و خوض ہے فکر میں مرید کو خدا کے متعلق سوچنا خطرہ سے خالی نہیں، کیونکہ تفکر کا مرجع محصور اور محدود ہوتا ہے اور خداوند تعالیٰ کی ذات محصور و محدود نہیں، اس لیے اس کے متعلق سوچنا گویا تعلیل و تشبیہ میں اپنے کو ڈالنا ہے، اس لیے سالک کو صرف خداوند تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور اس کے ساتھ مکنونات غیب کے متعلق فکر کرنا چاہیے، اس فکر میں سالک اپنے تعلقات اور تمام پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے، اور وہ اپنے ارادوں اور خواہشوں سے باز آتا ہے، اسی کو "کون" سے باہر آنا بھی کہتے ہیں، حضرت مخدوم الملک کے نزدیک اس قسم کی ایک ساعت کی فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے (مکتوبات ص ۱۷۰، معدن المعانی ص ۲۴۷)

مخ المعانی میں حضرت مخدوم الملک نے فکر کی تین قسمیں بتائی ہیں: (۱) ازل میں کیا ہوا، (۲) ابد میں کیا ہوگا (۳) اوامر کی کیا پابندی ہوئی اور نواہی کا کیا ارتکاب ہوا، (ص ۱۴۹)

سالک کا ظاہری اخلاق حضرت مخدوم الملک کی مذکورہ بالا تعلیمات کا تعلق تو باطن سے ہے، لیکن انھوں نے سالک کو ظواہر کی بھی تعلیم دی ہے، جو حسب ذیل ہے،

سالک کا جسم، لباس، اور لقمہ طاہر اور حلال ہوتا کہ اس کا دل بھی اوصاف ذمیمہ سے پاک ہو، (مکتوبات سہ صدی ص ۸۰) معدن المعانی میں سالک کی طہارت کی چار قسمیں قرار دی ہیں،

(۱) طہارت جسم، یعنی بدن اور کپڑے پاک ہون (۲) طہارت حواس، نہ بان سے جھوٹ
بات نہ نکلے، نظر محرمات پر نہ پڑے، کان ایسی آواز نہ سنے جس کو نہ سننا چاہیے (۳) طہارت دماغ
از تخیلات۔ خدا کے سوا کسی اور کا تخیل نہ ہو (۴) طہارت دل۔ دل مذمومات اور محمودات
سے پاک ہو، مذمومات کی پاکی بخل، ریا، حسد، رشک وغیرہ سے آزادی حاصل کرنا ہے،
اور محمودات کی پاکی سے مراد ہے کہ سالک کو اپنی عبادت، زہد وغیرہ کا خیال نہ ہونے پائے
(معدن المعانی ص ۴۹) چنانچہ سالک کو اپنی نیت مین پاک ہونا چاہیے جب اسکی نیت
دنیا کے شوائب سے پاک ہوجاتی ہے تو وہ زاہد کہلاتا ہے، اور جب آخرت کے شوائب سے
پاک ہوجاتی ہے تو وہ عارف کہلاتا ہے، (مکتوبات سہ صدی ص ۴۸)

سالک کو ہر حال مین سعید ہونا چاہیے، کیونکہ سعادت طاعت کی کلید اور شقاوت معصیت
ہے، اخلاق حمیدہ مین وہ رسول اللہ کا پیرو ہو، مثلاً بدخو نہ ہو، بلکہ ہمیشہ تازہ رو اور کم سخن ہو،
سلام کرنے مین سبقت کرتا ہو، سخی ہو، غیبت، جھوٹ، فحش کلمہ زبان پر نہ لاتا ہو، دناءت، حقارت
اور طمع سے اپنے کو آلودہ نہ کرتا ہو، اپنے ہر فعل، قول اور حال مین خدا کی جانب نگاہ رکھتا ہو،
مسلمانون کے عیب پر پردہ ڈالتا ہو، کسی سائل کے سوال کو رد نہ کرتا ہو، اگر اس کے پاس کچھ
ہو تو وہ دیدیتا ہو اور کچھ نہ ہو تو دینے کا وعدہ کرتا ہو، کسی حال مین اس کو غصہ نہ آتا ہو (ایضاً ۱۶۳)
وہ کم بولتا ہو تاکہ دل مین مشغول رہے، اور کم کھاتا ہو تاکہ فکر جاری رکھے (ایضاً ص ۱۶۵)
وہ متواضع ہو، کیونکہ خدا کے بندون سے تکبر گویا خدا سے منازعت ہے (معدن المعانی ص ۳۶۲)،
حالت انبساط و قرب مین نازیبا کلمات و شطحیات منہ سے نہ نکالتا ہو، کیونکہ خدا کی شان مین یہ
سراسر گستاخی ہے (معدن المعانی ص ۲۸۸) نہ کسی حال مین پوشیدہ اسرار کو ظاہر کرتا ہو (معدن المعانی ص ۲۹۱)
سالک کو پیر کی تعظیم و تکریم ضروری ہے۔ خدا تک پہنچنے کی علت مشیت حق ہے،

پیر اس کا سبب ہے، گو بغیر علت کے صرف سبب کے ذریعہ سے منزل مقصود تک کوئی سالک نہین پہنچ سکتا، لیکن پھر بھی سالک کے لیے پیر کا احترام ضروری ہے، اس کو اپنے پیر کی متابعت قولاً، فعلاً، قلباً اور قالباً کرنا چاہیے، (معدن المعانی ص ۱۵۶)

مگر حضرت مخدوم الملک نے تصوف مین دو چیزین لازمی قرار دی ہین، ایک علم، دوسری شریعت کا اتباع،

علم کسی سالک کو بغیر علم کے اس راہ مین قدم نہین رکھنا چاہیے، کیونکہ علم کے بغیر یا تو وہ کافر یا مجنون ہو جاتا ہے، بعض اولیاء جاہل گزرے ہین، مگر ان کو رحمت خاص سے فیض ملا تھا، جس کی مثالین بہت ہی کم ہین، (خوان پر نعمت ص ۷-۶)

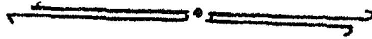
شریعت کی پابندی اسی طرح شریعت کے بغیر راہ سلوک مین قدم رکھنا جہالت اور ہلاکت ہے شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت معلوم ہوتی ہے، چنانچہ ایک سالک کو شریعت سے واقفیت نہین تو وہ طریقت اور حقیقت سے آگاہی نہین حاصل کر سکتا ہے،

اس سلسلہ مین شریعت، طریقت اور حقیقت کو واضح طور سے بتایا ہے، شریعت، توحید، طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور اوامر و نواہی کا نام ہے، اوامر و نواہی کی تحقیق و تفحص اور ان کی روشنی مین ضمیر کی صفائی، اخلاق کی تطہیر اور نفس کے تزکیہ کو طریقت کہتے ہین، شریعت کا تعلق ظاہر سے اور طریقت کا تعلق باطن سے ہے، مثلاً نماز قبلہ رو ہو کر پڑھنا شریعت ہے، لیکن نماز مین خدا سے دل لگانا طریقت ہے، نماز کی جگہ کو نجاست سے پاک کرنا شریعت ہے، لیکن دل کو بشری کدورت سے پاک رکھنا طریقت ہے، مباحات کا اختیار کرنا شریعت ہے، لیکن ان کی تخفیف کر دینا طریقت ہے، راہ شریعت مین مباحات کے اختیار کرنے سے راحت اور آسایش مین مبتلا ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے، طریقت اسی راحت کی تخفیف اور آسایش کی

منافقت کا نام ہے لیکن شریعت کے بغیر راہ طریقت پر چلنا کوٹھے پر بغیر زینہ کے دیوار پھاند کر چڑھنا ہے

شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت حاصل ہوتی ہے، علم حقیقت تین چیزوں پر مشتمل ہے: (۱) خداوند تعالی کی ذات اور وحدانیت کا علم (۲) خداوند تعالی کی صفات اور اس کے احکام کا علم (۳) اس کے فعل اور حکمت کا علم،

یہ چیزیں معلوم ہو جاتی ہیں تو ایک سالک عارف کہلاتا ہے، مگر حقیقت بغیر شریعت کے زندقہ اور شریعت بغیر حقیقت کے نفاق ہے، بعض گروہ کا خیال ہے کہ حقیقت کا جب کشف ہو جاتا ہے تو پھر شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن حضرت مخدوم الملک نے ایسے اعتقاد اور مذہب پر لعنت بھیجی ہے، اور کتاب، سنت اور اجماع امت کی تقلید کو ہر حال میں ضروری قرار دیا ہے (مکتوبات صدی ص ۶۴-۶۳-۷۲، ۵۰۹ الخ و معدن المعانی ص ۱۴۴ حصہ)



حضرت سیّد جلال الدین بخاری

مخدوم جہانیاں جہاں گشت

اسم گرامی و لقب | اسم گرامی سید جلال الدین تھا، لیکن عام طور پر "مخدوم جہانیان جہان گشت" کے لقب سے مشہور ہیں، اس لقب کی وجہ سیر العارفین کے مصنف نے یہ بتائی ہے کہ عید کے روز آپ نے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، حضرت شیخ صدر الدین اور حضرت شیخ رکن الدین کے مزارات پر جا کر مراقبہ کیا، اور مراقبہ میں عیدی طلب کی، تو ان بزرگوں کی جانب سے عیدی میں "مخدوم جہانیاں" کا لقب ملا، اور جب وہ وہاں سے واپس ہوئے تو راستہ میں جو کوئی دیکھتا بے اختیار کہتا کہ "مخدوم جہانیاں آتے ہیں"[1]

چونکہ سیاحت بہت کی، اس لیے "جہان گشت" بھی کہلائے، ان کی سیاحت کے متعلق اخبار الاخیار میں ہے:

"سیاحت بسیار کردہ، و از بسیارہ از اولیا نعمت و برکت یافتہ" (ص ۱۴۴)

مراۃ الاسرار میں ہے:

"و اکثر سفر ربع مسکون نمودہ، و جمیع مشائخ چہاردہ سلسلہ و چہل یک کردہ را دریافت"

خاندان | حضرت سید جلال الدین بخاری کے دادا کا اسم گرامی بھی سید جلال الدین تھا،

---

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۹۴

تذکرہ نگاران کا نام عموماً سید جلال الدین سرخ بخاری لکھتے ہیں[1]، وہ بخارا سے بھکر آئے[2]، اور بھکر سے ملتان آکر حضرت بہاء الدین زکریا سے بیعت کی، اور تعلیم و تربیت کے بعد خرقۂ خلافت بھی پایا[3]، ان کی بزرگی کے بارہ میں سفینۃ الاولیاء میں ہے:

"از بزرگان صحیح است جلیل القدر و جامع علوم ظاہر و باطن بودہ اند" (ص ۲۱)

بھکر کے قیام کے زمانہ میں وہاں کے ایک ممتاز امیر سید بدر الدین کی لڑکی سے عقد کیا، اس عقد کی بشارت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دی تھی، اس کے کچھ دنوں بعد ملتان سے اچہ منتقل ہو گئے[4] اور اسی شہر میں مستقل سکونت اختیار کی[5]، اور یہیں ان کی ابدی خوابگاہ بھی ہے۔

حضرت سید جلال الدین سرخ بخاری کے تین فرزند ہوئے، حضرت سید احمد کبیر، حضرت سید بہاء الدین اور حضرت سید محمد، حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت حضرت سید احمد کبیر کے فرزند ارجمند تھے۔

تذکروں میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا نسب نامہ یہ ہے[6]: مخدوم جہانیاں جلال الحق والدین ابو عبد الحسین بن کبیر الدین احمد بن سید جلال الملۃ والدین سرخ بخاری بن ابی المؤید علی بن جعفر بن محمد[7] بن محمود بن احمد عبد اللہ[8] بن علی اصغر بن عبد اللہ جعفر ابن امام علی نقی علیہ السلام[9]۔

---

[1] اخبار الاخیار ص ۹۵ و خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۵۰ [2] سیر العارفین (ج ۲ ص ۴۲) میں ہے کہ حضرت سید جلال الدین بخارا سے قبۃ الاسلام شہر ملتان آئے [3] سیر العارفین ج ۲ ص ۴۲ و فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۳ [4] اخبار الاخیار ص ۹۵ [5] یہ نسب نامہ حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کے اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظات المخدوم کے دیباچہ میں تذکرۃ السادات کے حوالہ سے درج ہے [6] فرشتہ (ج ۲ ص ۴۱۲) میں ہے: جعفر بن محمد بن احمد بن محمود [7] الدر المنظوم کے دیباچہ میں علی الاشقر ہے جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے [8] الدر المنظوم کے دیباچہ میں ابو عبد اللہ جعفر الکذاب ہے لیکن

باقی ص ۳۹۶ پر

حضرت سید احمد کبیر حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین سہروردی کے مرید تھے،[۱] حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے ملفوظات میں اپنے والد بزرگوار کی بزرگی کا ذکر بار بار فرمایا ہے، ایک موقع پر فرمایا:

"والد مخدوم کسی وقت خوف سے بستر پر نہیں سوتے تھے، سردی اور گرمی میں کوئی چیز اوپر کھینچ لیتے تھے، اور اسی پر کفایت کرتے، ہر روز قرآن شریف دو بار ختم کرتے، ایک دن میں، ایک رات میں، نہایت بزرگ آدمی تھے۔"[۲]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

"جس وقت مخدوم والد نماز ادا کرتے یا قرآن شریف کی آیت پڑھتے تو اس طرح روتے کہ ان کے سینۂ مبارک سے نعرے نکلتے تھے۔"[۳]

ایک اور موقع پر ہے:

"جس وقت والد دامت برکاتہ نماز فرض اور نفل میں کھڑے ہوتے تو نعرہ مارتے، اور زار زار روتے تھے۔"[۴]

حضرت مخدوم جہانیاں کے سگے بھائی شیخ راجو قتال بھی ایک برگزیدہ بزرگ تھے، اور وہ حضرت مخدوم کے مرید اور خلیفہ تھے۔[۵]

ولادت و طفلی حضرت مخدوم جہانیاں کی ولادت باسعادت اچ میں ۷۰۷ھ میں ہوئی، سات سال کے ہوئے تو والد بزرگوار کے ساتھ اچ کے ایک بزرگ حضرت شیخ جمال خنداں

(بقیہ حاشیہ ص ۳۹۵) فرشتہ میں صرف علی اصغر بن جعفر بن امام علی الہادی ہے،

[۱] الدر المنظوم مطبوعہ دہلی ص ۵۰۶ [۲] ایضاً ص ۲۳۸ [۳] ایضاً ص ۲۴۵ [۴] ایضاً ص ۵۵۰

[۵] تفصیل کے لیے دیکھو اخبار الاخیار ص ۱۴۶،

کی ایک مجلس میں شریک ہوئے، مجلس میں حضرت شیخ جمال خنداں کے سامنے کھجوروں کا ایک طباق رکھا ہوا تھا، انھوں نے یہ کھجوریں حاضرین میں تقسیم کیں، حضرت سید جلال الدین کو یہ ملیں تو گٹھلیوں کے ساتھ کھا گئے، شیخ جمال نے یہ دیکھکر دریافت کیا "میاں صاحبزادے تم نے گٹھلیوں سمیت کھجوریں کیوں کھالیں، جواب دیا آپ کے دستِ مبارک سے جو کھجوریں ملیں ان کی گٹھلیاں پھینک دینا مناسب نہیں سمجھا، یہ سنکر حضرت شیخ جمال خنداں نے فرمایا، تم فقر اور اپنے خاندان دونوں کے نام روشن کروگے[1]

تعلیم | ابتدائی تعلیم اُچہ ہی میں پائی، لطائف اشرفی (ج ا ص ۳۹۰) میں ہے کہ شروع میں تربیت اپنے چچا سید محمد بخاری سے حاصل کی، پھر اُچہ کے قاضی علامہ بہاء الدین سے ہدایہ اور بزدوی پڑھیں[2] ان کی وفات کے بعد مزید تعلیم کے لیے ملتان آئے، خاندان پہلے سے سہروردیہ سلسلہ سے منسلک تھا، اس لیے اپنے والد ماجد کے مرشد یعنی شیخ بہاء الدین زکریا کے پوتے حضرت شیخ رکن الدین کی خانقاہ میں آکر مقیم ہوئے، حضرت شیخ رکن الدین خاص شفقت سے پیش آئے، اور ان کی تعلیم اپنے پوتے مولانا موسیٰ اور ایک دوسرے عالم مولانا مجد الدین کے سپرد کی، اور ان بزرگوں سے ہدایہ اور بزدوی ختم کیں جب یہ کتابیں ختم کر چکے تو حضرت شیخ رکن الدین نے انکو اپنی کشتی پر سوار کراکے اُچہ واپس بھیجدیا[3] اثنائے تعلیم میں کلام پاک کی ساتوں قرأتیں سیکھیں،[4] تحصیل علم کا سلسلہ عرصہ دراز جاری رہا، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں شیخ عبد اللہ یافعی اور شیخ امام عبد اللہ مطری سے بھی مختلف کتابیں پڑھیں،[5] دونوں شیوخ سے صحاح ستہ اور حضرت

---

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۱۴۳-۱۴۴ [2] الدر المنظوم ص ۵۵۰-۵۰۶ [3] ایضاً ص ۴۳۲ [4] الدر المنظوم (ص ۶۸) میں ہے کہ ایک محدث و فقیہ ان کے والد بزرگوار کی خانقاہ میں آکر ٹھہرے تو ان سے مصابیح اور دوسری کتابیں پڑھیں [5] ایضاً ص ۱۶۷-۲۰۶

شہاب الدین سہروردی کی تصنیف عوارف المعارف کے درس لیے، شیخ مدینہ عبداللہ مطری کے ساتھ دو سال رہے، اور برابر تہجد کے وقت احادیث نبوی اور عوارف ان سے پڑھتے رہے[1]
وہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ شیخ عبداللہ مطری تہجد کے وقت میرے حجرے میں آتے
ایک ہاتھ میں چراغ اور ایک ہاتھ میں کھانا ہوتا، میں نے ان سے ایک روز عرض کیا،
اے شیخ! کیوں نہ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کروں، آپ میرے مخدوم اور استاد
ہیں، لیکن انھوں نے فرمایا تم میرے پاس نہ آؤ، میں خود تمھارے پاس آیا کروں گا، تم رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں ہو، حضرت مخدوم جہانیاں اپنے ملفوظات میں شیخ مدینہ کی شفقت
و محبت کا ذکر بار بار فرماتے ہیں، رمضان شریف میں مسجد نبوی میں اعتکاف کرتے تو شیخ
مدینہ افطار کے وقت ان کے لیے دو قرص لاتے، اور جب وہ مسجد نبوی کے احترام کی
خاطر کم کھانے کی کوشش کرتے تو شیخ کہتے اے فرزند رسول اللہ تم ماں رکھتے ہو، بیوی اور
رشتہ دار والے ہو، ان کے پاس تم کو واپس جانا ہے، کم کھاؤ گے تو کمزور ہو جاؤ گے، ان کے
پاس واپس کیونکر جا سکو گے، پر کھانے سے تمھارا دین کمزور نہ ہو جائے گا، بلکہ قوی ہوگا،
شیخ مدینہ کی شفقت و محبت کی بنا پر مسجد نبویؐ میں ایک بار امامت کرنے کی بھی سعادت
حاصل کی،[2]

حضرت سید جلال الدین بخاری نے شیخ عبداللہ مطری سے عوارف کا درس اس
خاص نسخہ سے لیا جو خود شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مطالعہ میں رہ چکا تھا، شیخ
عبداللہ مطری نے وفات کے وقت اس نسخہ کو شیخ مکہ عبداللہ یافعی کے پاس بھیجا کہ ...
اس کو حضرت سید جلال الدین کے پاس پہنچا دیا جائے، چنانچہ شیخ مکہ نے ایک حاجی کے ذریعہ

[1] الدر المنظوم ص ۶۸، [2] ایضاً ص ۲۰۲ - ۲۰۳

اس کو حضرت سید جلال الدین کے پاس بھیجا جس کو وہ بہت عزیز رکھتے تھے[1]، عوارف کو شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری سے بھی ان کے وطن قصبہ شوبارہ (عراق) میں جاکر پڑھا، یہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ جب حضرت سید جلال الدین انکی خدمت میں پہنچے، تو اس وقت ان کی عمر ایک سو تیس برس کی تھی،[2]

حضرت مخدوم جہانیان کے ملفوظات کے مرتب سید علاء الدین علی بن سعد حسینی کا بیان ہے کہ حضرت مخدوم ایک سو اٹھاسی علوم میں مہارت کاملہ رکھتے تھے، ان علوم کی طویل فہرست بھی ملفوظات کے شروع میں دی ہے،[3] دوسرے تذکرہ نویس بھی لکھتے ہیں کہ

جامع است میان علم و ولایت (اخبار الاخیار ص ۱۴۳)

سید جلال الدین حسین بخاری قدس سرہ از محتشمان روزگار و عارفان صاحب اسرار بود

در علوم ظاہری و باطنی ہم در فقر و استغنا و نظیرے نداشت (مرآۃ الاسرار قلمی نسخہ)

علوم و فنون سے برابر گہرا شغف رہا، چنانچہ رشد و ہدایت کے زمانے میں اپنی مجلسوں میں کبھی کلام پاک،[4] کبھی تفسیر (مثلاً تفسیر مدارک)[5] کبھی احادیث نبوی (مثلاً صحاح ستہ، مشارق الانوار، مشکوٰۃ المصابیح)[6] فقہ میں کبھی ہدایہ[7] کبھی تصوف کی کتابیں عوارف المعارف اور رسالہ مکیہ وغیرہ،[8] کبھی قصیدہ لامیہ[9] کبھی مختلف اوراد[10] اور کبھی شرح نود و نو اسماء کے باضابطہ سبق دیا کرتے تھے،

بیعت و خلافت شروع میں اپنے والد ماجد ہی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوکر تصوف کی تعلیم پائی، پھر حضرت بہاء الدین زکریا کے نامور پوتے حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کی ذات اقدس سے اس قدر محبت بڑھی کہ ایک بار حضرت

---

[1] الدر المنظوم ص ۷۹، ۸۰، ۸۴ [2] ایضاً ص ۷۸ [3] ایضاً ص ۱۳-۱۲ [4] ایضاً ص ۴۲، ۴۴، ۶۰، ۶۵، ۱۵۱
[5] ایضاً ص ۹۶ [6] ایضاً ص ۴۷، ۲۶۱ [7] ایضاً ص ۲۹۳، ۶۸، ۵۹۵ [8] ایضاً ص ۳۸، ۱۲، ۶۰۳
[9] ایضاً ص ۵۵۶، ۲۶۲ [10] ایضاً ص ۶۰۰

رکن الدین اپنے چبوترہ کی دہلیز سے اتر کر کہین تشریف لے جا رہے تھے، دہلیز کا زینہ نیچا تھا، حضرت سید جلال الدین بخاری وہان آکر چت لیٹ گئے کہ مرشد سینہ پر پاؤن رکھکر آسانی سے اتر جائین، مرشد نے یہ دیکھا تو اپنی شہادت کی انگلی ...... منہ مین دبا کر اپنے شفیق مرید سے فرمایا، نبوت کا دروازہ تو ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے، لیکن اے سید! ولایت کی اقلیم پر تمھارا تصرف حد بشریت سے زیادہ ہوگا، یہ کہکر حضرت جلال الدین کو دستِ مبارک سے اٹھایا اور اپنے سینہ سے لگا لیا۔[1]

لطائف اشرفی (ج ا ص ۳۰۵) مین ہے:

"حضرت شیخ اشرف الدین سمنانی نوشتہ اند کہ حضرت مخدوم جہانیان خلافت و اجازت از صد و چہل و چند اولیا و مشایخ و مشائخ اہل ارشاد خرقہ معنوی و سلسلہ باحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم یافتہ اند و علم شریعت و طریقت و حقیقت و تصوف از ایشان گرفتہ اند۔"

مراۃ الاسرار مین سید جلال بخاری کے ذکر مین ہے کہ

اکثر سفر ربع مسکون نمودہ و جمیع مشائخ چہار دہ سلسلہ چہل و یک کردہ را دریافت و ہم در کتاب مذکور شیخ ز جو قتال نقل می کند کہ او از سی صد و چند مشائخ صاحب ارشاد نعمت یافتہ و خرقہ اجازت از دستِ ایشان پوشیدہ بود۔"

مذکورہ الا تذکرہ مین یہ بھی ہے کہ

مخدوم جہانیان اول بخدمت شیخ رکن الدین ابو الفتح بن شیخ صدر الدین بن شیخ بہاء الدین ذکریا قدس اللہ تعالی ...... رو ہم تربیت یافت و از دست لے خرقہ پیران

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۱۵۰ [2] مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین ص ۴۸۳۔

سہروردیہ پوشید۔"

اخبار الاخیار میں بھی ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین نے حضرت مخدوم جہانیاں کو اپنا خرقہ پہنایا[1]،
لیکن خود حضرت مخدوم جہانیاں اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ
نے خواب میں ان کو خرقہ پہنایا، اور "قطب عالم" کے لقب سے یاد فرمایا[2]، جن بزرگوں اور مشائخ نے
ان کو خلافت کے خرقے پہنائے، ان کی تعداد بیس بتائی ہے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) والد بزرگوار سید کبیر (۲) والد ماجد نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کا بھی خرقہ پہنایا
(۳) حضرت شیخ رکن الدین (خواب میں) (۴) حضرت شیخ نظام الدین اولیا (خواب میں)
(۵) حضرت شیخ قوام الدین خلیفہ حضرت شیخ رکن الدین (خط کے ذریعہ) (۶) حضرت شیخ
قطب الدین منور (خط کے ذریعہ) (۷) حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی (۸) شیخ مکہ
عبداللہ یافعی (۹) شیخ مدینہ عبداللہ مطری (۱۰) حضرت شیخ قطب عدن فقیہ کبصال،
(۱۱) شیخ مرشد ابواسحاق گازرونی (۱۲) شیخ امام الدین برادر شیخ امین الدین (۱۳) حضرت
سید جبدہ حمید حسینی (۱۴) حضرت شیخ معمر شرف الدین محمود شاہ تستری خلیفہ حضرت شیخ
الشیوخ شہاب الدین سہروردی (۱۵) سیدی احمد کبیر رفاعی کبیر (۱۶) حضرت شیخ نجم الدین
صفانی (۱۷) حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ (خواب میں) (۱۸) حضرت خضر علیہ السلام (۱۹) حضرت
اوحد الدین حسینی (۲۰) حضرت شیخ نور الدین[3]،

شریعت کی پابندی

لیکن تصوف و عرفان کے اعلیٰ مدارج طے کرنے کے باوجود زندگی
شروع سے آخر تک پابندیِ شریعت اور اتباعِ سنت میں گذری، راہ سلوک کی خواہ
کسی منزل میں رہے، لیکن شریعت کا دامن کسی حال میں نہیں چھوڑا، خود فرماتے ہیں کہ حقیقت

---

[1] اخبار الاخیار ص ۱۴۳، [2] الدر المنظوم ص ۲۵، [3] ایضاً ص ۱۷-۱۶

شریعت ہے اور جب تک کوئی شریعت کو مضبوط نہ پکڑے گا ہرگز حقیقت کو نہ پہنچ سکے گا[1]

ایک اور موقع پر فرمایا کہ جو شخص شریعت سے عاری ہے وہ طریقت وحقیقت کو نہیں جان سکتا ہے، شریعت بمنزلہ میوے کے ہے اور طریقت وحقیقت اس میوہ کے مغز کے مشابہ ہیں[2]

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شیخ طریقت اور حقیقت سے آشنا ہے لیکن شریعت سے واقف نہیں، تو وہ شیخ نہیں جاہل ہے، کوئی صالح اور نیک آدمی اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک شریعت، طریقت اور حقیقت تینوں کا علم اس کو حاصل نہ ہوا[3]

ایک جاہل شیخ کو کسی حال میں برداشت نہ کرتے، ایک مرتبہ ایک شخص شہر اچہ میں وارد ہوا، وہ اپنے کو ولی اللہ کہتا تھا، اس کے پاس عوام وخواص کا ہجوم رہنے لگا، حضرت سید جلال الدین بھی اس سے ملنے تشریف لے گئے، جب اس کے پہلو میں جاکر بیٹھے تو اس نے کہا اے سید! ابھی ابھی حق تعالیٰ میرے پاس سے گیا ہے، حضرت سید جلال الدین یہ سنکر غضبناک ہوئے، اور فرمایا اے بدبخت، تو کافر ہوگیا، پھر سے کلمۂ شہادت پڑھ، اور اسی وقت اٹھکر قاضی شہر کے پاس آئے کہ اس بدبخت کو طلب کرو، اگر وہ توبہ کرے تو معاف کردو، ورنہ اس کو قتل کرنے کا حکم دو، مقطع شہر اس شخص کا معتقد ہو چلا تھا، اسلیے قاضی نے مقطع کے خوف سے سزا دینے میں پس وپیش کی، حضرت سید جلال الدین نے مقطع کے پاس پیام بھیجا کہ ایک جھوٹا شخص کفر پھیلا رہا ہے، اگر تم نے اس کو سزا نہ دلائی تو پھر بادشاہ سے جاکر کہوں گا، بالآخر وہ شخص شہر بدر کیا گیا[4]

تارکِ صلوٰۃ کو بھی ولی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے، اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ سے پھکر واپس آیا تو لوگ مجھ سے ملنے آئے، انھوں نے کہا کہ قصبہ الور

---

[1] الدر المنظوم ص ۴۱۳ [2] ایضاً ص ۴۱۴ [3] ایضاً ص ۴۱۹-۴۲۰ [4] ۵۰۴-۵۰۳

کے پاس ایک پہاڑ کے غار میں ایک درویش رہتا ہے، جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے نماز معاف کر دی ہے، یہ سن کر میں اس کے پاس گیا، وہاں امرا، اور دوسرے اکابر کا ہجوم تھا، اس ہجوم سے گذر کر میں کسی طرح اس کے پاس پہنچا، میں نے اس کو سلام نہیں کیا، بلکہ جا کر بیٹھ گیا، اور پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے الفرق بین المومن والکافر الصلوٰۃ یعنی مومن اور کافر کے درمیان صرف نماز فرق کرتی ہے، درویش نے جواب دیا، سید! میرے پاس جبرئیل آتے ہیں، بہشت کا کھانا لاتے ہیں، خدا تعالیٰ کا سلام پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تمہارے لیے نماز معاف کر دی گئی، اور تم مقرب خاص ہو گئے، میں (یعنی حضرت سید جلال الدین) نے کہا کہ بیہودہ مت بکو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تو نماز معاف ہی نہیں ہوئی، تجھ جیسے جاہل کے لیے کیسے معاف ہو سکتی ہے، وہ تو شیطان ہے جو تیرے پاس آکر کہتا ہے کہ میں جبرئیل ہوں، جبرئیل وحی کے فرشتے ہیں، وہ پیغمبر کے سوا کسی اور کے پاس نہیں آتے، اور وہ جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے وہ غلیظ ہے، درویش نے کہا کہ وہ کھانا بہت ہی لذیذ ہوتا ہے، اس میں لذت محسوس کرتا ہوں، میں نے کہا کہ اب جب وہ فرشتہ آئے تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھنا، میں دوسرے دن جب اس درویش کے پاس گیا تو وہ میرے پاؤں پر گر پڑا، اور کہنے لگا کہ میں نے تمہاری بات پر عمل کیا، اور جب وہ فرشتہ آیا تو میں نے لاحول پڑھا، وہ میرے سامنے سے غائب ہو گیا، اور جو کھانا اس نے دیا وہ غلیظ ہو کر میرے ہاتھ سے گر پڑا، اور میرے سارے کپڑے نجس ہو گئے، اس کے بعد حضرت سید جلال الدین فرماتے ہیں کہ میں نے اس بے نمازی درویش سے توبہ کرائی، اور اسکی جو نمازیں فوت ہوئی تھیں، ان کی قضا پڑھوائی، [۱۵]

[۱۵] الدر المنظوم ص ۲۱۷، ۶-۴۴۴، ۴۴۷

اپنے مریدون کو نماز با جماعت کی بڑی تاکید فرماتے، اور جماعت کے تارک کو ارشاد نبوی کی بنا پر ملعون[1] اور بدعتی کہتے، اپنی ایک مجلس مین اس حدیث کی خاص طور پر تصریح کی کہ جو شخص محلے کی مسجد کی اذان سنے، اور نماز کے لیے حاضر نہ ہو تو اس کی قبر مین کیڑے زمرین گے، اور اس کی قبر سے آگ نہ بجھے گی، وہ ہر وقت عذاب مین رہے گا[2]،

سفر و سیاحت مین تنہا ہوتے تو خود ان کا بیان ہے کہ عین نماز کے وقت کہین سے ابدال آجاتے، اور اس طرح جماعت کا ثواب مل جاتا[3]،

اتباع سنت اپنی ایک مجلس مین فرمایا کہ ایک سالک کو چاہیے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرے، اسی کے ذریعہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی قربت حاصل ہو گی، اہل بدعت بدعت کو قربت جانتے ہین، اور وہ لوہا، تانبا پہنتے ہین، داڑھی ترشواتے ہین جیسا کہ قلندر کیا کرتے ہین، لیکن اس طرح قربت حاصل نہین ہوتی، بلکہ بُعد و ضلالت پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اے فاتبعونی بالافعال والاقوال والاحوال یعنی اے محمد تم لوگون سے کہدو کہ اگر تم خدا کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو تم میرے افعال، اقوال اور احوال کی پیروی کرو، پس اللہ تم کو دوست رکھے گا[4]،

حضرت مخدوم جہانیان خود بھی ہر حال مین اتباع سنت کا خیال رکھتے، اسی لیے احادیث نبوی سے غیر معمولی شغف تھا، ان کے ملفوظات کے ایک مجموعہ سراج الہدایہ مین "احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان سے ایک مستقل باب ہے جس مین مختلف حدیثون کی تشریح و توضیح ہے، اپنی مجلسون مین احادیث نبوی کا ذکر بار بار فرماتے، اور ان ہی

---

[1] الدر المنظوم ص ۱۲۱۔ ۸۰ و [2] ایضاً ص ۱۸۲ [3] ایضاً ص ۱۰ [4] ایضاً ص ۲۲۸

کے مطابق اپنے مریدون کی تعلیم و تلقین کرتے، احادیث کی کتابون مثلاً صحاح ستہ،
مشکوٰۃ المصابیح اور مشارق الانوار کا باضابطہ درس بھی دیتے، اپنی روزمرہ زندگی کے
تمام معمولات کو بھی احادیث کے مطابق بنانے کی کوشش فرماتے، پنجگانہ نمازون کے علاوہ
تہجد، اشراق، چاشت، اوابین، تراویح اور دوسری نفل نمازون مین اتنی ہی رکعتین
پڑھتے جتنی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھین[۲] زیادہ تران ہی اوراد و وظائف
کی مداومت کرتے جن کا ذکر حدیثون مین ہے[۳] اپنی عبادت مین ساری رات نہ جاگتے
بلکہ کچھ دیر سو رہتے، فرماتے کہ جو شخص عبادت مین تمام رات بیدار رہا، اس نے ترک سنت
کیا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول تو یہ ہے کہ انا اصلی وانام یعنی مین نماز بھی پڑھتا ہون
اور سوتا بھی ہون[۴] کھانا تنہا تناول کرنا پسند نہ کرتے، بلکہ تقسیم کر کے کھاتے، اور فرماتے
حدیث صحاح مین ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو تنہا کھاتا ہے، اپنے غلام کو مارتا ہے اور
بخل کرتا ہے[۵] آگ کی پکی ہوئی چیزون کو کھا کر منہ دھوتے اور کلی کرتے کہ یہ سنت ہے[۶]
کھانا کھا کر دوگانہ شکر ادا کرتے، فرماتے حدیث صحاح مین ہے کہ جو شخص دوگانہ شکر طعام
ادا نہین کرتا، اور سو رہتا ہے، اس کا دل سخت اور سیاہ ہو جاتا ہے[۷] پانی پیتے تو تین سانس
مین پیتے اور فرماتے یہی حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا[۸] رمضان شریف مین سحری
کے وقت خلال ضرور کرتے اور کہتے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے، قے کے خلال سے پرہیز کرتے،
اور اس کو مکروہ بتلاتے، اس لیے کہ یہ سنت نہین ہے[۹] ریشمی اور باریک کپڑون کو نامشروع
سمجھتے، ایک بار سلطان فیروز شاہ نے ان کی خدمت مین چونتیس جوڑے کپڑے بھیجے،

---

۱ مثال کیلیے دیکھو الدر المنظوم ص ۴۴۳-۸-۳۶۸-۳۵۹-۳۶۲-۴۰۰-۴۰ ۲ ایضاً ص ۵۶، ۳۶۵، ۳۷۵
۳ ایضاً ص ۱۷۱ ۴ ایضاً ص ۱۷۵ ۵ ایضاً ص ۲۲۳ ۶ ایضاً ص ۷۵ ۷ ایضاً ص ۲۹۰ ۸ ایضاً ص ۳۲۹

ان کو دیکھ کر فرمایا، اگر مشروع ہین تو پہنون گا، ورنہ نہ پہنون گا، پھر یہ حدیث پڑھی کہ ریشم اور سونا رسول اللہ کی امت کے مردون پر حرام اور عورتون کے واسطے حلال کیا گیا[۱] اسی طرح باریک کپڑون کے متعلق فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ جس کا کپڑا باریک ہوا اس کا دین باریک ہوا[۲] پیروی سنت مین گریبان کے بغیر کرتے پہنتے، گریبان دار کرتے پہننا بدعت سمجھتے[۳] ایک بار ایک مرید نے جوتیون کا ایک جوڑا خدمت مین پیش کیا، اس کو قبول کر کے فرمایا نعلین پہننا سنت ہے، مین نے مدینہ منورہ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نعلین مبارک کو دیکھا تھا، اور ان کو اپنی آنکھون پر رکھا تھا[۴] جب کوئی ہدیہ پیش کرتا تو کسی نہ کسی صورت مین اس کا بدلہ ضرور دیتے، اور فرماتے صحاح مین ہے کہ جو شخص تمہارے لیے کوئی ہدیہ لائے تو تم اس کو بدلہ دو، اگر بدلہ دینے کی قدرت نہین رکھتے ہو تو اس کے واسطے دعاے خیر کرو، یہان تک کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ دعا ہدیہ کا بدلہ ہو گیا[۵] اتباع سنت مین ایندھن بھی باہر سے لانے کی کوشش فرماتے[۶] اسی طرح اور جزوی باتون مین بھی اتباع سنت کا لحاظ رکھتے، چنانچہ مراۃ الاسرار مین حضرت مخدوم جہانیان کے ذکر مین ہے:

"و در جمیع امور صوری و معنوی قدم بقدم حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم می رفت"[۷]

کرامات حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی لطائف اشرفی مین فرماتے ہین کہ حضرت مخدوم جہانیان سے اتنی کرامتین صادر ہوئین کہ متاخرین صوفیہ مین کسی سے نہین ہوئین، اسی لیے وہ "مظہر العجائب" اور منبع الغرائب کہے جاتے تھے[۸] لیکن خود حضرت مخدوم جہانیان ان

---

[۱] الدر المنظوم ص ۴۴۳ [۲] ایضاً ص ۳۰۷ [۳] ایضاً ۳۵۹ [۴] ایضاً ص ۴۴۸ [۵] ایضاً ص ۴۱۹
[۶] ایضاً ص ۴۸۵ [۷] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۹۰

کرامتون کو اپنا کوئی شرف اور کمال نہین سمجھتے تھے، فرماتے ایک ولی کے لیے ممکن ہے کہ وہ ہوا مین اڑے، پانی پر چلے، اس کے لیے زمین اور آسمان کی طنابین کھینچ جائیں، لیکن وہ اس وقت تک ولی نہین ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی گفتار، رفتار اور کردار مین اپنے پیغمبر یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیرو نہ ہو[1]

سیاحت | حضرت مخدوم جہانیان کی سیاحت کی تفصیل ترتیب کے ساتھ کسی تذکرہ مین نہین ملتی، لطائف اشرفی مین حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی صرف اتنا فرماتے ہین کہ بہت سے اولیاء اللہ نے معارف وحقائق کی تلاش مین سیاحت کی ہے لیکن مخدوم جہانیان کی طرح کسی نے سفر نہیں کیا، انھون نے ربع مسکون کی سیاحت کی، اور شاید ہی کوئی درویش ایسا ہو جس سے انھون نے فوائد حاصل نہ کیے ہون[2] اخبار الاخیار مین اور بھی اختصار سے کام لیا گیا ہے، اور اس مین صرف یہ مرقوم ہے کہ حضرت سید جلال الدین بخاری نے سیاحت بہت کی اور بہت سے اولیاء اللہ سے نعمت اور برکت حاصل کی[3] خزینۃ الاصفیاء مین ان کی سیاحت کا حال پڑھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اچہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، وہان دو سال رہ کر گازرون آئے، گازرون سے مصر، شام، عراقین، بلخ، بخارا اور خراسان کی سیاحت کی، اور چھ بار حج اکبر سے مشرف ہوئے[4]

حضرت مخدوم جہانیان نے اپنے ملفوظات مین اپنی سیاحت کا جستہ جستہ حال بیان کیا ہے، اس سے اور کچھ زیادہ تفصیل معلوم ہوتی ہے،

فرماتے ہین، سلطان محمد تغلق نے مجھکو شیخ الاسلام مقرر کیا[5] اور میرے تصرف

---

[1] الدر المنظوم ص ۵۴۵ [2] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۹۰ [3] اخبار الاخیار ص ۱۴۲ [4] خزینۃ الاصفیا ج ۲ ص ۵۸ [5] ایضاً ص ۵۸ مین ہے: در عہد سلطان محمد تغلق شیخ الاسلامی و سند خانقاہ محمدی در سیوستان بامضافات بوے مخصوص گشت،

مین چالیس خانقاہین وین، میرے مرشد شیخ رکن الدین خواب مین نظر آئے اور فرمایا کہ تو حج کو چلا جا ورنہ غرق ہوجائے گا، صبح کو شیخ کے امام نے کہا کہ سید جلد روانہ ہوجاؤ، شیخ نے اشارہ کیا ہے، مین مخدوم والد دامت برکاتہ سے اجازت لینے روانہ ہوگیا، میرے پاس خرچ نہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے فتوحات بہنچا ئین، ایک شخص حج کو جا رہا تھا، مگر اس کے گھر والون نے اس کو لوٹا لیا، اس نے زاد راہ مجھکو دیدیا، ایک گھوڑا بھی نذر کیا، لیکن مین نے گھوڑا مولانا نظام الدین کو دیدیا، وہ مدقوق تھے، مین پاپیادہ حج کو روانہ ہوا اور حج سے پہلے پہنچ گیا، اور انواع واقسام کی نعمتون سے مشرف ہوا،[1]

ایک موقع پر فرماتے ہین، مین سات سال مکہ معظمہ مین مجاور رہا، وہان ایک مفسر اور محدث اپنے وعظ مین سات برس تک مسلسل سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان کرتے رہے،[2] مین تو وہان سے چلا آیا، معلوم نہین کتنے دنون تک اور انھون نے اس تفسیر کو جاری رکھا،

مکہ کے قیام مین شیخ مکہ عبد اللہ یافعی[3] سے علوم ظاہری و باطنی دونون حاصل کیے، اور ان سے خرقہ بھی پایا، ملفوظات مین ان کا ذکر بار بار آتا ہے، پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ مدینہ منورہ مین بھی دو سال تک رہے، اور شیخ مدینہ عبد اللہ مطری سے علمی و روحانی فیوض حاصل کرکے ان سے بھی خرقہ پایا، مدینہ منورہ کے قیام کے سلسلہ مین فرماتے ہین کہ مین مدینہ منورہ مین تھا تو ایک وقت مسجد نبوی کے امام نہ آسکے تو شیخ عبد اللہ مطری نے مجھکو امامت کا حکم دیا، اور فرمایا اے سید تم امامت کردو تاکہ یہ شرفا تمھاری اقتدا کرلین ورنہ یہ کسی

---

۱ الدر المنظوم ص ۲۵۵ ـ ۲۴۵ ۲ ایضاً ص ۵۷، ۵۰۸ ۳ حضرت سید یافعی کے صاحبزادے تھے، وطن یمن تھا، لیکن تمام عمر حرمین شریفین مین رہے، مذہب شافعی رکھتے تھے، تاریخ یافعی و روضۃ الریاحین کے مصنف ہین، اولیاء اللہ مین شمار کیے جاتے ہین،

اور کے پیچھے نماز پڑھیں گے، میں نے تکبیر تحریمہ کہی تو ایک صف کھڑی ہو گئی اور جب میں نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ تمام شرفا میری اقتدا میں ہیں، شیخ مدینہ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تم امامت نہ کرتے، تو وہ نماز نہ پڑھتے، یا دوسری جگہ جاکر ادا کرتے، یا جب میں پڑھ لیتا تو وہ پڑھتے، وہ جانتے ہیں کہ تم شریف ہو، اور وہ کسی شریف ہی کے پیچھے نماز روا رکھتے ہیں، عجیب گروہ کے لوگ ہیں[1]

فرماتے ہیں مکہ کے قیام کے ساتویں برس میں فقیہ بصال قطب عدن کی زیارت کے لیے عدن گیا، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے فرمایا اے فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف لوٹ جاؤ، اور وہاں سے اس وقت تک نہ نکلو جب تک تم کو وہ شخص اجازت نہ دے جس نے تم کو وہاں بھیجا ہے، اور وہ شیخ قطب عالم رکن الدین ہیں، میں نے اپنے جی میں کہا کہ ان کو اس کی خبر کس نے دی، پھر میں نے سوچا کہ کرامت سے دریافت کیا ہوگا، وہ بیمار تھے، چند دنوں بعد وفات پائی، وفات کی تیسری رات میں نے حضرت شیخ رکن الدین کو خواب میں دیکھا، آپ نے مجھکو خرقہ پہنایا، اور فرمایا کہ کل فقیہ بصال کی وفات کو تیسرا دن ہے، یہ خرقہ فقیہ بصال کے چھوٹے بیٹے کو پہنا دینا[2]

فرماتے ہیں شیخ مکہ عبد اللہ یافعی، شیخ عبد اللہ مطری اور دوسرے مشائخ نے مجھ سے کہا کہ عراق میں شونکارہ ایک شہر ہے، وہاں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مرید رہتے ہیں، ان سے جاکر ملو، میں ان سے ملا، ان کا اسم مبارک شیخ شرف الدین محمود شاہ تستری تھا، جب میں ان کی خدمت میں پہنچا، تو وہ ایک سو تیس سال کے تھے، لیکن ایسے تندرست تھے کہ جمعہ کے دن عصا ہاتھ میں لیکر نماز کو جاتے تھے، میں نے

---

[1] الدر المنظوم ص ۱۴۴ [2] ایضاً ص ۶۰۷ - ۶۰۶

ان سے عوارف پڑھی، میں ان کے پاس ایک مدت تک رہا، اور جب میں رخصت ہونے لگا تو انھوں نے خرقہ عطا کیا، اور خرقہ پہنانے کی اجازت بھی دی[1]،

اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں، میں شیخ رکن الدین کے مرید شیخ امام الدین سے بھی گازرون میں ملا، ایک مدت تک ان کے پاس رہا، وہیں شیخ امین الدین گازرونی کے بھائی شیخ امام الدین سے بھی ملاقات ہوتی رہی، ان کو اپنے بھائی شیخ امین الدین سے جو سجادہ، مقراض اور عصا وغیرہ ملا تھا، وہ تمام امانتیں مجھکو دیں[2]،

شیراز بھی تشریف لے گئے، فرماتے ہیں، جس زمانہ میں مکہ معظمہ سے شیراز پہنچا تو وہاں لوگ مجھ سے سبق پڑھتے تھے اولوالامر کا ذکر آیا تو اس سلسلہ کی کچھ باتیں بادشاہ شیراز کے کان میں پڑیں، وہ مجھ سے ملنے آیا، اور ایک چاندی کے طشت میں سونے اور چاندی کے سکے لایا، اس نے مجھ سے کہا کہ بیت المال میں تمھارا بھی حق ہے، اسکو قبول کرو، میں نے معذرت کی لیکن اس کا اصرار ہوا تو میں نے ان سکوں کو قبول کر لیا، میں نے اولوالامر کے بارے میں گفتگو شروع کی تو گفتگو سن کر بادشاہ نے کہا تم سے جو باتیں سنیں وہ کسی اور سے نہیں سنی تھیں، عجیب و غریب ہیں، میں نے اس سے کہا کہ میں نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ مکہ معظمہ کے مفسرین، فقہا اور مشائخ سے سنا ہے، میرے خدمت گزار سید شمس الدین خوش تھے کہ بادشاہ کے دیے ہوئے سکوں کو جمع کریں گے، لیکن سید شمس الدین کے والد سید حمید الدین آگئے، اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کے سید پر چار سو ٹنکے قرض ہیں، چار سو ٹنکے تو اس کو دیے، اور باقی مجھ سے یہ کہہ کر خود لے گئے کہ تم کو بہت فتوح پہنچے گی، واقعی مجھکو برابر فتوح پہنچتی رہی[3]،

---

[1] الدر المنظوم ص ۲۲-۲۳، ۷۸، [2] ایضاً ص ۵۹۹ - ۷۶۹ [3] ایضاً ص ۱۵۱-۱۵۲

ایک جگہ فرماتے ہیں، جس زمانے میں سفر میں تھا، کہ میں ایک پہاڑ پہ پہنچا، تین روز میں اوپر گیا، اور تین روز میں نیچے آیا، اس پہاڑ پر ایک غار دیکھا، اذان کی آواز سنی تو غار میں گیا، دیکھا کہ ایک بڑی جماعت نماز پڑھ رہی ہے، جب نماز ختم ہوئی تو میں نے ہر شخص سے مصافحہ کیا اور جب تمام لوگ چلے گیے تو ایک شخص وہاں رہ گیا، اس کے نزدیک گیا، اور پوچھا کہ یہاں کوئی اور غار نہیں، پھر اتنے آدمی کہاں سے آتے ہیں، اس شخص نے کہا کہ میں تنہا اس غار میں رہتا ہوں، اور جو لوگ آتے ہیں وہ ابدال ہیں، وہ میری وجہ سے آتے ہیں تاکہ میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کروں، تنہا نہ پڑھوں، میں نے اس سے پوچھا کہ تم شہر میں کیوں نہیں رہتے، تاکہ لوگ تم سے فائدہ اٹھائیں، اس نے جواب دیا کہ میرے پاس ایک موذی کتا ہے، اس کو میں نے قید کر لیا ہے تاکہ وہ کسی کو کاٹ نہ کھائے، جب یہ نیک ہو جائے گا تو اس کو آبادی میں لے جاؤں گا، موذی کتے سے مراد اس کا نفس تھا، اس نے اپنے نفس کو برا کہا اور یہ نہیں کہا کہ لوگ برے ہیں، اس لیے میں خلوت میں آکر بیٹھ گیا ہوں،[1]

ایک سفر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، سفر میں ایک روز ایک درویش کے پاس پہنچا، میرے پہنچنے سے تھوڑی دیر بعد وہ غائب ہو گیا، اور پھر تھوڑی دیر میں وہاں نظر آیا، اس کی آنکھیں اشکبار تھیں، میں نے پوچھا، تم کہاں گئے تھے، اس نے جواب دیا، عالم ملکوت میں تھا، میں نے دریافت کیا تمھاری آنکھیں پر آب کیوں ہیں، بولا میں لوگوں کو دیکھ رہا تھا کہ وہ دنیا میں غرق ہو رہے ہیں اور اپنی خبر نہیں رکھتے، میری آنکھیں اشکبار ہو گئیں کہ وہ اپنی چند روزہ زندگی میں ایک مردار پر جان دیتے ہیں،[2]

---

[1] الدر المنظوم ص ۲۲۸-۲۳۰ [2] ایضاً ص ۶۹۲-۶۹۱

فرماتے ہین، جب مین دمشق پہنچا، تو ایک بڑے درویش سے ملا، انھون نے مجھکو پاس بلایا، اور فرمایا، ایک روز مین اصفہان مین تھا، وہان ایک بزرگ تھے، جو بڑے صاحب کشف وکرامات تھے، آٹھ سو سجادہ نشینون کی زیارت کی تھی، اور ہر ایک سے مستفیض ہوئے تھے، خواجہ شمس العارفین کے نواسے سے بھی استفادہ کیا تھا، انھون نے ان کو نصیحت کی تھی کہ بادشاہون، امیرون اور دولتمندون کی صحبت سے پرہیز کرنا، تاکہ آخرت مین نجات ہو،[1]

اسی کے بعد فرماتے ہین، غزنی مین تھا تو ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی، وہ ایک کتاب پڑھ رہے تھے، مین نے اس مین لکھا دیکھا کہ جو درویش عالم امیرون اور دولتمندون کی صحبت مین رہتا ہے، اس کو قیامت کے روز دوزخ مین جگہ ملے گی،[2]

فرماتے ہین، مین شارستان (؟) مین تھا تو ایک چرواہا آیا، اور اس نے مجھ سے کہا، اے سید جلال مجھکو بیعت کیجیے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے مین سب کچھ رکھتا ہون، لیکن کسی سے بیعت نہین ہے، مین نے اس کی بیعت لی، لیکن بیعت ہونے کے بعد وہ میرے سامنے سے غائب ہوگیا، اس نے ابدال کی جماعت مین شرکت کر لی لیکن جب مین مکہ معظمہ پہنچا تو دیکھا کہ وہ مسجد حرام مین معتکف ہے، اس کو دین کے کامون مین ہوشیار پایا،[3]

مراجعت ہند | تذکرہ نویس لکھتے ہین کہ ایک روز شیخ مکہ امام عبداللہ یافعی نے حضرت سید جلال الدین سے خانہ کعبہ مین فرمایا کہ دہلی سے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے ہین، تاہم ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود مین موجود ہے، ان کی ذات بابرکت بہت غنیمت ہے، وہ چراغ دہلی ہین، اور مشائخ کی رسمون کو زندہ کرنے والے ہین، حضرت سید جلال الدین

[1] سراج الہدایہ قلمی نسخہ کتب خانہ ریاست رامپور [2] ایضاً [3] ایضاً

نے یہ سنا تو حضرت شیخ نصیر الدین سے ملنے کے مشتاق ہوئے، اور مکہ معظمہ سے روانہ ہوکر دہلی پہنچے، حضرت شیخ نصیر الدین نے حضرت سید جلال الدین کو دیکھکر فرمایا، شیخ عبداللہ یافعی کی بدولت تمہارے دیدار سے مشرف ہوا، حضرت سید جلال الدین نے عرض کیا شیخ عبداللہ یافعی پر اللہ کی رحمت ہو، کہ ان کی بدولت آپ کی خدمت بابرکت میں پہنچا، حضرت شیخ نصیر الدین محمود نے خوش ہوکر ان کو خرقۂ خلافت مشائخ چشت عطا فرمایا، اور اسی کے بعد وہ یعنی حضرت شیخ نصیر الدین محمود "چراغ دہلی" کے لقب سے مشہور ہوئے،[5]

رشد و ہدایت ہندوستان میں زیادہ تر وطن مالوف اچہ میں قیام رہا، کبھی کبھی دہلی اور دوسرے مقامات کو بھی جایا کرتے تھے، لیکن جہاں بھی ہوتے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھتے، مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک، احادیث نبوی اور فقہ پر تقریریں کرتے، اور سلوک و معرفت کی تعلیم خالصۃً شریعت کے مطابق دیتے، ان کے ملفوظات کا مجموعہ جامع العلوم ... جس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظ المخدوم ہے، ایک عالم اور ایک سالک کے دونوں کیلیے مفید اور پر از معلومات ہے، اور آج بھی خاص ذوق و شوق کیساتھ پڑھا جاتا ہے، ملفوظات کے ایک دوسرے مجموعہ سراج الہدایہ میں احادیث نبوی کی تشریح، فقہی مسائل کی تصریح، انبیاء کے قصے، اوراد و وظائف کی تفصیلات .... کے علاوہ روزمرہ کی ضروریات کے متعلق بھی بہت سی مفید معلومات ہیں، مثلاً ایک باب میں چاول، گیہوں، خرما، انگور، امرود، خربزہ، انار، اسبغول، ہلیلہ، کشمش، پیاز، گوشت، بیضۂ مرغ، سرکہ اور دودھ وغیرہ کے بھی فوائد بتائے ہیں، جن سے مرید متمتع ہوتے رہتے تھے،

نہ صرف ہندوستان کے مختلف گوشوں بلکہ بیرونی مقامات سے بھی لوگ خانقاہ

---

[5] سیر العارفین ج ۲ ص ۱۴۸ - ۷۴، خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۵۹، ۵۸

باطنی تعلیمات حاصل کرنے کے لیے آتے، ایک بار خواجہ محمد ظفاری عرب سے آئے، اور تہجد کے وقت حجرے میں آکر عربی زبان میں عرض کیا، اے مخدوم میں ایک رات ذکر خفی کر رہا تھا کہ ایک آدمی میرے داہنے طرف سے آیا، اور اس نے مجھ سے کہا کہ تو یہ دعا پڑھ کہ اے رب تو معبود عالم ہے، میں جاہل ہوں، مجھکو علم دے تاکہ علم کے ساتھ تیری عبادت کروں، ورنہ ہلاک ہو جاؤں گا، خواجہ محمد ظفاری نے حضرت سید جلال الدین سے پوچھا کہ اس واقعہ کی کیا تاویل ہے، جواب میں فرمایا، کہ تم ابھی دینی علوم حاصل کرو،[1]

ایک بار عراق کے سادات آئے، اور کچھ نذرانے ساتھ لائے، اس وقت عوارف کا درس ہو رہا تھا، سادات نے عرض کیا کہ ہم کو قدم بوسی کا اشتیاق تھا، یہ سنکر حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے خادم خاص سے شیرینی لانے کو کہا اور یہ حدیث شریف پڑھی کہ جو شخص کسی زندہ آدمی کی ملاقات کو آئے اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی، پھر سادات کو مخاطب کرکے فرمایا تم کو ذوق معنوی و صوری دونوں حاصل ہوگئے، تم نے عوارف کا سبق سنا، اس سے ذوق معنوی حاصل ہوا، پھر مسکرا کر کہا تم نے شیرینی کھائی، اس سے ذوق صوری کی تسکین ہوئی، شیرینی کھلاتے وقت فرمایا، جو شخص روزہ دار نہ ہو وہ کھائے، روزہ دار نہ کھائیں، پھر فرمایا، حدیث صحاح میں ہے کہ جب روزہ داروں کے سامنے کھانا کھایا جاتا ہے تو فرشتے ان کی مغفرت کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں، کیونکہ ایسی حالت میں روزہ دار اپنے دل پر جبر کرتے ہیں، اور اسی وجہ سے ان کو ثواب ملتا ہے،[2]

---

[1] الدر المنظوم ص ۵۸۶ [2] ایضاً ص ۲ - ۱۴۶

ایک بار حدودِ بخارا سے شیخ زادہ معظم تیس ہمراہیوں کے ساتھ خدمت میں دہلی آئے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت بہت خوش ہو کر ان سے بغل گیر ہوئے، اور پوچھا کس غرض سے آئے ہو، عرض کیا کہ قدمبوسی اور تربیت حاصل کرنے کے لیے، فرمایا: مبارک ہو، لیکن بہتر ہے کہ (دہلی کے) شیخ الاسلام (یعنی سلطان فیروز شاہ کے پیر شیخ علاء الدین) کے پاس ٹھہرو، وہ تمام مشائخ کے سردار ہیں، میں تم کو اپنے یہاں سے جانے کو نہیں کہتا، لیکن جہاں تمھیں انشراح حاصل ہو، وہیں قیام کرو، شیخ زادہ معظم نے کہا کہ میں تو آپ ہی کے قدموں کے سایہ میں ٹھہروں گا، یہ سن کر حضرت مخدوم جہانیاں نے خادم کو کہا کہ ان کو کچھ کھلاؤ، میں تو روزہ سے ہوں[1]

ایک بار کچھ درویش عرب سے آئے، حضرت مخدوم جہانیاں نے ان سے پوچھا کس خاندان سے ہو، عرض کیا، سیدی احمد کبیر کے خاندان سے، فرمایا حضرت سیدی احمد کبیر سے میں نے خرقہ پہنا ہے، اور انھوں نے مجھکو خرقہ پہنانے کی اجازت دی ہے، وہ صوفی تھے، اور سنت کے مطابق کپڑے پہنتے تھے، اس کے بعد درویشوں کو نصیحت کی کہ تم علم شریعت پڑھو، سنت کے پابند رہو، اور بدعت سے بچو، پھر ان کو توبہ کی تلقین کی، اور خرقہ پہنایا[2]

دربارِ شاہی سے تعلقات پہلے ذکر آچکا ہے کہ سلطان محمد تغلق نے حضرت مخدوم جہانیاں کو شیخ الاسلام بنا کر ان کے تصرف میں چالیس خانقاہیں دی تھیں لیکن وہ انکو چھوڑ کر حج کے لیے تشریف لے گئے خود فرماتے ہیں کہ اگر میں ان خانقاہوں کو چھوڑ کر حج کو نہ چلا جاتا تو مغرور ہو جاتا اور کیچڑ میں پڑا رہتا[3]

---

[1] الدار المنظوم ص ۷، ۱۱۷ [2] ایضاً ص ۹-۱۵۸ [3] ایضاً ص ۲۴۵

حج اور سیاحت کے بعد ہندوستان واپس آئے، تو سلطان فیروز شاہ کو ان کی ذات اقدس سے بڑی عقیدت پیدا ہوگئی، چنانچہ شمس سراج عفیف اپنی تاریخ فیروز شاہی میں رقمطراز ہے:

حضرت سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہر دوسرے یا تیسرے سال اوچ سے سلطان کی ملاقات کے لیے تشریف لاتے، دونوں کے درمیان بے حد محبت تھی، دونوں اس محبت میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے، جب حضرت سید جلال الدین اوچ سے تشریف لاتے، اور فیروز آباد کے قریب پہنچتے تو بادشاہ منزلوں تک استقبال کے لیے جاتا، اور جب دونوں میں ملاقات ہوتی، بادشاہ حضرت سید کو بڑے اعزاز و اکرام سے شہر میں لاتا، وہ کبھی تو منارہ سے متصل کوشک معظم کے اندر شفا خانے میں، کبھی شہزادہ فتح خان مرحوم کے حظیرے میں قیام فرماتے، جب سید السادات اپنی قیام گاہ سے مقررہ طریقے کے مطابق سلطان فیروز کی ملاقات کے لیے تشریف لاتے اور جیسے ہی وہ محل حجاب میں پہنچکر سلام کرتے، سلطان اپنے رتبہ کے باوجود تختگاہ پر کھڑا ہو جاتا، اور بے حد تواضع کے ساتھ پیش آتا، پھر دونوں جام خانہ کے اوپر جا کر بیٹھتے، جب حضرت سید واپس ہوتے، اس وقت بھی فیروز شاہ جام خانہ کے اوپر تعظیم کے لیے کھڑا ہو جاتا اور جب تک کہ حضرت سید محل حجاب تک نہ پہنچ جاتے، اسی طرح کھڑا رہتا، یہاں پر حضرت سید سلطان کو سلام کرتے اور سلطان سلام کا جواب دیتا، جب حضرت سید نظروں سے غائب ہو جاتے، اس وقت سلطان اپنے تخت پر بیٹھتا، سبحان اللہ! کیا حسن ادب تھا جو سلطان حضرت سید کے لیے بجا لاتا تھا، سلطان بھی دوسرے تیسرے روز حضرت سید کی قیام گاہ پر ملاقات کے لیے جاتا، اور دونوں میں بڑی محبت آمیز گفتگو ہوتی۔

اوچ اور دہلی کے باشندے اپنی اپنی حاجت اور غرض حضرت سید کی خدمت میں پیش کرتے اور اپنے خدام کو حکم دیتے کہ ان باتوں کو قلمبند کر لیں، اور جب سلطان ملاقات کے لیے آتا تو وہ ضرورتمندوں کے کاغذات اس کی خدمت میں پیش کرتے، سلطان ان کاغذات کو پڑھ کر ہر حاجتمند کی حاجت روائی کرتا، کچھ دنوں قیام فرما کر حضرت سید اوچ واپس ہوتے تو بادشاہ ایک منزل تک ان کو پہنچانے کے لیے جاتا۔" (ص ۱۷۱-۱۷۵)

۷۶۷ھ میں سلطان فیروز شاہ جام اور بانبھ کے خلاف ٹھٹھ پر حملہ آور ہوا، تو حضرت مخدوم جہانیاں ہی کی مساعی جمیلہ سے سلطان اور اہل ٹھٹھ کے درمیان صلح ہوئی، شاہی فوج کے محاصرے سے ٹھٹھ میں قحط پڑنے لگا تو وہاں کے لوگ حضرت مخدوم جہانیاں کی مداخلت کے خواہاں ہوئے، ان کی دعوت پر حضرت مخدوم اوچ سے ٹھٹھ فیروز شاہی لشکر میں تشریف لائے، عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں ہے :-

حضرت سید جب لشکر میں پہنچے تو تمام اہل لشکر نے دل و جان سے قدمبوسی کی کوشش کی، حضرت سید نے ان کو فرمایا بابا اطمینان رکھو، انشاء اللہ چند روز میں فتح ہوگی، جب آگے بڑھے تو سلطان فیروز نے نہایت خلوص اور عقیدت سے استقبال کیا، اور بہت ہی اعزاز و اکرام کے ساتھ لشکر میں لایا، دونوں نے مصافحہ کیا، حضرت سید جلال الدین نے فرمایا، ایک پارسا اور صالحہ عورت ٹھٹھ میں موجود تھی، اس کی دعا کی برکت سے ٹھٹھ فتح نہیں ہوتا تھا، میں خدا کی بارگاہ میں دعا کرتا تھا، لیکن وہ پاک دامن درمیان میں حائل ہو جاتی تھی، اب تین روز ہوئے کہ اس عورت نے جنت کی راہ لی اور امید ہے کہ ٹھٹھ جلد فتح ہو جائے گا، اہل ٹھٹھ کو معلوم ہوا کہ حضرت سید جلال الدین شاہی لشکر میں تشریف فرما ہیں تو ان کی خدمت میں متواتر پیامات روانہ کیے، اور اپنی مصیبتوں کا اظہار کیا،

حضرت سید نے بھی ان کی خاطر سلطان سے کہکر ان کو مطمئن کیا، اور سلطان فیروز شاہ نے بھی اہل ٹھٹھہ کو ان کے مطالبات سے دو چند عطا فرمایا۔ (ص ۴۲ - ۱۴۲)

ایک بار ۷۸۰ھ میں حضرت مخدوم جہانیان نے دہلی کو اپنی آمد سے شرف بخشا اس وقت سلطان فیروز شاہ سوانہ کی مہم میں دار السلطنت سے باہر تھا اس لیے حضرت مخدوم جہانیان کو سلطان کی ملاقات کے لیے دہلی میں دس مہینے رکنا پڑا، اس اثنا میں دہلی کے باشندے اور دوسرے مقامات کے لوگ خدمت میں حاضر ہوکر ہر قسم کے مذہبی اور روحانی فیوض حاصل کرتے رہے، مجلسوں میں کبھی درس و تدریس ہوتی کبھی شرعی اور فقہی مسائل کی تشریح ہوتی کبھی اخلاق و معاشرت کو سنوارنے کی تعلیم دی جاتی، اور کبھی صوفیانہ رموز اسرار و دقائق بیان کیے جاتے، ان تمام ملفوظات کو حضرت مخدوم جہانیان کے ایک مرید سید علاء الدین علی بن سعد حسینی نے جامع العلوم کے نام سے مرتب کیا تھا جس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم ۵۰۵ صفحے پر مشتمل ہے۔

سلطان کی عدم موجودگی میں وزراء اور شہزادے ہر قسم کی خاطر و تواضع میں لگے رہے، سلطان فیروز شاہ کا لائق وزیر خانجہان قدمبوسی کے لیے آیا تو اثنائے گفتگو میں اسکو نصیحت کی کہ وہ عدل و انصاف میں شریعت کا دامن کسی حال میں نہ چھوڑے[1]، خانجہان دوسری مرتبہ آیا تو بادشاہ کی طرف سے چند تھیلیں جوڑے کپڑے لایا، حضرت مخدوم نے ان کو دیکھ کر فرمایا، اگر مشروع ہیں تو پہنوں گا، ورنہ بچوں کی والدہ کے لیے رکھ چھوڑوں گا، خان جہان نے قسم کھائی کہ مشروع ہیں، حضرت مخدوم جہانیان کو جب اطمینان ہو گیا تو کپڑے قبول کر لیے، اور فرمایا میں بادشاہ کا دیا ہوا کپڑا پہن لیتا ہوں کہ بادشاہ کا حکم بجا لانا واجب ہے[2]،

دہلی ہی کے قیام کے زمانے میں حضرت مخدوم جہانیان کے ایک بھائی سید صدر الدین

---

[1] الدر المنظوم ص ۳۰، [2] ایضاً صفحہ ۱۴۴،

سلطان فیروز شاہ سے جاکر شاہی لشکر میں ملے، وہاں سے حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس آئے تو عرض کیا کہ سلطان نے ان کو ایک گاؤں، دو ہزار ٹنکے اور خلعت عطا کی،[۵]

ایک بار ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ میں نے حج کی نیت کی ہے، آپ سلطان کو لکھ دیں کہ مجھکو زاد راہ عنایت کرے، یہ سنکر ہمنشینوں سے فرمایا، سلطان کو لکھ دو، لیکن یہ بھی فرمایا کہ فقہ میں ہے کہ جو شخص بادشاہوں سے خرچ لیکر حج کو جاتا ہے، اس کا حج قبول نہیں ہوتا،

اسی قیام کی مدت میں عید اضحیٰ بھی آگئی، حضرت مخدوم جہانیاں نے عید اضحیٰ کا دن جس طرح گذارا، اس کی تفصیل ناظرین کے لیے دلچسپی سے خالی نہ ہوگی،

عید اضحیٰ کی صبح صادق ہوئی تو صبح کی نماز ادا کی، ننانوے اسمائے الٰہی کے ورد سے فارغ ہوئے تو طلوع آفتاب سے پہلے مصلے سے اٹھے غسل فرمایا، اور جب آفتاب کسی قدر بلند ہوا تو پالکی میں سوار ہوکر عید گاہ کی طرف روانہ ہوئے، معتقدین بھی ساتھ تھے، تکبیر کہتے جاتے، اور ہمراہیوں سے بھی تکبیر کہلواتے، راستہ آہستہ آہستہ طے کرتے، عید گاہ کے قریب پہنچے تو پالکی سے اتر پڑے، تازہ وضو کیا، ریش مبارک میں کنگھی کی، پھر مسجد میں داخل ہوئے، اس وقت تک کچھ زیادہ لوگ نہیں آئے تھے، محراب کے سامنے پہلی صف میں جاکر تشریف فرما ہوئے، معتقدین پیچھے بیٹھ گئے، فجر کی نماز کے بعد کے اوراد و وظائف پڑھتے رہے، خطیب نے آنے میں تاخیر کی تو فرمایا بقر عید کی نماز جلد ہونی چاہیئے تاکہ قربانی جلد ہو، اور جانور بیچارے قید میں نہ بندھے رہیں، ذبح ہوکر وہ اپنی منزل مراد کو پہنچ جائیں، پھر خادم خاص کو بلاکر کہا کہ داروغہ مطبخ سے تاکید کردو کہ سلام پھیرتے ہی جاکر قربانی کرے، تاکہ ہم یاروں کے ساتھ قربانی کے گوشت سے افطار کریں، اس لیے کہ یہ مستحب ہے، اس اثنا میں سلطان

---

[۵] الدر المنظوم ص ۳۵۰۔ [۶] ایضاً ص ۳۵۵

فیروز شاہ کا وزیر خانجہان آیا، اس کو دیکھ کر پوچھا کہ تمھاری قبا مشروع ہے، جواب دیا مشروع ہے،
پھر پوچھا موے بند سوتی ہے یا ریشمی، جواب دیا سوتی، پھر فرمایا تم اپنے بال کے جوڑے کھول کر
آگے ڈال دینا ورنہ نماز مکروہ ہو جائے گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے تم اپنے بال کو
کھول دو تاکہ وہ بھی تمھارے ساتھ سجدہ کریں، اسی سلسلہ مین فرمایا بعض نادان ریشم کے کپڑے
پہنکر نماز پڑھتے ہین، ایسی نماز اس کے منہ پر ماری جاتی ہے، اسی درمیان مین سلطان فیروز
شاہ کے قاضی القضاۃ صدر جہان نے قدمبوسی حاصل کی اور نماز کے بعد اپنے یہان مدعو کیا، نماز شروع
ہوئی، تو خطیب سے دوسری رکعت کی تکبیرون مین سہو ہو گیا، نماز کے بعد علمار نے سہو کے
بارہ مین حضرت مخدوم جہانیان سے رجوع کیا، فرمایا، عیدین کی تکبیرین واجب ہین، مناسب
تو یہ ہے کہ نماز پھر سے پڑھی جائے لیکن مجمع کثیر ہے، اعادہ مین لوگون کو زحمت ہوگی، اس لیے
اعادہ کی ضرورت نہین، خطیب کے خطبہ کے بعد حضرت مخدوم نے چار رکعت نماز اور پڑھی
اور اپنے ہمراہیون سے بھی پڑھوائی، ابھی وہ نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ دست بوسی کے لیے لوگون
کا ہجوم ہوا، ہر طرف ایک شور برپا ہو گیا، مشکل سے پالکی لائی گئی، اور جب پالکی پر سوار ہو کر روانہ
ہوئے تو لوگ پالکی کے ساتھ دوڑتے تھے، کوئی پالکی کو چومتا اور کوئی پالکی اٹھانے والون
کو چومتا، ہجوم زیادہ بڑھا تو خدام نے لوگون کو منتشر کیا، کہ ہجوم کی کثرت سے کوئی ہلاک نہ ہو جائے
صدر جہان بھی پالکی کے ساتھ ساتھ تھے، اور جب ان کے گھر پہنچے تو وہان ائمہ، علما، قضاۃ
صدور، اور دوسرے اکابر پہلے سے موجود تھے، جنھون نے اٹھ کر تعظیم کی، اثناے گفتگو مین
حضرت مخدوم نے صدر جہان کو مخاطب کرکے فرمایا، کمبر اکبار مرید کہتے ہین، ان کو منع کر دو،
یہ لفظ کفر کا ہے، کمبار شیطان کے نامون مین سے ایک نام ہے، پھر فرمایا، مستحب یہ ہے کہ موذن
صاحب علم اور متقی ہو تاکہ فتوی بھی دے سکے، گفتگو مختلف موضوع پر ہوتی رہی، اس کے بعد

اشراق کی نماز پڑھی، اشراق پڑھ چکے تو صدر جہان نے شربت کا ایک پیالہ پیش کیا، شربت دیکھکر فرمایا عید ضحٰی مین قربانی کے گوشت سے افطار کرنا سنت ہے، صدر جہان نے فوراً کباب کی ایک سیخ سینکوائی، اسی سے افطار کیا، اور ہمراہیون کو بھی افطار کرنے کو کہا، اس کے بعد صدر جہان نے دستر خوان بچھوایا، کھانے کے بعد تمام لوگ رخصت ہوئے۔[1]

سلطان فیروز شاہ جب مہم سے واپس آیا، تو اس نے شہزادہ محمود خان کو حضرت مخدوم جہانیان کے پاس بھیجا، کہ ان کو جاکر شاہی محل مین لے آئے، تاکہ ان کی زیارت جلد جلد ہو سکے، لیکن حضرت مخدوم جہانیان کے ساتھ بہت سے لوگ تھے، اس لیے انھون نے شاہی محل مین جانا پسند نہین فرمایا، شہزادہ محمود خان جب رخصت ہونے لگا تو حضرت مخدوم جہانیان نے اس کو کلاہ پہنائی، اور کچھ شیرینی بطور تبرک دی، سلطان فیروز شاہ نے پھر اور دوسرے شہزادون اور ارکان سلطنت کو بھیجا کہ وہ شاہی محل مین ضرور تشریف لئین، چنانچہ اس اصرار کے بعد وہ شاہی محل مین منتقل ہوگئے، جہان شہزادے اور عمائدین سلطنت برابر خدمت مین حاضر رہتے تھے۔[2] ایک روز شہزادہ مبارک خان اپنے لڑکون کے ساتھ قدمبوسی کے لیے آیا، تو اس کی ٹوپی پر نظر پڑی، فرمایا ایسی ٹوپی پہننا روا نہین، لڑکے بھی اسی طرح کی ٹوپی پہنے ہوئے تھے، ان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ تو بچے ہین، ان سے تو مواخذہ نہین ہوگا لیکن ان کے دلی سے باز پرس ہوگی۔[3]

ایک روز جامع مسجد مین نماز پڑھنے تشریف لے گئے، تو موذن نے اذان مین اکبر کی جگہ "اکبار" کہا، فرمایا یہ کفر ہے، سید الحجاب اور صدر جہان کی توجہ اس طرف دلائی، سلطان کو خبر ہوئی تو موذن کو طلب کیا، اور اس کی جان کے لالے پڑ گئے، موذن حضرت مخدوم جہانیان

---

[1] الدر المنظوم ص ۶۴-۶۵ [2] ایضاً ۹۹-۱۰۰ [3] ایضاً ص ۱۰۱

کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہی عتاب کا ذکر کیا، حضرت مخدوم نے اس کی دلجوئی کی اور فرمایا میں سلطان سے کہوں گا کہ تمہاری روٹی موقوف نہ کرے، لیکن اکبار نہ کہنا، اور نہ حی علی الصلوۃ کے بجائے حیا علی الصلوٰۃ کہنا، کیونکہ اس سے معنی بدل جاتے ہیں،

کئی بار سلطان فیروز شاہ نے بھی حاضری دی، پہلی دفعہ آیا تو حضرت مخدوم جہانیاں اشراق کی نماز پڑھ رہے تھے، جب تک نماز پڑھتے رہے، سلطان کھڑا رہا، اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا، سلطان نے پھولوں سے بھری ہوئی ایک ٹوکری پیش کی، حضرت مخدوم جہانیاں نے ان پھولوں کو حاضرین میں تقسیم کر دیا، پھر سلطان کے آنے کا شکریہ ادا کیا، اور دعائیں دیں، اس کے بعد ساتھیوں سے دو رکعت نفل نماز باجماعت ادا کرنے کو کہا مولانا سراج الدین نے امامت کی، سلطان بھی جماعت میں شریک ہوا، نماز ختم ہوگئی تو حضرت مخدوم جہانیاں نے فرمایا، امام شافعیؒ کے نزدیک نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کی جا سکتی ہے، پھر فقہ کی کتاب کافی کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا عبادات میں غیر کے مسلک پر عمل کیا جا سکتا ہے یعنی اگر کوئی حنفی ہے تو شافعی کی عبادات میں شریک ہو سکتا ہے، لیکن معاملات میں غیر مسلک پر عمل کرنا بالکل جائز اور درست نہیں، اس کے بعد سلطان سے نماز کی نیت، خانہ کعبہ کی زیارت، حضرت شیخ بہاء الدین کی بزرگی، خرقۂ مشائخ، دشمن نفس وغیرہ پر گفتگو رہی، اسی اثنا میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا کے پوتوں اور دوسرے لوگوں کے لیے سلطان سے کہکر وظائف مقرر کرائے، جب سلطان رخصت ہونے لگا تو اس نے حضرت مخدوم جہانیاں سے اپنے پوتوں کے لیے دعائیں کرنے کو کہا، انھوں نے ان کے لیے وہی دعائیں کیں جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو دیا کرتے تھے، سلطان کو رخصت کرنے کے لیے حضرت مخدوم جہانیاں نردبان سے نیچے آنا چاہتے تھے لیکن سلطان نے دست مبارک

پکڑ کر نیچے آنے سے روکا، حضرت مخدوم نے کہا تم جب مجھ سے ملنے آئے ہو تو کچھ تو تمھاری
تعظیم کروں، سلطان نے کہا واجب التعظیم تو آپ ہی ہیں، میں تعظیم کا مستحق نہیں، سلطان جا چکا تو
اس کے ساتھ آنے والے ارکانِ سلطنت بھی اسی طرح تعظیم و تکریم کا اظہار کرتے ہوئے رخصت ہوئے
سلطان دوسری دفعہ آیا، تو اس ملاقات میں کسی موقع پر حضرت مخدوم جہانیاں نے
بعض اشعار پڑھے جو سلطان کو پسند آئے، ان کو خود بھی لکھا اور سید صاحب سے بھی لکھوایا
وہ اشعار یہ ہیں:

ہمت بس بلند روزی کن	کہ من از تو ہمین ترا خواہم
ہر آنکو غافل از وے یکزمان ست	دران دم کافرست اما نہان است
مبادا غائبے پیوستہ باشد	درا سلام بروے بستہ باشد
حضوری بخش اے پروردگارم	کہ من غائب شدن طاقت ندارم[1]

فیروز آباد یعنی دہلی سے رخصت ہوتے وقت دو روز پہلے لوگوں کے ہجوم سے
بچنے کی خاطر سلطان خانہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی، نماز کے بعد سلطان سے ملے،
بعض فقہی مسائل پر گفتگو ہوئی، پھر لوگوں نے کچھ عرضداشتیں سلطان کی خدمت میں
پیش کیں جن کو اس نے قبول کیا، اسی اثنا میں سلطان خانہ میں آخری ملاقات کے لیے
لوگوں کا ہجوم بڑھا تو حضرت مخدوم جہانیاں نے ایک دریچہ سے روے مبارک نکالکر
لوگوں سے فرمایا، السلام علیکم، میں نے تمھارے بھائی (یعنی سلطان) اور تمھارے دین
کو خدا کو سونپا، تم بھی مجھکو خدا کو سونپو، پھر لوگوں کے لیے دعائیں کیں، اتوار کے
روز اشراق کے بعد فیروز آباد سے نکل کر کوشک شکار عرف جہان نما آئے، اس وقت

[1] الدر المنظوم ص ۶۳۶۔

سلطان کی طرف سے کھانا آیا، حضرت مخدوم جہانیاں نے ایام بیض کا روزہ رکھا تھا، لیکن اور لوگوں نے کھانا کھایا، اس موقع پر فرمایا مقطع اور دوسرے ملوک کو رشوت دینا یا ان کی مالی مدد کرنا بالکل جائز نہیں، بادشاہ کے لیے بھی یہ باتیں حرام ہیں، ہدیہ لینا روا بلکہ سنت ہے، بشرطیکہ یہ ہدیہ رشوت نہ ہو، کسی احسان یا معاوضہ کی خاطر نہ دیا گیا ہو، صرف خدا کی خوشنودی کے لیے پیش کیا گیا ہو، البتہ ہدیہ میں کفار کا کھانا قبول کرنا ممنوع ہے

کچھ لوگ ساتھ تھے انہجد کے وقت ان کو رخصت کیا، لیکن پھر بھی کچھ ..... گئے، چاشت کی نماز کے بعد چھوٹے شہزادے رخصت کرنے کے لیے آئے، ان کے جسم پر ریشم کا لباس دیکھ کر فرمایا ریشم کا لباس پہننا حرام ہے اس لباس کے پہننے کا وبال چھوٹے شہزادوں کے ولی پر ہوگا، پھر ۱۰ محرم ۷۸۲ھ کی صبح کی نماز کے بعد اچھ کی طرف روانہ ہوگئے، بعض معتقدین نے قدم چومنا چاہا، لیکن چومنے نہ دیا۔[1]

فیروز شاہ پر بزرگان دین کے اثرات | حضرت مخدوم جہانیاں کی صحبت سے سلطان فیروز میں جو جلا ہوئی، اس کے اثرات اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں ظاہر ہوتے رہے، وہ حضرت فرید الدین گنج شکر کے نواسے شیخ الاسلام شیخ علاء الدین کا مرید تھا، لیکن اپنے تمام معاصر مشائخ وصوفیہ سے بھی بڑی عقیدت و محبت کے ساتھ ملتا رہا، انھوں نے جو نصیحتیں کیں ان پر عمل کرنے کی بھی کوشش کی، شمس سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی میں ہے:

> سلطان نے اپنے تمام عہد حکومت میں اولیاء کرام کی متابعت کی آخر زمانے میں مخلوق بھی ہو گیا تھا، اس نے ہر وقت مشائخ کی پیروی کی اور ان کی محبت کا دم بھرتا رہا۔ (صفحہ ۳...)

[1] الدار المنظوم ص ۵۵ - ۸۵۱

سلطان حضرت شرف الدین احمد منیری، حضرت چراغ دہلی اور حضرت قطب الدین منور کے پند و نصائح سے بھی مستفیض ہوتا رہا[۵]، اور ان تمام بزرگان دین ہی کے فیوض و برکات کی وجہ سے اس میں شریعت اور سنت کی پابندی کا جذبہ پیدا ہوا، اور اس نے اپنے دور حکومت میں شریعت کے احیا، اور بدعات کے قلع قمع کرنے میں پوری کوشش کی، اسی سلسلہ میں اس نے ایک رسالہ فتوحات فیروز شاہی قلمبند کیا، اس کا آغاز اس طرح کرتا ہے:

"حمد بے حد اور شکر بے شمار اس خالق غفور و شکور کا ہے جس نے مجھ بے چارے مسکین فیروز بن رجب محمد شاہ بن تغلق شاہ کے غلام کو سنت رسول کو زندہ کرنے، بدعتوں کو مٹانے، بری باتوں کو دور کرنے، حرام چیزوں کو روکنے اور فرائض و واجبات کی پابندی کی توفیق بخشی۔"

فیروز شاہ نے شریعت کی پابندی کی خاطر جو اقدام کیے، اس کی پوری تفصیل فتوحات فیروز شاہی میں ملے گی، ایک جگہ رقمطراز ہے:

گذشتہ زمانے میں بیت المال میں نامشروع اور حرام مال جمع کیا جاتا تھا، مثلاً ترکاریوں کی منڈی، دلالوں کے بازار، قصاب، طرب و نشاط، پھولوں کے فروخت، پان، غلہ، مچھلی، ندافی، صابون سازی، ریسمان فروشی، روغن گری، [illegible] جنے، تبازاری، قماربازی، دادبیگی، چرائی .... وغیرہ پر چنگی لی جاتی تھی، ہم نے دفاتر دیوان کو ہدایت کردی کہ ان تمام چنگیوں کی وصولی کو ختم کردیں، اور کوئی وصول کرے تو اس کو سزا دیں، اور بیت المال میں جو مال آئے وہ شرع مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم اور کتب دینیہ کے مطابق ہو، اور وہ یہ ہیں، خراج اراضی،

[۵] تفصیل کیلیے دیکھو سہ صدی مکتوبات ص ۹۳-۹۲ و تاریخ فیروز شاہی از شمس سراج عفیف ص ۲۹-۸۰، ۸۱-۱۳۳-۱۳۱

عشور، زکوٰۃ، جزیہ، لاوارثون کا مال، غنیمت اور معدنیات کا خمس، اور جو مال کلام پاک کے حکم کے مطابق نہ ہو، وہ بیت المال مین جمع نہ کیا جائے[1]،

غرضکہ شرعی اصلاح کے سلسلہ مین اس کی مساعی جمیلہ ملاحظہ ہون:

شہر کے مسلمانون مین ایک ایسا رواج ہو گیا تھا جس کو اسلام جائز نہیں رکھتا ہے، متبرک دنون مین عورتین پالکی، چھکڑے، ڈولے، گھوڑے اور اونٹ پر سوار ہو کر اور پیادہ جوق جوق شہر سے باہر آتی تھین، اور مزارون پر جاتی تھین، بدمعاش اور اوباش لوگ اپنی نفسانی خواہشون کی خاطر ان عورتون کو چھیڑ کر فتنہ و فساد پیدا کرتے، عورتون کا باہر جانا شرعاً ممنوع ہے، ہم نے حکم دیا کہ کوئی عورت مزار کی زیارت کو نہ جائے، اگر کوئی جائے تو اس کی سزا دی جائے، حق تعالیٰ کی عنایت سے اب مخدرات اور مستورات باہر نہیں آتی ہین، اور نہ زیارت کو جاتی ہین اب یہ بدعت دور ہو گئی[2]،

کھانے پینے، لباس و پوشاک اور روزمرہ کی دوسری چیزون مین بھی شریعت کی پابندی کا لحاظ رکھا، چنانچہ لکھتا ہے:

گذشتہ زمانے مین دستور یہ تھا کہ چاندی اور سونے کے برتنون کو دسترخوان پر استعمال کرتے تھے، اور تلوارون کے قبضہ اور ترکش کو سونے سے مرصع کرتے تھے، اس کی ممانعت کر کے مین نے اپنے ہتھیارون کو شکاری جانورون کی ہڈی سے مرصع کیا، اور وہ برتن استعمال کیے جو شریعت مین جائز تھے،

گذشتہ زمانے مین یہ دستور تھا کہ کپڑون پر تصویرین بناتے تھے، اور ان کو شاہی خلعت کے طور پر لوگ پہنا کرتے تھے، اسی طرح لگام، زین، [illegible] کے پٹکے، عود کی انگیٹھیون، طشت،

[1] فتوحات فیروز شاہی [illegible] ص ، [2] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۰،

پیالہ، صراحی، لوٹا، خیمون، پردون، تخت، کرسی اور تمام ساز وسامان پر تصویرین بناتے تھے۔ خدا کے حکم وہدایت کی بناپر میں نے حکم دیا کہ ان چیزون سے ان تصویرون کو مٹادین اور جو چیزین شریعت مین جائز ہین ان کو بنائین، اور گھرون اور محلون اور دیوارون پر جو تصویرین بنائی گئی ہین ان کو بھی مٹادیں،

اس سے پہلے بڑے لوگون کا لباس ریشمی اور زردوزی کا ہوتا تھا، جو شرعاً جائز نہین، خدا کی توفیق سے تمام لباس رسول اللہ صلعم کی شریعت کے موافق ہوگئے، اور زردوزی کے جھنڈے اور زربفت کی ٹوپیان جن کا عرض چار انگل سے زیادہ نہ ہو، جائز قرار دیے گئے، اور جو لباس خلاف شریعت ناجائز ہے وہ مٹا دیے گئے؛[1]

مندرجہ بالا تمام حقائق کی تصدیق شمس سراج عفیف بھی کرتا ہے، اپنی تاریخ فیروز شاہی مین رقمطراز ہے:

"سلطان فیروز شاہ نے خدا کی عنایت و مہربانی سے ممالک محروسہ سے تمام غیر مشروع امور کو جو خلاف احکام شرع متین رائج تھے، دور کیا، فیروز شاہ نے ہر رسم ورواج کو جو خلاف شرع نظر آیا، قطعاً موقوف کردیا،

سلاطین کے خلوت خانہ مین مصورنقاشی کیا کرتے تھے تاکہ خلوت کے وقت بادشاہ کی نظر ان نقاویر پر پڑے، فیروز شاہ نے خوف خدا کی وجہ سے حکم دیا کہ ان خلوت خانہ مین اس قسم کی نقاشی نہ کی جائے، بلکہ بجائے نقاویر کے باغات و مناظر قدرت کے نقش ونگار بنائے جائین،

سلاطین قدیم کے محلات مین لوہے، تانبے، چاندی اور سونے کے بت اور وہ مٹی کا

---

[1] فتوحات فیروز شاہی ص ۱۴ و ۱۴

مورتین رکھی جاتی تھیں، بادشاہ نے ان کو خلاف شرع خیال فرما کر ان کو دور کیا،

اسی طرح پہلے سلاطین سونے اور چاندی کے ظروف میں خورد و نوش کرتے تھے لیکن فیروز شاہ نے ان کو بھی خلاف شرع خیال کرکے اپنے یہاں سے علیحدہ کر دیا، اور پتھر اور مٹی کے برتن استعمال کرنے شروع کئے، اسی طرح مراتب کے علم و نشانات پر تصویریں بنائی جاتی تھیں، بادشاہ نے اس رسم کو بھی قطعاً موقوف کر دیا، وجہ یہ ہے کہ علماء و مشائخ ہر وقت بادشاہ کے قریب رہتے تھے، اسی لیے فیروز شاہ کو ہمیشہ مکروہ و حرام اشیا و افعال کا علم رہتا تھا، بلکہ یہ مقدس گروہ ممالک محروسہ کے ہر محصول کے متعلق جواز و عدم جواز کی رائے سے بادشاہ کو مطلع کرتا تھا، اور فیروز شاہ ہر نامشروع محصول سے دست کش ہو جاتا اور اس طرح بے حد نقصان برداشت کرتا[1]"

فیاضی بادشاہ یا معتقدین کی طرف سے حضرت مخدوم جہانیان کے پاس ہدیے آتے تو ان کو قبول کر لیتے، ایک موقع پر فرمایا، کہیں سے فتوح آجاتی ہیں تو میں قبول کر لیتا ہوں، کیونکہ شیخ مکہ عبداللہ یافعیؒ، شیخ مدینہ عبداللہ مطری اور دوسرے مشائخ نے فرمایا کہ فتوح قبول کرکے دوسروں تک پہنچا دو، اور کچھ اپنی ضرورت کے لیے بھی رکھو، اسی پر برابر عمل رہا[2] مکہ معظمہ سے شیراز تشریف لے گئے تو ایران کے بادشاہ نے سونے اور چاندی کے سکے طشت میں پیش کیے لیکن یہ تمام سکے ان ہمراہیوں کو دیے جو مقروض تھے[3]، شیراز ہی میں ایک شاگرد نے جو حضرت مخدوم جہانیان

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۴۳ نیز دیکھیے اردو ترجمہ (جامعہ عثمانیہ) ص ۲۵۰، بعض تذکروں مثلاً خزینۃ الاصفیاء (ج ۲ ص ۶۰) اور مرآۃ الاسرار (ص ۵۸۴ قلمی نسخہ دار المصنفین) میں ہے کہ سلطان ابراہیم شرقی والی جونپور حضرت مخدوم جہانیان کا مرید تھا لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سلطان ابراہیم ۸۰۴ھ میں تخت پر بیٹھا اور حضرت مخدوم جہانیان کی وفات ۷۸۵ھ میں ہوئی [2] الدر المنظوم ص ۲۳۸ [3] ایضاً ص ۲۴۴

سے مصابیح پڑھتا تھا کئی ہزار دینار پیش کیے لیکن یہ تمام دینار ان ہمراہیوں کے حوالے کر دیے جن کو اپنی لڑکیوں کی شادیاں انجام دینی تھیں[1]،

رشد و ہدایت کے زمانے میں دن بھر جتنی چیزیں آتیں رات تک تقسیم کر دی جاتیں، یہاں تک کہ خانقاہ میں پانی بھی نہیں رہتا، فرماتے یہی ترک تجرید باطن میں محبت پیدا کرتی ہے، پھر محبوب کے سوا کسی اور چیز کی طلب نہیں ہوتی[2]،

جب کوئی چیز پاس نہیں ہوتی تو قرض لے کر مدد فرماتے، ایک بار ایک وظیفہ خوار سید شمس الدین مسعود عراقی نامی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ آج ان کو وظیفہ نہیں ملا ہے، خادم خاص کو بلا کر پوچھا تو اس نے کہا کہ ابھی تک کہیں سے فتوح نہیں آئی ہے، فرمایا بقال سے قرض لے کر وظیفہ دیدو، سید شمس الدین مسعود عراقی نے کہا کہ کافر سے قرض لینا مکروہ ہے، فرمایا حاجت کے وقت مسلمان اور کافر سے قرض لینا درست ہے[3]،

ایک بار ایک سید آئے، انھوں نے اپنے بیٹے کے کفن کا کپڑا مانگا، اس وقت کوئی کپڑا نہ تھا اور نہ دام تھے، جاڑے کا بستر موجود تھا، خادموں سے فرمایا جاڑے کا موسم ختم ہو چکا ہے، بستر سے روئی نکال لو، اور کپڑا کفن کے لیے دیدو، روئی بیچ کر دام رکھ لو تاکہ درویشوں کے وظیفے کے لیے کام آئے، یہ کہہ کر نماز پڑھنے لگے، خادم خاص نے ایسا ہی کیا، اور کہنے لگا قطب عالم کیسی شفقت رکھتے ہیں، پھر یہ آیت پڑھی، وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ،

حضرت مخدوم جہانیاں نے یہ آیت سنی تو نماز توڑ دی اور فرمایا یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ہے، کسی اور کے لیے نہیں ہو سکتی ہے[4]،

ایک بار ایک عرب آیا، اس نے کہا کہ میں لکھنوتی کی طرف جانا چاہتا ہوں مجھکو زاد راہ اور کپڑے دیجیے، اسی وقت ایک مرید ایک طشت میں بھر کر مصری تحفہ لایا، حضرت مخدوم جہانیاں

---

[1] الدر المنظوم ص ۷۰ وہم [2] ایضاً ص ۸۰ [3] ایضاً ص ۱۶۸ [4] ص ۹۸

نے عرب سے کہا کہ تم یہ لے لو، اس نے لے لیا اور پھر کپڑے کا طلبگار ہوا، جسم مبارک پر جو کپڑا تھا، وہ
کسی نے عاریۃً پہنا دیا تھا کہ وہ متبرک ہو جائے، اس لیے عرب سے فرمایا کہ یہ کپڑے میری ملک ہوتے
تو میں تم کو دے دیتا، لیکن وہ عرب کسی طرح راضی نہیں ہوتا تھا، خادموں نے اس پر غصہ کا اظہار
کیا، عرب نے کہا اے مخدوم آپ کے خادم مجھکو مارنا چاہتے ہیں، فرمایا اگر وہ تمہیں ماریں تو مجھے
مار ڈالنا، میں نے اپنا خون تجھے معاف کیا، اور اپنی گردن مبارک جھکا دی، عرب یہ خلق
دیکھ کر بیحد متاثر ہوا، اور قدموں پر گر پڑا، حضرت مخدوم جہانیاں نے اس کو اپنے بغل
میں لے لیا، اور اپنی ٹوپی پہنا کر رخصت کیا۔[1]

جب کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اس کا بدلہ کسی نہ کسی صورت میں ضرور ادا کرتے، ایک بار
ایک شخص نے سونے اور چاندی کے تنکے پیش کئے جب وہ رخصت ہونے لگا تو اس کو اپنی
بارانی دیدی، اور فرمایا حدیث صحاح میں ہے کہ جو شخص تمہارے لیے کوئی ہدیہ لائے تو
تم اس کو بدلہ دو، اور اگر اس کی قدرت نہیں رکھتے ہو تو تم اس کے لیے دعائیں کرتے رہو
یہاں تک کہ تم کو یقین ہو جائے کہ ہدیہ کا بدلہ ہو گیا۔[2]

مہمان نوازی جب کوئی ملنے آتا تو اس کو کچھ نہ کچھ ضرور کھلاتے، فرماتے جو شخص کسی زندہ
آدمی کی ملاقات کو آئے اور اس کے یہاں کوئی چیز نہ چکھے تو گویا اس نے کسی مردے کی زیارت کی۔[3]
کہیں سے کوئی مہمان آتا تو جب تک مقیم رہتا اس کے لیے کھانے پینے کا سامان اور نقد وظیفہ
کا انتظام کیا جاتا، ایک حجرہ علیحدہ کر دیا جاتا۔[4]

عفو و درگذر خانقاہ اور قیام گاہ سے چیزیں اکثر چوری ہو جاتیں لیکن صبر و تحمل سے کام لیتے،
ایک بار اوچ کے قیام کے زمانہ میں کسی نے چادر چرالی، ایک معتقد نے کہا کہ چور کے لیے آپ

---

۱ الدر المنظوم ص ۱۸۸ ۲ ایضاً ص ۹۹ ۳ ایضاً ص ۹۹ ۴ ایضاً ص ۳۰

بد دعا کریں، بار بار چیز چرا لے جاتے ہیں، فرمایا ہرگز بد دعا نہ کروں گا، بلکہ چور اگر آ جائے تو میں چادر اس کو بخش دوں گا، میری بہت سی چیزیں مثلاً مٹکا، اور تسبیح وغیرہ چور اٹھا لے گئے لیکن میں نے کبھی بد دعا نہیں کی[1]

غیر شرعی تعظیم سے پرہیز | معتقدین غایت تعظیم و تکریم میں پاؤں چومنے کی کوشش کرتے لیکن چومنے نہیں دیتے[2] بعض مریدین تعظیم میں سجدہ کرنے کی کوشش کرتے لیکن ان کو سجدہ کرنے نہیں دیتے، فرماتے غیر حق کو سجدہ کرنا درست نہیں ہے، ہمارے مذہب میں سجدۂ تحیت جائز نہیں، امام شافعیؒ کے یہاں پیر، استاد، والدین اور شوہر کے لیے سجدہ روا ہے، لیکن ہمارا ہی مسلک صحیح ہے[3]

خاکساری | ایک مرید نے مدح لکھی، اور قطب عالم، شیخ الشیوخ، اور سید السادات وغیرہ القاب لکھے، تو منکر فرمایا، مجھکو گدائے عالم کہو[4]

معاصر صوفیہ کا احترام | ایک بار حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد منیریؒ نے حضرت مخدوم جہانیاں کے پاس کفش بھیجی جس کا مطلب یہ تھا کہ میں آپ کا کفش بردار ہوں، حضرت مخدوم جہانیاں نے اس کے بدلے میں اپنی دستار بھیجی جس سے مراد یہ تھی کہ آپ میرے سرتاج ہیں[5]، سمنان سے آکر حضرت جہانگیر سمنانی نے ان کی خدمت کی قدم بوسی کی تو بہت ہی شفقت سے ملے، اور فرمایا:

بعد از مدتے بوئے غایب آمد، ولی دماغ سینہ چیدار و نگار، نسیم از گلزار است بیاد شنیدہ

اس کے بعد حضرت جہانگیر کو سفارش کر کے حضرت شیخ علاء الدین الاجودھیؒ کی خدمت میں

---

[1] الدر المنظوم ص ۱۰۲ [2] ایضاً ص ۵۵ [3] ایضاً ص ۲۷ [4] ایضاً ص ۴۶
[5] مونس القلوب بحوالہ سیرۃ اشرف ص ۱۵۱

بھیجا[1]، اچہ میں حضرت شیخ جمال الدین بھی ایک بلند پایہ بزرگ تھے ان کے فضائل و مناقب کا ذکر ملفوظات میں اکثر آیا ہے، حضرت مخدوم جہانیان کے والد بزرگوار کو حضرت شیخ جمال الدین سے کچھ خلش تھی، لیکن حضرت مخدوم جہانیان نے اپنے عنفوان شباب میں درمیان میں پڑ کر یہ خلش دور کرادی تھی، حضرت شیخ جمال الدین کی اولاد سے برابر شفقت و محبت سے پیش آتے رہے، اور ان کے لیے فیروز شاہ سے وظائف بھی مقرر کرائے[2]۔

سماع سماع سے پرہیز کرتے اور فرماتے کہ سماع میں اختلاف ہے لیکن اس شخص کے لیے مباح ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے[3]،

اشاعت اسلام غیر مسلم خصوصاً ہندو خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوتے[4] ایک ہندو عورت مسلمان ہو کر ولیہ ہوگئی، تمام رات بیدار رہ کر عبادت کرتی، اور اکثر مکہ معظمہ جا کر خانہ کعبہ کے طواف میں روحانی لذت حاصل کرتی[5]، حضرت مخدوم جہانیان اچہ سے دہلی تشریف لاتے تو راستے میں بہت سے غیر مسلم ان کے دست مبارک پر اسلام لاتے[6]،

ازدواجی زندگی حرم محترم بھی بڑی عابدہ و زاہدہ تھیں، ایک موقع پر فرمایا "لڑکوں کی ماں تہجد کے وقت مجھ سے پہلے اٹھتیں، اور جب وہ تہجد کی نماز پڑھ لیتیں تو دعا گو کو بیدار کرتیں، بی بی ایسی ہی ہونا چاہیے[7]"

ایک اور موقع پر ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک بار وہ عبادت میں مشغول تھیں کہ بیہوشوں کی طرح سجدہ میں گر پڑیں، جب ہوش میں آئیں تو سجدہ سے اٹھیں، میں نے ان سے کہا جا کر وضو کر لو، کیونکہ بیہوشی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کہنے لگیں مجھکو بیہوشی

---

۱ لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۹، خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۷۰ [illegible] کہ مخدوم جہانیاں نے حضرت شیخ علاء الدین لاہوری کے جنازہ کی نماز پڑھائی لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت مخدوم جہانیاں کی وفات [illegible] حضرت شیخ علاء الدین کا وصال سنہ [illegible] میں ہوا، ۲ الدرالمنظوم ص ۱۰۵ ۳ ایضاً ص ۹۸، ۴ ایضاً ص ۹۹، ۵ ایضاً ص ۱۰۸ ۶ ایضاً ص ،
۷ ایضاً ص ۱۳۱

تھی، مین نے دل کی آنکھون سے حق تعالیٰ کو دیکھا، پھر تعظیم مین کیون نہ سجدہ کرتی، بادشاہ مجازی کے لیے تو ہزارون تعظیم کی جاتی ہے، بادشاہ حقیقی کی تعظیم سجدے سے کیون نہ کرتی۔[۱]

بعض لڑکون کے نام یہ تھے، سید شمس، سید ماہ، سید صدر الدین، سید ناصر الدین، انکی قبرین سکر اور بھکر مین ہین،[۲] سید ناصر الدین کے متعلق خزینۃ الاصفیا مین ہے:

"جامع بود میان علوم شریعت و طریقت و حقیقت و شرافت و سیادت و نجابت و خوارق و کرامات در ولایت بمراتب عالی و مراتب بلند داشت، صاحب اولاد کثیر بود..... در طریقت نسبت ارادت بہ پدر بزرگوار خود داشت واز وے خلافت و اجازت حاصل فرمود۔" (ج ۲ - ص ۶۹)

مراۃ الاسرار مین ہے:

"حضرت سید جلال کی بہت سی اولاد تھی، اور ان کے اکثر فرزند ولایت کے مرتبہ کو پہنچے، ان مین سے ایک شاہ جلال بھی تھے، جو اپنے بھائیون کے جھگڑے کی وجہ سے اوچ سے قنوج آگئے تھے، اور اسی شہر مین سکونت اختیار کرلی، اپنے کشف و کرامات کی وجہ سے بڑی شہرت پائی، ان کے صاحبزادے بھی صوری و معنوی کمالات کی وجہ سے مشہور ہوئے، قنوج اور نواح قنوج کے لوگ ان ہی کے سلسلۂ ارادت سے منسلک رہے، اور یہ سلسلہ ابتک جاری ہے، حضرت کے بعض فرزند دہلی کے نواح شکارپور مین محو خواب ہین، ان مین شاہ عمر، شاہ محمود اور شاہ کبیر بڑے صاحب کشف و کرامات تھے، اور بہت مشہور ہوئے، حضرت کے ایک فرزند شاہ قطب عالم گجرات مین مدفون ہیں۔"

حضرت مخدوم جہانیان کے پوتے حضرت شیخ کبیر الدین بڑے صاحب دل تھے، انکا

---

[۱] الدر المنظوم ص ۵۰ [۲] ایضاً دیباچہ ص ۱۱

شمار برگزیدہ اولیاء اللہ میں کیا جاتا ہے۔[1]

وصال لطائف اشرفی میں ہے کہ رحلت کے وقت اٹہتر سال ایک مہینہ اور چھبیس روز کے تھے، سال وفات ۷۸۵ھ ہے، چہارشنبہ کا دن تھا، اسی روز عید ضحیٰ بھی تھی، عید ضحیٰ کی نماز پڑھ کر طبیعت زیادہ خراب ہوئی، اور غروب آفتاب کے وقت مالک حقیقی سے جا ملے،[2] مزار اقدس اچہ شریف میں ہے، جو ریاست بہاولپور میں ملتان سے ستر میل کے فاصلہ پر جنوب مغرب میں واقع ہے،

ملفوظات حضرت مخدوم جہانیان کے مختلف ملفوظات کے مجموعوں کے نام یہ ہیں:

(۱) خزانۂ جلالی (۲) سراج الہدایہ (۳) جامع العلوم

خزانۂ جلالی کا ذکر تذکروں اور کتب خانوں کی فہرستوں میں ہے[3] لیکن یہ مجموعہ میری نظر سے نہیں گزرا، سراج الہدایہ کا ایک قلمی نسخہ ریاست رام پور کے کتب خانہ میں ہے، اس کے مرتب کا نام احمد برنی ہے، جو حضرت مخدوم جہانیان کے مرید تھے، اس میں ۷۸۲ھ کے دس مہینوں کے ملفوظات ہیں، جو حسب ذیل مختلف ابواب میں منقسم ہیں،

باب اول در بیان احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، باب دوم در بیان روایت پیر و مرید گرفتن و مسائل دینی، باب سیوم در بیان فوائد و احکام شرع جملہ بصحت کتب و قصۂ قوم لوط، باب چہارم حکایات، باب پنجم در بیان قصص انبیاء و بیان دعا و نماز برائے برآمدن حاجت، باب ششم در بیان احادیث معراج و فضائل میوہا، و خضریات بحکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و حدیث طبقات بیان جہاں و دنیا، باب ہفتم در بیان تفسیر ... باب ہشتم در بیان اشعار

[1] خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۵۵ [2] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۹۰ [3] اخبار الاخیار ص ۱۴۳، فہرست مخطوطات فارسی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۶۰۷

عربی و نظم و فضائل سورہ فاتحہ، باب نہم مسائل متفرقہ،

تمام ملفوظات میں سب سے زیادہ مفید، دلچسپ اور مفصل جامع العلوم ہے جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں بار بار آچکا ہے، اس میں دہلی کے قیام ۸ ربیع الآخر ۷۸۱ھ سے ۱۰ محرم ۷۸۲ھ تک کے ملفوظات ہیں، اس کا اردو ترجمہ الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظ المخدوم کے نام سے مولوی ذوالفقار احمد نقوی نے نواب سید نورالحسن صاحب کی فرمائش پر کیا، جو مطبع انصاری دہلی میں چھپا، اور ۵۵۸ صفحوں پر مشتمل ہے، اس میں تصوف کے تمام حقائق و معارف ہیں، ان کے علاوہ بکثرت ایسے شرعی، فقہی، اخلاقی اور معاشرتی مسائل بھی ہیں جن کے مطابق ایک مسلمان آج بھی اپنی روزمرہ زندگی کو روحانی، مذہبی اور اخلاقی طور پر سنوار سکتا ہے،

تعلیمات | گذشتہ صفحات میں حضرت مخدوم جہانیاں کی زندگی کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے ان سے ان کی تعلیمات کا اندازہ ہوگا، ملفوظات میں ایسے اوراد و وظائف بکثرت ہیں جن کی مداومت سے روحانی مدارج طے کیے جا سکتے ہیں، ان کے علاوہ بعض خاص خاص باتوں کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے،

فقر | فقر کے لیے حسب ذیل پچاس چیزیں ضروری بتائی ہیں:

(۱) توبہ (۲) علم (۳) حلم (۴) عقل (۵) معرفت (۶) عافیت (۷) رحمت (۸) قناعت (۹) صدق (۱۰) یقین (۱۱) عبادت (۱۲) ذکر (۱۳) زہد (۱۴) تقویٰ (۱۵) توکل (۱۶) تفکر (۱۷) رجا (۱۸) صبر (۱۹) شکر (۲۰) سخاوت (۲۱) خلوت و عزلت (۲۲) رضا (۲۳) اخلاص (۲۴) بیچارگی (۲۵) اخلاق (۲۶) تواضع (۲۷) خوف (۲۸) اعتقاد (۲۹) افلاس (۳۰) تحمل (۳۱) شوق (۳۲) تجرد (۳۳) لطف (۳۴) ...[1]

[1] سراج الہدایہ کے قلمی نسخہ میں الفاظ پڑھے نہیں جاتے۔

(۳۵) خشوع (۳۶) ......[1] (۳۷) ......[2] (۳۸) ریاضت (۳۹) شرف (۴۰) ......[3]

(۴۱) سرمستی (۴۲) ہمت (۴۳) محبت (۴۴) ......[4] (۴۵) وصل (۴۶) قرب (۴۷) ادب

(۴۸) اشتیاق (۴۹) تسلیم (۵۰) دیدار،

اگر مندرجۂ بالا تمام چیزیں حاصل نہ ہو سکیں تو حسبِ ذیل چیزوں کے لیے کوشش کرنی چاہیے:

(۱) توبہ (۲) توکل (۳) حمد (۴) صبر (۵) شرم (۶) زہد (۷) قناعت (۸) تسلیم (۹) صدق (۱۰) رضا (۱۱) دیدار (۱۲) تفکر (۱۳) ہیبت (۱۴) شکر (۱۵) عصمت،

اگر یہ بھی حاصل نہ ہوں تو پھر مندرجۂ ذیل چیزیں اختیار کی جائیں:

(۱) توبہ (۲) عبادت (۳) زہد (۴) صبر (۵) عرفان (۶) شکر (۷) توکل (۸) طلب دوست

ان میں ہر ایک صفت ایک ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے،[5]

اگر یہ چیزیں بھی حاصل نہ ہوں تو ایک سالک کے لیے سجادہ پر بیٹھ کر مشائخ کے گروہ میں شامل ہونا کسی طرح جائز نہیں،

فقر کے ابتدائی دور میں مذکورۂ بالا چیزوں کے حاصل کرنے میں مشکلات درپیش ہوں تو دل سے حسبِ ذیل چیزوں کو دور کرنا چاہیے:

(۱) غصہ (۲) حسد (۳) بخل (۴) عجب (۵) نفاق (۶) شہرت پسندی (۷) حرام چیزوں کے کھانے، پینے، لینے، سننے اور دیکھنے کا خیال (۸) کاہلی (۹) انتقام، ان کو دور کر کے تواضع اختیار کرنا چاہیے،[6]

---

[1] [2] [3] [4] سراج الہدایہ کے قلمی نسخہ میں الفاظ پڑھے نہیں جاتے، [5] تفصیل کے لیے دیکھو اس حقیر تالیف کا صفحہ ۶۰ [6] سراج الہدایہ قلمی نسخہ

شرائط ذکر ذکر کے لیے چار شرطین ضروری ہین: (۱) تصدیق یعنی جو کچھ ذاکر کی زبان پر ہو اس کا یقین اس کے دل سے بھی ہو، اگر یہ تصدیق نہین تو ذاکر منافق ہے (۲) تعظیم، یعنی زبان پر جو کچھ ہو اس کی عظمت بھی دل مین ہو، اگر یہ تعظیم نہین تو ذاکر بدعتی ہے (۳) حلاوت، یعنی ذاکر ذکر سے پوری لذت اٹھائے، ورنہ وہ ریاکار ہے (۴) حرمت، اگر ذکر کے وقت اس کی حرمت کا خیال نہ ہو تو ذاکر فاسق ہے،

عقبات سالک عقبات کے معنی گھاٹیان ہین، راہ سلوک مین مختلف قسم کی گھاٹیان آتی ہین، پہلی گھاٹی دنیا ہے، جب سالک راہ سلوک مین گامزن ہوتا ہے تو دنیا کہتی ہے تو کہان جاتا ہے، لوٹ آ، میرے پاس کتنے لذائذ ہین، یہ میوے، یہ کپڑے، یہ عورتین ہین، ان کو چھوڑ کر کہان جاتا ہے، لیکن سالک ان سے منہ موڑ کر ان کو محض فانی چیزین سمجھتا ہے، تو وہ منزل مقصود کی طرف بڑھتا ہے، ایک سالک کو ہمیشہ حق تعالیٰ سے التجا کرتے رہنا چاہیے کہ اس کو گھاٹیون سے پار کر دے[1]

مقامات سالک سالک کے دو مقامات ہین، ابتدا اور انتہا، مقام ابتدا توبہ ہے، توبہ دو طرح کی ہے، ایک تو یہ کہ شریعت و طریقت کی معصیتون سے توبہ کرے، یعنی حرام، مکروہ چیزون، بے ادبی اور اخلاق ذمیمہ سے پرہیز کرے، اور دوسرے ماسوا اللہ سے توبہ کرے، مقام انتہا تمکین مع اللہ ہے، اور یہ قدیم یعنی باری تعالیٰ کو حاصل کرنے اور محدث یعنی دنیا کو چھوڑ دینے سے حاصل ہوتا ہے، وہ شخص کبھی عاقل نہین جو نعمتون سے لطف اٹھائے، اور نعمتون کے دینے والے یعنی باری تعالیٰ سے غافل ہو جائے[2]

حالات سالک ان مقامات کو طے کر کے ایک سالک مین تین حالتین پیدا ہوتی ہین،

---

[1] الدر المنظوم ص ۱۰۱ - ۱۶۰ [2] ایضاً ص ۱۱۸

سلوک، وقوف، رجوع، سلوک سے مراد وہ حالت ہے جس سے منزل نفس وروح کے مقامات طے ہوتے ہیں، ان مقامات کو طے کرنے میں توقف بھی ہوتا ہے، جس کو وقوف کہتے ہیں، سالک جب کسی مکروہ یا حرام چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے، یا اس میں کسل پیدا ہو جاتا ہے، یا وہ دنیا سے اختلاط شروع کر دیتا ہے، تو یہ مقامات طے نہیں ہوتے، وقوف کا علاج رجوع ہے یعنی سالک کو صابر و شاکر رہ کر پھر ایک بار تائب ہونا چاہیے اور وقوف کو دور کرنے کے لیے مفید مشاغل مثلاً درس و تدریس امامت مساجد کسب مکاسب اور تعلیم صبیان اختیار کر لینا چاہیے لیکن ان مشاغل میں اللہ اور اسکے رسول کے احکام کو بجا لانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو،[1]

منازل سلوک | ایک سالک کی چار منزلیں ہیں ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، منزل ناسوت نفس کی جگہ ہے، جب ایک سالک کے نفس سے اوصاف ذمیمہ زائل ہو جاتے ہیں، تو وہ عالم ملکوت میں پہنچتا ہے، یہ دل کی جگہ ہے جس میں فرشتوں کی صفتیں پائی جاتی ہیں، اس منزل سے گذر کر سالک عالم جبروت میں پہنچتا ہے، جو روح کی جگہ ہے اس میں روح کی وہ تمام صفتیں پائی جاتی ہیں جو حق تعالیٰ کی ذات سے قریب کرتی ہیں، اس منزل کے بعد لاہوت ہے، جہاں "خود" سے رہائی حاصل ہو جاتی ہے،

یہ تمام منزلیں نفس، دل اور روح کے ذریعہ سے طے ہوتی ہیں نفس شیطان کی جگہ ہے، دل فرشتوں کا مقام ہے، اور روح محل نظر رحمٰن ہے، جو نفس کی پیروی کرتا ہے وہ دوزخ کی آگ میں جلتا رہے گا، جو دل کی متابعت کرے گا اس کو جنت نعیم حاصل ہوگی، اور جو روح کی فرمانبرداری کرتا ہے، اس کو خداوند کریم کے پاس جگہ ملے گی،[2]

---

[1] الدار المنظوم ص ۲۵۸ [2] ایضاً ص ۲۵۵-۲۵۶

معرفت | جس کو معرفت حاصل ہوتی ہے وہ خداوند تعالیٰ کی حکمت کے لطائف اور اس کی محبت کے حقائق سے واقف ہوجاتا ہے، معرفت کا نور ہر قسم کے انوار پر غالب آتا ہے، نہ اس پر گناہوں کی تاریکیاں چھا سکتی ہیں، نہ اس کو شہوتوں کی خواہشیں کثیف بنا سکتی ہیں، نہ اس کو انکار اور غفلت کا غبار چھپا سکتا ہے[1]

خلفاء | حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے اپنے آپ کو حضرت مخدوم جہانیاں کا بھی خلیفہ بتایا ہے، ان کا ذکر آگے آئیگا، بعض اور دوسرے خلفاء کے اسماء گرامی یہ ہیں:

سید صدر الدین راجو قتال، حضرت مخدوم جہانیاں کے سگے بھائی تھے، ان کی تعلیم و تربیت میں صاحب کرامت ہوئے۔ وفات ۸۲۷ھ میں ہوئی، مزار دہلی میں ہے۔

شیخ اخی راجگیری، خزینۃ الاصفیاء میں ہے:

"مرید و خلیفہ حضرت مخدوم جہانیاں بود آنحضرت وے را بخطاب اخی یاد می فرمود، وطن اصلی وے موضع زہرا از اعمال پرگنہ دریا باد سرکار اودھ است بعد عطائے خرقہ خلافت صاحب ولایت دیار قنوج شد چون در آنجا رسید از ہجام خلق بسیار شد، از آنجا بموضع راجگیر کہ بر آب دریائے گنگ است متوطن شد" (ج ۲ ص ۶۴-۶۳)

حضرت سید علم الدین، سادات ترمذ میں تھے، قنوج وطن تھا، حضرت مخدوم جہانیاں سے مرید ہوکر ان کے حکم کے بموجب جونپور آئے اور سلطان ابراہیم شرقی کی ملازمت میں منسلک ہوکر امراء میں داخل ہوئے۔ ٹہ بلاؤن (؟) جاگیر میں ملا، خزینۃ الاصفیا

---

[1] الدر المنظوم ص ۲۳۲ [2] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۹۲

میں ہے :-

از کاملترین خلفاء و مریدان حضرت مخدوم جہانیان است۔" (ج ۲ ص ۶۴)

شیخ سراج الدین، حافظ قرآن تھے، حضرت مخدوم جہانیان نے ان کے پیچھے برسوں نماز پڑھی[۱] وفات ۸۳۰ھ میں ہوئی، مزار کالپی میں ہے،

سید اشرف الدین مشہدی، شیخ بابو تاج الدین بکبری، سید محمود شیرازی سید سکندر بن مسعود، سید علاء الدین بن سعید حسینی (مرتب جامع العلوم) سید شرف الدین سامی اور مولانا عطاء اللہ بھی اکابر خلفاء میں تھے،[۲]

---

[۱] خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۶۸ [۲] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۳۹۲

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رح

لقب | سید محمد اشرف، اسمِ گرامی اور جہانگیر لقب تھا،

وطن وخاندان | آل سمنان ہیں تھے، ولادت باسعادت سمنان مین ہوئی، والد بزرگوار محمد ابراہیم سمنان کے سلطان تھے[1]، والدہ ماجدہ خدیجہ بیگم خواجہ احمد یسوی کی لڑکی تھین ان کے زہد وعبادت کا حال یہ تھا کہ ان سے تہجد کی نماز کبھی قضا نہ ہوئی، پوری رات عبادت مین گذارتین، اور صائم الدہر رہین،[2]

تعلیم | تین بہنون کے بعد حضرت ابراہیم مجذوب کی دعاؤن کی برکت سے حضرت سید اشرف پیدا ہوئے، سات سال کے ہوئے تو سات قرأتون کے ساتھ کلام پاک حفظ کیا، چودہ سال کی عمر مین معقولات ومنقولات کی تعلیم ختم کر لی جس سے تمام عراق مین مشہور ہو گئے

اورنگ نشینی | والد بزرگوار کی وفات کے بعد سمنان کی عنانِ حکومت سنبھالی، ان کے زمانۂ حکومت کے عدل وانصاف کے بہت سے قصے مشہور ہین، لطائف اشرفی کے مؤلف نے اس عدل وانصاف کا ذکر اشعار مین کیا ہے،

چون اورنگ سمنان بدو تازہ گشت جہان از عدالت پُر آوازہ گشت

بدورانِ عدلش ہمہ روزگار گلستان شدہ عدل آوردبار

زہے عدل وانصاف آن دادگر کہ بر میش گرگے نہ بندد کمر

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۸۰، [2] ایضاً ج ۲ ص ۹۰ [3] ایضاً ص ۹۱

بشاہین زند بال بازی کلنگ — کبوتر سوے باز آورد جنگ
اگر فیل بر فرق موری گذر — کند مور بر فیل آرد نظر
کہ این دور سلطان اشرف بود — چسان ظلم تو بر سر من رود[1]

ترک سلطنت حکومت کے زمانہ میں بھی حضرت سید محمد اشرف فرائض وسنن اور واجبات و نوافل کے پابند تھے، راہ سلوک کی طرف طبیعت صغر سنی سے مائل تھی، اس لیے خواب میں بزرگان دین ہی کو دیکھتے، اور ان سے فیوض حاصل کرتے، بالآخر ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت خضر فرما رہے ہیں کہ سلطنت الٰہی چاہتے ہو تو یہ دنیاوی سلطنت چھوڑ کر ہندوستان جاؤ، اس خواب کے بعد والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنا ارادہ ظاہر کیا، والدہ نے فرمایا تمہاری پیدائش سے پہلے میرے والد بزرگوار نے بشارت دی تھی کہ میرے گھر میں ایک فرزند پیدا ہوگا جس کے نور ولایت سے تمام عالم منور ہوگا، اللہ کا شکر ہے کہ وہ وقت آپہنچا، سفر مبارک ہو۔

والدہ ماجدہ کی اجازت سفر کے بعد سلطنت اپنے بھائی سلطان محمد کے سپرد کر کے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے،[2]

سفر تین منزل تک بارہ ہزار سپاہی اور قورچی رخصت کرنے آئے، ان کو وداع کر کے حضرت سید محمد اشرف ماوراء النہر ہوتے ہوئے بخارا پہنچے، بخارا سے سمرقند آئے، سمرقند تک کچھ گھوڑے سواری میں ساتھ تھے، لیکن ان گھوڑوں سے راحت کے بجائے رسوائی محسوس کی، اس لیے فقراء کو دیدیئے، سمرقند سے اوچہ وارد ہوئے؛ جہاں حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی خدمت میں پہنچے؛ حضرت

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۱ [2] ایضاً ص ۹۲ و ۹۳

جہانیاں جہاں گشت نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا:

بعد از مدتے بوے طالب صادق بدماغ رسیدہ، بعد از روزگارے نسیم از گلزار سیادت وزیدہ، فرزند بسیار مردانہ برآمدۂ، مبارک باد، زود قدم دررادہ نہ کہ برادرم علاء الدین منتظر مقدم شریف ہستند زینہار، دراہ جاے نمانی۔" (لطائف اشرفی جلد دوم ص ۹۴)

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے فیضیاب ہوکر دہلی میں نزول اجلال فرمایا، یہاں کے مشائخ سے متمتع ہوکر بہار کی طرف رخ کیا، قصبہ بہار شریف اس وقت پہنچے جب حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کا جنازہ رکھا ہوا تھا، حضرت مخدوم نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز وہی شخص پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو، تارک مملکت ہو، اور سات قراتوں کا قاری ہو، یہ تمام شرطیں حضرت سید محمد اشرف میں موجود تھیں، اس لیے انہی نے حضرت مخدوم کے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل کی، کچھ دنوں حضرت مخدوم کے مزار اقدس پر مراقبہ کرکے روحانی فیوض و برکات بھی حاصل کیے، اس کے بعد بنگالہ کی طرف آگے بڑھ گئے[1]

بیعت اس زمانہ میں اہل بنگالہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت شیخ علاء الدین علاء الحق بن السعد لاہوری بنگالی کی مذہبی و روحانی تعلیمات سے فیضیاب ہورہے تھے، یہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مشہور خلیفہ حضرت شیخ سراج الدین اخی عثمان کے خلیفہ تھے، حضرت شیخ علاء الدین کے خاندان کے لوگ وزارت اور دوسرے بڑے بڑے شاہی عہدوں پر مامور تھے، لیکن خود انھوں نے درویشی اختیار کی تھی، جید عالم بھی تھے، اس لیے مذہبی

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۴

اور روحانی تعلیمات کے لیے ان کے پاس لوگ بکثرت آتے، ان کی سخاوت بھی مشہور تھی، ان کی خانقاہ کے اخراجات پر سلاطین کو بھی رشک ہوتا تھا، روضۂ شریف پنڈوہ شریف (ضلع مالدہ) میں ہے، لیکن قیام سنارگاؤں اور بنگال کے دوسرے مقامات پر بھی رہا،[۱] لطائف اشرفی میں ہے کہ حضرت سید اشرف کے آنے سے پہلے حضرت علاء الدین نے اپنے مریدوں کو بشارت دی تھی کہ

آں کسے کہ از دو سال انتظار او می کشیدہ ایم و طریق مواصلات او می دیدہ ایم

امروز فردا می رسد (ج ۲ ص ۹۵)

اور جب حضرت سید اشرف پنڈوہ[۲] کے قریب پہنچے تو حضرت علاء الدین قیلولہ فرما رہے تھے، لیکن یکایک بولے

"بوئے یار می آید"

اور اس محافہ پر شہر سے باہر نکلے جو حضرت سراج الدین اخی سے ان کو ملا تھا، شہر سے ان کو باہر جاتے دیکھ کر مریدوں اور معتقدوں کا ہجوم بھی ان کے ساتھ ہو گیا، بعض پاپیادہ اور بعض گھوڑوں پر سوار تھے، حضرت سید اشرف کے استقبال کے لیے یہ جلوس شہر سے ایک کوس باہر گیا، جب حضرت سید اشرف کی نظر حضرت شیخ علاء الدین پر پڑی تو دور سے دوڑے اور ان کے قدموں پر جا گرے، حضرت شیخ علاء الدین نے والہانہ انداز سے ان کو اٹھا کر گلے سے لگایا، اور فرمایا،

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے　　بامید رسد امید وارے

حضرت علاء الدین کے محافۂ خاص پر حضرت سید محمد اشرف خانقاہ تشریف لائے

---

[۱] تفصیل کیلیے دیکھو اخبار الاولیا ص ۱۳۵ [۲] لطائف اشرفی میں "بندوہ" مرقوم ہے جو غالباً کتابت کی غلطی ہے،

جہاں ان کی بڑی تعظیم و تکریم کی گئی، اور جب مرشد نے بیعت سے مشرف کیا تو حضرت سید محمد اشرف نے فی البدیہہ یہ اشعار کہے،

نہادہ تاجِ دولت بر سر من | علاء الحق والدین گنج نابات
زہے پیرے کہ از کنز سلطنت داد | برآوردہ مرا از چاہِ آفات

مرشد کی خدمت میں بارہ سال رہے، خرقۂ خلافت کے علاوہ ان ہی سے جہانگیر کا لقب پایا، خود فرماتے ہیں

مرا از حضرتِ پیر جہان بخش | خطاب آمد کہ اے اشرف جہانگیر
کنون گیرم جہانِ معنوی را | کہ فرمان آمد کہ از شاہم جہانگیر[1]

ایک موقع پر حضرت اشرف جہانگیر کمر باندھ رہے تھے کہ مرشد نے پوچھا کیا کر رہے ہو، حضرت جہانگیر نے جواب دیا،

میان برائے خدمت می بندم

یعنی خدمت خلق کے لیے کمر کس رہا ہوں، مرشد نے فرمایا:

اگر می بندی محکم بہ بند کہ ہیچ درمیان نداری،

یعنی اگر کمر کس رہے ہو تو مضبوط کسو تا کہ پھر درمیان میں کوئی چیز باقی نہ رہے، حضرت اشرف جہانگیر نے عرض کیا:

آرزوے نفس از میان بیرون کشیدہ ام تا زندہ ام

یعنی اپنی میان سے نفس کی آرزو کو دور کر دیا ہے، جب تک زندہ ہوں نفس کی آرزو کو دور رکھوں گا، مرشد نے یہ سنکر فرمایا مبارک باد،[2]

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۹۹ [2] ایضاً ص ۳۸۰

نواح جونپور کا سفر | جب ہر قسم کے روحانی فیوض سے متمتع ہو چکے تو مرشد نے اپنے جلیل المرتبت خلیفہ کو نواح جونپور کی طرف جانے کا حکم دیا، حضرت جہانگیر دل پر جبر کر کے مرشد سے رخصت ہوئے، سفر میں اونٹوں اور گھوڑوں کی کافی تعداد ساتھ رہی، راستے میں لوگوں نے ان کی درویشی میں یہ امارت دیکھ کر اعتراض کیا تو فرمایا؛

میخ طویلہ در گل زدہ ام نہ در دل[1]

قیام محمد آباد گہنہ | منیر ہوتے ہوئے قصبہ محمد آباد گہنہ (اعظم گڈھ) پہنچے، یہاں کے تمام علماء و فضلاء ملنے آئے تو رسولؐ کے چار یار پر گفتگو ہونے لگی حضرت اشرف جہانگیر نے خلفاء راشدینؓ کی مدح میں ایک رسالہ لکھا تھا اس میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی مدح اور خلفاء سے نسبۃً زیادہ کی تھی، محمد آباد گہنہ کے علماء نے اس پر بحث کرنی شروع کی اور حضرت اشرف جہانگیر پر رفض کا الزام عائد کیا، دوسرے دن جمعہ تھا جمعہ کی نماز کے بعد علماء کا محضر ہوا، انھوں نے حضرت اشرف جہانگیر کے خلاف فتویٰ دیا لیکن قصبہ کے مفتی اور سرحلقۂ علماء مولانا سید خان نے تمام علماء سے اختلاف کیا، اور حضرت اشرف جہانگیر کی حمایت میں کہا کہ وہ سید ہیں، اگر انھوں نے اپنے جد امجد کی شان میں کچھ اچھے کلمات استعمال کیے تو اس میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے، یہ سن کر علماء شرمندہ ہوئے، حضرت اشرف جہانگیر نے سید خان کو دعائیں دیں، رفتہ رفتہ اور دوسرے علماء بھی حضرت اشرف جہانگیر کی بزرگی کے قائل ہوتے گئے،[2]

قیام ظفر آباد | غالباً محمد آباد گہنہ سے ظفر آباد پہنچے، ظفر آباد میں پہلے تو لوگوں کا سلوک اچھا نہ رہا، لیکن بالآخر انکی بعض کرامتیں دیکھ کر لوگ ان کی طرف ملتفت ہوئے، یہیں حضرت شیخ کبیر سرور پوری مرید ہوئے،[3] جو بڑے صاحب علم اور صاحبِ ثروت

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۱ [2] ایضاً ج ا ص ۲۰۰ - ۱۸

تھے، اور آگے چل کر حضرت اشرف جہانگیر کے محبوب خلیفہ ہوئے[1]

قیام جونپور کچھ دنوں کے بعد حضرت اشرف جہانگیر ظفرآباد سے جونپور آئے، اور وہاں کی ایک مسجد میں نزول اجلال فرمایا، ان کی تشریف آوری پر ملا قاضی شہاب الدین دولت آبادی ملنے آئے،[2]

قاضی شہاب الدین دولت آبادی قاضی شہاب الدین اپنے زمانہ کے بڑے جید عالم تھے، ان کو اپنے زمانہ میں جو شہرت اور مقبولیت حاصل تھی ان کے معاصر علماء میں کسی اور کو نہ ہوئی، اصلی وطن غزنین تھا، لیکن دولت آباد دکن میں نشو ونما پائی، دہلی آکر اس عہد کے ممتاز علماء، مثلاً قاضی عبدالمقتدر اور مولانا خواجگی دہلوی سے مختلف قسم کے علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی، قاضی عبدالمقتدر کو ان کی ذات پر فخر تھا، ان کے بارہ میں ایک بار فرمایا کہ میرے یہاں ایک طالب علم آیا ہے جس کا پوست بھی علم ہے، مغز بھی علم ہے اور استخوان بھی علم ہے، امیر تیمور کے ہنگامہ کے زمانہ میں مولانا شہاب الدین نے دہلی کو خیرآباد کہا، سلطان ابراہیم شرقی کی دعوت پر جونپور پہنچے، سلطان نے ان کی بڑی تعظیم وتوقیر کی، اور قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور کیا، انھوں نے بہت سی کتابیں لکھیں مثلاً (۱) شرح کافیہ، جو شرح ہندی کے نام سے ان کی زندگی ہی میں بہت مقبول اور مشہور ہوئی، کہا جاتا ہے کہ ملا عبدالرحمٰن جامی نے جب کافیہ کی شرح لکھی اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے اس کو دیکھا تو فرمایا کہ ملا جامی نے میری شرح ہندی کا خلاصہ لکھا ہے (۲) ارشاد در نحو، جو ایک نئے طرز پر نحو کی ایک کتاب ہے،

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۳ [2] ایضاً ص ۱۰۴

(۳) بدیع البیان، علم بلاغت پر ایک رسالہ ہے (۴) بحر المواج، یہ فارسی زبان میں کلام پاک کی ایک تفسیر ہے (۵) اصول ابراہیم شاہی، اس میں عربی زبان میں اصولِ شرح پر بحث ہے، یہ ابراہیم شاہ کے نام سے موسوم ہوئی (۶) رسالہ در تقسیم علوم (۷) رسالہ در صنائع (بزبان فارسی) شعر گوئی میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے[1]

قاضی شہاب الدین جب حضرت اشرف جہانگیر سے ملے تو ایسے گردیدہ ہوئے کہ کبھی تو روزانہ، اور کبھی دوسرے تیسرے دن خدمت میں حاضر ہوتے، حضرت اشرف جہانگیر نے بھی ان کے علم و فضل کی بڑی قدر دانی کی، اور ان کی تصنیف ارشاد در نحو کے متعلق فرمایا،

"اینکہ می گویند کہ سحر از ہندوستان راست آمد غالباً این راست سحر بودہ"[2]

قاضی شہاب الدین نے حضرت اشرف جہانگیر کی صحبت میں باطنی اور روحانی کمالات بھی حاصل کیے، چنانچہ حضرت اشرف جہانگیر نے ان کو خرقۂ خلافت اور ملک العلماء کا خطاب عطا کیا، لطائف اشرفی میں ہے،

حضرت قاضی خدمتے شایستہ و ملازمتے بایستہ شد و الباس خرقہ کردند بخطاب ملک العلماء مخاطب کردند و ہمین خلفاء ولایت آب و بہترین نذار اصحاب اند، جامع بودہ میان علوم ظاہری و باطنی، صاحب معاملات یقینی و جامع واردات دینی شدہ بود، تشرع بسیار داشت، ریاضات شدیدہ و مشاہدات

[1] تفصیل کے لیے دیکھو اخبار الاخیار ص ۱۶۹، خزینۃ الاصفیاء ج ا ص ۳۹۰ و مشاہیر جونپور ص ۳۶-۳۲

[2] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۶،

حدیدہ کشید کہ اشرف خلافت و اجازت یافتہ[1]

"قاضی شہاب الدین ہی کی وساطت سے سلطان ابراہیم شاہ اپنے خوانین و امراء کے ساتھ کئی بار حضرت اشرف جہانگیر کی قدمبوسی کے لیے آیا، ان ملاقاتوں کی تفصیل لطائف اشرفی میں اس طرح درج ہے:

"حضرت قاضی نے عرض کیا کہ آج سلطان شرف ملاقات سے مشرف ہونا چاہتے ہیں، لیکن اس خادم کی خواہش ہوئی کہ آج یہ فقیر خدمت میں حاضر ہولے تو کل پھر سلطان کے ساتھ قدمبوسی کا شرف حاصل کرے گا، (حضرت قدوۃ الکبراء یعنی حضرت جہانگیر نے) فرمایا اس فقیر کے نزدیک تم سلطان سے بہت بہت بہتر ہو، اگر سلطان آتے ہیں، آنے دو، وہ حاکم ہیں، جب قاضی کو رخصت کیا تو فرمایا کہ ہندوستان میں اتنی فضیلت (جتنی کہ قاضی میں ہے) کم دیکھی گئی ہے، دوسرے دن حضرت قدوۃ الکبراء اپنے وظائف میں مشغول تھے کہ معلوم ہوا کہ سلطان خوانین اور دوسرے لوگوں کے ساتھ آرہا ہے، جب مسجد کے دروازے پر یہ جماعت پہنچی تو حضرت قاضی نے سلطان سے عرض کی کہ اتنے ازدحام کے ساتھ حضرت سید کی ملاقات کے لیے جانا مناسب نہیں، ان کو تکلیف ہوگی، آخر سلطان نیچے اترآیا، اور اپنی جماعت سے بیس اہل فضیلت و اہل فراست کو منتخب کر کے پائے بوسی کے لیے حاضر ہوا، اس نے حضرت کے دل کو ہاتھ میں لینے کے لیے حد سے زیادہ ادب اور احترام کیا، اس نے قلعۂ جنادہ کی فتح کے لیے ایک بہت بڑا لشکر بھیجا تھا، اس کے لیے وہ متردد تھا، اس نے حسب حال حضرت قدوۃ الکبراء کے سامنے یہ اشعار پڑھے،

---

[1] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۱۰۱

ولی کان انور است از جام جمشید | روان روشن تر از خورشید باشد
چہ حاجت عرض کردن بر ضمیرش | کسے کو را یقین امید باشد

حضرت قدوۃ الکبراء نے فرمایا

اگر یقین شد قدمت استوار | گرد زدریا کم از آتش برآر

اور جب سلطان رخصت ہونے لگا تو حضرت نے ایک مسند عطا کی جس سے وہ بہت خوش ہوا، اور جب قیام گاہ پر پہنچا تو بولا

"چہ سید یست عالی جناب و مقاصد آب الحمد للہ کرد ہندوستان چنین مردم در آمدہ اند"

تین روز کے بعد سلطان تھوڑے سے آدمیون کے ساتھ حضرت قدوۃ الکبرا کی خدمت مین پھر آیا، روٹی کا ٹکڑا اور شربت ساتھ لایا، لوگون نے قلعہ کی فتح پر مبارک باد دی، لیکن حضرت نے فرمایا۔ سلطان کو مبارک باد دو کہ بند دروازے کو کھولا ہے، اس مرتبہ سلطان کی عقیدت ہزار گنی زیادہ ہو گئی، اور عرض کیا کہ بندہ تو جناب کے ہاتھ پر بیعت ہو چکا، بندہ زادے بھی حلقۂ بیعت مین داخل ہونگے، اور اسی روز تین شہزادے شرف بیعت سے مشرف ہوئے، سلطان نے بہت سے نذرانے دینے کی کوشش کی لیکن حضرت نے قبول نہین فرمایا، پھر حضرت سے وہین مستقل اقامت کے لیے بہت ہی اصرار کے ساتھ استدعا کی، لیکن حضرت نے فرمایا، تمھاری سلطنت کے حدود سے باہر نہ جاؤن گا، اس جواب سے سلطان بہت ہی پُر امید ہوا، حضرت قدوۃ الکبرا وہان دو مہینے سے زیادہ مقیم رہے، چھوٹے بڑے لوگ شرف بیعت سے مشرف ہوتے رہے، [1]

[1] (حاشیہ ص ۴۵۱ پر)

لطائف اشرفی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جونپور سے رخصت ہو کر مینی[1] پہنچے، اور وہاں سے بھنڈ ونڈ[2] (؟) آئے، جہاں ملک الامراء محمود نے پرجوش خیر مقدم کیا،

اشاعت اسلام اسی مقام پر ایک ہندو جوگی سے حضرت اشرف جہانگیر کا مقابلہ ہوا، جوگی کو ہوا میں اڑنے کا دعویٰ تھا، لیکن وہ حضرت اشرف جہانگیر کی روحانیت سے ایسا مرعوب اور مغلوب ہوا کہ اپنے تمام باطل دعووں سے باز آیا، اور اپنی ساری مذہبی کتابوں کو جلا کر پانچ ہزار چیلوں کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہو گیا، اسلام لانے کے بعد جوگی نے باباکمال پنڈت کے نام سے شہرت پائی، بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ جوگی سے مقابلہ کچھوچھہ میں ہوا، اور اسی کی مڑہی میں خانقاہ بنوائی گئی، لیکن لطائف اشرفی میں کچھوچھہ کا نام نہیں آتا،

قیام روح آباد اس تذکرہ کے مؤلف کا بیان ہے کہ جوگی کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد ملک الامراء محمود نے اپنی اولاد اور دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت جہانگیر سے بیعت کی، اسی کی وساطت سے روح آباد قائم ہوا، جو آج کل کچھوچھہ شریف کہلاتا ہے، یہاں ایک خانقاہ بنائی گئی جس کا نام کثرت آباد رکھا گیا، اور ایک چھوٹا سا حجرہ بھی تعمیر کرایا گیا، جو وحدت آباد کے نام سے موسوم ہوا، اور اس کے مشرقی حصہ

(حاشیہ ص ۴۵۰) [1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۶ - ۱۰۵، لطائف اشرفی کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جہانگیر اور سلطان ابراہیم شاہ کی ملاقات جونپور میں حضرت کی آمد کے ابتدائی زمانہ ہی میں ہوئی، لیکن جیسا خیال ہوتا ہے کہ حضرت جہانگیر کے وصال کا سال ۸۰۸ھ اور ابراہیم شاہ کی تخت نشینی کا سال ۸۰۴ھ ہے تو پھر گمان ہوتا ہے کہ یہ ملاقات حضرت جہانگیر کے آخری زمانہ میں ہوئی ہو گی، واللہ اعلم بالصواب،

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۶، [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۱۰۷، [4] خزینۃ الاصفیا ص ۳۶۵

میں ایک جگہ بیٹھکر حضرت اشرف جہانگیر اصحاب خاص کے ساتھ سلوک و عرفان کے رموز و نکات بیان کیا کرتے تھے، اسی لیے اس جگہ کا نام دارالامان رکھا گیا، اور اس کے شمال میں ایک پر رونق جگہ روح افزا کے نام سے مشہور ہوئی، جہاں آکر بزرگان دین روحانی فیوض حاصل کرتے تھے۔[1]

فیوض | حضرت اشرف جہانگیر کا معمول تھا کہ وہ مختلف مقامات پر جاکر رشد و ہدایت فرماتے، چنانچہ کچھوچھہ کے آس پاس اور کبھی دور کے قصبوں اور قریوں میں نزول اجلال فرماکر خواص و عوام کی اصلاح و تربیت کرتے، جب اودھ یعنی اجودھیا تشریف لے گئے تو وہاں کے ملوک و امراء مرید ہوکر متمتع ہوئے، خود اودھ کے حاکم نواب سیف خان کو حضرت اشرف جہانگیر سے بڑی عقیدت ہوگئی، چنانچہ تربیت پاکر صوری و معنوی اوصاف سے متصف ہوئے، اور حضرت اشرف جہانگیر نے ان کو خرقہ خلافت عطا کیا[2] اودھ ہی میں حضرت شمس الدین نے جن کا شمار "علمائے نامدار" اور "فصحائے روزگار" میں ہوتا تھا، حضرت اشرف جہانگیر کی صحبت کیمیا اثر سے راہ سلوک کے تمام مدارج بہت جلد طے کر لیے، اور وہ حضرت اشرف جہانگیر کے بڑے محبوب خلیفہ ہوئے، حضرت جہانگیر کو ان پر بڑا ناز تھا، فرماتے تھے "اشرف شمس و شمس اشرف از ہم جدا نہ اند"[3]

ردولی پہنچے تو شیخ صفی الدین صیفی اور شیخ سماء الدین صحبت خاص سے فیضیاب ہوئے شیخ صفی الدین علوم ظاہری میں بلند مرتبہ رکھتے تھے، خود حضرت اشرف جہانگیر نے ان کے متعلق فرمایا،

در بلاد ہند کسے را کہ بفنون درخشندہ غرایب و شیون عجایب پیراستہ دیدم

---

[1] لطائف اشرفی ص ۱۰۰ [2] ایضاً ج ۲ ص ۱۱۴ [3] ایضاً ص ۴۰۲

دی بودہ" (ج ۱ ص ۴۰۴)

حضرت اشرف جہانگیر کے ہاتھ پر جب شیخ صفی الدین نے بیعت کی تو حضرت جہانگیر نے ان کے لیے دعا کی کہ ان کو نور الانوار حاصل ہو، اور ان کی اولاد میں تحصیل علم کا سلسلہ برابر جاری رہے، پھر حضرت ان ہی کی خاطر ردولی میں چالیس روز قیام فرمایا، اور اس عرصہ میں ان کو سلوک کی تمام تعلیمات دیں، اور خلافت بھی عطا کی، ان کا شمار حضرت اشرف جہانگیر کے اجل خلفاء میں ہوتا ہے،

شیخ سماء الدین بھی حضرت جہانگیر کے ممتاز خلفاء میں تھے، ان کے بارے میں حضرت اشرف جہانگیر فرماتے ہیں:-

درطے انوار سبعہ از یاران ما دو کس را وا نفع افتادہ بود یکے شیخ ابو المکارم را کہ اہتمام تمام در حق او مبذول شد تا ازان درطہ مہلکہ بدر آمدہ دوم شیخ سماء الدین را از محنت بسیار و کلفت بے شمار از ان درطہ بدر آوردہ شد" (ج ۱ ص ۴۰۵)

ردولی کے پاس ایک گاؤں میں ایک ممتاز بزرگ مولانا کریم الدین رہتے تھے، مولانا جب حضرت اشرف جہانگیر سے ملے تو فرمایا، سبحان اللہ! سید اشرف جہانگیر ایک ایسے شہباز ہیں جس کے کونین دو بازو ہیں، وہ دریا ہیں جس کا کوئی ساحل نہیں۔[1]

حضرت اشرف جہانگیر کا ورود مسعود اسمو (آسومئو) میں ہوا تو وہاں ایک ہزار آدمی ان سے مرید ہو کر فیضیاب ہوئے،[2]

قصبہ جائس کو اپنی آمد سے شرف بخشا تو وہاں کے دو تین ہزار آدمی حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے،[3] جائس کے ایک بزرگ مولانا غلام الدین متبحر عالم اور فقیہ تھے

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۸۲ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۸۴۳

انھوں نے حضرت اشرف جہانگیر سے تعلیم پاکر خلافت بھی پائی،[1] یہاں ایک دوسرے بزرگ شیخ کمال بھی حضرت اشرف جہانگیر کے خلیفہ تھے، جو جالیس کے لوگوں کو روحانی تعلیم و تربیت دیتے تھے، ایک بار ان کے یہاں دعوت تھی، دعوت کا انتظام قصبہ کے کچھ لوگوں کے سپرد تھا، لیکن عین وقت پر شیخ کمال کو معلوم ہوا کہ دعوت کا انتظام نہ ہو سکا، غصہ میں بد دعا دی کہ یہ جل کر خاک ہو جائیں، اتفاق سے اسی روز قصبہ میں آگ لگی، اور تقریباً چار ہزار آدمی جل کر خاک ہوگئے، حضرت شیخ کمال کو بڑی ندامت ہوئی، مرشد کے پاس روح آباد یعنی کچھوچھہ پہنچے، لیکن مرشد نے ان سے یہ کہکر ملنے سے انکار کر دیا کہ وہ میرے فرزندوں کو نذر آتش اور خانمان برباد کر کے مجھ سے ملنے کیا آئے ہیں، ایک مدت تک معتوب رہے، مگر مرشد کے آستانہ سے علیحدہ نہیں ہوئے، بعض لوگوں کی سفارش پر ایک طشت میں ہزار چنگاریوں کی راکھ سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور تقصیر کی معافی چاہی، مرشد نے یہ کہکر معاف کر دیا کہ تمھارا ایمان تو سلامت رہے گا، لیکن تم اور تمھاری اولاد پریشان رہے گی،[2]

جب قصبہ انبوہ پہنچے تو وہاں کے تمام سادات نے بیعت ہونے کی سعادت حاصل کی، حضرت اشرف جہانگیر نے ان کے لیے دعا کی کہ وہ ہمیشہ آرام سے رہیں،[3]

جب قصبہ سدھورہ میں نزول اجلال فرمایا تو وہاں شیخ خیرالدین اور قاضی محمد سدھوری نے پرجوش استقبال کیا،

شیخ خیرالدین اپنے وقت کے جید علماء میں شمار کیے جاتے تھے، لیکن اصول و فقہ کے بعض مسائل پر علماء وقت سے سوالات کیے تو کسی سے تشفی بخش جواب نہیں پایا،

---

[1] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۱۰۰، [2] ایضاً ص ۱۰۸، [3] ایضاً ج ۲ ص ۳۸۵

حضرت اشرف جہانگیر سے ملاقات کے بعد ان مسائل کی تشریح چاہی، تو حضرت نے ان کی تشریح اس طرح کی کہ شیخ خیر الدین کو پوری تسکین ہوگئی، اور اسی وقت حضرت جہانگیر کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کے ساتھ بارہ اشخاص اور بھی حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، ان ہی میں قاضی سدھوری بھی تھے، جن کے بارہ میں لطائف اشرفی میں ہے کہ

"قاضی محمد سدھوری بفنون علوم غریبہ وشئون معلوم عجیبہ پیراستہ بودند خصوصاً در علوم اصول مشارالیہ بودہ اند" (ج ۱ ص ۴۰۹)

شیخ خیر الدین اور قاضی محمد سدھوری دونوں حضرت اشرف جہانگیر کے اجل خلفاء میں ہوئے، ان ہی کی وساطت سے سدھور کے چھوٹے بڑوں کی اولاد میں بھی حضرت جہانگیر کی تعلیمات سے مستفیض ہوتی رہیں، سدھور کے ایک اور بزرگ قاضی ابو محمد عرف معین میں بھی روحانی تعلیم وتربیت پاکر ممتاز خلفاء میں ہوئے، (ج ۱ ص ۴۰۷)

ایک بار بنارس بھی تشریف لے گئے، اور وہاں کے بت خانوں کے پوجاریوں سے مناظرے کیے، دونوں طرف سے کرامت اور استدراج کے مظاہرے ہوئے اور آخر میں وہاں کے ایک ہزار ہندو حضرت اشرف جہانگیر کی کرامت سے متاثر ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے، (ج ۱ ص ۴۱۲)

ارباب ثروت کی اصلاح | حضرت اشرف جہانگیر نے نواح جونپور کے قیام کے زمانہ میں شرقی سلطنت کے معاصر حکمران اور امرائے کبار سے گہرے تعلقات رکھے، ذکر آچکا ہے کہ سلطان ابراہیم شاہ اور اودھ کے حاکم نواب سیف خان اور وہاں کے امراء کس طرح حلقۂ ارادت میں داخل ہوکر مستفیض ہوتے رہے، حضرت اشرف جہانگیر سلاطین، وزراء اور امراء سے ارتباط رکھنے کے مخالف نہیں، لیکن فرمایا ہے کہ

کوئی درویش سلاطین و امراء سے حظ نفسانی اور لذت شہوانی کی غرض سے ملتا ہے تو وہ درویش نہیں، درویش کو ہر حال میں متوکل باللہ ہونا چاہیے، چنانچہ نواب سیف خان نے اودھ کا ایک قریہ نذر کرنا چاہا جس کی آمدنی ایک لاکھ تنکہ تھی، تو اسکو قبول کرنا اپنی درویشی کی شان قناعت کے خلاف سمجھا اور فرمایا:

"کسے را کہ فریور د زنگار و پرگنہ اور اسپردہ باشند او باین جنہ وتی قریات مقید نشود"[1]

حکمران طبقہ کے ظاہری اور باطنی اخلاق کے سنوارنے میں برابر کوشاں رہے، ایک ملفوظ میں فرمایا جہانداری اور شہریاری کو چار چیزوں سے نقصان پہنچتا ہے (۱) سلاطین کا لذائذ دنیا میں مستغرق ہو جانا (۲) اپنے مقربین کے ساتھ بدخلقی سے پیش آنا (۳) سزا دینے میں زیادتی کرنا (۴) رعیت پر ظلم کرنا[2]

بادشاہوں اور حکمرانوں کے اوقات کے نظم و نسق کی بھی تفصیل بتائی ہے کہ وہ اپنے روزمرہ کے مشاغل کو کس طرح ترتیب دیں، اور اسی کے ساتھ بعض مفید ہدایتیں بھی دی ہیں، فرماتے ہیں:-

بادشاہ اپنے اوقات کو اس طرح ترتیب دیں کہ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد اشراق تک وظیفہ پڑھیں، پھر علماء و صلحاء کے ساتھ صحبت رکھیں، اور چاشت کے وقت تک ان سے عدل و انصاف کے متعلق قرآنی آیتوں کے مطالب پوچھیں، اسی جگہ وزیروں اور ندیموں کو بلائیں، اور یہ لوگ فوجیوں کے جو معروضات پیش کریں، ان کا مناسب جواب دیں، ہر شخص کے مدعا کو پورا کریں، اس کے بعد دربار عام ہو جس میں رعایا

---

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۸۲ - ۳ [2] ایضاً ص ۱۹۰

اور مسلمانون کے قضایا اور دعاوی پیش ہون، اور شریعت کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو۔ مشائخ اور ملوک کے معبود ہاست کہ حتی الوسع کسی کے توسط سے سنین، سادات قضات اور مشائخ کی درخواستون کو صدر پہنچائے، اس گروہ کے لیے ایک ایسے شخص کو مقرر کرین جو دیندار اور معتمد ہو، بلکہ اس کو صوفی مشرب بھی ہونا چاہیے، وزیر تمام علوم و فنون سے آراستہ ہونے کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ دیندار ہو، وکالت کا منصب ایسے شخص کو دین جو پسندیدہ اخلاق کا حامل، نہایت عقلمند، سریع الفہم اور حاضر جواب ہو، اس قسم کے ہر شخص کو کوئی نہ کوئی مناسب جگہ دین، حکومت کے چلانے مین تخلیط سے کام نہ لین، ایک کے کام کے متعلق دوسرے سے نہ پوچھین، قیلولہ کے وقت آرام کے لیے چلے جائین، قیلولہ کے بعد نماز پڑھین اور کبھی نماز نہ چھوڑین، ظہر کی نماز کے بعد حتی الوسع قرآن مجید کی تلاوت کرین، خصوصاً سورہ قد سمع اللہ کی مواظبت کرین، کیونکہ سلاطین اس سورہ کی مواظبت کرتے آئے ہین، سلطان محمود غازی انار اللہ برہانہ برابر اس سورہ کو پڑھا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ مجھ کو دولت اور شوکت اسی سورہ کی بدولت نصیب ہوئی، حضرت ابراہیم شاہ[1] بھی ایسا ہی فرماتے تھے، خود مین نے جو سلطنت چھوڑی تو پہلی چیز جو مین نے اپنے برادر عزیز محمد شاہ سے کہی وہ یہی تھی کہ اس سورہ کی پابندی کرین اور رجال الغیب کے مقابلے سے اجتناب کرین، اور کوئی کام شریعت کے خلاف انجام نہ دین، اور عدل و انصاف کے اصول مین ایک نقطہ سے بھی انحراف نہ کرین تاکہ سلطنت مین خلل واقع نہ ہو،[2]

ایک اور موقع پر فرمایا:

---

[1] اس سے مراد ابراہیم شاہ شرقی ہین [2] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۶۸ — ۱۶۹

تمام ارکان دولت اور اعوان مملکت ایک ایک عضو اور ایک ایک حاسہ یا قوت کے مرتبہ مین ہین، مثلاً مستوفی، مشرب، ناظر، عارض، طغرائی، منشی، دبیر، حاجب، خازن، استاذ الدار اور دوسرے عمال بمنزلہ حواس خمسہ و قوائے بشری مثلاً آنکھ، کان، ناک، زبان، لمس، فکر، خیال، وہم، حافظہ، ذاکرہ اور حس مشترک کے مانند ہین، امرائے سلطنت اپنی قوت، شوکت، ہمت، جمعیت وغیرہ کے ساتھ اعضاء رئیسہ ہین، اور ادنی درجے کے امرا مثل ہاتھ، بازو، ران، پنڈلی اور پاؤن کے ہین، حاشیہ نشین، قوم اور عام رعایا وغیرہ اپنے مدارج کے مطابق رگ اور پٹھے وغیرہ ہین، جس طرح ایک انسان اپنے ہر عضو کا محتاج ہے اور ایک کے بغیر اسکے جسمانی نظام کو نقصان پہنچ جاتا ہے، اسی طرح ایک بادشاہ کو چاہیے کہ ارکان دولت واصحاب مناصب کو ان کی اہلیت و استعداد کے مطابق ان کی دیانت اور نیک سیرت کو معلوم اور اچھی طرح پرکھ کر ان کو مختلف حصون مین مقرر کرے اور اختیار دے تاکہ وہ اپنے کامون کو پورے شرائط کے ساتھ ملک کے مصالح اور دربار کی بہبودی کے مطابق انجام دین، اور بادشاہ ان کے کامون سے باخبر رہے" (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۱۲)

حضرت اشرف جہانگیر کی مذکورہ بالا تعلیمات کا اثر ان کے مرید سلطان ابراہیم شاہ شرقی پر نہایت گہرا پڑا، اوپر کے ایک اقتباس سے ظاہر ہوا ہوگا کہ یہ سلطان سورہ قد سمع اللہ کی مواظبت کیا کرتا تھا، چنانچہ اس سورہ کی برکت سے اس کی سلطنت "گل گلزار اور لالہ زار" بن گئی تھی[1]، مورخین اور تذکرہ نویس اس سلطان کو "دین پناہ" "علمائے شریعت محمدی کا قدردان" "درویش دوست" "رعیت پرور" لکھتے ہین، تاریخ فرشتہ مین ہے،

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۲۸

ابراہیم شرقی کے زمانہ میں ...... جونپور کا ہر چھوٹا بڑا بادشاہ کے وجود کو باعث برکت سمجھتا اور بے حد عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا، شاہ و گدا سب خوش و خرم تھے۔ اور ملک میں حزن و اندوہ کا نام و نشان نہ تھا......

ابراہیم شرقی قاضی شہاب الدین کی بے حد تعظیم و توقیر کرتا تھا، چنانچہ متبرک ایام میں قاضی صاحب شاہی مجلس میں چاندی کی کرسی پر بیٹھتے تھے، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ قاضی صاحب بیمار ہوئے، ابراہیم ان کی عیادت کو گیا، مزاج پرسی اور ضروری باتوں کے دریافت کرنے کے بعد پانی سے بھرا ہوا ایک پیالہ منگوایا، مولانا کے سر پر سے پیالہ کو تصدق کر کے پانی خود پی لیا، اور دعا کی کہ اے خدا جو بلا مولانا کے لیے مقرر ہے وہ مجھ پر نازل فرما اور ان کو شفا دے، اس روایت سے بادشاہ دین پناہ کا مذہبی خلوص اور علمائے شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کی عقیدت مندی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔[1]

مراۃ الاسرار میں ہے:

"سلطان ابراہیم بادشاہ نیک و درویش دوست و رعیت پرور بود، خلائق بعہد او در مہاد امن و آسایش قرار گرفت"

اپنی مملکت میں شریعت کی ترویج کی خاطر اس نے فتاویٰ ابراہیم شاہی مرتب کرایا، جس کو مولانا قاضی شہاب الدین نے مدون کیا۔[2]

بلاد اسلامیہ کی سیاحت | کچھوچھہ میں کچھ دنوں کے قیام کے بعد حضرت اشرف جہانگیر شیخ بدیع الدین مدار کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے، شیخ

---

[1] تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۳۰۶ و نیز اردو ترجمہ جامعہ عثمانیہ ص ۶۸۶، ۶۸۷ [2] ایضاً

بدیع الدین مدار تو ہندوستان واپس آ گئے، لیکن حضرت اشرف جہانگیر مدینہ منورہ کی
زیارت کو چلے گئے، وہاں سے نجف اشرف اور کربلائے معلی آئے، پھر روم پہنچے، جہاں مولوی
جلال الدین رومی کے سجادہ نشین اور ترکی کے سلطان ولدار اور دوسرے مشائخ سے ملاقات
کی، روم سے شام آئے، دمشق میں شیخ محی الدین عربی کی زیارت کی، وہاں سے پھر
مکہ معظمہ آ کر حج کی سعادت حاصل کی، حج کے بعد بغداد پہنچکر حضرت غوث الاعظم، امام ابو حنیفہ
اور امام احمد بن حنبل کے مزاروں کی زیارت کی، پھر کاشان کو رونق افروز ہوئے، جہاں شیخ
عبد الرزاق کاشانی سے ملاقات کی، کاشان سے اپنے اصلی وطن سمنان کو رونق بخشی،
اس وقت ان کی ہمشیرہ زندہ تھیں، ان سے مل کر ان کی دلجوئی کی، اور وہاں سے مشہد
مقدس آئے جہاں حضرت امام علی رضاؓ کے آستانے میں معتکف رہے، ان ہی دنوں
امیر تیمور گورگانی بھی حضرت امام علی رضاؓ کے مزار کی زیارت کو آیا تھا، وہ حضرت اشرف
جہانگیر سے بہت ہی عقیدتمندانہ طریقہ پر ملا، مشہد مقدس سے ہرات وارد ہوئے،
ہرات سے چل کر ماوراء النہر پہنچے، جہاں حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندی کی صحبت میں
رہ کر خرقۂ خلافت پایا، وہاں سے ترکستان تشریف لائے، اور اپنے نانا شیخ احمد یسوی
کی اولاد سے ملے، ترکستان سے بخارا میں نزول اجلال فرمایا، پھر قندھار، غزنی اور کابل
میں قیام کرتے ہوئے ملتان پہنچے، ملتان سے اجودھن پہنچکر حضرت گنج شکر کے مرقد مبارک
کی زیارت کی، اجودھن سے دہلی اور دہلی سے اجمیر آ کر حضرت خواجہ معین الدین کے آستانے
سے برکت حاصل کی، اجمیر سے دکن کی طرف بڑھ گئے، گلبرگہ میں حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز
سے ملے، گلبرگہ سے سراندیپ چلے گئے، وہاں سے گجرات آئے، پھر گجرات سے اپنی خانقاہ

[illegible] (۲۶۵)

سیاحت ربع مسکون

دوسری بار میر کبیر سید علی کے ساتھ تمام دنیا کی سیاحت کی، لطائف اشرفی جلد دوم (لطیفہ سی و پنجم) میں غالباً اسی سیاحت ربع مسکون کا ذکر ہے، اس باب میں حضرت اشرف جہانگیر کی زبانی جن خاص خاص مقامات، جزیرے اور پہاڑی علاقوں کی تفصیل درج ہے، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، جزیرہ صہمت، ایلاق، سیلان، جبل الفتح، بیت المقدس، دمشق، جبل لبنان، جبل النہاوند، جبل الطور، جبل القائم، بغداد، گاذرون، سبل القاف، حضلان، جبل الالواب، ولایت جھنگر، ولایت خفچاق، جبل القرون، جبل البہ وغیرہ، تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ اس سیاحت میں ایک سو سے اولیاء اللہ سے فیوض حاصل کیے، اس سیاحت کے زمانہ میں تیسری بار حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت سے بھی ملے، حضرت مخدوم نے چار سو کاملین وقت سے جو کچھ حاصل کیا تھا، وہ سب حضرت جہانگیر کے سینے میں منتقل کر دیا[1]، اس سفر میں حضرت اشرف جہانگیر اپنے مرشد کے آستانے پر بھی پہنچے، اور وہاں سے تبرکات لے کر کچھوچھہ واپس ہوئے، جہاں آخر وقت تک قیام پذیر رہے،

سفر آخرت

وصال کی تاریخ ۲۷ محرم ۸۰۸ھ ہے، "اشرف المومنین" سے مادۂ تاریخ نکلتا ہے، وفات سے کچھ روز پہلے سکر کا عالم طاری رہا، نماز کے وقت عالم صحو میں آتے، مرض الموت میں بھی رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا، اسی زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے مولف لطائف اشرفی رقمطراز ہے،

ہمہ اہالی دیار و اعالی نامدار نوا ح کبار می آمدند، و ہر یک را بشارت و سعادت می دادند، و درین سہ روز چندان خلائق بشرف توبہ و انابت و خلافت مشرف گشتند

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۷۶

کہ شرح آن خدائے داند، اشرف الملک والی ولایت بود و دہ ہزار کس آمدہ

بشرف ارادت مشرف گشتند (ج ۲ ص ۲۰۸)

وفات کے روز حضرت نورالعین، شیخ نجم الدین اصفہانی، شیخ محمد و شیخ، خواجہ ابوالمکارم، شیخ احمد ابوالوفا خوارزمی، شیخ عبدالسلام ہروی، شیخ ابوالواصل و شیخ معروف غزنوی، شیخ عبدالرحمٰن ... شیخ ... ملک محمود و شیخ شمس الدین اودھی اور دوسرے اکابر کو اپنے پاس بلایا اور ان کے مراتب و درجات کے مطابق ان کو نصیحتیں کیں اور تبرکات دیے۔ حضرت سید عبدالرزاق الملقب بہ حضرت نورالعین کو حضرت جہانگیر نے اپنا دینی فرزند بنایا تھا، اس لیے وصال کے وقت ان کو اپنا جانشین اور سجادہ نشین مقرر فرمایا اور ان کو وہ خرقے عطا کیے جو ان کو یعنی حضرت اشرف جہانگیر کو، حضرت شیخ علاء الدین لاہوری، شیخ الاسلام شاہ ... اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے ملے تھے۔ بزرگان چشت کے وہ تبرکات بھی دیے جو ان کو ان کے مرشد کے ذریعہ سے دستیاب ہوئے تھے۔ پھر حضرت نورالعین کے لڑکوں کو بلا کر ان کے لیے دعائیں کیں، اسی طرح اپنے مختلف خلفا کو بھی نصیحتیں کیں ... خاص ہدایتیں دیں اور تبرکات دیے۔ پھر ظہر کی نماز ادا کی، نماز کے بعد قوالوں کو طلب کر کے محفل سماع کی خواہش کی، قوالوں نے سعدی کی غزل شروع کی، جب انھوں نے یہ شعر گایا

گر بدست تو آمدہ است اجلم   قد رضینا بما جرے القلم

تو پھر وجد طاری ہوا اور جب قوالوں نے یہ اشعار پڑھے

خوب تر زین دگر نباشد کار   یار خندان رود بجانب یار

... جانان ما   جان ما سپارد نگار خندان را

تو مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، اور اسی حالت میں جان جان آفرین کے سپرد کر دی[1]۔
وصال کے وقت عمر شریف ایک سو بیس (۱۲۰) برس کی تھی، روضۂ مبارک کی تعمیر زندگی ہی
میں ہوگئی تھی، اسی میں محو خواب ابدی ہیں، روضہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جو کوئی
آسیب زدہ یہاں آکر کچھ دنوں قیام کرتا ہے، اس کا آسیب جاتا رہتا ہے، چنانچہ
آج بھی وہاں مختلف گوشوں سے آسیب زدوں کی ایک بڑی تعداد جمع رہتی ہے۔

روحانی مرتبہ | حضرت اشرف جہانگیر صوفیۂ کرام میں امام السالکین، برہان العاشقین،
قطب ربانی، غوث الانام اور محی الاسلام کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں، لطائف
اشرفی کے مؤلف نے ان کے لیے قدوۃ الکبراء کا لقب استعمال کیا ہے، صاحب
اخبار الاخیار رقمطراز ہیں

از کاملان است صاحب کرامات و تصرفات" (ص ۱۵۶)

خزینۃ الاصفیاء میں ہے

"از عظمای اولیا و کبرای اتقیای خطہ ہندوستان است" (ج ۱ ص ۳۷۱)

مراۃ الاسرار کے مؤلف لکھتے ہیں

آن سلطان مملکت الہ باز الدین آن سرحلقہ عارفان ارباب علم و یقین آن
محب و محبوب خاص ربانی غوث الوقت حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ
از بے نظیران روزگار بود و شانے بغایت رفیع و ہمتے بلند و کرامتے وافر داشت۔
(قلمی نسخہ دار المصنفین ص ۵۲۹)

علمی مرتبہ | علمی حیثیت سے بھی حضرت اشرف جہانگیر کا مرتبہ بلند تھا، وہ معقولات و منقولات

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۳۴ - ۴۰۶

کے بھی جید عالم تھے، اور جب کبھی علماء و فضلاء سے علمی بحث کرتے تو اس میں بڑی گہرائی ہوتی، لطائف اشرفی میں بعض علمی مسائل پر بھی مباحث ہیں، ان مباحث سے ان کے علمی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے، وہ صوفیانہ رموز و نکات بیان کرنے میں بھی عالمانہ انداز اختیار کرتے تھے[۱]، اور کسی حال میں بھی جادۂ شریعت سے تجاوز کرنا پسند نہیں فرماتے، تمام علوم و فنون میں علم شریعت کو زیادہ اہمیت دی ہے، اور علم کے ساتھ اس کی متابعت کی بھی پوری تاکید کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک ولی نہیں ہو سکتا جب تک وہ ظاہراً، باطناً، قولاً، فعلاً، اعتقاداً اور حالاً شریعت کا پابند نہیں ہے،

"اولیاء بفنا فی اللہ والبقا باللہ نمی رسند مگر بمتابعت شریعت آن پیشوائے قوافل اصفیا، مقتدائے طوائف اولیا یعنی محمد مصطفےٰ صلعم ظاہراً و باطناً، قولاً و فعلاً، اعتقاداً و حالاً ہر کسے در ظلمات نفس عادی و در درکات اسویہ بخسر ہادی گشتہ در اسفل السافلین طبیعت مقید شہوت و اسیر ضلالت و فلاق ناپسندیدہ شدہ اگر اہل علم است بمقتضای علم عمل نمی کند و بشرط علم در مجموع اوقات و احوال متابعت شریعت نمی نماید بدرجات رفیعہ جنانی و اعلی علیین معارف ربانی و منقی بصدق عرفانی عیانی نرسد و از مشرب عذاب آب معرفت رحمانی که چون آب حیات در ظلمات طبیعت الناس است شربتے نچشد و جام شیرین شراب وجدانی بکام التقائی نکشد" (ج ۱ ص ۱۳۵)

نماز جمعہ کی پابندی زندگی کا زیادہ تر حصہ سیاحت میں گذرا، لیکن سفر میں بھی شریعت کی پابندی کا التزام رکھا، حتیٰ کہ نماز جمعہ تک ترک نہیں ہوئی، لطائف اشرفی میں ہے

حضرت قدوۃ الکبراء را قاعدہ مقرر و قانون مستقر بود کہ نماز جمعہ در سفر و حضر متروک نشد (ج ۱ ص ۲۲)

---

[۱] مثال کے لیے دیکھیے لطائف اشرفی ج ۱ ص ۲۰-۲۴، ۲۵ و ج ۲ ص ۳۰-۱۲۹

خلفاء حضرت اشرف جہانگیر کے خلفاء میں زیادہ تر علماء و فضلاء تھے، ان میں سے ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی، شیخ شمس الدین اودھی، شیخ صفی الدین ردودلوی، شیخ سماء الدین ردودلوی، مولانا علم الدین جائسی، شیخ خیر الدین سدہوری، قاضی محمد سدہوری کے علم و فضل کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، اور دوسرے خلفاء میں شیخ سلیمان نہایت ممتاز محدث اور فقیہ تھے[1]، شیخ معروف الدیموی کو ہر قسم کے علوم و فنون میں مہارت تھی، علم، زہد، تقویٰ، عبادت اور ریاضت کی وجہ سے اپنے وقت کے جنید و شبلی سمجھے جاتے تھے[2] حضرت قاضی حجت معقولات و منقولات کے متبحر عالم تھے، کچھوچھہ کے پاس ہی ایک گاؤں میں رہ کر عوام الناس کی دینی اصلاح اور روحانی تربیت کیا کرتے تھے[3]، شیخ الاسلام گجراتی کو اپنے علم کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل تھی، شروع میں ان کو ہیئت، نجوم، حکمت اور دوسرے فنون پر بڑا غرور تھا، حضرت اشرف جہانگیر کا ورود مسعود جب احمد آباد میں ہوا تو شیخ الاسلام نے ان سے بڑی بے باکی سے علمی مباحثے کیے، اور ادب کا لحاظ نہ رکھا، لیکن پھر بڑی ندامت محسوس کی، تائب ہو کر حضرت جہانگیر کے ہاتھ پر بیعت کی، اور روحانی مدارج طے کر کے حقائق و معارف کے سرچشمہ بنے، اس لیے خلیفہ بھی بنائے گئے، گجرات کے مریدوں کی تربیت ان ہی کے ذمہ تھی، انھوں نے ایک رسالہ بھی اشرف الفوائد و فوائد الاشرف کے نام سے لکھا[4]، گجرات کے ایک دوسرے جید اور ممتاز عالم شیخ مبارک بھی حضرت اشرف جہانگیر کے خلیفہ تھے[5]۔

تمام خلفاء شریعت کے پابند ہوتے، ان میں سے شیخ راجا کو زہد، تقویٰ اور شریعت کی پابندی میں بڑی شہرت حاصل ہوئی، وہ تارک صلوٰۃ سے ملنا جلنا، بولنا چالنا اور اسکے

[1] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۲ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۴۰۳ [4] ایضاً [5] ایضاً ص ۴۱۰ [6] ایضاً ص ۴۱۱

ساتھ کھانا پینا کسی حال میں بھی پسند نہیں کرتے تھے، [1]

خلفاء میں حضرت سید عبدالوہاب کو اپنے مرشد سے بڑا والہانہ لگاؤ تھا، ایک بار حضرت اشرف جہانگیر نے ان کو کسی کام سے دہلی بھیجا، وہاں سے واپس آئے تو ان کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے، حضرت اشرف جہانگیر نے ان کو اپنا جوتا عنایت کیا، حضرت سید عبدالوہاب نے غایت احترام میں جوتے کو اپنے سر پر رکھ لیا، اور اس کو اپنا تاج بنا کر چالیس روز تک گھومتے رہے، [2]

بعض امراء بھی خلیفہ ہوئے، نواب سیف خان حاکم اودھ کی خلافت کا ذکر پہلے آچکا ہے، حضرت اشرف جہانگیر جب حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبندی سے نیاز حاصل کرنے کے لیے ماوراءالنہر تشریف لے گئے تو وہاں امیر علی بیگ کے گھر امیر تیمور صاحبقران کے ایک امیر شیخ ابوالمکارم سے ملاقات ہوئی پہلی ہی ملاقات میں شیخ ابوالمکارم کا دل سلطنت کے کاروبار سے منحرف ہوگیا، اور امارت وشوکت چھوڑ کر راہ سلوک میں گامزن ہوئے، بارہ سال تک ریاضت شاقہ کی اور جب مکاشفات و واردات کی منزلیں طے کرلیں تو مرشد نے ان کو خلافت دی، اپنے مکارم اخلاق کی وجہ سے ابوالمکارم کہلائے، مرشد کے حکم کے بموجب سمرقند میں سکونت اختیار کی جہاں ان کے مریدوں کا حلقہ بہت وسیع تھا، لطائف اشرفی میں ہے کہ ان کے ملفوظات اور دوسری تصانیف حقائق ومعارف کے رموز ونکات سے پُر ہیں، [3]

امیر تیمور کے ایک دوسرے امیر شیخ جمشید بیگ کو بھی حضرت اشرف جہانگیر نے خلافت دی، حضرت اشرف جہانگیر اپنی سیاحت کے زمانہ میں جب باغستان پہنچے، تو

---

[1] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰۹ [2] ایضاً ص ۴۰۸ [3] ایضاً ص ۴۰۴

ہزارون اوزبک، برمک، خفچاق، لاچین اور توچین قبیلون کے خواص وعوام ان کے حلقۂ ارادت مین داخل ہوئے، اور ان کی خدمت مین گھوڑے اور دوسرے جانور پیش کیے، اس طرح ان کے اردگرد ایک لشکر کا سامان جمع ہوگیا، اس زمانہ مین امیر تیمور سمرقند مین تھا، بعض لوگون نے یہ خبر پہنچائی کہ حضرت اشرف جہانگیر ایک لشکر جمع کرکے تیمور کے خلاف فوج کشی کا ارادہ رکھتے ہین، لیکن تیمور حضرت جہانگیر کو پہلے سے جانتا تھا، اس لیے اس خبر سے پریشان ہونے کے بجائے اپنے ایک درباری امیر جمشید بیگ کو نذرانے دے کر حضرت اشرف جہانگیر کی خدمت مین بھیجا، نذرانے مین بہت سے مال واسباب تھے، لیکن جب یہ سامان حضرت اشرف جہانگیر کے پاس پہنچا تو انھون نے تمام چیزون کو فقراء ومساکین مین تقسیم کرادیا، جمشید بیگ حضرت اشرف جہانگیر سے مل کر اس قدر متاثر ہوئے کہ تیمور کے دربار سے علیحدہ ہوکر درویشی اختیار کرلی، اور مرید ہوکر حضرت کے ساتھ ہندوستان آئے، اور جب پوری تعلیم وتربیت کے بعد ان کو خلافت ملی تو کچھوچھہ سے پھر اپنے وطن واپس کردیے گئے، جہان انھون نے رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔[1]

ایک خلجی امیر شیخ حسین بھی دنیاوی جاہ وحشم چھوڑ کر راہ سلوک مین گامزن ہوئے، اور حضرت اشرف جہانگیر سے خلافت پائی، دونیری (؟) مین رہ کر اطراف وجوانب کے لوگون کے اخلاق وکردار سنوارتے تھے، بنگالہ کا معاصر حکمران ان کا بہت معتقد تھا،[2]

خلفاء مین حضرت سید عبدالرزاق کہ حضرت اشرف جہانگیر کے دینی فرزند کہلاتے تھے

۱؎ لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۱۰-۴۰۹ ۲؎ ایضاً ص ۴۱۱

اس لیے ان کا لقب نور العین تھا، بارہ سال کی عمر میں بیعت کی، ۸۰ سال تک مرشد کی خدمت کی، چنانچہ مرشد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے، ایک سو بیس سال کی عمر پائی،

سب سے زیادہ چہیتے خلیفہ شیخ کبیر سرور پوری تھے جن پر حضرت اشرف جہانگیر اسقدر نظر التفات رکھتے کہ خود حضرت سید عبد الرزاق نور العین کو ان پر رشک ہوتا تھا۔ ان کے فرزند شیخ محمد کو بھی خلافت ملی، حضرت اشرف جہانگیر ان کو اپنے حجرۂ خاص میں روحانی تعلیم دیا کرتے تھے، ان کا لقب در یتیم تھا۔[۱]

بعض اور دوسرے خلفاء کے اسمائے گرامی یہ ہیں: سید عثمان، شیخ رکن الدین شیخ قیام الدین (دونوں لاچین ترک تھے، عراق سے ہندوستان آئے تھے) شیخ اصیل الدین شیخ جمیل الدین، مولانا ابو المظفر لکھنوی، شیخ فخر الدین، قاضی شیخ رکن الدین، شیخ آدم عثمان، شیخ تاج الدین، شیخ محمود کنتوری، شیخ عبد اللہ بنارسی، شیخ کمال جائسی ابو محمد عرف معین متخلص سد ھوری۔[۲]

تعلیمات حضرت اشرف جہانگیر کی تعلیمات ان تین کتابوں میں پائی جاتی ہیں:-

(۱) بشارت المریدین (۲) مکتوبات اشرفی (۳) لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی

لطائف اشرفی کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت اشرف جہانگیر اپنے وصال سے پہلے ایک شبانہ روز قبر میں جا کر رہے اور وہیں اپنی کیفیات کو قلمبند کیا، جس کا نام بشارت المریدین رکھا۔ (ج ۲ ص ۱۰۴)

---

[۱] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۰۴ میں وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے گوہر اسرار وجہ پر انوار ذیجر قابلیت وی بساحل ظہور سرزد، وجہ تسمیہ وی بدین تقسیم کردہ اند۔ [۲] ان خلفاء کے حالات کیلئے دیکھو لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۴۳-۱۴۱

مکتوبات کے بارہ میں اخبار الاخیار میں ہے:

"و را مکتوبات است مشتمل بر تحقیقات غریبہ" (ص ۱۵۶)

اخبار الاخیار میں ان کا ایک طویل مکتوب منقول ہے جو انھوں نے قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو تحریر فرمایا تھا، اس میں فرعون کے ایمان کے متعلق بحث ہے،

حضرت اشرف جہانگیر کی تعلیمات واضح اور مبسوط طریقہ پر لطائف اشرفی میں ملتی ہیں، جن کو حضرت نظام الدین یمنی الملقب بہ نظام حاجی غریب الیمنی نے مرتب کیا ہے وہ حضرت اشرف جہانگیر کے مرید تھے، اور ان کی صحبت میں تیس سال رہے،

لطائف اشرفی ۱۲۹۵ھ میں نصرت المطابع دہلی میں چھپی ہے، اور نو سو صفحے پر مشتمل ہے، یہ حضرت اشرف جہانگیر کی سوانح عمری بھی ہے، اور ان کی تعلیمات کا آئینہ بھی، اس میں کہیں تصوف کی اصطلاحات کی پوری تشریح و توضیح ہے، کہیں ذکر و فکر کی تمام تفصیلات ہیں، کہیں صوفیانہ غوامض پر مباحث ہیں، کہیں صوفیۂ کرام کے مختلف خانوادوں کی مختصر تاریخ، کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کہیں آل رسول، کہیں خلفاء راشدین اور کہیں ائمۂ کبار کے حالات ہیں، تو کہیں صوفی شعراء پر دلچسپ تبصرہ ہے، غرضیکہ اس کو تصوف کا ایک قاموس کہا جا سکتا ہے،

حضرت اشرف جہانگیر چشتیہ سلسلے سے منسلک تھے اس لیے ان کی تعلیمات وہی ہیں جو اکابر بزرگان چشت کی تھیں، اور جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، پھر بھی انھوں نے بہت سے ایسے مسائل کی وضاحت اور تشریح کی ہے جن کو ہم اپنی حقیر تالیف کے گذشتہ اوراق میں پیش نہیں کر سکے ہیں، اسلیے ان کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:

علم کی اہمیت حضرت اشرف جہانگیر نے حضرت خواجہ مودود چشتی کے اس قول کی تائید

کی ہے کہ علم کے بغیر ایک زاہد شیطان کا مسخرہ ہے، اس لیے راہ سلوک مین توحید، معرفت، ایمان، شریعت، طریقت وغیرہ سے پوری واقفیت رکھنا ایک سالک کے لیے ضروری قرار دیا ہے، فرمایا کہ اگر کسی کو معلوم ہو کہ اس کی زندگی کے صرف سات دن باقی رہ گئے ہین تو اس کو صرف علم فقہ حاصل کرنا چاہیے، علم دین کا ایک مسئلہ جاننا ہزار رکعت نفل سے بہتر ہے (ج ۱ ص ۱۰ و ۱۳)

توحید حضرت اشرف جہانگیر نے مسئلہ توحید پر بڑی عمیق اور عالمانہ بحث کی ہے، جس شرح و بسط کے ساتھ یہ مباحث لطائف اشرفی مین ہین ان کو ہو بہو یہان پیش کرنا آسان نہین، پھر بھی ہم اپنی کم مائگی کے باوجود ان کا خلاصہ درج کرتے ہین،

ان مباحث مین توحید کی کئی قسمین بتائی گئی ہین،

(۱) توحید ایمانی، یعنی قرآن مجید اور احادیث نبوی کی صداقت پر اعتماد کر کے یہ عقیدہ رکھنا کہ خدا ایک ہے،

(۲) توحید علمی، ادراک باطن سے درجۂ یقین تک پہنچنا کہ خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی "موجود حقیقی" اور "موثر مطلق" نہین، یہ توحید مراقبہ سے حاصل ہوتی ہے،

(۳) توحید رسمی، اپنی ذہانت یا مطالعۂ اشیا یا سنی سنائی باتون کی بنا پر خدا کو ایک سمجھنا، حضرت اشرف جہانگیر کے نزدیک توحید کا یہ تصور کوئی اثر نہین رکھتا، یہ توحید اعتبار کے درجہ سے ساقط ہے،

(۴) توحید حالی، اس توحید مین موحد واحد کے وجود کے جمال مین ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اس کو واحد کی ذات و صفات کے سوا کوئی چیز نظر نہین آتی، وہ واحد کی صفات کو اپنی تمام صفتون سے نادرا ، ہو کر دیکھتا ہے، اور پھر توحید مین اپنے کو صرف

ایک قطرہ پاتا ہے، توحید حالی کا یہ احساس مشاہدہ کے نور سے ہوتا ہے، اس میں بشریت کے اکثر لوازم فنا ہو جاتے ہیں، اور جو باقی رہ جاتے ہیں ان سے اقوال وافعال سرزد ہوتے ہیں،

لیکن حضرت جہانگیر کے نزدیک اصلی اور حقیقی توحید توحید الٰہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ کوئی موحد ہو یا نہ ہو، مگر خدا ازل الازال سے بذات خود وحدانیت اور فردانیت سے متصف ہے، یعنی وہ تھا، اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی، اور وہ ہے، اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں ہے، اور ابد الاباد تک اسی طرح رہے گا، اس حقیقت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ کوئی موحد اس کو واحد بتائے،

وحدت وجود لطائف اشرفی کی جلد دوم میں ایک مستقل باب (لطیفۂ بست وہفتم) وحدت وجود پر ہے، حضرت اشرف جہانگیر جب دوسری بار دنیا کی سیاحت کے لیے نکلے تو بخارا کے اکابر سے ملاقات کے دوران میں ان کو معلوم ہوا کہ ان میں سے اکثر و بیشتر علما، و فضلا، وحدت وجود کے منکر ہیں، انھوں نے ان سے بحث کر کے دلائل و براہین سے ان کو وحدت وجود کا قائل کیا، اس بحث کو لطائف اشرفی کے مولف نے نقل کیا ہے، یہ دقائق و غوامض سے پُر ہے، پھر بھی اختصار کے ساتھ اس کو ہدیۂ ناظرین کرنے کی کوشش کی جاتی ہے،

فلسفیانہ طریقہ پر وحدت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وحدت مطلقہ من حیث الذات والصفات (۲) وحدت مقیدہ من حیث الصفات لا من حیث الذات،

ذات اور صفات کی حیثیت سے وحدت مطلقہ یہ ہے کہ صرف ایک ذات

اپنی صفات کے ساتھ موجود ہو، اور دوسری تمام ذاتیں اپنی ذات وصفات کے ساتھ معدوم ہوں، مثلاً وحدت باری یہ ہے کہ جب خدا موجود تھا، تو اس کے علاوہ کوئی چیز موجود نہ تھی،

صفات کی حیثیت وحدت کے مقید ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ذات تنہا ایسی صفات سے متصف ہو کہ کوئی دوسرا ان صفات میں اس کا شریک نہ ہو، جیسے وحدت باری قدم اور تخلیق کی صفت کے ساتھ متصف ہے،

وحدت مطلقہ میں غیر کا وجود بالکل معدوم ہوتا ہے اور وحدت مقیدہ میں مثل کا وجود معدوم ہو جاتا ہے،

شریعت میں صفات کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اطلاق اور اثبات چند طریقوں سے کیا جاتا ہے،

ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے واحد ہے کہ اس کے علاوہ کوئی پرستش کے لائق نہیں، مشرکین اس توحید کے منکر ہیں،

دوسرا یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ وہی ساری اشیاء کا خالق اور کائنات کا مدبر ہے، ثنویہ، افلاکیہ، طبائعیہ اس توحید کے منکر ہیں،

تیسرا یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ کوئی اس کا شبیہ نہیں، مشبہہ اس توحید کے منکر ہیں،

چوتھا یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ کوئی اور ذات قدیم نہیں، اس کے علاوہ ہر چیز حادث ہے، دہریہ اس کے منکر ہیں،

پانچواں یہ کہ وہ اس حیثیت سے واحد ہے کہ اس کی ذات ترکیب سے پاک ہے، کیونکہ ترکیب

اجسام کے عوارض سے ہے اور باری تعالیٰ جسم نہیں، مجسمہ اس توحید کے منکر ہیں،

شریعت میں ذات وصفات دونوں حیثیتوں سے باری تعالیٰ کی توحید کا اطلاق دو معنوں میں ہوتا ہے۔

مجازی۔ یعنی باری تعالیٰ اس معنے میں واحد ہے کہ اس کے وجود کے مقابلہ میں دوسری چیزوں کا وجود گویا نہیں ہے،

حقیقی۔ یعنی خدا کے سوا کوئی چیز موجود نہیں، جو کچھ ہے وہی ہے، ہمہ اوست، عوام اور بعض علماء، اس توحید کے منکر ہیں، لیکن حضرت اشرف جہانگیر کے نزدیک حقیقی توحید یہی ہے، اور انھوں نے اس کو آیات قرآنی، احادیث نبوی، اور دوسرے دلائل سے ثابت بھی کیا ہے[1] اسی سلسلہ میں وجود کی بھی بحث آگئی ہے، حضرت اشرف جہانگیر نے وجود کی تین منزلیں قرار دی ہیں:

(۱) وجود بشرط شے، یا وجود مقید، یعنی ایک چیز کا پایا جانا، اس شرط کے ساتھ کہ ایک چیز اور بھی ہو، اس میں ہمہ اوست کی گنجایش نہیں، اور کوئی اسکا قائل نہیں،

(۲) وجود لابشرط شے، یعنی وجود تو ہے، لیکن اس کے ساتھ دوسری شے کا وجود ضروری نہیں،

(۳) وجود بشرط لاشے، یعنی وجود مطلق، یہ وجود اس شرط کے ساتھ ہے کہ اسکے علاوہ کوئی اور چیز نہیں، وجود کی اس منزل میں ہمہ اوست مانا جاتا ہے، حضرت اشرف جہانگیر کے خیال کے مطابق اس پر سب کو اتفاق ہے، وجود بشرط لاشے کے ماننے پر اعتراض ہوتا ہے، اور معترضین کو اسی سے غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں[2]

ولایت | توحید کا واقف اور اللہ کا دراصل ولی کہلاتا ہے، ولی کے لیے ضروری ہے کہ

[1] لطائف اشرفی ج ۲ ص ۱۳۱-۱۳۰ [2] ایضاً ص ۱۴۷

وہ عالم ہو، جاہل نہ ہو (لطائف اشرفی ج ۱ ص ۴۰) اس کے افعال وحرکات پسندیدہ ہوں اور شریعت وطریقت کے مطابق ہوں، وہ سیرت نبویؐ اور اوصاف مصطفوی کا متبع ہو (ج ۱ ص ۶۴) اس میں لطافت زبان، حسن اخلاق، شگفتگی، فیاضی اور بے غرضی ہو (ج ۱ ص ۶۴)، وہ اوصاف ذمیمہ کی پستی سے نکل کر اوصاف حمیدہ کی بلندی پر پہنچ گیا ہو، اور خدا کے علاوہ ہر چیز سے بے نیاز ہو چکا ہو، یہی اس کی معراج ہے (ج ۱ ص ۶۹)۔

حضرت اشرف جہانگیر کا خیال ہے کہ اولیاء اللہ کی خواہ کوئی قسم بھی ہو، خواہ وہ غوث ہوں یا امامان یا اوتاد یا ابدال یا اخیار یا ابرار یا نقبا یا نجبا یا مکتومان یا مفردات[1] وہ فنا فی اللہ والبقاء باللہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے ہیں جبتک کہ وہ ظاہراً، باطناً، قولاً، فعلاً اور حالاً محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع نہ ہوں (ج ۱ ص ۱۳۵) ایک موقع پر فرمایا (ج ۱ ص ۲۶)

"ہر کہ ازیں طائفہ خلاف روش نبوی وغیر متابعت مصطفوی پیش گرفتہ بمقصود نرسیدہ است"

خلاف پیمبر کسے رہ گزید | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید
محالست سعدی کہ راہ صفا | تواں رفت جز درپئے مصطفےٰ

ولایت کے شرائط | ایک ولی اللہ کے منجملہ فرائض میں ایک یہ ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی راہ پر لے چلے، لیکن وہ یہ فرض اسی وقت انجام دے سکتا ہے، جب کہ (۱) اس کے شیخ نے اس کو شیخوخت کی اجازت دی ہو (ج ۱ ص ۱۴۸) (۲) وہ دل میں

---

[1] لطائف اشرفی ج ۱ ص ۱۱۰-۹۲ میں ان اولیاء اللہ کی علیحدہ علیحدہ خصوصیات ہیں،

خدا کا حضور اور آگاہی حاصل کر چکا ہو (۳) وہ اپنے مرید کے تمام ہفوات کا مواخذہ کرتا ہو،
لطائف اشرفی ج ا ص ۱۴۹) (۴) وہ اپنے مرید سے اس کے افعال کا محاسبہ کر سکتا ہو (ج ا ص ۱۵۱)
(۵) اپنے مرید کے سامنے تقدس کی پوری شان مین ظاہر ہوتا ہو (ج ا ص ۱۵۳-۱۵۲)
(۶) مریدون کو دوسرے شیخ کی صحبت مین بیٹھنے کی اجازت نہ دیتا ہو (ج ا ص ۱۵۴)
(۷) مریدون کو ان کی قوت زکیہ کا یقین دلاتا ہو (ج ا ص ۱۵۶) (۸) اگر کسی شیخ کو
اپنے سے برتر پاتا ہو تو اس کی صحبت اختیار کر لیتا ہو (ج ا ص ۱۵۷) (۹) وہ عالم ہو
(ج ا ص ۱۶۱) (۱۰) مریدون کے ساتھ چوبیس گھنٹے مین ایک دفعہ بیٹھتا ہو (ج ا ص ۱۶۲)

ارادت کے شرائط	مریدون کے لیے حسب ذیل شرائط ضروری ہین:

(۱) وہ اپنے شیخ سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھین (ج ا ص ۱۶۲) (۲) وہ اپنے شیخ پر
کسی قسم کا کوئی اعتراض نہ کرین (ج ا ص ۱۶۳) (۳) طلب شیخ مین صادق ہون (ج ا ص ۱۶۶)
(۴) شیخ کو جو کچھ کرتے دیکھین اس کی اقتدا بلا اجازت نہ کرین (ج ا ص ۱۶۹) (۵) شیخ کے
کلام اور احکام کی تاویل نہ کرین (ج ا ص ۱۷۰) (۶) شیخ کے حکم کے خلاف کوئی بات
نہ کرین (ج ا ص ۱۷۰) (۷) اپنے آپ کو ہر شخص سے کمتر سمجھین (ج ا ص ۱۷۲)
(۸) شیخ کے احکام مین خیانت نہ کرین (ج ا ص ۱۷۳) (۹) دونون جہان مین سے
کسی چیز کی خواہش نہ کرین (ج ا ص ۱۷۸) (۱۰) شیخ جس کو اپنے سے افضل سمجھے اسکی
وہ بھی اطاعت کرین (ج ا ص ۱۷۵)

یہ تو شرائط ہوئے، شیخ و مرید کے آداب بھی الگ الگ بتائے ہین، شیخ کے
آداب حسب ذیل ہین:-

شیخ کے آداب	(۱) مرید کی استعداد اس کی نظر مین ہو، یعنی اس کی انفرادی صلاحیت

اور قابلیت کو پیش نظر رکھکر راہ سلوک میں اس کی تربیت کرتا ہو (ج ا ص ۱۸۱)

(۲) وہ مرید کے مال و متاع سے استفادہ کرنے کی لالچ سے بالکل پاک ہو (ج ا ص ۱۸۵)

(۳) وہ صاحب ایثار ہو (ج ا ص ۱۸۶)

(۴) اس کے فعل اور قول میں مطابقت ہو (ج ا ص ۱۸۸)

(۵) وہ کمزوروں کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہو (ج ا ص ۱۸۹)

(۶) اسکی گفتگو نفسانیت کے شائبہ سے پاک ہو (ج ا ص ۱۹۰)

(۷) وہ کنایہ میں گفتگو کرتا ہو اور تصریح سے اجتناب کرتا ہو (ج ا ص ۱۹۱)

(۸) اسکے احوال کا غلبہ اسکے اعمال صالحہ کا مانع نہ ہو (ج ا ص ۱۹۴)

(۹) وہ اپنے مرید سے تعظیم کی توقع نہ رکھتا ہو (ج ا ص ۱۹۶)

(۱۰) وہ مرید سے نہ زیادہ قریب ہو اور نہ زیادہ دور (ج ا ص ۱۹۸)

مرید کے آداب | مرید کے آداب حسب ذیل ہیں:

(۱) وہ شیخ کی صحبت کو اپنے لیے لب الباب سمجھتا ہو (ج ا ص ۲۰۰)

(۲) وہ شیخ سے تسلیم و رضا کا تعلق رکھتا ہو (ج ا ص ۲۰۱)

(۳) دنیا اور آخرت کا کوئی کام شیخ کی اجازت کے بغیر نہ کرتا ہو (ج ا ص ۲۰۲)

(۴) شیخ کی جگہ پر نہ بیٹھتا ہو (ج ا ص ۲۰۳)

(۵) اپنے خواب اور بیداری کے واقعات میں شیخ سے رجوع کرتا ہو (ج ا ص ۲۰۴)

(۶) شیخ کی صحبت میں بلند آواز سے گفتگو نہ کرتا ہو (ج ا ص ۲۰۵)

(۷) شیخ سے کسی موقع پر بھی کوئی بات دلیرانہ طریقہ پر نہ پوچھتا ہو اور نہ کہتا ہو (ج ا ص ۲۰۶)

(۸) شیخ جس چیز کو مخفی رکھتا ہو اس کو افشا نہ کرتا ہو (ج ا ص ۲۰۷)

(۹) شیخ سے اپنے اسرار بیان کر دیتا ہو (ج ۱ ص ۲۰۹)

(۱۰) شیخ کی کوئی بات نقل کرتا ہو تو اپنی فہم کا خیال رکھتا ہو (ج ۱ ص ۲۱۰)

شیخ کے اوصاف | شیخ میں حسب ذیل اوصاف ہونے چاہئیں:

(۱) اس میں خاص قسم کی عبدیت ہو (۲) اس کو خدا سے براہ راست حقائق حاصل ہوں (۳) اس پر خاص قسم کی رحمت مقام عبدیت (یعنی قربت) سے ہو، (۴) علوم کی تعلیم خدا سے حاصل کی ہو (۵) علم لدنی کی دولت سے مالا مال ہو (ج ۱ ص ۲۵۵)

مرید کی تعلیم | مرید کی تعلیم دل کی صفائی سے شروع ہوتی ہے، اس کے دل کی تاریکی جتنی کم ہوجاتی ہے، اتنے ہی زیادہ اس کی روح میں نور پیدا ہوتا ہے، اور وہ اپنی چشم بینا سے دیکھتا ہے تو شروع میں یہ نور سرخ معلوم ہوتا ہے پھر دل کی صفائی کی زیادتی سے، سفید ہوجاتا ہے، آخر میں مزید صفائی سے سبز ہوجاتا ہے، اور جب دل بالکل صاف ہوجاتا ہے تو یہ نور آفتاب کی مانند چمک اٹھتا ہے، اور اس پر مشکل سے نظر جمتی ہے، اور جب اس نور کا عکس نور روح پر پڑتا ہے، تو دل اور روح کے سارے حجابات نظر سے دور ہوجاتے ہیں، پھر ایسے نور کا شہود ہوتا ہے جس میں نہ رنگ ہے نہ کیفیت، نہ حد ہے نہ مثل، نہ تمکین ہے نہ تمکن، اور اس کے لیے نہ طلوع ہے نہ غروب، نہ تحت ہے نہ فوق، نہ مکان ہے نہ زمان، نہ قرب ہے نہ بعد، اور نہ عرش ہے نہ فرش،

یہ منزل ذکر اور فکر سے طے ہوتی ہے، ذکر و فکر کی پہلی شرط توبہ ہے،

توبہ | توبہ سے مراد افعال ناپسندیدہ یعنی غل و غش، حسد، نفاق، کذب، بخل، حرص، طمع، غصب، تلبیس، ریا، بہتان اور غیبت وغیرہ سے قطعی اعراض ہے (ج ۲ ص ۱۵۰)

پھر توبہ کے ساتھ شریعت کی ساری پابندیاں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد

کو لازمی قرار دیا ہے، البتہ ان چیزون مین ایک عامی مسلمان اور ایک سالک کی پابندی
مین جو فرق ہے، اس کو بہت واضح طور پر بتایا ہے،

نماز نماز کے لیے ایک سالک وضو کرتا ہے، تو اس لیے کہ (۱) اسکی جسمانی طہارت
ہو (۲) اس کی دماغی طہارت یعنی اسکا ذہن اوہام و وساوس سے پاک ہو (۳) اس کے
حواسِ باطن پاک ہون (۴) اس کی روح پاک ہو (ج ۲ ص ۱۵۵)

نماز مین خضوع وخشوع ضروری ہے، ورنہ اس کی مثال قالبِ بے جان کی
ہوگی، نماز مین حسب ذیل چیزون سے لذت ملتی ہے :-

(۱) حضور قلب (۲) فہم معانی (۳) تعظیم اہیت (۴) خوف ورجا (۵) حیا،

لذت بھری نماز مین سالک نور کا مشاہدہ کرتا ہے، جو اس کے تمام جسم مین سرایت
کر جاتا ہے، اس سے اس پر سکر کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے (ج ۲ ص ۱۵۶)

روزہ سالک روزہ رکھتا ہے تو گویا وہ حواس ظاہر و باطن کو مغلوب کرکے ہوا و نفس
کو اپنے سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، اس طرح اپنے باطن کو منور کرکے کشف حاصل
کرتا ہے (ج ۲ ص ۱۵۸)

زکوٰۃ شریعت کی زکوٰۃ کے علاوہ طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ سالک کا دل ذمائم
سے پاک ہو، اولیا و مشائخ علم سلوک کو سمجھائین، مرید کو دل کی صفائی، روح کی تجلی،
عشق، محبت، معرفت، قربت اور حقائق و معارف کی تعلیم دین،

حج ایک سالک کا حج یہ ہے کہ وہ احرام باندھتا ہے تو دنیا کے علائق وعوائق
سے تجرید حاصل کرتا ہے، عرفات مین آتا ہے تو اسرار و معارف سے واقف ہوتا ہے،
جب مزدلفہ پہنچتا ہے تو اس کی مرادین پوری ہونی شروع ہوتی ہین، اور جب طواف

کرتا ہے تو دل خدا کی طرف گردش کرنے لگتا ہے، جب صفا و مروہ میں سعی کے لیے جاتا ہے تو گویا بشری کدورت سے نکل کر ملکوتی صفات کی طرف منتقل ہوتا ہے، جب منیٰ آتا ہے تو اس کے خیالات تمام خطروں اور وسوسوں سے پاک ہوتے ہیں، جب قربانی کرتا ہے تو اپنے نفس کے دیو کو ہمیشہ کیلیے ذبح کر دیتا ہے، الخ الخ (ج ۲ ص ۱۶۳)

جہاد | حضرت اشرف جہانگیر نے جہاد کے متعلق یہ تعلیم دی ہے کہ جب کفار مسلمانوں کے مقابلے میں خروج کریں تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے، لطائف اشرفی میں ہے:- (ج ۲ ص ۱۶۵)

"حضرت قدوۃ الکبرا ہی فرمودند جہاد کردن در راہ خدائے تعالیٰ فرض است بر جمیع عباد وقتیکہ خروج کفار شود اما درون خروج کفار فرض کفایہ باشد"

اور اگر کوئی معذور ہو تو وہ حج کرے، اور وہ حج بھی نہ کر سکے تو جمعہ کی نماز میں شرکت کرے، کیونکہ جمعہ کی نماز مسکینوں کا حج ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم ہے۔

اسلام کے ان ارکان کی پابندی کے ساتھ توکل، تسلیم و رضا، جود و ایثار وغیرہ کی بھی تعلیم دی ہے،

توکل | اگر سالک ان چیزوں کو قبول کرتا ہے جو شریعت کی رو سے حرام ہیں تو وہ عاصی اور فاسق ہے، توکل کی علامت یہ ہے کہ کسی چیز کے لیے کسی سے سوال نہ کیا جائے، اور جب غیب سے فتوح آئے تو قبول کر لے، اور جب قبول کرے تو اس کو اپنے پاس نہ رکھے،

ایک سالک کا توکل یہ ہے کہ وہ سمجھے کہ خداوند تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے،

اور واپس لے لیتا ہے لیکن وہ بہرحال روزی پہنچاتا ہے، اس لیے اس کو یقین رکھنا چاہیے کہ روزی اس کے پاس پہنچے گی، لیکن اس کا دل روزی کے عدم و وجود کو برابر سمجھے (۳۵۴ھ)

تسلیم ورضا

خدا کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہو تو وہ خوش رہے، لیکن کوئی بلا نازل ہو تو اس سے غمگین نہ ہو، یہی تسلیم و رضا ہے، لیکن ہر حال میں روزی کے لیے کسب کرنا لازم ہے، اس سلسلہ میں حضرت اشرف جہانگیر کے ملفوظات ملاحظہ ہوں:

"حضرت قدوۃ الکبرا نے فرمایا اکثر شیخ ہمیشہ کوئی پیشہ کرتے تھے، اور دل و جان سے اس کی طرف بڑھتے تھے، اگلے مشائخ و علما بھی پیشے میں مشغول رہتے تھے اور ان کو موجب عزت سمجھتے تھے، ہندوستان میں پیشہ کرنا بدترین خصلت سمجھا جاتا ہے، اسی وجہ سے محتاجی اور فقیری میں مبتلا ہو گئے ہیں، یہ نہیں جانتے کہ اکثر انبیاء کسی نہ کسی پیشہ کی طرف منسوب ہیں، اس لیے پیشہ کی توہین کرنا ایک قسم کا کفر ہے، لوگوں نے کہا ہے کہ جو لوگ توکل کے آخری درجہ تک نہیں پہنچے ہیں، اگر وہ پیشے میں مشغول رہیں تو ان کے لیے جائز بلکہ لازم ہے" (ج ۲ ص ۳۴۲)

جود و ایثار

کسب روزی کے ساتھ ضروری ہے کہ سالک میں سخاوت، جود اور ایثار ہو، وہ اپنے مال میں سے تھوڑا سا کسی کو دیدیتا ہو اور تھوڑا سا رکھ لیتا ہو تو وہ سخی ہے، لیکن اگر کچھ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ جواد ہے، اور سب کچھ دیکر اپنے اوپر تکلیف اٹھاتا ہو تو وہ صاحب ایثار ہے، (ج ۲ ص ۲۴۷)

حضرت اشرف جہانگیر نے ایک سالک کو معاشرتی حیثیت سے بھی اعلیٰ قسم کے اوصاف سے متصف ہونے کی تلقین کی ہے، مثلاً کھانے پینے کے آداب یہ بتائے ہیں:

کھانے پینے کے آداب

(۱) زندہ رہنے کے لیے کھانا فرض ہے، خداوند تعالیٰ کی عبادت اور کسب معاش کے لیے کھانا سنت ہے، سیر ہو کر کھانا مباح ہے، لیکن سیری سے زیادہ کھانا حرام ہے (ج ۲ ص ۱۸۶)

ایک سالک کے لیے کھانے مین چار چیزین فرض ہین (۱) جو چیزین کھاتا ہو وہ حلال ہو (۲) کھاتے وقت یہ خیال رکھتا ہو کہ وہ چیز خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہے (۳) راضی برضا ہو کر کھاتا ہو (۴) کھانا عبادت و طاعت کے لیے کھاتا ہو،

اسی طرح اس کے لیے چار چیزین سنت ہین (۱) کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کہے (۲) کھانا ختم کرنے کے بعد الحمد للہ کہے (۳) کھانے سے پہلے اور اسکے بعد ہاتھ دھوئے (۴) کھانے کے وقت دایان پاؤن اٹھا دے اور بایان پاؤن گرا دے،

کھاتے وقت کھانا اس کے سامنے ہو، لقمہ چھوٹا ہو، اس کو خوب چباتا ہو، دوسرون کے لقمے نہ دیکھتا ہو، کوئی ٹکڑا گر جاتا ہو تو اس کو اٹھا کر کھا لیتا ہو، انگلیان چاٹ کر صاف رکھتا ہو، کھانا سونگھ کر نہ کھاتا ہو، (ج ۲ ص ۱۸۶)

مہمانداری

سالک پر مہمانداری کے فرائض یہ ہین:

وہ مہمان کو اپنے لیے باعث برکت سمجھے، وہ آئے تو ما حضر یا شربت حاضر کرے، کھانے کے وقت جو موجود ہو مہمان کے سامنے رکھ دے، اس کی خاطرداری مین اپنے اوپر تکلیف نہ اٹھائے،

"قصد تکلیف نہ کند کہ موجب دشمنی می شود"

اگر قدرت ہو تو حسب طاقت تکلیف اٹھائے، اور اعزہ و اقربا کو بھی بلائے،

لیکن ان کو بلانے میں امیر و غریب کا امتیاز نہ کرے، مہمان سے یہ نہ پوچھے کہ کھانا لایا جائے بلکہ خود کھانا لے آئے، کھانے کا آغاز مہمان ہی کرے، کھانے میں مہمان کو جلدی کرنے کی فہمایش نہ کرے، مہمان کے سامنے بچوں پر غصہ کا اظہار نہ کرے، مہمان کو وضو اور استنجا کرنے کی جگہ دکھلا دے۔ (ج ۲ ص ۱۹۷ - ۱۹۴)

مہمان کو لازم ہے کہ وہ میزبان کے گھر پہنچ کر نفل روزہ نہ رکھے، دائیں بائیں نہ دیکھے، ہر چیز کو دیکھتا نہ رہے، اس سے دناءت کا اظہار ہوتا ہے، اور میزبان یہ سمجھتا ہے کہ وہ ان چیزوں کا طلب گار ہے۔ (ج ۲ ص ۱۹۵)



حضرت سید محمد گیسو دراز

اسم گرامی والقاب اسم گرامی سید محمد، کنیت ابو الفتح، القاب صدر الدین ولی الاکبر الصادق ہیں، عام طور پر خواجہ بندہ نواز اور خواجہ گیسو دراز کہلاتے ہیں، خواجہ گیسو دراز کے لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ایک بار اپنے مرشد حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کی پالکی اور مریدوں کے ساتھ اٹھائی، ان کے بال بڑے بڑے تھے پالکی کے پایہ میں الجھ گئے، پالکی کو کندھے پر لیکر دور نکل گئے، بال کے الجھ جانے سے تکلیف ہوتی رہی لیکن مرشد کے عشق و محبت میں خاموش رہے، اور غایت تعظیم میں بال کو پالکی کے پایہ سے نہ نکال سکے، جب حضرت شیخ نصیر الدین کو اس کی خبر ہوئی تو اپنے مرید کی اس محبت اور عقیدت سے بہت خوش ہوئے، اور اسی وقت یہ شعر پڑھا،

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد   واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

اسی کے بعد سے گیسو دراز مشہور ہوئے[۱]

نسب نامہ خاندانی شجرہ یہ ہے: ولی الاکبر الصادق ابو الفتح محمد بن یوسف بن علی ابن محمد بن یوسف بن حسن بن محمد بن علی بن حمزہ بن داؤد بن زید بن ابو الحسن الجنیدی ابن حسین بن ابی عبد اللہ بن محمد بن عمر بن یحیی بن حسین بن زید المظلوم بن علی اصغر زین العابدین بن امام حسین بن سیدنا علی بن ابی طالب[۲]

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۱۳۳ و خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۳۸۱ [۲] سیر محمدی مصنفہ مولانا شاہ محمد علی سامانی مرید حضرت سید گیسو دراز مطبوعہ یونانی دواخانہ پریس ابہری منڈی، الہ آباد

خاندان حضرت گیسو دراز کے مورث اعلیٰ ہرات سے دہلی آئے تھے یہیں ۷۲۱ھ میں انکی ولادت باسعادت ہوئی[1] ان کے والد بزرگوار سید یوسف حسینی عرف سید راجا کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیا سے ارادت تھی، اپنے ملفوظات جوامع الکلم میں خود فرماتے ہیں،

پدر من ارادت از خدمت شیخ نظام الدین بود (ص ۲۰۸)

ان کے نانا بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے مرید تھے[2]

قیام دیوگیر جب حضرت گیسو دراز کی عمر چار سال کی تھی تو ان کے والد بزرگوار سلطان محمد تغلق کے عہد میں دہلی سے دیوگیر منتقل ہو گئے، اس زمانہ میں دولت آباد کے صوبہ دار حضرت گیسو دراز کے ماموں ملک الامرا سید ابراہیم مستوفی تھے، یہاں ایک بزرگ شیخ بابو رہا کرتے تھے جن کی صحبت میں حضرت گیسو دراز کے والد ماجد برابر شریک رہتے، والد بزرگوار کے ساتھ حضرت گیسو دراز بھی ان کی خدمت میں تشریف لے جاتے، یہ بڑی شفقت سے پیش آتے، چنانچہ انھوں نے بچپن ہی میں ان کے لیے اچھے کلمات استعمال کیے[3]

طفلی آٹھ ہی سال کی عمر میں حضرت گیسو دراز سے دینی شغف کا اظہار ہونے لگا، وضو اور نماز میں خاص اہتمام کرتے، چھوٹے بچے ان کی خدمت میں جمع رہتے، اور بہت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ ان کے سامنے اٹھتے بیٹھتے، اور وضو کے لیے پانی کا گھڑا بھر کر ان کے لیے رکھتے، حضرت گیسو دراز اس کم عمری میں بھی مشائخ کی طرح ان کو تبرک عنایت کرتے[4]

جب دس سال کے ہوئے تو ان کے والد ماجد کا انتقال ۷۳۱ھ میں دولت آباد میں ہو گیا، اور یہیں سپرد خاک ہوئے، آج بھی ان کے مزار پر زائرین کا ہجوم رہتا ہے،

[1] سیر محمدی ص ۲ [2] ایضاً ص ۵ [3] ایضاً ص ۵ [4] ایضاً

ابتدائی تعلیم | ابتدائی تعلیم اپنے نانا سے پائی، اور پھر دوسرے استاذ سے مصباح اور قدوری پڑھیں[1] نانا اور والد ماجد کی صحبت میں حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت نصیرالدین چراغ دہلی کا ذکر برابر سنتے تھے، چنانچہ ایام طفلی ہی میں خواجگان چشت سے عقیدت پیدا ہو گئی، اور حضرت چراغ دہلی کے دیدار اور ملاقات کے مشتاق ہوئے،

مراجعت دہلی | جب حضرت گیسو دراز کے والد ماجد کا انتقال ہوا تو کچھ دنوں کے بعد ان کی والدہ کو اپنے بھائی ملک الامراء سید ابراہیم مستوفی سے رنجش پیدا ہو گئی اور دل برداشتہ ہو کر دولت آباد کی سکونت چھوڑ دی، اور بچوں کے ساتھ ۷۳۶ھ میں دہلی چلی آئیں، اس وقت حضرت گیسو دراز کی عمر پندرہ سال کی تھی،

بیعت | دہلی پہنچنے کے بعد حضرت گیسو دراز جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے سلطان قطب الدین کی جامع مسجد میں گئے، وہاں حضرت چراغ دہلی کو دور سے دیکھا تو ان کے چہرۂ مبارک کے جمال و انوار سے مسحور ہو گئے، اور ۱۶ رجب ۷۳۶ھ کو اپنے بڑے بھائی سید چندن کے ساتھ حضرت چراغ دہلی کے دست مبارک پر بیعت کی،

تربیت | بیعت کے بعد حضرت گیسو دراز کی خواہش ہوئی کہ مرشد کی جلد جلد قدمبوسی کریں، لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے یہ آرزو پوری نہیں ہوتی، پھر بھی مرشد ان سے بڑی شفقت سے پیش آتے، ایک مرتبہ مرشد نے ان سے فرمایا تم جب کبھی میرے پاس آتے ہو تو بے وقت آتے ہو، میں اس وقت ملول رہا کرتا ہوں، میرا جی چاہتا ہے کہ میں تم سے کچھ بات چیت کیا کروں، حضرت گیسو دراز اس شفقت کو اپنے لیے بڑی دولت تصور کرتے رہے[2]

[1] تحفۂ احمدی ص ۱۰-۹ [2] جوامع الکلم، ملفوظات حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز مرتبہ سید حسین المعروف سید محمد اکبر حسینی، مطبوعہ انتظامی پریس عثمان گنج ص ۳۸

مرشد کی ہدایت کے مطابق عبادت وریاضت مین تدریجی ترقی کی، اپنے ملفوظات مین فرماتے ہین :

"ایک بار اشراق کے بعد پابوسی کے لیے حاضر ہوا، (حضرت خواجہ نے) فرمایا صبح کی نماز کے لیے جو وضو کرتے ہو، کیا وہ آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد تک باقی رہتا ہے، مین نے عرض کی، جی ہان، آپ کے صدقہ مین باقی رہتا ہے، فرمایا اچھا ہو جو اسی وضو سے دوگانہ اشراق بھی پڑھ لیا کرو، مین نے کھڑے ہو کر عرض کی، آپ کے صدقہ مین پڑھون گا، پھر فرمایا اسی کے ساتھ شکرانہ اور استخارہ بھی پڑھ لیا کرو، جب چند روز اس کی پابندی کر چکا تو ایک روز فرمایا دوگانہ اشراق پڑھتے ہو، مین نے عرض کیا بلاناغہ پڑھتا ہون، ارشاد فرمایا اگر اس مین چاشت کی بھی چار رکعت ملا دیا کرو تو نماز چاشت بھی ہو جایا کرے گی، مین نہین کہتا کہ اور کسی وقت پڑھو، بلکہ بعد اشراق اسی وقت چاشت پڑھ لیا کرو تو چاشت بھی ہو جایا کرے گی۔

مین ہمیشہ رجب مین روزے رکھا کرتا تھا، ایک بار پوچھا کیا تم رجب مین روزے رکھا کرتے ہو، مین نے عرض کیا جی ہان، پھر پوچھا شعبان مین بھی، مین نے کہا شعبان مین نو روزے رکھتا ہون، فرمایا اگر اکیس دن اور رکھ لیا کرو تو پورے تین مہینے کے روزے ہو جایا کرین گے، مین نے گزارش کی، آپ کے صدقہ مین رکھون گا، مین نے اپنی والدہ سے کہا، وہ اس وقت تک حضرت شیخ سے بیعت نہین ہوئی تھین، مجھ پر برہم ہوئین، کچھ سخت وسست بھی کہا، مین نے ان سے عرض کیا آپ جو چاہین کہین لیکن شیخ نے مجھ کو جو فرمایا ہے اس پر عمل کرنے سے باز نہین آؤن گا،

مین رمضان کے بعد شش عید کے چھ روزے بھی رکھا کرتا تھا، ان ہی ایام مین ایک دن قدمبوسی کے لیے حاضر ہوا، ارشاد فرمایا ہمارے خواجگان صوم داؤدی نہین رکھا کرتے، بلکہ صوم دوام رکھتے تھے، تم بھی صوم دوام رکھا کرو" (جوامع الکلم ص ۳۰-۳۱) باطن کو آراستہ کرنے کے علاوہ علوم ظاہری کی تعلیم کا بھی سلسلہ جاری رکھا، کچھ کتابین مولانا سید شرف الدین کیتھلی، کچھ مولانا تاج الدین بہادر اور کچھ مولانا قاضی عبد المقتدر سے پڑھین،

ریاضت | ذکر و فکر مین زیادہ لذت ملنے لگی تو گھر چھوڑ کر حظیرۂ شیرخان جہان پناہ کے ایک حجرہ مین آکر مراقبہ کرنے لگے، اور یہان دس برس تک ریاضت کی، یہین سے مولانا قاضی عبد المقتدر سے تعلیم حاصل کرنے جاتے، اور وہان سے مرشد کی پابوسی کے لیے پہنچتے، علوم باطن کے حاصل کرنے مین علوم ظاہر کی تحصیل سے دل برگشتہ رہنے لگا، اس لیے مرشد سے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو علم ظاہر کی تعلیم اب چھوڑ دون، اور علم باطن کی تعلیم حاصل کرنے مین مشغول رہون، لیکن مرشد نے فرمایا ہدایہ، بزدوی، رسالہ شمسیہ، کشاف اور مصباح خوب غور سے پڑھ لو، تم سے ایک کام لینا ہے[1] مرشد کے حکم کے مطابق تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، اور انیس سال کی عمر مین تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے، اور جب ان علوم سے فراغت ہو گئی تو ریاضت شاقہ کی طرف توجہ کی، یگانہ، دوگانہ، پانزدہ گانہ ادا فرماتے، اور طی کے روزے رکھتے،

حضرت چراغ دہلی اپنے مرید کی ریاضت سے بہت متاثر ہوئے، ایک موقع پر فرمایا کہ ستر برس کے بعد ایک لڑکے نے پھر مجھ مین شوریدگی پیدا کر دی ہے اور پہلے

---

[1] سیر محمدی ص ۱۶، "تم سے ایک کام لینا ہے" سے مراد تصنیف و تالیف کا کام ہے،

زمانہ کے واقعات مجھے یاد دلادیے ہیں[۱]، چنانچہ ان کی شفقت روز بروز بڑھتی گئی، ایک بار خود حظیرۂ شیرخان تشریف لے گئے، اور اپنے محبوب مرید کو کچھ روپے بھی نذرانے میں پیش کیے، جس کے بعد سے حضرت گیسو دراز کی بڑی شہرت ہوئی، اور باکمال صوفیہ کہا کرتے تھے کہ اس شخص کو جوانی میں "مقام پیران واصل و منفقدایان کامل" کا درجہ حاصل ہے[۲]۔

ریاضت کا ذوق اتنا بڑھ گیا کہ انسانی آبادی چھوڑ کر جنگلوں میں جا کر مجاہدہ کرنے لگے[۳]۔

خدمت مرشد | عزلت و خمول کی ریاضت کے بعد مرشد کی خدمت میں آکر ایک عرصہ تک رہے، اس زمانہ میں ان کے معمولات یہ تھے، علی الصباح اٹھکر مرشد کو وضو کراتے، پھر خود وضو کرکے نماز صبح باجماعت ادا کرتے، اور جب تک مرشد اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، طالبان حق کو سلوک کی تعلیم دیتے، اور جب مرشد کی مجلس منعقد ہوتی تو اس میں شریک ہوتے، اور جب برخاست ہوتی اور مرشد حجرہ میں عبادت میں مشغول ہوتے تو خود بھی ایک گوشہ میں بیٹھ کر یاد حق میں مصروف رہتے، پھر چاشت کی نماز پڑھ کر تھوڑی دیر قیلولہ کرتے، اس کے بعد کلام پاک کی تلاوت فرماتے، ظہر کا وقت آتا تو پہلے خود وضو کرتے پھر مرشد کو وضو کراتے، ظہر کی نماز کے بعد مرشد حجرہ میں تشریف لے جاتے تو خود بھی اپنے حجرہ میں آکر اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، یہاں تک کہ سہ پہر کا وقت ہو جاتا، مرشد کی مجلس پھر منعقد ہوتی، اس مجلس میں وضو کرکے شرکت کرتے، اور مرشد کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر مغرب تک تسبیح و تہلیل میں

---

[۱] سیر محمدی ص ۱۶ [۲] ایضاً [۳] ایضاً ۱۷

مشغول رہتے، مغرب کی نماز اور اوابین ادا کر کے عشا تک طالبانِ سلوک کو تعلیم دیتے پھر بقدرِ سدِ رمق کھانا تناول فرما کر سو جاتے، اور نصف شب کو بیدار ہو کر پہلے خود وضو کرتے پھر مرشد کو وضو کراتے، اور جب مرشد حجرہ میں داخل ہو کر حق کی یاد میں مشغول ہو جاتے تو خود بھی نماز تہجد ادا کر کے حجرہ کے باہر دروازہ سے پشت لگا کر ذکر و شغل میں مصروف ہو جاتے، اس وقت بھی پانی کا آفتابہ وغیرہ ساتھ رکھتے کہ جب مرشد صبح کی نماز کے لیے حجرہ سے باہر آئیں تو اس وقت وضو کے لیے سامان تیار ملے،[۵]

شفقت مرشد پہلے ذکر آچکا ہے کہ ایک بار مرشد کی پالکی اور مریدوں کے ساتھ اٹھائی تو ان کے گیسو پالکی کے پایہ میں الجھ گئے لیکن تکلیف کے باوجود مرشد کے عشق و محبت میں خاموش رہے، اور غایت تعظیم میں بال پالکی کے پایہ سے نکالنا پسند نہ کیا جب مرشد کو اس کی خبر ہوئی تو مرید کی اس محبت و عقیدت سے بہت خوش ہوئے اور ایک شعر پڑھا جس میں ان کو گیسو دراز کے خطاب سے مخاطب فرمایا تھا،

مرشد کو بھی اپنے مرید سے ہمیشہ بڑی محبت رہی، چنانچہ جب وہ اپنی وفات سے ایک سال پہلے باسور بادی کے مرض میں مبتلا ہوئے تو غایت تکلیف میں حضرت سید گیسو دراز ہی سے اپنی صحت کے لیے دعا منگوائی اور ان ہی کی دعاؤں کی برکت سے شفا پائی[۶]

حضرت سید گیسو دراز اپنی عمر کے ۳۲ ویں سال ... خلہ کے مرض میں مبتلا ہوئے اور خون تھوکنے لگے، اسی کے ساتھ ہچکیاں بھی آتی تھیں، مرشد نے ان کے لیے دوا، طبیب اور تیماردار بھیجے، اور روزانہ ایک آدمی ان کی خیریت دریافت کرنے

---

[۵] جوامع الکلم، نیز دیکھو سیر محمدی ص ۶۵-۶۲ [۶] سیر محمدی ص ۱۸

کے لیے روانہ فرماتے، اور جب ان کو شفا ہوئی تو ان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور اپنا کمبل عطا فرمایا۔ اس ملاقات کے بارے میں سیر محمدی کے مؤلف رقمطراز ہیں:

"اپنا کمبل اپنے شانے سے اٹھا کر حضرت مخدوم شیخ نصیر الدین کو [illegible] عطا فرمایا اور حضرت مخدوم کے ہاتھ مضبوط پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی کسی سے ایسی محبت کرتا ہے تو کسی چیز کے واسطے کرتا ہے۔ اس کے بعد پھر ارشاد فرمایا کہ میرے بعد اس کام کو میری طرف سے قبول کرو یعنی لوگوں سے بیعت لیا کرو۔ حضرت مخدوم نے سر نیچا کر لیا اور خاموش رہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ [illegible] کیا؟ حضرت مخدوم نے عرض کیا میں نے قبول کیا۔ پھر ارشاد فرمایا قبول کر لیا؟ حضرت مخدوم نے عرض کیا قبول کیا۔ اس کے بعد آپ نے دو وصیتیں ارشاد فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ اپنے [illegible] اور اد ترک نہ کرنا۔ دوسرے یہ کہ میرے فرزندوں کے ساتھ محبت و مراعات کرنا" (ص ۲۳۰)

سجادہ نشینی

حضرت چراغ دہلی کا وصال ہوا تو ان کی میت کو حضرت سید گیسو دراز ہی نے غسل دیا اور جس پلنگ پر غسل دیا اس کی ڈوری ان کے پلنگ سے جدا کر کے اپنی گردن میں ڈال لی، کہ یہ میرا خرقہ ہے۔ حضرت چراغ دہلی کی سوانح حیات کے سلسلہ میں ذکر آچکا ہے کہ انھوں نے کسی کو اپنا جانشین [illegible] نہیں فرمایا، لیکن سیر محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ انھوں نے انتقال کے وقت حضرت سید گیسو دراز کو اپنی جانشینی کے لیے منتخب کیا (تفصیل کے لیے دیکھیے سیر محمدی ص ۲۴۳) چنانچہ ان کی وفات کے بعد وہ ان کے جانشین ہو کر سجادہ پر جلوہ فرما ہوئے۔

سیر محمدی [illegible]:

"ایدزیارت سیوم بندگی شیخ رضی اللہ عنہ (یعنی حضرت چراغ دہلی) سجادۂ مسند والا پر جلوہ افروز ہوئے اور اپنا ہاتھ بیعت کے لیے بڑھادیا، طالبان حق کو تلقین و ارشاد فرمانے لگے، جیسے کہ حضرت بندگی شیخ نصیرالدین محمود رضی اللہ عنہ تلقین و ارشاد فرمایا کرتے تھے ....

زمانۂ مشیخت میں بہت سے علماء، فضلا، سلاطین، خواتین اور قسم قسم کی مخلوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھی" (ص ۲۶-۲۵)

علماء اور حضرت گیسو دراز

دہلی کے علماء میں جب مولانا حسین حضرت گیسو دراز کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے تو مولانا حسین کی بہن کے ایک داماد نے حضرت گیسو دراز سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا، اور مولانا حسین سے کہا کہ آپ سید محمد کے کیا مرید ہوئے، انھوں نے جواب دیا تم نے سید محمد کو دیکھا ہی نہیں، اگر دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ وہ کیا چیز ہیں، دوسرے دن مولانا حسین بہن کے داماد کے ساتھ حضرت گیسو دراز کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ ایک تخت پر تشریف فرما تھے، سر پر عمامہ تھا اور ہاتھ میں سرخ چمڑے کا پنکھا لیے ہوئے تھے، مولانا حسین کے داماد کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر یہ صاحب نعمت ہوں گے، تو پنکھا اور عمامہ مجھکو عنایت فرمائیں گے، حضرت گیسو دراز کو کشف ہوگیا کہ مولانا حسین کے داماد کے دل میں کیا خیال پیدا ہو رہا ہے، اسی وقت ان کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا، مولانا سنو! بغداد میں ایک بازیگر تھا، وہ مجمع میں ایک گدھے کو لاکر کھڑا کر دیتا اور اس کی دونوں آنکھیں کپڑے سے باندھ دیتا، اور مجمع سے مخاطب ہوکر کہتا کہ تم میں سے کوئی کسی کی کوئی چیز چھپا لے تو میں اس گدھے کے ذریعہ پکڑ لوں گا، اس تماشہ میں ایک شخص کسی کی کوئی چیز چھپا لیتا، وہ بازیگر گدھے کی آنکھ کھول کر اس سے کہتا کہ

فلاں کی چیز کوئی چرا لے گیا ہے تو اس کو پکڑ لا، گدھا سب کو سونگھتا پھرتا، اور جب چور
کے پاس پہنچا تو چور کے کپڑے دانتوں سے پکڑ لیتا، اور اس کو کھینچ کر قاضی کے گھر کے پاس
لے آتا، اس قصہ کو بیان کرکے حضرت سید گیسو دراز نے فرمایا بڑی مشکل ہے، اگر
کوئی اظہار کرامت کرے تو وہ اس گدھے کے مانند ہے اور اگر اظہار کرامت نہ کرے
تو لوگ اسے بے نعمت کہیں، یہ کہکر مولانا حسین کے داماد کو پنکھا اور عمامہ دیا، اور فرمایا
پیچھے اور لے جائیے، مولانا حسین کے داماد متحیر ہوئے، اور اسی وقت بیعت میں داخل
ہوکر ذکر حق میں مشغول رہنے لگے[1]

دہلی کے مولانا نصیر الدین قاسم اپنے علم اور تقویٰ میں بہت مشہور تھے، ان کے
استاد مولانا معین الدین کو ان پر فخر تھا، حضرت سید گیسو دراز کے بچپن میں ان سے درسی
کتابیں پڑھتے تھے، کبھی وہ مولانا نصیر الدین قاسم کے گھر پر چلے جاتے، اور کبھی
مولانا خود خانقاہ ہی میں آکر ان کو پڑھاتے، مولانا کو اپنی ابتدائی زندگی میں کسی سے
اعتقاد نہ تھا، لیکن آخر میں حضرت سید گیسو دراز سے بیعت کرلی، مولانا معین الدین
عمرانی کو بیعت کی خبر ہوئی تو مولانا نصیر الدین قاسم کو بلا کر کہا تم تو خود عالم تھے، پھر
سید محمد کے مرید کیوں ہوگئے، مولانا نصیر الدین نے عرض کیا پہلے بے علم تھا، اب حضرت
مخدوم کے سامنے مسلمان ہوا ہوں[2]

ملک زادے بھی خدمت میں آتے اور دعا و استغفار کے لیے برابر خدمت میں حاضر ہوتے
رہتے، ایک بار ایک ملک زادہ آیا تو حضرت گیسو دراز کے ہاتھ میں ان ہی کا لکھا ہوا
ایک رسالہ تھا، ملک زادہ نے اس کو مانگ کر دیکھا تو اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ

۱؎ سیر محمدی ص ۶۰-۶۱ ۲؎ ایضاً ص ۶۱-۶۲

اللہ تعالیٰ کو ہمارے ساتھ معیت ذاتی ہے، ملک زادہ کو یہ بات کھٹکی، وہ دہلی کے مولانا قاضی عبدالمقتدر کے پاس گیا، اور ان سے عرض کیا کہ حضرت گیسو دراز نے لکھا ہے کہ مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت ذاتی ہے، حالانکہ کتابوں میں ہے کہ مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معیت علمی ہے، مولانا قاضی عبدالمقتدر ملک زادہ کو کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے، تو اس نے یہ بات سلطان فیروز شاہ تغلق کے کان تک پہنچائی، سلطان فیروز شاہ نے ملک عمادالملک کو بلایا، اور اس سے دریافت کرنے کو کہا کہ سید محمد جادۂ شریعت سے ہٹ تو نہیں گئے، عمادالملک نے عرض کیا کہ میں حضرت مخدوم کو جانتا ہوں، میرے دو بچے میاں جیون اور میاں شاہین ان سے مرید بھی ہیں، پھر بھی حکم ہو تو تحقیق کروں، سلطان نے کہا کہ علماء کو جمع کرو، اور مذکورہ بالا مسئلہ کی تحقیق کراؤ، جمعہ کے روز عمادالملک پرانی دہلی کی اس مسجد میں علماء کے ساتھ گیا، جہاں حضرت گیسو دراز جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے تشریف لاتے، لیکن عمادالملک علماء کے ساتھ مسجد میں اس وقت پہنچا جب حضرت گیسو دراز نماز پڑھ کر واپس جا چکے تھے، عمادالملک نے دہلی کے مشہور عالم مولانا سید علاء الدین کو حضرت گیسو دراز کی خانقاہ میں بھیجا کہ مسئلہ مذکورہ کے متعلق رد و قدح کر لیں، چنانچہ مولانا علاء الدین خانقاہ آئے، اور حضرت گیسو دراز سے بحث شروع کی کہ بعض اشخاص کہتے ہیں کہ آپ نے معیت سے معیت ذاتی مراد لی ہے، حضرت گیسو دراز نے فرمایا ہاں یہی مراد ہے، علماء نے معیت صفتی کہا ہے، صفت ذات سے علیحدہ نہیں ہے اور نہ جدا ہو سکتی ہے، تو اللہ کی جو معیت از روئے صفت ہوئی وہ از روئے ذات بھی ہوئی، اسکے علاوہ یہ معیت صفتی اعتباری ہے حقیقی نہیں، پس اعتبار ذات میں ہو یا صفات میں، اس میں کیا ہرج ہے، مولانا علاء الدین کو اس جواب سے تشفی ہو گئی، اور ان کے ساتھی بھی اس دلیل کو رد نہ کر سکے، [۱]

[۱] سیر محمدی ص ۱۴-۶۲

فیروز تغلق اور حضرت گیسو دراز کی مجلس سماع

سیر محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ بعض لوگوں نے سلطان فیروز شاہ تغلق کو یہ بھی خبر پہنچائی کہ حضرت گیسو دراز کی مجلس سماع میں مریدین اپنا سر زمین پر رکھا کرتے ہیں، اور بڑا شور مچاتے ہیں، سلطان نے یہ سن کر حضرت گیسو دراز کو یہ کہلا بھیجا کہ اپنی مجلس سماع خلوت میں کیا کریں، اس کے بعد سے حضرت گیسو دراز اپنے حجرہ میں یہ مجلس منعقد کرانے لگے، بیچ میں ایک پردہ ڈال دیتے، پردہ کی دوسری طرف مریدین صف باندھ کر بیٹھتے، اور جب حضرت سید گیسو دراز پر وجد طاری ہوتا، تو خادم حجرے کا دروازہ بند کر دیتا۔[1]

سفرِ دکن

دہلی میں تقریباً چوالیس سال کے قیام کے بعد تیمور کے حملے کے زمانے یعنی ۸۰۱ھ میں گلبرگہ منتقل ہو گئے، دہلی سے گلبرگہ آتے ہوئے راستے میں بہادر پور، گوالیار، بھاندیر، ایرچہ، چندیری، کھنبایت، بڑودہ، سلطان پور، دولت آباد، اور الند میں قیام فرمایا، دوران سفر میں ہر جگہ لوگ جوق در جوق استقبال کے لیے آتے، بھاندیر، کھنبایت اور دولت آباد کے ضابطوں یعنی حاکموں نے بھی پیشوائی کی، جہاں ٹھہرتے وہاں خواص و عوام دونوں حلقۂ بیعت میں داخل ہوتے، اور حسب مراتب ان کو تلقین فرماتے، چندیری پہنچے تو وہاں کے مفتی کے صاحبزادے، قاضی خواجگی نے بھی جو بڑے ذی علم بزرگ تھے، بیعت کی، بیعت کے بعد ذکر کی تلقین کی خواہش ظاہر کی، تو حضرت گیسو دراز نے فرمایا ذکر کی تلقین میں میری ایک خاص روش ہے، اور وہ یہ کہ طالب ذکر اپنے سر پر جنگل سے لکڑی لائے، تو اس وقت میں ذکر کی تلقین کرتا ہوں، تم خود شیخ ہو، شیخ زادہ ہو، یہاں کے صدر ہو، جنگل سے لکڑی نہ لا سکو گے جس شغل میں ہو اسی میں مشغول رہو،

[1] سیر محمدی ص ۹۹-۱۰۰ [2] ایضاً ص ۶۹

حضرت سید گیسو دراز اور فیروز شاہ بہمنی

جب گلبرگہ کے قریب پہنچے تو سلطان فیروز نے اپنے خاندان، امراء، اور دربار کے علماء و سادات، اور شاہی لشکر کے ساتھ استقبال کیلیے آیا اور ادب و احترام کے ساتھ گلبرگہ لایا، تاریخ فرشتہ (ج ۱ ص ۳۱۶) میں ہے:

"فیروز آباد میں سلطان (فیروز شاہ بہمنی) کو یہ خبر پہنچی کہ دہلی سے ایک سید عالی مقام عرش احترام میر سید محمد گیسو دراز دکن تشریف لائے ہیں، اور حسن آباد گلبرگہ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔

چراغ ز شمع بنی تافتہ   کہ خورشید ہم نور ازو یافتہ

سلطان فیروز شاہ ہمیشہ ایسے بزرگوں کا خواہاں رہتا تھا، اس خبر سے خوش ہوا اور فیروز آباد سے حسن آباد گلبرگہ آیا، اپنے امراء، ارکان دولت اور لڑکوں کو استقبال کے لیے بھیجا، اور بہت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ شہر میں تشریف لائے، فیروز شاہ حکیمانہ مذاق رکھتا تھا، اس لیے جب سید محمد گیسو دراز کو علم ظاہری خصوصاً معقولات سے خالی پایا تو آپ کی طرف توجہ نہیں کی۔"

فرشتہ کا یہ بیان بالکل صحیح نہیں کہ حضرت سید گیسو دراز علوم ظاہری سے خالی تھے، کیونکہ ہم گذشتہ اوراق میں لکھ چکے ہیں کہ انھوں نے علم ظاہری میں بھی کمال حاصل کیا تھا، برہان ماثر میں جو سلاطین بہمنی کے متعلق مستند، اور اہم معلومات فراہم کرتی ہے، ایسے صاف اور واضح بیانات ہیں جن سے فرشتہ کے بیان کی مطلق تصدیق نہیں ہوتی، ملاحظہ ہو،

اسی سال حضرت سید محمد گیسو دراز مریدوں اور باکمال درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ دہلی سے دکن تشریف لائے، اور گلبرگہ کو بھی اپنے قدم مبارک سے سرفراز کیا، سلطان (فیروز شاہ) کو بھی اس کی خبر پہنچی، اس کو سادات عظام و مشائخ عالی مقام

کی صحبت سے بڑی رغبت تھی، اور اہم معاملات میں اس گروہ کی رائے سے استفادہ کیا کرتا تھا، اسی اخلاص کی بنا پر وہ حضرت سید گیسو دراز کی تشریف آوری سے بہت خوش ہوا، اور فضلا کی ایک جماعت کو ان کی خدمت میں بھیجا تاکہ ان کے حالات معلوم کرکے ان کی حقیقت سے اس کو مطلع کریں، وہ جماعت سلطان کی ہدایت کے مطابق ان کی خدمت میں گئی، اور ان کو تمام علوم ظاہری و باطنی کشف و کرامات اور مقامات میں مرتبہ کمال پر پایا، اور جو کچھ دیکھا، سلطان کی خدمت میں آکر عرض کیا، اس کی وجہ سے سلطان کی عقیدت میں اور بھی اضافہ ہوا، اور اس کو ان کی صحبت کی بہت زیادہ خواہش پیدا ہوئی، اور تعظیم و تکریم میں کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، چند یادگاران ان کے آستانے کے خدام کے لیے عنایت کیے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلی ہی ملاقات میں سلطان کو حضرت سید محمد گیسو دراز سے ایسے تعلقات پیدا ہوگئے کہ روز بروز بڑھتے گئے یہاں تک کہ سلطان گردش زمانہ سے تخت سے معزول ہوگیا، اور ان کی عدم توجہ سے جو کچھ اس کو دیکھنا پڑا، اس کا ذکر آگے آتا ہے (ترجمہ از لطف اللہ)

برہان مآثر کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت سید گیسو دراز کو فیروز شاہ بہمنی سے "کلفت" ہوئی، اور ان کی نظر توجہ اس کی طرف سے ہٹ گئی، چنانچہ جب حصار پانگل کی تسخیر کے لیے گیا تو اس کو شکست ہوئی، عام لوگوں کا خیال تھا کہ سلطان کو یہ شکست محض اس لیے ہوئی کہ حضرت سید گیسو دراز کی توجہ اس کی طرف نہیں رہی تھی، خود سلطان فیروز شاہ بہمنی کا بھی یہی خیال تھا، برہان مآثر میں ہے:

لہ برہان مآثر مؤلفہ سید علی طباطبا، طبع کردہ مجلس مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن ص ۴۴-۴۳

"مردم این شکست را از اثر کلفت سلطان الاولیا، والمحققین زبدۂ آل طٰہٰ و یٰسین شہباز بلند پرواز سید محمد گیسو دراز دانستند و بسبب این شکست ضعف قوای سلطان مضاعف گشتہ، بارہا بزبان الہام بیان می گذرانید کہ موجب شکست لشکر تغیر خاطر آن فخر الاولاد سید البشر بود" [۵]

سیر محمدی میں حضرت سید گیسو دراز اور فیروز شاہ بہمنی کے تعلقات کے سلسلہ میں صرف اتنا ذکر ہے کہ جب حضرت سید گیسو دراز گلبرگہ کی طرف روانہ ہوئے تو سلطان فیروز شاہ نے لشکر کے ساتھ شہر کے باہر آکر استقبال کیا، گلبرگہ پہنچکر حضرت سید گیسو دراز نے اس کی درازیِ عمر کے لیے دعا کی، حضرت سید گیسو دراز کے وصال اور اس کی موت میں صرف چند دن کا فرق تھا، [۵]

احمد شاہ بہمنی اور حضرت سید گیسو دراز

سلطان فیروز شاہ بہمنی کا جانشین سلطان احمد شاہ حضرت سید گیسو دراز کا برابر معتقد رہا، اپنی تخت نشینی سے پہلے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، ان کے لیے ایک خانقاہ بھی بنوائی تھی، اور خانقاہ کے درویشوں پر طرح طرح کی نوازشیں کیا کرتا تھا، کہا جاتا ہے کہ حضرت سید گیسو دراز کی دعاؤں کی بدولت وہ تخت و تاج کا مالک ہوا تھا، اس نے تخت پر بیٹھنے کے بعد حضرت سید گیسو دراز کا ادنیٰ غلام بن گیا، تاریخ فرشتہ میں ہے:

سلطان احمد شاہ بہمنی سادات، علما اور مشائخ کی تعظیم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا تھا، اس کے حق میں حضرت سید گیسو دراز کی کرامت ظاہر ہوئی اس کی بنا پر وہ ان کی بہت عزت کرتا تھا، عوام اپنے بادشاہ ہی کے دین کی تقلید کرتے ہیں،

---

[۵] برہان مآثر ص ۴۹ [۵] سیر محمدی ص ۳۵ - ۴۳

دکن کے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے، اور تمام لوگ ان کے آستانے کا طواف کیا کرتے تھے، اور سلطان نے اپنے اسلاف کی روش کے خلاف شیخ محمد سراج کے خاندان سے ترک ارادت کیا اور حضرت سید محمد گیسو دراز کا مرید ہوا، اور حسن آباد گلبرگہ کی سرکار میں ان کے لیے چند گاؤں اور قصبے وقف کیے، اور ان کے قیام کے لیے ایک عالیشان عمارت شہر کے متصل بنوائی، اس وقت بھی جب کہ حسن آباد گلبرگہ کی حکومت خاندان بہمنیہ سے عادل شاہی خاندان میں منتقل ہوگئی ہے، احمد شاہ کے وقف کردہ قصبات حضرت سید گیسو دراز کی اولاد کے تصرف میں ہیں،، (ج ۱ ص ۳۰-۳۱۹)

گو حضرت سید گیسو دراز کا وصال سلطان احمد شاہ بہمنی کی تخت نشینی کے پہلے ہی سال میں ہوگیا لیکن تخت نشین ہونے سے پہلے تقریباً اکیس بائیس برس تک وہ ان کی صحبت میں رہ چکا تھا،

حضرت سید گیسو دراز کو شریعت کی پابندی کا بڑا خیال تھا، سیر محمدی کے مؤلف کا بیان ہے کہ اگر کبھی بمقتضائے بشریت آپ کے دل میں کسی نامشروع کام کے کرنے کا خطرہ پیدا ہوتا تو غیبی طاقت مانع ہو جاتی،[۱] احمد شاہ بہمنی کو بھی حضرت سید گیسو دراز کی صحبت میں شریعت کی پابندی کا خیال پیدا ہوگیا تھا چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں شریعت کی ترویج پر بڑا زور دیا، برہان مآثر میں ہے :

ہمگی ہمت والا نہمت بر ترویج شرع سید المرسلین و اعلاء اعلام اسلام گماشتہ در لوازم احکام شرعیہ و اوامر و نواہی دین مبین مصطفویہ مبالغہ و احتیاط بے نہایت فرمودی و بر اسم امر معروف و نہی منکر بنوعی قیام و اقدام نمودی کہ در تمام ممالک دکن

---

[۱] سیر محمدی ص ۴۸-۴۷

احدی از ارتکاب منہیات بل تخیل آن نتوانستی نمود"[1]

مقبولیت | دکن کے خواص و عوام دونون حضرت سید گیسو دراز کے فیوض و برکات کے سرچشمہ سے سیراب ہوتے رہے، اور ان کو اس دیار مین بڑی مقبولیت حاصل ہوئی،

تاریخ فرشتہ مین ہے:

دکن کے باشندے حضرت سید گیسو دراز کے بہت زیادہ معتقد تھے، اس حد تک کہ ایک شخص نے ایک دکنی سے پوچھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہین یا سید محمد گیسو دراز، اس نے جواب دیا کہ حضرت محمد رسول اللہ اگرچہ پیغمبر خدا ہین لیکن مخدوم سید محمد گیسو دراز چیزہی اور ہین، اس سے حضرت سید کی ذات سے اہل دکن کے حسن عقیدت اور اخلاص کا قیاس کیا جا سکتا ہے، (ج ۱ ص ۳۱۲)

اگرچہ نقل کفر کفر نباشد، لیکن یہ اقتباس اس لیے دیا گیا ہے کہ اس سے حضرت سید گیسو دراز کی غیر معمولی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے،

مولانا عبد الحق اخبار الاخیار مین حضرت سید گیسو دراز کے ذکر کے سلسلہ مین رقمطراز ہین:

"...... بدیار دکن رفت، و قبولی عظیم یافت' اہل این دیار ہمہ معتقد و مطیع او گشتند" (ص ۱۲۳)

خزینۃ الاصفیار مین ہے:

"...... در دیار دکن تشریف برد، و قبولی عظیم یافت و اہل آن دیار از خورد و کبار ہمہ مطیع و معتقد وی گشتند، و ہزار ہزار طلبات صداقت شعار

---

[1] برہان مآثر ص ۴۳

بتوجہ موجہ آن سیدنا مدار بقرب حق رسیدند، و سلسلۂ عالیہ مے در تمام دکن رائج و شائع شدہ" (ج ۱ ص ۳۸۱)

مراۃ الاسرار کے مؤلف لکھتے ہیں:

"........ بدیار دکن تشریف بردہ در شہر گلبرگہ سکونت اختیار نمود، در آنجا قبول عظیم یافت، جمیع اہل آن دیار از خاص و عام مطیع و منقاد او گشتند، چنانکہ تا امروز سلاطین آنجا دختران خود بفرزندان ہمہ سید محمد می دہند"

طریقۂ بیعت حضرت سید گیسو دراز کے پاس جب کوئی مرید ہونے کے لیے آتا تو اس کے ہاتھ پر اپنا دست مبارک رکھ دیتے، اور فرماتے تم نے اس ضعیف، اس ضعیف کے خواجہ، اور اس ضعیف کے خواجہ کے خواجہ اور اسی سلسلہ کے دوسرے مشائخ کے ساتھ عہد کیا کہ اپنی نگاہ اور اپنی زبان کی حفاظت کروگے، اور جادۂ شریعت پر قائم رہوگے، کیا تم نے یہ قبول کیا، مرید عرض کرتا جی ہاں میں نے قبول کیا، اس کے بعد ارشاد فرماتے الحمد للہ، پھر دست مبارک میں قینچی لیتے اور تکبیر کہتے ہوئے داہنی طرف سے کان کے قریب تھوڑے سے بال کاٹ لیتے، اسی طرح بائیں طرف کے چند بال کاٹتے، پھر تکبیر کہتے ہوئے اس کو ایک ٹوپی پہناتے، اس کے بعد مرید کو دو رکعت نماز پڑھنے کے لیے کہتے، اور جب وہ نماز پڑھنے کے لیے جاتا تو فرماتے اگر اس شخص نے صدق دل سے توبہ کی ہوگی تو اس کا نام توبہ کرنے والوں کی فہرست میں لکھا جائے گا، اور قیامت کے روز توبہ کرنے والوں کے ساتھ اس کو جزا ملے گی، اور جب مرید دو رکعت نماز پڑھ کر آتا تو اس کو پانچوں وقت نماز با جماعت ادا کرنے کی تاکید فرماتے جمعہ کو غسل اور جمعہ کی نماز کی پابندی کی بھی سختی سے تلقین کرتے، پھر مختلف اوقات کے لیے

نمازیں اور اوراد و وظائف بتاتے، ہر مہینہ ایام بیض کے روزے رکھنے کے لیے بھی ہدایت کرتے ان ہدایتوں کے دینے کے بعد فرماتے کہ جس طرح ایک سپاہی کے لیے کمان تیغ و سپر وغیرہ ضروری ہے، اسی طرح ایک صوفی کے لیے ان باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے ورنہ پھر اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے[1]

اگر کسی عورت کو مرید فرماتے تو ایک بڑے پیالہ میں پانی لایا جاتا، اپنی شہادت کی انگلی پیالہ میں ڈالتے، عورت بھی انگشت شہادت پانی میں ڈالتی، اس کے بعد بیعت کرتے، وہ عورت پیالے کے پانی کو پی جاتی، پھر رومال یا دامن اس کے سر پر رکھ دیتے، اگر عورت پردہ والی ہوتی تو اس کے سامنے ایک چادر ڈال دی جاتی پانی کا پیالہ درمیان میں رکھتے یا اس کے کسی محرم کو وکیل بناتے، وہ بیعت کرا دیتا، لڑکے اور مریض کو مرید نہیں کرتے،

استفتاح اور عرفہ کے دن تمام مرید حاضر ہوتے، ان سے تجدید بیعت کرتے اور پہلی بیعت سے زیادہ عبادت و ریاضت کرنے کے لیے حکم دیتے، اور زندگی بسر کرنے کے طریقے بتاتے[2]

معمولات گلبرگہ شریف کے قیام کے زمانے میں حضرت سید گیسو دراز کے معمولات حسب ذیل تھے:-

پانچوں وقت کی نماز جماعت کے ساتھ ادا فرماتے، کسی وقت تنہا یا ایک آدمی کے ساتھ نماز ادا نہیں فرمائی، آخر عمر میں جب کھڑے ہونے کی قوت باقی نہیں رہ گئی تھی تو فرض، سنت اور نفل بیٹھے بیٹھے ادا فرماتے، ہر روز ان اوراد کو پڑھتے جو حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی پڑھا کرتے، مریدوں کو بھی ان کی مداومت کرنے کو

ارشاد فرماتے، فجر کی نماز کے بعد ۳۳ آیتین، اور چہل اسم پڑھا کرتے، آخر عمر
مین ان کو اپنے ایک صاحبزادے سے باواز بلند پڑھوا کر سنتے اشراق کی نماز کے بعد
اپنے صاحبزادون کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، جوانی مین ہمیشہ روزے رکھتے تھے،
لیکن آخر عمر مین صرف ایام بیض کے روزون پر اکتفا کر لیا تھا، چاشت کی نماز کے بعد درس
دیا کرتے، درس زیادہ تر تفسیر، حدیث، اور سلوک کا ہوتا، کبھی کبھی علم کلام اور علم فقہ بھی
پڑھاتے، درس مین علما اور شاہی حکام کے لڑکے بھی شریک ہوتے، دوپہر کو قیلولہ کرتے
اور فرماتے جو صوفی قیلولہ نہین کرتا ہے، وہ رات کو اٹھنے کی نیت نہین رکھتا ہے،
ساری رات جاگتا ہے کہ پڑا سویا رہے، اگر کوئی کتاب یا رسالہ تصنیف فرماتے تو زوال
کے بعد کسی سے لکھواتے، ظہر کی نماز کے بعد تلاوت کلام پاک کرتے، تلاوت کے ساتھ
مراقبہ بھی کرتے جاتے، آخر عمر مین جب خود تلاوت نہین کر سکتے تھے تو مولانا بہاء الدین
امام سے پڑھوا کر سنتے، تلاوت کے بعد پھر درس ہوتا، عصر کی نماز کے بعد بلا ناغہ دعائے
استفتاح پڑھتے، نماز مغرب کے بعد اوابین کی نماز ادا فرماتے، مغرب اور عشاء
کے درمیان سالکون کو خاص خاص تعلیم دیتے، پھر عشا کی نماز پڑھ کر مریدون اور
صوفیون کے ساتھ کھانے مین شریک ہوتے، داہنے طرف رشتہ دار اور بائین طرف
دوسرے لوگ بیٹھتے، اور شرکاے دسترخوان کے سامنے روٹیان اور سالن ہوتے لیکن
خود آش کے ایک پیالہ پر اکتفا فرماتے، اس مین سے تھوڑا نوش فرما کر جس پر کچھ نظر
عنایت ہوتی اس کو مرحمت کر دیتے، کھانے کے بعد مریدون سے تھوڑی دیر گفتگو کرتے
اسکے بعد آرام کرتے پھر تہجد کیلیے اٹھتے، تہجد کے بعد ذکر و مراقبہ کرتے، اور فرماتے کہ ذکر و مراقبہ
سے بہت سی چیزین معلوم ہوتی ہین، بعض لوگ بے وضو روزہ، نماز اور تلاوت مین

گذار دیتے ہین لیکن پھر بھی ان کو کوئی راہ نہین ملتی، اور یہ اس لیے کہ وہ ذکر اور مراقبہ نہین کرتے، تہجد ہی کے وقت اپنے مرشد کے خاص خاص اوراد و وظائف کی بھی مداومت کرتے تھے،

جمعہ کے دن غسل فرماتے، اور بلا ناغہ جمعہ کی نماز کے لیے جامع مسجد تشریف لے جاتے، مسجد مین پہنچکر تین سلام کے ساتھ چھ رکعتین نماز ادا کرتے، اور پھر بیٹھکر مراقبہ فرماتے،

ہمیشہ نہالچہ پر بیٹھا کرتے تھے، کسی کے لیے تعظیماً کھڑے نہ ہوتے، لیکن بادشاہ یعنی سلطان فیروز تغلق آتا تو کھڑے ہو جاتے، اور اس کو مخاطب کرکے فرماتے تم اولی الامر ہو اس لیے تمھارے واسطے کھڑا ہو جاتا ہون، جب بادشاہ آنا چاہتا تو ایک دن پہلے کہلا دیا کرتا، جواب جاتا کہ فلان دن آؤ، اس کے آنے سے پہلے زیادہ کھانا پکانے کا حکم دیتے، اور جب وہ آتا تو دسترخوان بچھا دیا جاتا، دسترخوان پر اور لوگ بھی شریک ہوتے، بادشاہ کھانا کھاتا اور کچھ تبرک بھی ساتھ لے جاتا، اس موقع پر دسترخوان پر ہر شخص کے سامنے چار روٹیان رکھی جاتی تھین، ایک گہری رکابی مین سالن ہوتا، دو دو آدمی ساتھ کھاتے، ہر شخص کے سامنے آش کا بھی ایک ایک پیالہ ہوتا، کھانے کے درمیان پانی نہین دیا جاتا، جب لوگ کھا کر فارغ ہو جاتے تو ہر شخص اپنا بچا ہوا حصہ اور آش کا پیالہ اٹھا کر ساتھ لے جاتا [1]

سماع — خواجگان چشت کی طرح سماع سے غیر معمولی شغف رکھتے تھے، فرماتے:

"فتح کار من بیشتر در تلاوت و سماع بودہ"

راہ سلوک کے ابتدائی زمانے مین ایک بار اپنے خاص خاص یاران طریقت کے ساتھ ایک ایسی مجلس کرائی جس مین ہر قسم کے مزامیر تھے، تین دن تک یہ مجلس جاری رہی،

[1] سیر محمدی ص ۷۷ - ۷۸

گو مکان کا دروازہ بند رہتا تھا لیکن اسکے ارد گرد لوگ جمع رہتے تھے۔ مجلس کے بعد اپنے مرشد حضرت چراغ دہلی کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو انھوں نے فرمایا سید محمد! اس طرح کا سماع نہ سنا کرو، حضرت سید گیسو دراز کا بیان ہے کہ .

"من از ان وقت باز مزامیر نشنیدم"

مجلس سماع میں عود بہت بجایا جاتا تھا، اگر رات ہوتی تو مجلس میں روشنی کی جاتی، دوران سماع میں وجد کی حالت میں کوئی گر پڑتا، تو مجلس روک دی جاتی۔ اکثر فارسی کی غزلیں گائی جاتیں، فرماتے ہندی کی چیزیں نرم، اوچھا اور دل کو رقیق کرنے والی ضرور ہوتی ہیں اور اس کا راگ بھی نرم ہوتا ہے اور عاجزی و انکساری کی طرف مائل کرتا ہے، عام طور سے صوفیہ ہندی راگ ہی کو پسند کرتے ہیں لیکن سرود کے ہنر اور موسیقار کے جذبات کا اظہار فارسی ہی میں بہتر طریقہ پر ہوتا ہے، اس میں کچھ اور ہی ذوق اور لذت ملتی ہے۔[1]

سماع کے وقت مریدوں کو غیر معمولی کیفیت کے اظہار سے منع فرماتے، لیکن خود بعض اوقات بے حد مضطرب اور بے چین ہو جاتے، اور نہایت اضطراب میں رقص کرنے لگتے۔[2]

ازدواجی زندگی چالیس سال کی عمر میں سید احمد بن مولانا جمال الدین مغربی کی صاحبزادی بی بی رضا خاتون سے عقد ہوا۔ ان کے بطن سے دو صاحبزادے حضرت سید حسین عرف سید محمد اکبر حسینی اور حضرت سید یوسف عرف سید محمد اصغر حسینی، اور تین صاحبزادیاں تھیں، دونوں صاحبزادے جید عالم تھے، منقولات و معقولات کی تعلیم وقت کے اساتذہ

[1] سیر محمدی ص ۷۱-۷۰، [2] جوامع الکلم ص ۱۰۹

قاضی عبدالمقتدر، مولانا خواجگی نحوی، مولانا محمد بغزا اور مولانا نصیر الدین قاسم سے پائی،
حضرت سید گیسو دراز اپنے بڑے صاحبزادے کے ظاہری و روحانی کمالات سے متاثر تھے،
چنانچہ فرماتے، اگر محمد اکبر میرا لڑکا نہ ہوتا تو میں اس کے لیے لوٹے میں پانی بھر کر لاتا،

حضرت سید محمد اکبر نے بہت سی کتابیں عربی اور فارسی زبان میں لکھیں، مثلاً
(۱) معارف، علم نحو پر عربی زبان میں ایک رسالہ ہے (۲) شرح ملتقط، اس میں اپنے
والد بزرگوار کی تفسیر کلام پاک کی شرح لکھی ہے (۳) عقیدہ (زبان فارسی (۴) اباحت
سماع (۵) رسالہ اباحت پوشیدن کفش در مسجد (فارسی) (۶) مقامات صوفیان (عربی)
(۷) تصریف مالکی (۸) شرح سوانح (۹) رسالہ مسئلہ فارسی زبان (۱۰) رسالہ علم صرف،
اپنے والد بزرگوار کے ملفوظات کے دو مجموعے بھی مرتب کیے، جن میں جوامع الکلم زیادہ
مقبول اور مشہور ہوا، ۸۱۱ھ میں والد بزرگوار سے خلافت پائی، لیکن سات مہینے
کے بعد ہی رحلت فرما گئے، حضرت سید گیسو دراز نے محبوب فرزند کی میت کو اپنے ہاتھوں
سے غسل دیا، ان کا مزار ایک علیحدہ گنبد میں گلبرگہ شریف میں ہے،

حضرت سید گیسو دراز نے اپنے دوسرے صاحبزادے سید یوسف کو بھی خلافت
دی تھی اور وہ اپنے والد کے جانشین ہو کر سجادۂ ارشاد پر متمکن ہوئے، اور بعد وفات اپنے
والد بزرگوار کے مزار شریف کے پائین میں دفن ہوئے[1]

وصال | گلبرگہ شریف میں بائیس سال تک رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا، جب
عمر شریف ایک سو چار سال کی ہوئی تو فیوض و برکات کا یہ سرچشمہ بند ہو گیا، وصال
۱۶ ذیقعدہ ۸۲۵ھ میں اشراق و چاشت کے درمیان ہوا، وفات کے موقع پر ان کے

[1] حضرت سید گیسو دراز کی اولاد کی مزید تفصیلات کے لیے دیکھو سیر محمدی ص ۱۴۰ - ۱۱۹

خلیفہ حضرت شیخ ابو الفتح نے فرمایا:

این مصیبت دین است

"مخدوم دین و دنیا" سے تاریخ وفات نکلتی ہے،

ذکر آچکا ہے کہ سلطان فیروز بہمنی کے جانشین سلطان احمد شاہ بہمنی کو حضرت سید گیسو دراز سے بڑی عقیدت تھی، اس نے گلبرگہ شریف میں ان کے مزار مبارک پر نہایت عالیشان گنبد تعمیر کرایا اور اس کو طلائی نقش و نگار سے آراستہ کیا، دیواروں پر طلائی حروف میں کلام پاک کی آیتیں بھی لکھوائیں،

رتبۂ بلند | صوفیۂ کرام میں قطب الاقطاب عالم، قامع بیخ کفر و بدعت، مقصود خلقت عالم[1]، معدن عشق، ہمدم وصال، کلید مخازن حضرت ذو الجلال، مست الست نغمات بے ساز، محبوب حق[2]، وغیرہ کے الفاظ سے یاد کیے جاتے ہیں،

حضرت سید گیسو دراز کے عظیم المرتبت بزرگ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی جیسے جلیل القدر بزرگ بھی ان کی خدمت میں روحانی استفادہ کے لیے تشریف لائے، وہ ان کی ملاقات کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"چون بشرف ملازمت حضرت میر سید محمد گیسو دراز مشرف شدم آن مقدار حقائق و معارف کہ از خدمت او بحصول پیوست اند ہیچ مشائخ دیگر نبود، سبحان اللہ چہ جاذبہ قوی داشتہ اند"

حضرت سید اشرف جہانگیر اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

در سیر نخستین کہ بجانب دیار دکن واقع شد ملازمت حضرت میر سید محمد گیسو دراز کردم

---

[1] سیر محمدی دیباچہ [2] مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین ذکر حضرت سید گیسو دراز

بنایت عالیشان یافتم، وتصنیفات بسیار از آنحضرت سر بر زده و در آخر مصنفات حضرت میر است کہ در وحدت وجود مطلق ایمای نسبت صاحب فصوص کردہ اند این فقیر تغیر مزاج کردہ بانواع دلائل عقلی ونقلی نشان خاطر آنحضرت نمودہ، اما اثر نیافت کہ در تصنیف اصلاح کردہ آید[1]۔"

برہان مآثر کے مؤلف نے حضرت سید گیسو دراز کو "قدوہ ارباب حال"، "سر دفتر اصحاب کمال"، "قطب سپہر سیادت ومعرفت"، "مرکز دائرۂ حقیقت وطریقت"، "شاہباز بلند پرواز" لکھا ہے۔ (ص ۳۴)

مولانا عبد الحق اخبار الاخیار میں حضرت سید گیسو دراز کے ذکر میں لکھتے ہیں:

"جامع است میان سیادت وعلم وولایت شانے رفیع و رتبۂ منیع وکلام عالی دارد، او را در میان مشائخ چشت مشربے خاص و در بیان اسرار حقیقت طریقے مخصوص است۔" (ص ۱۲۳)

خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف رقمطراز ہیں:

"از عظمای اولیای حق بین وکبرا ے مشائخ متقدمین وخلیفہ راستین شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی است۔" (ج ۱ ص ۳۸۱)

مراۃ الاسرار میں ہے:

"مقبول عالم وعالمیان گشت وعالمے از حسن معاملت وے فیض مند گردید، وصیت کمالاتش از شرق تا غرب فرا رسید۔"

تصانیف | پہلے ذکر آچکا ہے کہ جب حضرت سید گیسو دراز علم باطن کی طرف مائل ہوئے

---

[1] بحوالہ مراۃ الاسرار ذکر حضرت سید گیسو دراز

تو علوم ظاہری کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا، لیکن ان کے مرشد حضرت چراغ دہلی نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھا، مرشد کی جوہر شناس نگاہوں نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ حضرت سید گیسو دراز اپنی تصنیف و تالیف کے ذریعے سے بھی منبع فیوض و برکات بن سکتے ہیں، چنانچہ حضرت سید گیسو دراز نے عربی اور فارسی میں چھوٹی بڑی کتابیں بکثرت لکھیں، سیر محمدی کے مؤلف نے حسب ذیل تصانیف کے نام لکھے ہیں:

۱۔ ملتقط، یہ صوفیانہ رنگ میں کلام پاک کی تفسیر ہے،

۲۔ تفسیر کلام پاک، یہ تفسیر کشاف کے طرز پر لکھنی شروع کی تھی لیکن صرف پانچ پاروں ہی تک تحریر فرما سکے،

۳۔ حواشی کشاف۔ تفسیر کشاف پر حواشی ہیں،

۴۔ شرح مشارق، حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار کی شرح ہے،

۵۔ ترجمہ مشارق۔ یہ مشارق الانوار کا فارسی ترجمہ ہے،

۶۔ معارف۔ یہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی مشہور کتاب عوارف المعارف کی شرح ہے، عربی میں لکھی گئی،

۷۔ ترجمہ معارف، یہ عوارف کی فارسی شرح ہے، لیکن ترجمہ عوارف کے نام سے مشہور ہے،

۸۔ شرح تعرف۔ شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری کی کتاب تعرف کی شرح ہے،

۹۔ شرح آداب المریدین (عربی) یہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر سہروردی کی مشہور و معروف تصنیف آداب المریدین کی عربی شرح ہے،

۱۰۔ شرح آداب المریدین (فارسی) آداب المریدین کی ایک فارسی شرح بھی لکھی جسکو مولوی سید حافظ عطا حسین نے اڈٹ کر کے حیدر آباد سے شائع کیا ہے،

۱۱۔ شرح فصوص الحکم۔ یہ شیخ محی الدین ابن عربی کی مشہور تصنیف کی شرح ہے،

۱۲۔ شرح تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی، یہ حضرت ابوالمعالی عبداللہ المعروف بہ عین القضاۃ کی مشہور صوفیانہ تصنیف تمہیدات کی شرح ہے،

۱۳۔ ترجمہ رسالہ قشیریہ۔ یہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری کے رسالہ کا فارسی ترجمہ ہے،

۱۴۔ خطائر القدس۔ اس کو عشق نامہ بھی کہتے ہیں، اس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں بھی ہے، (دیکھو فہرست مخطوطات فارسی مرتبہ ڈبلیو ایونیو صفحہ ۵۸۶)

۱۵۔ رسالہ استقامت الشریعت بطریقۃ الحقیقت۔ اس میں شریعت، طریقت اور حقیقت کی بحث ہے، اس کا ذکر انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں بھی ہے (دیکھو صفحہ ۱۲۰۱)

۱۶۔ ترجمہ رسالہ شیخ محی الدین ابن عربی،

۱۷۔ رسالہ سیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم،

۱۸۔ شرح فقہ اکبر۔ عربی و فارسی دونوں میں ہے،

۱۹۔ حواشی قوت القلوب۔ یہ حضرت ابی طالب محمد بن ابی الحسن بن علی کی مشہور کتاب قوت القلوب پر حواشی ہیں،

۲۰۔ اسمار الاسرار۔ اس کتاب کو جناب مولوی سید عطا حسین صاحب نے حیدرآباد سے شائع کیا ہے، اس کے متعلق خود حضرت سید گیسو دراز تحریر فرماتے ہیں:

میری کتاب اسمار الاسرار میں باطل کو نہ آگے سے آنے کا موقع ہے نہ پیچھے سے، کوئی اس سے اختلاف نہیں کر سکتا، کیونکہ اس میں توحید کی تجرید اور تفرید کے افراد کے سوا کچھ نہیں،

مولانا عبدالحق اپنی کتاب اخبار الاخیار میں رقمطراز ہیں:

"یکے از تصنیفات مشہور میر سید گیسو دراز کتاب اسمار است کہ حقائق و معارف بسیار دارد"

برمزوایا و الفاظ و اشارات بیان کردہ" (ص ۱۲۷)

اس کے بارہ میں مولوی سید عطا حسین لکھتے ہیں کہ اس کتاب کے متعلق بعض بزرگوں کا خیال بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ فن تصوف و سلوک و معارف میں ہندوستان میں اس سے بہتر اور اعلیٰ تر کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی، مبتدی، متوسط اور منتہی سب کے لیے مفید ہے، اس میں ذکر ہے، شغل ہے، مراقبہ ہے، مراتب سلوک کا بیان ہے، عشق ہے، توحید ہے، حقائق ہیں، معارف ہیں، غرض سب ہی کچھ ہے، (دیباچہ اسمار الاسرار ص ۲)

۲۱- حدائق الانس۔ اس میں معرفت کے کچھ اسرار بیان کیے گئے ہیں،

حسب ذیل کتابوں کے موضوع ان کے نام سے ظاہر ہیں:

(۲۲) ضرب الامثال (۲۳) شرح قصیدہ امالی (۲۴) شرح عقیدہ حافظیہ (۲۵) عقیدۂ چند ورق (۲۶) رسالہ دربیان آداب سلوک (۲۷) رسالہ دربیان اشارت محبان (۲۸) رسالہ بیان ذکر (۲۹) رسالہ بیان روایت رأیت ربی فی احسن صورۃ (۳۰) رسالہ دربیان معرفت (۳۱) رسالہ دربیان پردہ بست و باشد،

سیر محمدی کے مولف نے ان خلافت ناموں کو بھی تصانیف میں شمار کیا ہے، جو حضرت سید گیسو دراز نے اپنے خلفاء کو لکھ کر دیئے، ان تحریری خلافت ناموں کی تعداد چار ہے۔[1]

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے فارسی مخطوطات میں حضرت گیسو دراز کے کچھ رسائل کے یہ بھی نام ہیں: رسالہ در تصوف، شرح بیت امیر خسرو دہلوی، رسالہ اذکار خانوادۂ چشتیہ، وجود العاشقین،[2]

[1] سیر محمدی باب پنجم [2] فہرست مخطوطات فارسی، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ص ۸۵-۸۴، وجود العاشقین کا ذکر انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں بھی ہے، دیکھو ص ۱۰۲۹

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے مخطوطات میں حضرت سید گیسو دراز کی ایک تصنیف خاتمہ کا بھی ذکر ہے، یہ بظاہر تو شروع آداب المریدین کا تکملہ یا ضمیمہ ہے، لیکن اب خود ایک مستقل کتاب کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں حضرت سید گیسو دراز نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ایک سالک کے عبادات و معاملات کا لائحہ عمل پیش کیا ہے، جو آج بھی ذوق و شوق کے ساتھ پڑھی جا سکتی ہے، اس کو بھی حافظ سید عطا حسین صاحب نے بڑی محنت سے اڈٹ کرکے ایک پر مغز مقدمہ کے ساتھ حیدرآباد سے شائع کیا ہے،

مکتوبات | حضرت سید گیسو دراز کے مکتوبات کا ایک مجموعہ بھی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے جس میں ان کے ۱۱ مکتوبات ہیں، ان کے خلیفہ شیخ ابوالفتح علاءالدین نے اس کو مرتب کیا ہے۱

ملفوظات | تذکروں میں حضرت سید گیسو دراز کے ملفوظات کے چار مجموعوں کا ذکر آتا ہے، سیر محمدی میں ہے کہ حضرت سید گیسو دراز کے بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد اکبر نے دو مجموعے مرتب کیے تھے، ایک دہلی میں اور ایک سفر گجرات میں، اخبار الاخیار میں ہے:

"خدمت میر را ملفوظات است مسمی بجوامع الکلم کہ بعضے از مریدان او کہ او نیز محمد نام دارد جمع کردہ" (ص ۱۳۲)

بنگال ایشیاٹک سوسائٹی (ص ۷۰۵) انڈیا آفس (ص ۱۲۲۵) اور برٹش میوزیم (ص ۴۲) کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں جوامع الکلم کے مرتب کا نام محمد اکبر حسینی بتایا گیا ہے، جو فہرست نگاروں کی رائے کے مطابق حضرت سید گیسو دراز کے مرید تھے، لیکن جوامع الکلم کا جو مطبوعہ اڈیشن حیدرآباد سے شائع ہوا ہے، اس میں حافظ محمد حامد صدیقی صاحب نے مرتب کا نام حضرت سید گیسو دراز کے بڑے صاحبزادے سید حسین المعروف بہ سید محمد اکبر حسینی لکھا ہے، جوامع الکلم کے اس مطبوعہ اڈیشن کے مقدمہ میں ایک جگہ یہ لکھا ہے:

"مؤلف آن جواہر ثمین و درخوش آب بندۂ بندگان حضرت علیا محمد محمد اکبر حسینی" (ص ۲)

بہرحال جوامع الکلم نے بڑی مقبولیت حاصل کی، اس کے متعلق خود حضرت سید گیسو دراز نے فرمایا:

"کار این ملفوظ بجائے است، از جہت تحقیق و تدقیق گویا کہ گفتار خود را خود می نویسیم و ملفوظ خود را خود جمع کنم" (جوامع الکلم ص ۲)

اس میں ۱۰ رجب ۸۰۲ھ سے ۲۲ ربیع الثانی ۸۰۳ھ تک کے ملفوظات ہیں۔

حافظ مولوی سید عطا حسین نے خاتمہ کے دیباچہ (ص ۱۸) میں لکھا ہے کہ حضرت سید گیسو دراز کے مرید قاضی علم الدین بہروچی نے بھی گلبرگہ میں ۸۱۱ھ کے بعد ملفوظات کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

دیوان

کبھی کبھی بے ساختہ غزلیں اور رباعیاں بھی کہہ دیتے تھے۔ ان کی غزلوں اور رباعیوں کو ان کے پوتے سید ید اللہ عرف سید قبول اللہ نے ایک دیوان کی شکل میں مرتب کیا تھا۔[1]

تعلیمات

حضرت سید گیسو دراز کی تصنیف اسمار الاسرار اور ان کے ملفوظات جوامع الکلم میں تصوف کے بعض دقائق اور غوامض پر مبسوط اور مفصل عالمانہ بحثیں ہیں لیکن ان مباحث کا اجمالی ذکر خواجگان چشت اور دوسرے صوفیہ کرام کی تعلیمات کے سلسلہ میں ہو چکا ہے، اس لیے ان کے اعادہ کے بجائے حضرت سید گیسو دراز کی تصنیف خاتمہ سے ان ضوابط و قواعد کو پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کو حضرت سید گیسو دراز کے نزدیک سالکوں کی زندگی کا لائحہ عمل ہونا چاہیے، خاتمہ ۱۹۵ صفحوں پر مشتمل ہے، اور اس کی ہر سطر لائق مطالعہ ہے لیکن ان اوراق میں ان سب کو نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہے

[1] حضرت سید گیسو دراز نے دکنی زبان میں بھی عام لوگوں کو سمجھانے کے لیے بعض رسالے دکنی اردو میں بھی تصنیف کیے، ان میں سے ایک رسالہ معراج العاشقین کو مولوی (اب ڈاکٹر) عبدالحق سکریٹری انجمن ترقی اردو نے ۱۳۴۳ھ میں اورنگ آباد سے شائع کیا تھا۔

ہے، اس لیے صرف اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے،

وضو | سالکوں کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہیے ہر فرض نماز کیلیے تازہ وضو کرنا بہتر ہے۔ وضو کے بعد تحیۃ الوضو ادا کریں، بے وضو نہ سوئیں، اگر رات کے وقت بیدار ہو جائیں تو وضو کر لیں، اور دوگانہ ادا کریں، وضو کرنے میں کسی سے بات چیت نہ کریں، اور اسکا خیال رکھیں کہ انکا ہر عضو دوسرے سے علیحدہ بھی ہو اور ملا بھی[1]

نماز فجر | صبح ہونے سے پہلے اگر رات کی تاریکی باقی ہے تو رات کی باقی ماندہ نفلوں کو پورا کر لیں، فجر کی نماز اول وقت ادا کریں، فجر، عشا اور مغرب کی نمازوں میں قرأت لمبی نہ ہو، نماز میں حضور قلب مقدم ہے[2]۔ فجر کی سنت پڑھنے کے وقت سے اشراق کی نماز پڑھنے تک حتی الوسع کسی سے نہ بولیں[3]،

اشراق | اشراق سے پہلے ہلکی سی نیند لے کر آرام کریں، تاکہ بیداری شب کی تکان دور ہو جائے، اور دوسرے وقت کے اوراد و وظائف میں گرانی پیدا نہ ہو، اور مضمحل نہ رہیں، کچھ آرام کے بعد اشراق کی نمازیں ادا کریں

چاشت | اشراق کے بعد اور چاشت سے پہلے اوراد و وظائف میں مشغول رہیں، تلاوت کلام پاک بھی کریں، تلاوت کے بعد سلوک کی کتابیں پڑھیں، پھر چاشت کی نمازیں اس طرح ادا کریں کہ چار رکعتیں تو اشراق سے متصل پڑھی جائیں، چار چاشت پر وقت گذر جانے کے بعد اور چار چاشت کے زوال پر ادا کی جائیں،[4]

قیلولہ | زوال کے وقت قیلولہ کریں، تاکہ شب بیداری میں سہولت ہو[5]،

نماز فی زوال | زوال کے وقت دو رکعت نماز ادا کرکے اوراد میں مشغول ہوں، اس کے بعد تلاوت یا مراقبہ کریں، مراقبہ بہتر ہے[6]،

ظہر، عصر، مغرب | ان میں سے ہر نماز اول وقت ادا کریں، طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب کے بعد مخصوص وظائف پڑھیں[7]، عصر کی نماز سے اوابین کے ادا کرنے تک کسی سے نہ بولنا بہتر ہے[8]،

عشاء | مغرب کی نماز کے بعد، اور نمازوں کے پڑھنے سے اگر طبیعت میں کچھ گرانی محسوس ہو تو تھوڑی

---

[1] فوائد ص ۲، ۳، ۴ [2] ایضاً ص ۳ [3] ایضاً ص ۳۰ [4] ایضاً ص ۲ [5] ایضاً [6] ایضاً [7] ایضاً
[8] ایضاً ص ۱۱۳

دیر آرام کریں، پھر عشا کی نماز پڑھیں بعض صوفیہ کے نزدیک عشاء کی نماز کے لیے آدھی رات مستحب وقت ہے، آرام کے بعد عشاء کی نماز پڑھنے میں نشاط پیدا ہوتا ہے، اور بقیہ تمام رات نفل پڑھنے، ذکر اور فکر کرنے میں ذوق حاصل ہوتا ہے،[1]

معمولات شب | رات کو تین حصوں میں تقسیم کریں پہلے حصہ میں اوراد و وظائف میں مشغول رہیں، دوسرے حصہ میں سوئیں، تیسرے حصہ میں ذکر اور مراقبہ کریں،[2]

بعض صوفیہ مغرب کے وقت صرف پانی سے روزہ کھول لیتے ہیں، پھر عشا تک نوافل میں مشغول رہتے ہیں، عشا کے بعد کچھ کھاتے ہیں پھر سو رہتے ہیں،[3]

سالکوں کی نیند بھی ایک خاص قسم کی ہوتی ہے، وہ سوئیں تو اپنے وجود سے باخبر رہیں، اور سوتے وقت یہ سوچیں کہ نیند اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے، اللہ کی توفیق سے ہے، اور اللہ ہی کے لیے ہے اور اللہ ہی کی جانب سے ہے، جو نیند اللہ کو بھلائے وہ قابل مذمت ہے، بعض صوفیہ کو نیند میں ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن سے وہ بیداری میں مطلع نہیں ہوتے،[4]

کم سونے کے لیے کھانے اور پینے میں تقلیل ضروری ہے،[5]

رات کے آخری حصہ میں اٹھکر تہجد پڑھیں، تہجد کے بعد اوراد و وظائف، تلاوت کلام پاک، ذکر اور مراقبہ میں مشغول رہیں، لیکن ان سب میں مراقبہ عزیز ترین مشغلہ ہے،[6]

اگر کوئی سالک شہرت کی خاطر عبادت و ریاضت کرتا ہے تو وہ کافر ہے، اور اگر شہرت کے ڈر سے عبادت و ریاضت کو ترک کرتا ہے تو وہ ریاکار اور منافق ہے،[7]

اگر ایک سالک کمالات کے اعلیٰ درجہ پر پہنچ جائے تو بھی اپنے اوراد و وظائف کے معمولات کو ترک نہ کرے،[8]

---

[1] خلاصہ ص ۸ [2] ایضاً ص ۸ [3] ایضاً ص ۸ [4] ایضاً ص ۱۰، ۱۳ [5] ایضاً ص ۱۳ [6] ایضاً ص ۸، ۱۹
[7] ایضاً ص ۸ [8] ایضاً ص ۱۹

روزے | روزہ ارکانِ تصوف میں ہے، اس لیے صوفی کے لیے روزہ رکھنا ضروری ہے، روزے سے نفس مغلوب رہتا ہے، اور اس میں غرور اور عجب پیدا نہیں ہوتا، صوم دوام بہترین قسم کا روزہ ہے، حضرت داؤد علیہ السلام ایک روز کے وقفہ سے روزے رکھا کرتے تھے، کیونکہ صوم دوام ایک عادت بنجاتی ہے جس سے پھر کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے، بعض ہفتے میں تین روز یعنی دوشنبہ پنجشنبہ اور جمعہ اور بعض صرف دو روز یعنی پنجشنبہ اور جمعہ، بعض مہینے کے شروع اور آخر میں، بعض مہینہ کی بیسویں تاریخ اور بعض سال میں تین مہینے، بعض شوال کے پہلے چھ روز، اور بعض ایام بیض یعنی مہینے کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں تاریخ میں روزے رکھتے ہیں،[۱]

طی کے روزے | جب ایک طالب حقیقی پر عشق الٰہی کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ طی کے روزے رکھتا ہے، اس میں وہ افطار کے وقت پانی تو پی لیتا ہے، لیکن کبھی متواتر تین دن، کبھی دس دن کبھی ایک مہینے کبھی چھ مہینے اور کبھی ایک سال تک کچھ نہیں کھاتا،[۲]

اعتکاف | اعتکاف رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتا ہے لیکن صوفیہ کبھی چالیس دن، کبھی اسی اور کبھی ایک سو بیس دن اعتکاف میں بیٹھتے ہیں، چالیس دن کا اعتکاف شعبان کی آخری دسویں تاریخ اور پورے رمضان پر مشتمل ہوتا ہے، اس کو اربعین محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں، اسی دن کا اعتکاف رجب سے شروع کیا جاتا ہے، اس کو اربعین عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں، اسی طرح ایک سو بیس دن کا اعتکاف اور بھی پہلے سے شروع ہوتا ہے، اعتکاف میں ذکر اور مراقبہ برابر کرتے رہنا چاہیے،

آداب طعام | سالکوں کیلیے تقلیل طعام ضروری ہے، اور جب وہ کھائیں تو ہر لقمہ کے ساتھ بسم اللہ کہیں، بلکہ سورہ فاتحہ پڑھیں،[۳] جو چیز کھائیں وہ بالکل حلال ہو، اپنی روزی کو حلال ثابت کرنے کیلیے کوئی تاویل نہ کریں،[۴] اگر کسی جگہ دعوت ہو اور اس میں وہ شرکت کریں، لیکن کھانے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں

---

[۱] خاتمہ ص ۱۵ [۲] ایضاً ص ۱۳ [۳] ایضاً ص ۹ [۴] ایضاً ص ۵۲

یا تھوڑا ہی کھانا چاہتے ہون تو اس کو اپنے بیٹھنے کے انداز سے ظاہر نہ ہونے دین، اس سے تکبر کا اظہار
ہوتا ہے، کھانیکے وقت بائین پاؤن پر بیٹھین، اور داہین پاؤن کو اٹھائے رکھین یہ مسنون طریقہ ہے، کھانا
شروع ہو تو پہلے خود لقمہ نہ اٹھائین، بڑے لقمے سے پرہیز کرین، لقمے کو تین انگلیون سے اٹھائین، او
جب تک دوسرے لوگ بھی کھانے سے فارغ نہ ہوجائین، اپنے ہاتھ اور منہ کو کیت دیتے رہین، ہاتھ
کی انگلیون اور منہ کو کھانے کی چیزون سے آلودہ نہ کرین، پہلے روٹی اور گوشت کھائین، اس کے
ساتھ ترشی ملالین، پھر میٹھی چیز کھائین، آش ہو تو شروع یا آخر مین پئین، روٹی کو ٹکڑے ٹکڑے
کرکے دسترخوان پر نہ چھوڑین، یا تو پوری کھائین یا آدھی، زیادہ سیر ہو کر کھانے کے بجائے کچھ بھوک
باقی رہے تو کھانا چھوڑ دین، دعوت کے کھانے کی نہ زیادہ تعریف کرین اور نہ برائی بیان کرین، کھانے
کے بعد مسلسل پانی نہ پئین، لوگون کے سامنے کھانے کے درمیان یا کھانے کے بعد ڈکار نہ لین مجلس
مین خلال نہ کرین، (خاتمہ ص ۱۵ - ۱۴)

میزبانون کو اپنے مہمانون کے سامنے زود ہضم کھانے پیش کرنے چاہئین لیکن مہمانون کے
سامنے جیسا بھی کھانا آئے اس کو دیکھ کر خوش ہون اگر میزبان صاحب احتیاج ہو تو مہمان اسکی
خدمت مین کچھ زرِ نقد پیش کرین، (خاتمہ ص ۲۵)

آداب سماع | مجلس سماع کے لیے ایک علٰحدہ مکان ہو، ارباب دنیا، امرد لڑکے اور بچے اور عورتین
اس مین شریک نہ ہون، اس مین سالکون اور مریدون کو غسل کرکے، طاہر اور باوضو ہوکر، اور
سفید کپڑے پہنکر شریک ہونا چاہیے، وقار کے ساتھ بیٹھین، اور مراقبہ مین رہین، گانے والون پر
نظر نہ رکھین، اور نہ انکی موسیقی پر دھیان دین، اشعار کی ترکیب کو بھی خیال مین نہ لائین، نہ ہر لمحہ
واہ واہ کرین، اور نہ آہ آہ، گریہ طاری ہو تو ضبط کرین، زبان سے کچھ کہنا چاہتے ہون تو
اس سے پرہیز کرین، اضطراب مین پیاس معلوم ہو تو پانی نہ پئین جتنی الوسع، اپنے اعضا پر جنبش پیدا ہوتے وقت

مزامیر کے متعلق فرمایا کہ فقہا کے نزدیک حرام ہیں اسلیے ان سے سختی کیساتھ احتراز کرنا چاہیے، (ص ۳۳)
سماع کو پیشہ نہیں بنانا چاہیے، سماع کے بعد دل کو سماع کے مقصد کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے
اسی کے بعد بہت سے راز معلوم ہوتے ہیں،[۱] (خاتمہ ص ۷۸-۷۰)

احترام شیخ — ایک مرید جب اپنے پیر کی مجلس میں حاضر ہو تو اسکو اس طرح دیکھے جیسے کوئی اپنے محبوب کو دیکھتا ہو،
پیر کے سامنے کسی قسم کی بے ادبی نہ کرے، پشت اسکی طرف نہ ہونے دے، اسکے زیر و کھڑا ہو تو نظریں اپنے پاؤں
پر رکھے بیٹھا ہو تو دائیں بائیں نہ دیکھے، زور سے نہ بولے، اور نہ کسی کو زور سے پکارے، پان نہ کھائے، ہاں
اگر پیر کیطرف سے عطا ہو تو کھائے، اگر کھانا کھانے کا اتفاق ہو تو لقمہ چھوٹا اٹھائے، اور کھاتے وقت ایک دانہ
بھی نیچے نہ گرنے دے، اپنی انگلیوں کو کھانے سے آلودہ نہ کرے،

ایک مرید دنیاوی کاموں میں اپنے پیر کو اپنی ہی طرح یا اپنے سے بھی کمتر سمجھے لیکن امور الٰہی میں
اس کو پیغمبروں اور احمد خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام سمجھنا چاہیے،
پیر کی مجلس کو ... تصور کرنا چاہیے، ایک مرید اپنے پیر کی باتوں کو شریعت کی میزان پر تولے، اگر اس کے
مطابق ہوں تو ان پر عمل کرنا ضروری ہے، اور اگر کوئی بات بظاہر شرع کے خلاف ہو تو اس پر غور و تامل کرے
اور اگر اس میں کوئی خاص عذر یا راز معلوم ہو تو اس پر عمل کرے، کیونکہ پیر بعض ایسے حقائق سے واقف
ہوتا ہے جن سے ایک مرید بالکل ناواقف ہوتا ہے،

ایک مرید پیر کے سامنے مراقبہ یا ذکر میں مشغول نہ ہو لیکن کسی حال میں بھی پیر سے غافل نہ رہے، پیر سے
غافل رہنا بڑی محرومی ہے، ایک مرید جہاں بھی ہو، اسکا دل پیر کے تصور سے خالی نہ ہو، پیر کا نام ہر وقت زبان
پر ہو، اور رفتار، گفتار، وضع قطع میں اس کا اتباع ضروری ہے، اسکا ایک حکم بجا لانے سے مرید ایسے مقام پر
پہنچ جاتا ہے جہاں وہ سو سال کی عبادت سے نہیں پہنچ سکتا ہے، پیر جس کام کا حکم دے مرید سمجھے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ
کی اجازت سے صادر کیا گیا ہے،

[۱] حضرت سید گیسو دراز نے صوفیہ کرام کے خاص قسم کے رقص کی بھی کچھ تفصیل بتائی ہے،

اگر کوئی شخص اپنی گفتگو میں اشارۃً و کنایۃً بھی کسی کے پیر کی اہانت کرتا ہو تو اس سے مرید اسی طرح دور رہے
جس طرح کہ ایک زاہد شیطان سے دور رہتا ہے،
اگر پیر کی طرف سے کوئی لباس یا کپڑا ملے تو اسکو بڑے احترام سے رکھے پیر کے بیٹھنے کی جگہ کا بھی پورا احترام کرے،
پیر کی زندگی میں کوئی مرید کسی دوسرے پیر کی تلاش نہ کرے، اگر پیر مرید کو نامشروع کاموں کی دعوت دیتا ہو
تو مرید ایسے پیر کو چھوڑ دے لیکن اس طرح کہ پیر کو معلوم نہ ہو کہ اسنے بد اعتقادی کی وجہ سے علیحدگی اختیار کی ہے

احترام شریعت | ایک مرید حقیقت و طریقت کو شریعت کا شارح نہ سمجھے، بلکہ ان میں ہر ایک کو دوسرے کا خلاصہ
تصور کرے جس طرح اخروٹ کا مغز اخروٹ کے چھلکے سے بظاہر مختلف معلوم ہوتا ہے پھر بھی مغز کا جز چھلکے
میں اس طرح ملا ہوا ہے کہ اس سے بھی تیل نکالا جاتا ہے، اسی طرح حقیقت، طریقت اور شریعت تینوں ایک ہی ہیں،[۵۲]

تزکیہ اخلاق | جب تک ایک شخص تمام دنیاوی چیزوں سے فارغ نہ ہو جائے راہ سلوک میں گامزن نہ ہو (ص ۹۱)
اور جب وہ کسی کا مرید ہو کر خلوت میں بیٹھے تو اپنے اور دوسروں کے تمام حقوق ادا کرے، اسکے پاس عورتیں اور
بیویاں اور کنیزیں زیادہ نہ ہوں، اس میں مطلق ریا اور غصہ نہ ہو، دنیا داروں کی مجلسوں اور محفلوں سے دور رہے،
وراثت میں جو مال اور دولت ملنے والی ہو اس سے بھی باز آئے، اگر کوئی اسکا مال بھی لے لے تو اسکے لیے
شور و غوغا نہ کرے (ص ۱۰۰) وہ کسی دوسرے کے خیر و شر سے واسطہ نہ رکھے (ص ۱۰۲) اسکے دل میں جتنی ہوس
ہو اسکو دور کرے، اگر دور نہ ہو تو مجاہدہ و ریاضت کرتا رہے (ص ۱۰۳) اسکو ہمیشہ اپنی موت کا منتظر رہنا چاہیے
(ص ۱۱۱) ایسی تفریح سے جو جائز بھی ہو پرہیز کرے (ص ۱۱۵) آج کا کام کل پر اٹھا نہ رکھے (ص ۱۱۶) کسی حال
میں اپنے نام کی شہرت نہ دے (ص ۱۲۱) بازار صرف شدید ضرورت کے وقت جائے (ص ۱۲۲) فقہائے طہارت
و لطافت کی جو باتیں بتائی ہیں ان پر عمل کرے، ان سے زیادہ عمیق [illegible] کی بات [illegible] (ص ۱۲۳) گرسنگی،
تشنگی، اور شب بیداری کو دوست رکھے (ص ۱۲۶) غلاموں اور کنیزوں سے سختی سے پیش نہ آئے (۱۲۶)
لوگوں کی آمد و رفت اپنے یہاں زیادہ نہ ہونے دے [illegible] پیروں کی صحبت گزیدہ کرے (۱۲۹) اگر کوئی دولت

۵۱ فوائد الفواد ص [illegible] ۵ اسی طرح پیر اور مرید کے تعلقات [illegible] کی خاطر رکھنے سے قاصر ہو رہے
ہیں، ۵۲ ایضاً ص [illegible]

مسلسل اسکو کھانا لا کر دے تو تیسرے وقت اسکی صحبت سے احتراز کرے کیونکہ فاقہ نفس کی شکستگی کیلیے ضروری ہے (ص ۱۲۵) مصیبت کے وقت مضطر اور مضطرب نہ ہو کسی حال میں نہ روئے، روئے بھی تو اسکے لیے کہ کہیں منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے اسکو موت نہ آجائے (ص ۱۳۶)، اپنی درازی عمر کیلیے خداوند تعالیٰ سے دعا کرے تا کہ راہ سلوک میں اسکو ترقی درجات حاصل ہو (ص ۱۳۶) سخت ضرورت کے وقت مثلاً مہمان کے آنے یا حقوق ادا کرنے یا صلہ رحمی کیلیے یا غایت گرسنگی کی حالت میں قرض لے سکتا ہے لیکن قرض ادا کرنے کی کوشش میں لگا رہے (ص ۱۴۳) پند و نصائح کا فرض انجام نہ دے، کیونکہ یہ کام کاملوں کا ہے بلکہ یہ کوئی کتاب لکھنے کی بھی کوشش نہ کرے، کیونکہ یہ کام عارفوں کا ہے (ص ۱۴۸-۱۴۹) زیادہ تر خاموش رہے (ص ۱۵۱)

شرکت جہاد

ضرورت کے وقت ایک سالک جہاد میں بھی شرکت کر سکتا ہے لیکن اس نیت سے شریک نہ ہو کہ اسکو درجہ شہادت ملے گا، اور زندہ رہ گیا تو ثواب ملے گا، یہ نیت مستحسن ضرور ہے لیکن ایک سالک کی نیت اس سے ماوراء ہونی چاہیے، وہ جہاد میں صرف خداوند تعالیٰ کی خاطر شریک ہو، وہ جہاد میں اپنی تلوار کو سیف اللہ، اپنے تیر کو سہم اللہ اور اپنے سنان کو سنان اللہ سمجھے، (ص ۱۸۰-۱۸۱)

شاہی ملازموں کا اخلاق

اگر کوئی سالک بادشاہ کا ملازم ہے اور اسکو کوئی نامشروع کام کرنے کو کہا جائے تو ایسی ملازمت اس کیلیے حرام ہے، سالک اگر ملازمت میں رہے تو رعایا کیساتھ معاملات میں اسی طرح پیش آئے جیسے وہ اپنے باپ کے ساتھ پیش آتا ہو، رات کو ذکر و فکر میں مشغول رہے لیکن دن کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا کوئی کام نہ چھوڑے، اپنی ملازمت کو اسلیے برقرار رکھے کہ اسکے ذریعہ مسلمانوں خصوصاً کمزوروں اور عاجزوں کو نجات دلا سکے گا، مال و دولت کی ہوس نہ کرے، نامشروع کپڑے مثلاً ریشمی قبا، ریشمی موزہ اور کلاہ زریں نہ پہنے، اگر بادشاہ نامشروع کپڑے عطا کرے تو اسکے سامنے پہن لے پھر باہر آکر اتار دے اگر تبرک سے زر بادشاہ کے سامنے ایسے کپڑے پہنکر جانے کی رسم ہو تو پہن لے لیکن فقہا کے نزدیک یہ بھی مرجوح ہے، (خاتمہ ص ۱۸۵-۱۸۶)

بادشاہ کا اخلاق

اگر کوئی بادشاہ راہ سلوک میں گامزن ہو تو وہ سلطان ابراہیم ادھم، معاویہ ثانی اور [illegible]

بن سکتا ہے، لیکن اگر وہ بادشاہی کیلیے موزون ہو تو پھر اسی فرض کو انجام دے، سلوک کی طرف مائل نہ ہو، اور حکومت مین
ایسے متدین اور صالح لوگون کو عہدہ دار مقرر کرے جو شرعی احکام کو نافذ کرا سکین، اور اسکو باخبر رکھین کہ احکام شرعی پر
عمل ہو رہا ہے، اگر اسکی حکومت مین کوئی مسلمان زکوٰۃ نہ دیتا ہو تو سختی سے وصول کرے، اور اگر زکوٰۃ دینے مین حیلہ
کرتا ہو تو چند تازیانے بھی لگائے، وہ اس پر نظر رکھے کہ اسکی سلطنت مین کوئی شراب یا دوسری نشہ آور چیزین نہ پیے اسکے
اگر کوئی پیتا ہو تو اس کو اسی کوڑے لگائے، فقیرون، کمزورون، یتیمون، اور عاجزون، لنگڑون، گونگون اور بیواؤن
کی پوری خبرگیری کرے، ان کو برباد ہونے سے بچا لینے سے زیادہ کوئی مشکل کام نہین۔

بادشاہ اگر راہ سلوک مین گامزن ہو تو اپنے نفس اور جسم کو اعلاے کلمۃ الدین کیلیے وقف کردے اور دل کو خداوند تعالیٰ کے
کے جلال، عظمت اور قہر کے تصور مین مشغول رکھے، وہ اپنے کو جتنا ہی زیادہ ذلیل سمجھے گا اتنا ہی زیادہ خداوند تعالیٰ سے قریب تر ہوگا۔

خلفاء | حضرت گیسو دراز کے بعض خلفاء کے اسماے گرامی یہ ہین: مولانا علاء الدین گوالیری (ابتدا مین سلطان محمد تغلق کو
پڑھایا کرتے تھے، گوالیر مین فتوی نویسی کے عہدہ پر مامور تھے، آخر مین کالپی چلے آئے تھے اور یہین رحلت فرمائی) شیخ صدر الدین
خوندمیر (انکے والد بزرگوار اور دادا ایرچ کے شیخ الاسلام تھے) قاضی اسحق محمد (جھترہ کے مفتی تھے) قاضی محمد سلیمان،
قاضی علیم الدین بن شرف (مزار پاک پٹن مین ہے) حضرت سید محمد اکبر (حضرت سید گیسو دراز کے بڑے صاحبزادے) حضرت
ابو المعالی بن سید احمد (حضرت سید گیسو دراز کے سالے اور خادم تھے، مزار گلبرگہ شریف مین ہے) خواجہ احمد (وزیر سلطان
فیروز بہمنی کے وزیر تھے) مولانا ابو الفتح بن مولانا علاء الدین گوالیری (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۹۰ مین ہے کہ صاحب
تصنیف تھے، انکی کتابون کے نام یہ ہین: عوارف المعارف، تکملہ، نحو، شاہدہ، تصرف۔ مزار کالپی مین ہے) حضرت
سید یوسف (حضرت سید گیسو دراز کے صاحبزادے تھے) حضرت سید ید اللہ (حضرت سید گیسو دراز کے پوتے تھے)
قاضی [illegible] (گلبرگہ کے قاضی تھے) شیخ زادہ شمس الدین، مولانا بہاء الدین (جو حضرت سید گیسو دراز کی نماز دن
کی امامت کرتے تھے) ملک زادہ عز الدین، ملک شہاب الدین۔

---

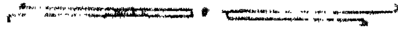
۱۵ [illegible] ان کی تفصیل کیلیے دیکھیے [illegible]

غلط نامہ بزم صوفیہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۵	۸	متصوف	مستصوف	۲۷۴	۴	گلشن زار	گلشن راز
۲۶	۱۵	شیخ امین الدین	قلمزد کر دیجئے	۱۹۹	۳	ایک طرف سے	ایک طرف
۵۵	۷	رکن ستون	رکن وستون	〃	۱۱	سچائی اختیار کرنیوالی	سچائی اختیار کرنے
۶۷	۱۲	واقعہ	یہ واقعہ	۲۱۰	۱۴	اس وقت	اس وقت بھی
۷۰	۸	معرض خطرہ	معرض خطر	۲۱۶	۱۱	جھجو	چھجو
۷۶	۱۲	رہے	رہتے	۲۲۹	۱۰	ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ	قلمزد کر دیجیے،
۷۸	۱۵	ہاؤن	پاؤن	۲۳۱	۱۲	ابوالحس	ابوالحسن
۹۰	۴	بارہ سال ہوئے	بارہ سال کے ہوئے	۲۳۴	۱۱	موجودہ سجادہ نشین	
۱۰۰	۱	سلطان التمش	سلطان التمش یہ دیکھکر	۲۴۱	۱۳	سید نورالدین	مولانا سید نورالدین
۱۰۳	۱۵	جنازہ کی نماز پڑھی	اسپر حاشیہ ہو ۲ راحت القلوب صفحہ ۵	〃	۱۹	کرتا ہون	کرتا ہو
۱۲۰	۱	گنج شکر	بابا گنج شکر ؒ	۲۵۶	۱۳	یلتتمش	التتمش
۱۴۲	۵	سیرالاولیاء	اسرارالاولیاء	۲۹۲	۴	این بزرگ	این بزرگ را
۱۴۴	۵	سیرالاولیاء	اسرارالاولیاء	۳۰۰	۱۸	ہیں بھی	بھی ہے
۱۴۹	۵	اوران تمام	پیر کے تمام	۳۰۳	۱۴	سنائی	سنامی
〃	۱۰	صوفی کی زندگی	یہ سطر سر سطر ہی جسکی نفلی سرخی ذکر حق ہونی چاہیے	۳۲۱	۴	نسبا	نسباً

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۵۰	حاشیہ	سیرۃ اشرف	سیرۃ الشرف	۴۶۲	۵	معروف الدنیوی	معروف الدیموی
۳۵۱	حاشیہ	سیرۃ اشرف	سیرۃ اشرف	"	"	خحدی	خجندی
۴۱۳	۱۲	ایک سالک کے دونون	ایک سالک دونون	۴۰۰	۹	زیادتی ہے	زیادتی سے
۴۰۵	۱۶	دین تقین	دی تقین	۵۰۰	۱۴	ترجمہ معارف	ترجمہ عوارف

نقطے اور مرکز کی غلطیون کو ناظرین خود ہی درست فرما لین ،



مصنف کی ایک اور کتاب

بزم تیموریہ

بابر ایک بے مثل اہل قلم تھا، ہمایون نے شعر وشاعری کے علاوہ ہیئت ونجوم کی بھی انجمن آرائی کی، اکبر کا عہد علوم وفنون کی روشنی سے جگمگا اٹھا، جہانگیر نے ادب وانشاء کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء اور فضلاء کو سیم وزر مین تلوایا، عالمگیر نے معارف پروری اور انشاء پردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کیے، تیموری دور کے آخری بادشاہون نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی، بہادر شاہ ظفر نے عروس سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شہزادون اور شہزادیون نے بھی علم وادب کی محفلین سجائین، دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء نے شاہانہ سرپرستی مین گوناگون کمالات دکھائے، ان سب کی تفصیل اس کتاب مین ملاحظہ فرمایئے،

ضخامت :- ۵۰۴ صفحے

قیمت :- معہ

منیجر

(طابع وناشر صدیق احمد)